چنگیز خان

الیاس سیتاپوری








چنگیز خاں
الیاس سیتاپوری

CHANGEZ KHAN
By
ILYAS SITAPURI
EDITION 1996
PRICE "H.B."Rs.45/-
PRICE "P.B."Rs.25/-
KITAB WALA
2794, GALI JHOT WALI
PAHARI BHOJLA, DELHI-110006

نام ناول : چنگیز خاں
مصنف : الیاس سیتاپوری
سن اشاعت : ۱۹۹۶ء
قیمت مجلد : ۴۵/۰ روپے
قیمت رف ایڈیشن : ۲۵/۰ روپے
مطبوعہ : فائن آفسٹ پریس، شاہدرہ، دہلی ۳۲
ناشر : کتاب والا۔ ۲۷۹۴
گلی جھوت والی، پہاڑی بھوجلہ، دہلی ۶

صحرائے گوبی کے اس پار جسے منگولیا کہتے ہیں اپنی جغرافیائی اور طبعی کیفیات میں گوبی سے مختلف نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے منگولیا بھی کسی زمانے میں صحرائے گوبی کا ایک حصہ تھا۔ یہاں بھی کہیں کہیں چراگاہیں تو تھیں مگر اونچے اونچے درخت ناپید تھے۔ یہیں ایک حصے میں جھیل بیکال پائی جاتی تھی اور برخان کلدون نامی پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ اس حصے میں صنوبر کے درختوں کا جنگل تھا۔ بس یہی ایک حصہ سرسبز و شاداب تھا۔ لیکن اس کے عقب میں مغرب کی طرف بے آب و گیاہ طویل سلسلۂ زمین تھا جو صحرائے گوبی تک چلا گیا تھا۔

منگولیا کی وسیع و عریض سرزمین پر بے شمار وحشی قبائل سائے کی طرح حرکت کرتے نظر آتے۔ عربوں کی طرح یہاں بھی قبائلی نظام تھا اور ہندوستان کی طرح یہاں بھی کچھ قبیلے زیادہ معزز اور نامور تھے۔ کچھ کم عزت دار تھے اور کچھ بالکل گئے گزرے تھے۔

ان میں قرایت نامی قبیلہ سب سے زیادہ نامور اور عزت دار تھا اور اس قبیلے کی سرداری طغرل خان نامی شخص کے ہاتھ میں تھی۔ صحرا کے سارے قبائل اس کی برتری کے قائل تھے اور اس کی طاقت سے خوف زدہ رہتے تھے۔ یہیں بور ہیجن نامی قبیلہ بھی پایا جاتا تھا۔ اس قبیلے کی سرداری یسوکائی نامی شخص کے ہاتھ میں تھی اور اس سردار کی سرپرستی میں اس کی قوم کے چالیس ہزار یورت تھے۔ منگولوں کی زبان میں خیمے کو یورت کہتے تھے۔

اس صحرا میں طاقت، قوتِ برداشت، بے رحمی اور چالاکی بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ جو کمزور ہوتا اس کی زندگی کی ضمانت کوئی نہیں لیتا تھا۔ قوتِ برداشت نہ ہونے کا یہ مطلب تھا کہ وہاں کا کوئی بھی سخت موسم اس کو ہلاک کر سکتا تھا۔ رحم دلی کے یہ معنی لئے جاتے تھے کہ جو شخص کسی کو معاف کرے گا وہی اس کو ہلاک کر دے گا۔ سیدھے سادے اور بھولے بھالے انسان کے لئے تو وہاں سرے سے کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ کوئی طاقتور قبیلہ کسی کمزور قبیلے پر ظلم کر کے نکل جاتا تھا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے کمزور قبیلے کے انتقام سے محفوظ رہے گا۔ یہ طاقتور ہمیشہ مظلوم کمزور قبیلے کی یادداشت میں محفوظ رہتا اور وہ جب بھی موقع پاتا، انتقام لینے سے گریز نہ کرتا۔

یہاں کے خشک و ویران علاقوں میں یہ قبائل اِدھر اُدھر حرکت میں رہتے تھے۔ ان کے نوعمر لڑکے گھوڑوں پر سوار اِدھر اُدھر بھاگے پھرتے تھے۔ ان کی گھڑسواری کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا تھا کہ وہ شوقیہ گھڑسواری کر رہے ہیں یا انہیں سیر سپاٹے کا شوق ہے بلکہ یہ لڑکے قبائلی دستور کے مطابق پانی اور چراگاہوں کی تلاش میں نکلتے تھے اور ان کا پتا چلا کے اپنے قبیلے کے لوگوں کو اس کی خبر کر دیتے تھے۔ لڑکوں کے ذمے یہی خدمت تھی اور وہ اپنی خدمت انجام دینے سے کسی صورت باز نہیں رہ سکتے تھے۔

قبائل کے پاس اپنے مویشیوں کے گلے ہوتے تھے اور یہی ان کا سب سے بڑا سرمایہ تھا۔ ان کی زندگی کا دارومدار انہی مویشیوں پر تھا۔ وہ ان میں اضافہ تو کر سکتے تھے لیکن ان میں کمی کو فکر و تشویش کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ ان مویشیوں کا دودھ پینے کے کام آتا۔ اسی دودھ کو وہ اپنے طریقوں سے پنیر کی شکل میں محفوظ کر لیتے جنہیں بچے بڑے شوق سے کھاتے۔

انہیں غلہ قافلوں کی لوٹ مار سے حاصل ہو جاتا یا پھر جنوب کے دور دراز شہروں سے غلہ حاصل کیا جاتا لیکن چین کے خاص شہروں تک ان کی رسائی ناممکن ہو گئی تھی۔ شمالی چین کے بادشاہوں نے اپنے شہروں کو ان خونخوار قبائل سے بچانے کے لئے ایک دیوار کھڑی کر دی تھی۔ یہ دیوار کہیں کہیں تو پچاس فٹ تک بلند تھی اور کہیں محض بارہ فٹ تک۔ چوڑی اتنی تھی کہ بیک وقت پانچ چھ گھڑسوار ان پر اپنے گھوڑے دوڑا سکتے تھے۔ آٹھ سو سال

پہلے بھی یہ دیوارِ چین کہلاتی تھی اور اسے آج بھی دیوارِ چین کہا جاتا ہے۔

جب تک چین کے شہری ان دیواروں کے پیچھے رہتے تھے محفوظ رہتے۔ لیکن جب وہ ان کے باہر نکل جاتے تھے تو کوئی ان کی ضمانت نہیں لے سکتا تھا۔ دیوار کے باہر اناج کی تلاش میں آنے والے یہ وحشی مویشیوں کے دودھ اور کھالوں کی عوض اناج لے کر واپس چلے جاتے۔ یہ لوگ کوشش کرتے کہ ان کا یہ اعتماد برقرار رہے۔ ان کی طبیعتوں میں موجود حرص و طمع انہیں مجبور کرتا کہ وہ لین دین کے بجائے لوٹ مار سے اپنا مقصد حاصل کرلیں مگر وہ بہت جبر اور احتیاط سے کام لیتے اور لوٹ مار سے گریز کرتے۔ جاہل اور وحشی ہونے کے باوجود انہیں یہ اندازہ تھا کہ وہ لوٹ مار سے اپنا اعتماد کھودیں گے اور موقتی بازار اجڑ جائیں گے اور ان کے اجڑ جانے سے وہ ناقابلِ بیان پریشانیوں کا شکار ہوجائیں گے لیکن جو قافلے ان دیواروں کے سائے میں سفر کرتے ان کی کوئی بھی ضمانت نہیں لے سکتا تھا۔ یہ ان کی خوش قسمتی ہوتی کہ وہ ان علاقوں سے صحیح سلامت بچ کر نکل جاتے۔

یہ قبائل جب کسی قافلے کو لوٹتے تو انہیں قافلوں سے جو کچھ بھی مل جاتا وہ ان کے کام کا ہوتا۔ اناج کھانے کے کام آتا۔ قالین خیموں میں بچھائے جاتے، کپڑے کہیں بیچ دیے جاتے۔ اسی قسم کا دوسرا سامان جو وہ خود استعمال کرسکتے، استعمال میں لاتے بقیہ شہریوں کو دے کر اس کے بدلے اناج یا ہتھیار حاصل کرلیتے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے پاس بے جوڑ اشیا کی فراوانی تھی۔ مختلف جسامت کی کمانیں، مختلف ناپ کے تیر، مختلف ساخت کے خنجر اور مختلف شکلوں کی تلواریں۔ انہیں نمدوں کی بڑی ضرورت رہتی تھی۔ ان نمدوں سے وہ اپنے مویشیوں کو بارش اور سردی سے بچاتے تھے۔

یہاں کے مرد قافلے لوٹتے اور ان قبیلوں کی عورتیں مویشیوں کے فضلے میں گھاس پھوس ملا کر اپلے تھاپنا شروع کردیتیں۔ انہیں دھوپ میں سکھایا جاتا اور لکڑیوں کی جگہ انہیں جلایا جاتا۔ ایک عام قبائلی اور قبیلے کا سردار دونوں ہی اپنے کھانے اسی کی آگ سے



تیار کرتے تھے۔

ان کے مرد شکار کی تلاش میں نکل جاتے اور شکار میں جو جانور ہاتھ آتا وہ ان کی غذا میں کام آتا۔ گیدڑ لومڑی' ریچھ' بھیڑیا کسی جانور کی تخصیص نہ تھی۔ ان کی کھالیں اتار کر ان کے اندر کے فضلے والے حصوں کو دور کر کے ان کا گوشت دیگ میں ڈال دیا جاتا۔ ایک ہی دیگ میں ریچھ' لومڑی' گیدڑ' بھیڑیے اور دوسرے جانور پک جاتے تھے اور پھر سب بیٹھ کر مزے لے لے کر کھاتے تھے۔ کھانے میں ترتیب یہ ہوتی تھی کہ مرد سب سے پہلے کھاتے تھے۔ عورتیں ان کے بعد اور بچے سب سے آخر میں۔ یہ بچا ہوا کھانا کبھی کبھی بچوں کے لئے اس قدر ناکافی ہوتا تھا کہ اس کے لئے انہیں آپس میں چھین جھپٹ سے کام لینا پڑتا تھا اور وہ کتوں کی طرح آپس میں غراتے اور لڑتے جھگڑتے تھے۔

موسم سرما رخصت ہو رہا تھا اور جھیل بیکال کے چاروں طرف اونچی اونچی گھاس میں شمالی ٹنڈرا سے آنے والے پرند پناہ لے رہے تھے۔ گو کہ یہاں گرمی کے موسم میں بھی کبھی کبھی برف باری ہو جاتی تھی مگر پرندوں کی طرح یہاں آباد قبائل بھی ان موسموں کے خوگر تھے اور اچانک تبدیل ہو جانے والا موسم انہیں پریشان نہیں کر سکتا تھا اور ان کی بھاگ دوڑ میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔

معلوم نہیں انہیں کس نے یہ شعور دے دیا تھا کہ یہ وحشی اپنے خاندانوں میں شادیاں نہیں کرتے تھے۔ شادی کے لئے دوسرے قبیلوں کی لڑکیوں پر نظر رکھی جاتی۔ ہر قبیلے میں اپنے شامان ہوتے تھے۔ یہ شامان قبائلی نجم ہوتے تھے اور اپنے سرداروں کو اپنی پیش گوئیوں سے ڈراتے بھی تھے اور خوش بھی کر دیتے تھے اور ان میں وہ گویے بھی تھے جو یک تارا لئے گاتے بجاتے رہتے تھے۔ انہیں اپنے قبائلی سورماؤں کی داستانیں ازبر ہوتی تھیں اور انہی کے گیتوں سے قبیلے کی نسلوں کو معلوم ہوتا تھا کہ اس قبیلے کے کس آدمی نے کب کیا کارنامہ انجام دیا تھا۔

بورجیجن قبیلے کے ایسے ہی ایک گویے نے ایک دن یسوکائی سے ایک دوسرے قبیلے کی حسین نوجوان لڑکی اولون کا ذکر اشعار کی شکل میں کیا۔ یسوکائی کو دلہن درکار تھی اور اس گویے نے یسوکائی کا یہ مسئلہ حل کر دیا تھا۔ اس نے یسوکائی کو بتایا کہ یہ لوگ آج کل جھیل بیکال کے مشرق میں ایک ماہ سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس نے اولون کو خود دیکھا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار قبیلے کے دوسرے جوانوں کے ساتھ کسی شکار کا پیچھا کر رہی تھی۔ اس کے لمبے بال اور بھوری آنکھیں گویے کو بہت پسند آئی تھیں۔ قبیلے کے جتنے جوان اس کے ساتھ تھے سبھی اس کے عاشق معلوم دیتے تھے۔ اس گویے کے یک تارے نے ان شکاریوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا وہ شکار کھیلنے کے بعد واپس ہوتے ہوئے اس کے پاس سے گزرے تو اولون کا ایک جوان ساتھی اس گویے کے پاس رک گیا۔ یہ جوان ساتھی بھی اپنے قبیلے کا گویا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو اپنے بارے میں بتایا اور جب اس دوسرے جوان گویے کو یہ معلوم ہوا کہ یک تارے پر گانے والا شخص بورجیجن کے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے تو وہ بہت خوش ہوا کیونکہ یہ قبیلہ اپنے دراز قد اور بھوری آنکھوں کی وجہ سے بہت مشہور تھا اور اولون بھی بھوری آنکھوں والی تھی۔

اولون کے گویے نے یسوکائی کے گویے سے کہا "تم لوگ اپنی بھوری آنکھوں پر ناز نہ کرنا۔ ہمارے قبیلے میں بھی کئی بھوری آنکھوں والے موجود ہیں۔ ان میں کی ایک مثال اولون ہے۔ تم خود اس کی بھوری آنکھیں دیکھ سکتے ہو۔"

گویے نے اولون کو دیکھا اور پوچھا "اس کی شادی ہو گئی ہے؟"

دوسری طرف سے جواب ملا "ابھی نہیں لیکن اسی موسم گرما میں اس کی شادی ہو جائے گی۔"

یسوکائی کے گویے نے اپنے سردار کے جد امجد کا فخریہ ذکر کیا۔ "تم لوگوں نے قبل خان کا نام تو سنا ہو گا۔ جس نے ایک بار ملک خطا کے چینی بادشاہ کی بھرے دربار میں داڑھی نوچ لی تھی۔"

اولون کا ایک جوان ساتھی ان باتوں سے تنگ آیا ہوا تھا۔ اس نے قبل خان کا مذاق اڑایا اور کہا "ہاں ہم نے قبل خان کا نام سنا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس نے جس بادشاہ کی داڑھی نوچی تھی اس بادشاہ نے قبل خان کو زہر دے کر مروا دیا تھا۔"

یسوکائی کے گویے نے اولون سے کہا "لڑکی تجھے یسوکائی سے اچھا شوہر نہیں مل سکتا۔"

ان لوگوں نے اولون کو جواب کا موقع ہی نہ دیا اور اولون کو ساتھ لے کر اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے۔ گویے نے ساری باتیں یسوکائی کو بتا دیں اور کہا "اولون ہر طرح آپ کی بیوی بننے کے لائق ہے اس لئے آپ کا فرض ہے کہ اس کو زبردستی اٹھوا لیں۔"

یسوکائی کے دل میں بھی اولون کے لئے تحریک پیدا ہوئی۔

گویے نے اولون کی اتنی تعریفیں کر دی تھیں کہ یسوکائی اس کو زبردستی اٹھا لانے کے لئے بے قرار نظر آنے لگا۔

ان دنوں وہ اپنے قبیلے کے ساتھ جہاں ٹھہرا ہوا تھا وہاں سے اولون کے قبیلے والے زیادہ دور نہیں تھے۔ وہ کئی ہفتے اولون کے بارے میں غور کرتا رہا۔ وہ ایک لڑکی کی خاطر اپنے قبیلے پر جنگ مسلط نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر گویے کے بار بار اصرار نے اس پر آمادہ کر دیا کہ وہ اس غیر معمولی لڑکی کو زبردستی اٹھا لائے لیکن پھر یہ سوچ کر سست پڑ گیا کہ زبردستی اٹھا لانے کے بعد بھی اگر اولون نے یسوکائی کو پسند نہ کیا تو کیا ہو گا۔

چالاک گویے کے پاس اس کا بھی جواب تھا۔ اس نے کہا۔ "ہمارے قبیلے میں بہت سی ایسی عورتیں موجود ہیں جو اٹھا کر لائی گئی تھیں۔ انہوں نے شروع شروع میں تو بڑا واویلا مچایا مگر بعد میں حالات سے سمجھوتا کر لیا۔ اب وہ اسی قبیلے کی فرد ہیں۔"

گویے کا طرز استدلال بالکل درست تھا۔ قبیلوں میں عشق بازی کا کوئی رواج نہ تھا۔ ان کو جو لڑکی جہاں پسند آ جاتی تھی' اٹھا لی جاتی تھی اور ان سے نسلوں کا سلسلہ چلتا تھا۔ اور مردوں کی طرح

اٹھائی جانے والی عورتیں بھی اپنے اپنے روایتی ماضی کو بھلا دیتی تھیں۔ ان میں ایسی عورتیں بھی موجود تھیں جو کئی کئی بار اٹھائی گئی تھیں اور کئی کئی قبیلوں کے شوہروں کے پاس رہ چکی تھیں۔

یسوکائی پر یہ ساری حقیقتیں واضح تھیں۔ اور جب یہ طے پا گیا کہ اولون اس کی بیوی بنے گی تو اس نے اپنے کئی آدمی اس قبیلے کی طرف بھیج دیے کہ وہ وہاں جائیں اور اولون کا خیمہ دیکھیں۔ اس کے آس پاس خیموں کی تعداد معلوم کریں اور کسی طرح یہ بھی معلوم کریں کہ اولون کی شادی ہو گئی ہے یا نہیں اور اگر شادی ہو گئی ہے تو وہ دلہن بن کے کس قبیلے میں چلی گئی ہے۔

ان چند مخبروں کے ساتھ قبیلے کا گویا بھی گیا اور دس گیارہ دن کے بعد یہ معلومات لے کر آیا کہ اولون کا قبیلہ اس وقت تک یہاں پڑاؤ ڈالے پڑا رہے گا جب تک اولون کی شادی نہیں ہو جاتی۔

اولون کی شادی تائی جوت قبیلے کی ایک شاخ کے سردار سے ہو رہی تھی۔ یہ جوان اپنے باپ کی موت کے بعد اپنے قبیلے کا نیا نیا سردار مقرر ہوا تھا۔

یسوکائی کو احساس ہوا کہ تائی جوت بہت مضبوط قبیلہ ہے اور اولون کو اٹھا لانے سے اس کا قبیلہ ایک مستقل خطرناک صورت حال سے دوچار ہو جائے گا لیکن فوراً ہی اسے اپنے قبیلے کی برتری کا احساس ہوا۔ یاکا قبیلہ بھی اپنے چالیس ہزار خیموں کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتا تھا۔ وہ خود بورجیگن کی نسل سے تعلق رکھتا تھا جو اپنی بھوری آنکھوں کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے تھے۔

شام کو گول خیموں کے روشن دانوں سے دھواں نکلنے لگا۔ اور قبیلے کی عورتیں کھانا پکانے میں مشغول ہو گئیں اور دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد قبائلی مرد اپنے اپنے خیموں کی طرف لوٹنے لگے۔ یسوکائی نے اپنے مقصد کے لئے اس وقت کا انتخاب کیا تھا۔ زیادہ نہیں، صرف پینتیس جوان اپنے ساتھ لئے اور اولون کو حاصل کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔

یہ بھی عجیب اتفاق کی بات تھی کہ اولون دلہن بنی بیٹھی تھی اور اپنے شوہر کا انتظار کر رہی تھی۔ کسی وجہ سے دولہا کے پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ جب پینتیس سواروں کے ساتھ یسوکائی وہاں پہنچا تو اولون کے قبیلے والے انہیں دولہا اور براتی سمجھ بیٹھے اور اندھیرے میں یسوکائی گویتے کی مدد سے اولون کے خیمے میں داخل ہوا اور دلہن کو اٹھا کے اپنے خیمے میں لے آیا۔ یہ سب کچھ اتنی ہوشیاری، چالاکی اور پھرتی سے ہوا تھا کہ اولون کے قبیلے والے دیر تک یہی سوچتے رہے کہ جب اولون دلہن بنا کے ان کے حوالے کی جا رہی تھی تو دولہا کو ڈاکوؤں کی طرح اٹھا لے جانے کی کیا ضرورت پیش آئی لیکن جب دیر بعد اصل دولہا اولون کو لینے پہنچا تو وہ سب بہت پریشان ہو گئے۔ دلہن کو کون لے اڑا؟ انہیں اس سوال کا جواب بہت دیر میں ملا۔

وہ چالیس ہزار خیموں والے یاکا قبیلے کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے خاموش ہو گئے۔ مگر تائی جوت قبیلے کو یہ احساس تھا کہ یسوکائی کے ذمے جو زبردستی کا ایک قرض ہے اسے کسی نہ کسی صورت واپس ضرور لینا ہے۔ یسوکائی کو یہ قرض واپس ضرور کرنا پڑے گا۔

یسوکائی نے اس جگہ کو فوراً چھوڑ دیا اور برخان کلدون کے دوسری طرف چلا گیا۔ اب وہ اولون کے قبیلے اور تائی جوت والوں سے بہت دور ہو گیا تھا کیونکہ شمال میں سائبیریا تھا جو ٹنڈرا تک یخ بستہ علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ جہاں ریڈیر گاڑیوں کو برف پر کھینچتے پھرتے تھے اور یہیں سے انہیں صحرائے گوبی نظر آتا تھا۔ جنوب میں کوہستان التائی کا سلسلہ تھا۔ اس سے کسی قدر جنوب میں تبت تھا۔ کوہستان التائی اور تبت کے درمیان مغرب میں تھیان شیان نامی پہاڑی سلسلے تھے جو بدخشاں تک چلے جاتے تھے۔

یسوکائی کے خیال میں یہ نئی جگہ بہت محفوظ تھی۔ یہاں دشمن مشرق سے چکر کاٹتا ہوا پہنچ سکتا تھا اور اس پر بہ آسانی نظریں رکھی جا سکتی تھیں۔

اس بھوری آنکھوں والی اولون کو قبیلے کی عورتوں نے بہت پسند کیا مگر اولون مہینوں یسوکائی سے جھگڑتی رہی۔ وہ جس شخص کو اپنے شوہر کی حیثیت سے دیکھ اور پسند کر چکی تھی اس کے مقابلے میں یسوکائی پسند نہیں آیا۔ دونوں آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے اور پھر کوئی دوسرا قبیلہ اولون کو لے اڑا۔

یسوکائی کے اس دشمن قبیلے کا سردار تموچن تھا۔

تموچن اولون کو لے کر کہاں غائب ہو گیا تھا، کافی تلاش اور جستجو کے بعد بھی کچھ پتا نہ چلا۔ یسوکائی اس کا پیچھا کر رہا تھا اور تموچن صحرائی لومڑی کی طرح چھپتا پھر رہا تھا۔

مدتوں بعد یسوکائی اچانک تموچن کے سر پر پہنچ گیا اور تموچن بھی چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح پھن اٹھا کر مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔ ایک تباہ کن اور قیامت خیز مقابلہ ہوا۔ آخر کار یسوکائی غالب آیا اور تموچن کو شکست ہو گئی۔ تموچن مارا گیا اور اولون دوبارہ یسوکائی کے قبضے میں آ گئی۔

اولون اس بار یسوکائی سے کوئی جھگڑا نہ کر سکی۔

اب اسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یسوکائی اس سے بہت محبت کرتا ہے۔ وہ حاملہ بھی تھی اگر اس نازک حالت میں یسوکائی اسے قبول نہ کرتا تو وہ کہاں جاتی۔ وہ اپنے قبیلے والوں کو کب کا بھول چکی تھی اور شاید تائی جوت والے بھی اس کو فراموش کر چکے تھے۔

اس مایوسی کے عالم میں وہ سب کچھ بھلا سکتی تھی مگر اس کے پیٹ میں جو شے پرورش پا رہی تھی وہ اس کی پریشانی کا سبب بنی ہوئی تھی۔ یسوکائی اسے قبول بھی کرے گا یا نہیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ نومولود کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جاتا۔

اب اولون نے خوشامدانہ روش اختیار کی اور یسوکائی سے کہا۔ "جب تم مجھے میرے قبیلے سے اٹھا کے یہاں لائے تھے اس وقت بھی میں مجبور تھی اور جب تموچن مجھے اٹھا لے گیا تب بھی میں مجبور تھی۔ اس دوران جو کچھ بھی پیش آتا رہا تھا اس میں میری

مرضی شامل نہیں تھی لیکن اب میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں کیونکہ تم بھی مجھ سے بے حد محبت کرتے ہو۔"

اولون کی زبان سے یہ چند فقرے سننے کے لئے وہ ایک عرصے سے بے چین تھا اور آج اسے قلبی طمانیت حاصل ہو گئی تھی۔

یسوکائی نے بھی کہا "میں بھی یہی چاہتا تھا کہ تو مجھے قبول کر لے۔ اگر تو اپنی پوری زندگی میرے لئے گزار دیتی اور مجھ سے محبت نہ کرتی تو اپنی زندگی کے آخری سانسوں میں میں یہی سمجھتا کہ پوری زندگی لاحاصل رہی لیکن اب میں مطمئن ہوں۔"

کچھ دیر کے لئے دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ شاید ان کے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔ لیکن اولون کو اس وقت بھی اس بچے کی فکر تھی جو اس کے اندر پرورش پا رہا تھا۔

آخر مبہم لب و لہجے میں پوچھا "میرے وجود میں ایک اور وجود پرورش پا رہا ہے۔ کیا اسے بھی قبولیت بخشی جائے گی۔ وہ میرا بچہ ہے اور میں تیری بیوی ہوں اس لئے یہ بچہ ہم دونوں کا ہوا۔"

اس وقت تو یسوکائی خاموش رہا لیکن جب یہ بچہ پیدا ہوا تو سب سے پہلے یسوکائی نے اس کو اٹھایا اور ہنستے ہوئے کہا "تو یہ تموچن ہے۔"

اور یہی تموچن نومولود کا نام قرار پایا۔ خلاف توقع یہ تموچن اولون کی پہلوٹھی کی اولاد کے طور پر قبول کر لیا گیا اور اسے یسوکائی کی وہ محبت ملی جو بعد میں مثالی کہلائی۔

بظاہر اولون کا قبیلہ یسوکائی کو بھول گیا تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ تائی جوت والے موقع کی تلاش میں تھے اور یہ موقع اگر پچاس سال کے بعد بھی ملتا تو ان کے لئے غنیمت تھا۔ ان وحشیوں کے ہاں ایسی کوئی ضرب المثل تو نہیں تھی لیکن عملاً ان کا ایمان تھا کہ اگر اپنے دشمن سے زندگی کے آخری سانسوں میں بھی انتقام لے لیا جائے تو غنیمت ہے۔

اولون کے بعد یسوکائی نے کئی اور عورتوں سے شادیاں کیں اور ان سے بھی کئی بیٹے پیدا ہوئے۔ تموچن کے بعد اولون سے بھی ایک بیٹا اور پیدا ہوا۔ اس کا نام قسار رکھا گیا۔

تموچن اور قسار میں بڑی محبت تھی لیکن ان دونوں کی اپنے سوتیلے بھائیوں سے نہیں بنتی تھی۔ سوتیلے بھائی بھی ان دونوں سے خوف کھاتے تھے۔ مگر سوتیلے بھائیوں میں ایک ملکوتی نامی بھائی تموچن سے بے حد محبت کرتا تھا۔ تموچن کی ہر بات اس کے لئے قابلِ قبول تھی۔ تموچن کا ہر قول بے عذر قبول کرنے میں ملکوتی ایک مثالی بھائی مانا جاتا تھا اور تموچن کے ہر فعل کی تقلید پرستش کی طرح جزو ایمان سمجھتا تھا۔

تموچن بھی ہوش سنبھالنے کے بعد یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ کم سنی کے باوجود ذہنی طور پر سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اگر کوئی اس کی بات رد کر دیتا تھا تو تموچن ایسے شخص کو قابلِ معافی نہیں سمجھتا تھا اور کئی دن تک غور کرتا رہتا تھا کہ ایسا کیوں ہوا۔ اس کو اپنے باپ یسوکائی پر بھی غصہ آتا کہ وہ اپنے قبائلی لوگوں سے محبت اور مہربانی سے پیش آتا تھا اور بعض اوقات ان کی حکم عدولی پر چشم پوشی سے کام لیتا تھا۔ تموچن کو ہمیشہ ایسے موقعوں پر اپنے باپ پر غصہ آتا۔ وہ قبائلی نظم و ضبط کے لئے ضروری سمجھتا تھا کہ سردار کا ہر حکم بے چون و چرا قبول کیا جائے۔

تموچن نے دوسرے قبائل کو بھی آپس میں برسرِ پیکار دیکھا تھا۔ وہ یہ تو مانتا تھا کہ عام قبائلی کو اپنے سردار کا حکم ماننا چاہئے مگر ایک قبیلے کا سردار دوسرے قبیلے کے سردار کے ساتھ کس طرح پیش آئے، یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

صحرا میں رہنے بسنے والے قبائل کو اپنے ان دشمنوں کے خلاف جنگ کرنی چاہئے جو غیر تھے اور شہروں میں رہتے تھے۔ ایک عرصے تک اس کا یہ خیال رہا کہ شہری آپس میں نہیں لڑتے اور مل جل کے رہتے ہیں۔ اور یہ ان کی اجتماعی زندگی کا حاصل تھا کہ شہری مل جل کر کاشتکاری کرتے، کپڑے بُنتے، عمارتیں بناتے، مستقل بازار قائم کرتے اور یہ لوگ کبھی بھی صحرائی قبائل پر حملہ آور نہ ہوتے۔ شہریوں کا یہ اتفاق صحرا میں رہنے بسنے والوں کے لئے ترغیب آمیز تھا۔ تموچن کا خیال تھا کہ ان جملہ خانہ بدوش قبائل کا بھی ایک ہی سردار ہونا چاہئے جس کا حکم ہر سردار کے لئے قابلِ قبول ہو۔

اس کا حافظہ بھی غیر معمولی تھا۔ یسوکائی کو ابھی تک یہ پتا نہ تھا کہ تموچن کی چھوٹی سی عقل کتنے بڑے بڑے مسائل پر غور کرتی رہتی ہے اور ایک دن تو یسوکائی تموچن کی باتیں سن کر حیران رہ گیا۔ تموچن نے مغرب سے آنے والے چند سیاحوں کو دیکھا جن کے چہرے مہرے ان صحرائی لوگوں سے مختلف تھے۔ ان کے لمبے یا بیضوی چہرے اور ان کی بڑی بڑی آنکھیں صحرائیوں سے مختلف تھیں۔ آنکھوں کے گرد جو ایک خاص قسم کا کھنچاؤ ان صحرا کے رہنے والوں میں پایا جاتا تھا وہ ان سیاحوں کے چہرے پر مفقود تھا۔ یہ سیاح یسوکائی کے مہمان بنے اور مغربی ملکوں سے لائی ہوئی کئی چیزیں یسوکائی کو تحفتاً بخش دیں۔ سیاحوں نے یہ تحفے یسوکائی کو اس لئے دیئے تھے کہ وہ اس صحرا میں پناہ کے طلب گار تھے۔ یسوکائی نے ان کو پناہ دی تھی اور ان سے صحرائے گوبی کے اس پار رہنے بسنے والے لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔

تموچن کو حیرت تھی کہ یہ غیر ملکی سیاح ان کی زبان کس طرح سیکھ گئے تھے۔ دونوں سیاحوں نے یسوکائی سے زیادہ تموچن میں دلچسپی لی۔ انہیں اس لڑکے میں سیمابی کیفیت نظر آئی۔ وہ چین سے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ ہر وقت حرکت میں رہتا تھا۔ مغربی دنیا کے بارے میں یسوکائی نے کچھ زیادہ سوالات معلوم نہیں کئے مگر تموچن نے اتنی دلچسپی لی کہ دونوں سیاح اس کے سوالات سے پریشان ہو گئے۔ تموچن ان سے دور دراز مغربی ملکوں کے موسم کے بارے میں سوالات کرتا رہا۔ پھر مذاہب کے بارے میں باتیں ہو گئیں۔ یہ سیاح چونکہ خود عیسائی تھے اس لئے عیسائیت کے بارے میں بہت کچھ بتایا۔ تموچن نے پہلی بار ایک ایسے شخص کا نام سنا جو خدا کا

بیٹا کہلاتا تھا اور نہ انسانوں کو تلوار کے استعمال سے روکتا تھا۔ جو تشدد کا بالکل قائل نہ تھا اور جس کا قول تھا کہ جو تلوار سے قتل کرے گا وہ تلوار سے قتل ہو گا۔

سیاحوں کے خیال میں انجیل کے اس فقرے میں جو مسیح کے نام سے سنایا گیا تھا' ان بادیہ نشینوں کے لئے چونکا دینے والا مفہوم موجود تھا مگر تموچن نے ہنستے ہوئے کہا "بھلا یہ کیا بات ہوئی جو لوگ تلوار کے استعمال سے واقف ہوتے ہیں وہ قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں لیکن جو تلوار استعمال نہیں کرتے ہیں وہ صرف قتل ہوتے ہیں۔"

یہ دونوں سیاح ان وحشیوں میں عیسائیت پھیلانے آئے تھے یہ خود کو پادری نہیں کہتے تھے مگر حقیقتاً پادری تھے۔ تموچن نے حیرت سے دریافت کیا "آج کل خدا کا بیٹا کہاں ہے؟"

ایک پادری نے جواب دیا "وہ دنیا بھر کے انسانوں کے گناہوں کا بوجھ لے کر صلیب پر چڑھ گیا۔"

تموچن نے صلیب کا مفہوم پوچھا اور جواب میں اسے جو کچھ معلوم ہوا وہ اس کی حیرت کا سبب بن گیا اور اس نے اعتراضات کئے "یہ اوپر جو نیلا جاودانی آسمان نظر آتا ہے یہی خدا ہے۔ یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہ فرزندِ آسمان انسانوں کو بزدلی کی تعلیمات کس طرح دے گیا؟ کیا اس نے کبھی تیر چلائے تھے۔ تلوار اٹھائی تھی' جنگیں لڑی تھیں؟"

دوسرے پادری نے کہا "وہ جنگ و جدل کے خلاف تھا جو زخم لگاتا نہیں تھا زخموں پر مرہم رکھتا تھا۔ انسان کے غموں میں شریک ہوتا تھا۔ وہ سرتاپا لطف و کرم تھا۔"

تموچن نے کہا "یہ کس طرح ممکن ہے کہ انسان کو غصہ ہی نہ آئے اور دنیا بھر کے انسانوں کا بوجھ تنہا ایک شخص اٹھالے جائے اور یہ گناہ و ثواب کا تصور بھی کچھ عجیب سا ہے۔"

دونوں پادریوں کو اندازہ ہوا کہ ان جاہلوں اور وحشیوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے وقت درکار ہے مگر ان دونوں کو بڑی حیرت تھی کہ وہ دونوں پادریوں کی باتوں سے متفق تو نہ تھا لیکن بہت کچھ جاننے کے لئے بے قرار ضرور نظر آتا تھا۔ اوّل تو صحرا کے باہر جو مذہب تھا وہ تموچن کے لئے ایسے جانداروں کے گروہ میں سرایت کر گیا تھا جو انسان کو بہادر نہیں' بزدل بناتا تھا۔ اور جب دورانِ تذکرہ دونوں پادریوں نے اسلام کا ذکر کر دیا تو اس ذکر میں تموچن کے لئے دلچسپی کا بہت سامان موجود تھا۔ کیونکہ پادریوں کے بقول مسلمانوں میں ہتھیاروں کا استعمال عام تھا۔ یہ مسلمان بھی پہلے عرب میں قبائلی زندگی گزارتے تھے۔ صحرائے گوبی کی طرح عرب بھی صحرا میں رہتے تھے اور آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ پھر ان میں ایک شخص پیدا ہو گیا جو خود کو اللہ کا نبیؐ اور رسولؐ کہتا تھا اس کی زبان سے اللہ کا کلام وارد ہوتا تھا۔ وہ آسمان اور زمین کو اللہ کی مخلوق کہتا تھا اور اس کا اللہ ہر شے پر محیط تھا۔ اس نبیؐ نے جنگ و جدل کو جائز قرار دیا لیکن ایسے جنگ و جدل کو جو اللہ کے

لئے کی جائے۔ اور یہ لوگ مسلمان کہلائے۔ یعنی پورے یقین و ایمان کے حامل لوگ جنہوں نے اللہ کی راہ میں لڑی جانے والی جنگوں کو جہاد قرار دیا یعنی مذہبی جنگ اور پھر مذہبی جنگوں کی آڑ لے کر انہوں نے آدھی دنیا فتح کر ڈالی۔ ان کے اللہ کا ایک گھر بھی ہے جو مکہ میں واقع ہے اور اسے یہ لوگ کعبہ یا خانۂ خدا کہتے ہیں۔

تموچن نے پوچھا "کیا یہ ریگستانوں کے رہنے والے لوگ اب بھی آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں؟"

ایک پادری نے جواب دیا "نہیں! اس نبیؐ نے تمام قبائلیوں کو متحد کر دیا تھا۔ وہ سب آپس میں دینی بھائی کہلاتے تھے۔"

تموچن نے اسلام کے ذکر میں بڑی دلچسپی لی۔ اسے اس وقت وہ سارے قبائل یاد آ رہے تھے جو جھیل بیکال کے چاروں طرف آباد تھے۔ تائی جوت' اویرات' قرایت' منگول اور دریائے کیرولان کے اس پار جنوب میں رہنے والے تاتاری' کنگرات۔ یہ سب بہت یاد آئے۔ تاتاریوں اور منگولوں کے جدِ امجد آپس میں بھائی بھائی تھے پھر ایک بھائی دریائے کیرولان کے اس پار آباد ہو جانے کی وجہ سے منگولوں کے لئے تاتاری یا دور کے رشتے دار کہلائے جانے لگے۔ ان کی نسلیں چین کے مشرقی صوبے منچوریا تک میں آباد تھیں۔ ان سب میں ایک بات مشترک تھی کہ لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے استاد تھے اور ان کی لوٹ مار کے لئے غیر کا ہونا ضروری نہیں تھا۔ یہ آپس میں ہی لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ مویشی چھین لیتے تھے' عورتیں اٹھالاتے تھے اور دوسروں کا مال و اسباب ان کے قبضے میں چلا جاتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ بھی مسلمانوں کے پیغمبر محمدؐ کی طرح اگر صحرائے گوبی کے ان بکھرے ہوئے قبائل کو متحد کرنے میں کامیاب ہو جائے تو یہ قبائلی بھی مسلمانوں کی طرح معلوم آدھی دنیا تو کیا پوری دنیا فتح کر سکتے ہیں۔

دونوں پادری تموچن کی خاموشی سے یہ سوچنے لگے کہ شاید وہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں اچھائی یا برائی کا موازنہ کر رہا ہے۔

ایک پادری نے کہا "یہ طے ہے کہ اگر انسان کو زمین و آسمان کی بادشاہتیں درکار ہیں تو اسے تشدد سے باز آنا پڑے گا اور شاید ہمارا یہ نکتہ تموچن کے دل و دماغ میں بیٹھ گیا ہو گا۔"

تموچن نے جواب دیا "نہیں۔ میں تم دونوں کے بیان کردہ دونوں مذاہب کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچ رہا۔ اس وقت تو میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ مسلمانوں کا خدا جس نے پوری

کائنات کا احاطہ کر رکھا ہے' وہ تم کے ایک چھوٹے سے گھر میں کس طرح رہتا ہوگا؟"

دونوں پادری اس کے اس اعتراض سے بہت خوش ہوئے۔

جب یہ ساری باتیں یسوکائی کو معلوم ہوئیں تو اس نے دونوں پادریوں کو منع کیا کہ وہ قبیلے کے بچوں کو غلط سلط تعلیم نہ دیں۔

تموچن اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ مچھلی کا شکار کھیلنے نکل گیا اور یہ دونوں بھائی کافی دیر بعد بہت ساری مچھلیاں لئے ہوئے واپس آئے۔ تموچن نے اپنی مچھلیوں کی گنتی کی' یہ نو تھیں۔

مچھلیاں رکھ کے وہ برخان کلدون کی طرف نکل گیا۔ یہاں صنوبر کے درختوں کی کثرت تھی۔ ان میں ایک درخت جو سب سے زیادہ بلند تھا اور بہت قدیم تھا' قوت و اقتدار کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ صنوبر کے سارے درخت اس قدیم درخت کی سرپرستی میں سمجھے جاتے تھے۔ اور یوں بھی برخان کلدون کا مطلب تھا "قوت و اقتدار کا پہاڑ۔"

تموچن اس پہاڑی پر چڑھ گیا اور نیلے جاودانی آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے دعا مانگی "اے نیلے جاودانی آسمان! تو مجھے ایسی قوت عطا فرما جو یہاں کے سارے قبائلیوں کو شیر و شکر کر دے۔ میں ان کے اتحاد سے نادیدہ دنیاؤں میں جاؤں اور ان پر قہر و غضب کی بجلی بن کے گروں۔ اپنوں پر مہربانیاں کروں اور غیروں پر قہر و بلا بن کر نزول کروں۔"

جب وہ اس دعا سے فارغ ہونے کے بعد اپنے خیمے میں واپس پہنچا تو اس کی دو مچھلیاں چوری ہو چکی تھیں۔ اولون کو کچھ پتا نہ تھا کہ یہ مچھلیاں کس نے چرائی ہیں لیکن قسار نے تموچن کو بتلایا۔ "میں نے اس جگہ اپنے سوتیلے بھائی کبلو کو بیٹھے دیکھا تھا۔ شاید وہ مچھلیاں گن رہا تھا۔"

تموچن غصے میں اٹھا اور کبلو کو مارتا ہوا اپنے خیمے میں لے گیا اور پوچھا "میری دو مچھلیاں کہاں گئیں؟"

کبلو نے ہنستے ہوئے اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہاں اس پیٹ میں' دونوں یہاں موجود ہیں۔"

تموچن نے اسی وقت غصے میں کبلو کا پیٹ چاک کر دیا اور دیر تک پیٹ میں مچھلیاں تلاش کرتا رہا۔

کبلو کی ماں چیختی چلاتی خیمے میں داخل ہوئی اور تموچن کی پیٹھ پر دو ہتڑ رسید کیا "یہ تو نے کیا کیا' اپنی دو مچھلیوں کے لئے تو نے میرے بیٹے کو قتل کر دیا۔"

بات زیادہ نہ بڑھ جائے اس لئے اولون نے تموچن کو مشورہ دیا کہ وہ کچھ عرصے کے لئے کہیں روپوش ہو جائے۔

جی نہ چاہنے کے باوجود تموچن نے اپنی ماں کا کہنا مان لیا اور اسی وقت کہیں غائب ہو گیا۔

چونکہ تموچن یسوکائی کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور یسوکائی کے بعد تموچن ہی کو قبائل کی سرداری کا منصب سنبھالنا تھا اس لئے اس کا اچانک غائب ہو جانا یسوکائی کے لئے پریشانی کا سبب بن گیا۔

وہ ادھر ادھر تموچن کو تلاش کرتا رہا مگر ناکام رہا۔

ایک قبیلہ دریائے انگوڈا کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ تائی جوت کے لوگ تھے جو کچھ عرصے کے لئے جھیل بیکال کے کنارے لمبی لمبی گھاسوں میں شکار کھیلنے آئے ہوئے تھے۔ ان دنوں سائبیریا سے بہت سے پرندے اس گھاس میں اتر چکے تھے اور جھیل بیکال کی سطح پر منڈلاتے رہتے تھے۔

بارہ تیرہ سالہ تموچن اس قبیلے میں پہنچا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے قبیلے سے بچھڑ گیا ہے۔ اس نے چند دنوں کے لئے ان کے قبیلے میں رہنے کی اجازت چاہی تھی۔ قبیلے کا سردار تموچن کے چہرے میں معلوم نہیں کیا تلاش کر رہا تھا۔ اسے تموچن کی فرضی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا لیکن ایک بھولے بھٹکے لڑکے کو سہارا دینے میں انہیں کوئی عار بھی نہ تھی۔

اس قبیلے کے لڑکوں نے تموچن کا مذاق اڑانا چاہا تو اس نے لڑکوں کو سمجھایا "دیکھو! ہمیں آپس میں نہیں لڑنا چاہئے۔ گوبی کے اس پار جو لوگ رہتے ہیں ان کے پاس بڑی دولت ہے' اناج کے ذخائر ہیں' گھوڑوں اور دوسرے مویشیوں کے بے شمار ریوڑ ہیں۔ میں کچھ اور بڑا ہو جاؤں تو تمہیں ان کاہل انسانوں کی دنیا میں لے جاؤں گا۔"

ان لڑکوں کو تموچن کی معلومات پر حیرت تھی۔ ایک نے پوچھا۔ "لیکن تجھ کو یہ ساری باتیں کس نے بتائیں؟"

تموچن نے جواب دیا "اس عجیب و غریب دنیا کے دو مسافروں نے جو آج کل میرے قبیلے میں مہمان کی حیثیت سے رہ رہے ہیں۔"

تموچن نے لڑکوں کو وہ سبز باغ دکھائے کہ وہ ان سب کا سردار بن گیا۔ تموچن نے ان سب کو سمجھایا "دیکھو! اب آپس میں لڑنا جھگڑنا بند بلکہ ہم سب مل کے ایک ایسا قانون بنائیں جس سے ہم ایک دوسرے کا گلا نہ کاٹ سکیں۔ جب ہم ایسا کریں گے تبھی دوسروں پر حکومت کرنے کے لائق ہو جائیں گے۔"

یہ لڑکا بڑی دانائی کی باتیں کر رہا تھا لیکن قبیلے کے مردوں کے لئے یہ ناقابلِ عمل باتیں تھیں کیونکہ آپس کے جھگڑے دوستی کی راہ میں رکاوٹ تھے اور تموچن کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کی ماں اولون اسی قبیلے سے اغوا کی گئی تھی اور یہ قبیلہ ابھی تک یسوکائی کو سبق دینے کی فکر میں تھا۔

ایک ادھیڑ عمر تائی جوت نے تموچن کا مذاق اڑایا "یہ بڑی بڑی باتیں تو نے کہاں سے سیکھیں؟ ہمارے آپس کے جھگڑے کون طے کرے گا۔ یا کا قبیلے کا یسوکائی اولون کو اس وقت اٹھا کر لے گیا جب وہ دلہن بن کے اپنے شوہر کے پاس جانے والی تھی۔ کیا ہم یسوکائی کو معاف کر سکتے ہیں؟ جب تک ہم اس قبیلے کی چار لڑکیاں نہیں اٹھا لیں گے' ہمیں سکون نہیں ملے گا۔"

اس انکشاف نے تموچن کو بے حد محتاط کر دیا۔ اور وہ یہاں سے بھی فرار ہونے کے منصوبے بنانے لگا۔

قبیلے میں تموچن کی باتوں کا اتنا چرچا ہوا کہ بہت سے لڑکے اور لڑکیاں اس کو دیکھنے آنے لگے۔ انہی میں ایک دس گیارہ سالہ بورتے تھی۔ سردار قبیلہ کی چہیتی بیٹی۔

تموچن کو بورتے میں ایک خاص کشش محسوس ہوئی اور وہ بار بار بلکہ لگاتار بورتے کو دیکھتا رہا اور بورتے بھی تموچن کو پُرشوق نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ بورتے کا خیمہ بھی نہایت شاندار تھا۔ گول خوشنما نمدے کے خیمے میں بورتے اپنی بڑی بوڑھیوں کے ساتھ رہتی تھی۔ یہاں تموچن کی رسائی مشکل تھی لیکن قبیلے کی بڑی بوڑھیاں اس کی دلچسپ باتیں سننے کے لئے اسے اپنے خیمے میں لے گئیں۔ یہاں تموچن نے کچھ اور ایسی باتیں کردیں کہ وہ سب دنگ رہ گئیں۔ تموچن نے عورتوں کو بتایا "میرے قبیلے میں مغربی دنیا کے دو مسافر آئے ہوئے ہیں۔ ان کے لمبوترے اور بیضوی چہروں پر بڑی بڑی آنکھیں ہیں جبکہ ہمارے گول چہروں پر چھوٹی چھوٹی آنکھیں ہیں۔ وہ دونوں بتاتے ہیں کہ ہم چونکہ ہروقت ریت' برف اور سورج کی روشنی میں رہتے ہیں اس لیے ان تینوں کی چمک ہماری آنکھوں کو پوری طرح کھلنے نہیں دیتی۔ اس لئے ہم سب چندھے ہوکر رہ گئے ہیں۔ جب کہ مغربی دنیا والے برف' ریت اور سورج کی چمک دمک سے دور رہتے ہیں تو ان کی آنکھیں پوری طرح کھلی رہتی ہیں اور ان کی آنکھیں بڑی بڑی ہوتی ہیں۔"

چھوٹی بڑی آنکھوں کی یہ توجیہہ کچھ عجیب سی تھی مگر یہ باتیں ان کو سوچنے پر مجبور کررہی تھیں اور کئی عورتوں نے تموچن کے بارے میں یہ اندازہ لگایا کہ یہ شخص بہت سے قبیلوں کی سرداری کا مستحق ہے۔ اس کی دلچسپ باتوں اور معلومات نے دوسروں کو شکست دے دی تھی۔

تموچن نے بورتے کے باپ سے پوچھا "کیا یہ درست ہے کہ یسوکائی نامی کوئی شخص اس قبیلے کی دلہن کو اغوا کرکے لے گیا تھا؟"

بورتے کے باپ نے جواب دیا "ہاں! وہ یاکا قبیلے کا منگول سردار ہے اور نسلاً اس کا تعلق بورجیجن نسل سے ہے اور یہ لوگ اپنی بھوری آنکھوں کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔"

بورتے کے باپ نے تموچن کی بھوری آنکھوں کو غور سے دیکھا اور حیرت سے کہا "تیری آنکھیں بھی تو بھوری ہیں' کیا تو بورجیجن کی نسل سے تعلق رکھتا ہے؟"

تموچن ذرا بھی نہ گھبرایا' جواب دیا "بھوری آنکھیں کسی کی بھی ہوسکتی ہیں۔ میں بورجیجن والوں سے ملوں گا اور دیکھوں گا کہ کیا ان سب کی آنکھیں بھوری ہیں۔"

لیکن اب تموچن تائی جوت والوں کی نظروں میں مشتبہ ہوچکا تھا اور تموچن بھی خطرہ محسوس کررہا تھا۔

بہادر یسوکائی تموچن کو ادھر ادھر تلاش کرتا رہا۔ اور جب اسے کسی نے یہ بتلایا کہ تموچن کو دریائے انگوڈا کے کنارے تائی جوت قبیلے میں دیکھا گیا ہے تو وہ تموچن کی زندگی سے مایوس ہوگیا۔ یسوکائی عین اس وقت وہاں پہنچ گیا جب تموچن وہاں سے فرار ہونے والا تھا۔

یسوکائی اپنے چھبیس ستائیس جوانوں کے ساتھ بورتے کے باپ کے پاس پہنچا اور شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "پندرہ سولہ سال پہلے میں اس قبیلے کی ایک دلہن کو اٹھا لے گیا تھا۔ اس دلہن کا نام تھا اولون۔"

بورتے کے باپ نے کہا "یسوکائی میں تجھے پہچانتا ہوں۔ اس وقت تو میرا مہمان ہے اس لئے ہم تجھ سے کچھ نہیں کہیں گے لیکن اگر اولون کے دولہا کے قبیلے والوں کو تیری آمد کا پتا چل گیا تو وہ تجھے معاف نہیں کریں گے۔"

یسوکائی نے پوچھا "تموچن کہاں ہے؟"

جب تموچن کو یسوکائی کے سامنے لایا گیا تو دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔

بورتے کے باپ نے اپنے آدمیوں سے کہا "میں نے تو تموچن کی بھوری آنکھوں سے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ یہ بورجیجن والوں کی نسل سے ہے حالانکہ تموچن نے اس سے انکار کردیا تھا۔"

یسوکائی نے بورتے کی ماں سے کہا "یہ تموچن تیری بہن کا بیٹا ہے۔ اس لئے یہاں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہئے۔"

یسوکائی کی آمد کی خبر پورے قبیلے میں پھیل گئی اور قبیلے کے لوگ' بڑی بوڑھیاں' عورتیں اور لڑکیاں سبھی یسوکائی کو دیکھنے کے لئے خیمے میں جمع ہوگئے تھے۔ عورتیں بے حد خوش تھیں کہ اولون کا شوہر یسوکائی ان کا مہمان تھا۔ بورتے کا باپ بھی خوش تھا کہ عقلمند تموچن اس کا بھانجا تھا۔ اور اس لڑکے کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایک دن بہت نام پیدا کرے گا۔

بورتے بھی یسوکائی کو ٹکٹکی لگائے دیکھے جارہی تھی۔

تموچن نے اپنے باپ سے کہا "میں نے بورتے کو پسند کرلیا ہے لیکن میں اسے اپنی ماں کی طرح اٹھا کر نہیں لے جاؤں گا۔ اگر بورتے کے باپ نے اجازت دی تو میں اس سے شادی کرلوں گا۔"

اب یسوکائی نے بھی بورتے کو بہت غور سے دیکھا اور کہا۔ "اچھی لڑکی ہے مگر ابھی کم سن ہے' تین چار سال بعد شادی کے لائق ہوجائے گی۔"

شاید بورتے کا باپ بھی اس رشتے کے خلاف نہیں تھا۔ وہ خاموش رہا جس سے یہ اندازہ لگالیا گیا کہ وہ تموچن سے اپنی بیٹی کی شادی کردے گا کیونکہ اب وہ یسوکائی اور تموچن سے بہت اچھی طرح پیش آرہا تھا۔ آخر جب دونوں باپ بیٹے وہاں سے رخصت ہونے لگے تو کہا "یسوکائی' میری بورتے تیرے بیٹے تموچن کی امانت ہے۔ تین چار سال بعد تو اسے دلہن بناکے لے جاسکتا ہے۔"

راستے میں یسوکائی نے تموچن کو بہت ڈانٹا کہ وہ پے در پے غلطیاں کئے جارہا ہے۔ پہلی غلطی تو یہ کی کہ دو مچھلیوں کی چوری کے جرم میں اپنے بھائی کو قتل کردیا۔ دوسری غلطی یہ کی کہ کسی کو کچھ بتائے بغیر اپنے قبیلے سے فرار ہوگیا۔ تیسری غلطی یہ کی ہے کہ تائی جوت والوں کا مہمان ہوگیا۔ اور چوتھی اور آخری بڑی غلطی یہ کی

کہ بورتے سے شادی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

وہ تموچن سے بار بار کہہ رہا تھا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ بورتے کی شادی وہ دشمن کے بیٹے سے کردے "اگر تجھے بورتے واقعی پسند ہے تو میں تیری خاطر اس کو بھی اٹھوا لوں گا۔"

تموچن نے جواب دیا "مجھے بورتے بہت پسند ہے مگر میں اس کو اڑا لانے کا قائل نہیں ہوں۔"

تموچن اپنے قبیلے میں پہنچا تو اولون نے اسے بتایا "اپنے سوتیلے بھائیوں سے ہوشیار رہنا' کھانے پینے میں احتیاط رکھنا اور کہیں تنہا نہ جانا۔"

اور جب اولون نے بورتے کے بارے میں سنا کہ اس کا بیٹا تموچن اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس نے بیٹے کو سمجھایا "وہ میرا اپنا قبیلہ ہے اور بورتے میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ دونوں خاندانوں میں میری وجہ سے دشمنی چلی آرہی ہے۔ اگر تیری شادی سے یہ دشمنی ختم ہو جائے تو یہ بڑی اچھی بات ہے ورنہ بورتے کا خیال دل سے نکال دے۔"

دونوں سیاح ابھی تک قبیلے میں موجود تھے اور قبیلے والوں کے بقول نوجوانوں کو گمراہ کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ یہ دونوں تموچن سے دوبارہ مل کر بہت خوش ہوئے اور کہا "اگر تو چاندی کی صلیب اپنے گلے میں ڈال لے تو اس کی برکت سے تیرا ہر کام بن جائے گا۔"

تموچن نے کہا "اگر یہ صلیب اتنی ہی برکت والی چیز ہے تو اس سے تم لوگ فائدے کیوں نہیں اٹھاتے۔ اس سے دعا مانگو کہ یہ اپنی برکتوں سے ہم سب کو عیسائی بنا دے اور پھر تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ ہم لوگوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

دونوں پادریوں کو ان باتوں سے اندازہ ہوا کہ اس پتھریلی زمین پر عدم تشدد کے بیج بار آور نہیں ہو سکتے لیکن یہ دونوں بھی ہمت ہارنے والے نہیں تھے۔

سوتیلا بھائی ملکوتی تموچن کو برابر دلاسا دیتا رہتا تھا۔ اس کو معلوم نہیں کیوں تموچن سے بڑی محبت تھی اور یہ تموچن کو یقین دلاتا رہتا تھا کہ جو کچھ تموچن سوچتا ہے وہ سب درست ہے۔ اسی نے تموچن کو یہ یقین دلایا کہ اگر بورتے تموچن کو پسند ہے تو ملکوتی اسے تموچن کے لئے زبردستی اٹھا لائے گا۔

اسی طرح تین سال گزر گئے اور بورتے کے باپ کی طرف سے یسوکائی کو پیغام ملا' بورتے جوان ہو چکی ہے' یسوکائی اپنے بیٹے کے ساتھ آئے اور بورتے کو لے جائے۔

تموچن خوش تھا کہ اس کی باتیں دو دشمن قبیلوں کو دوست بنانے میں کارگر ثابت ہوئی تھیں اور سترہ اٹھارہ سال کی دشمنی دوستی میں بدل گئی۔ یسوکائی اپنے قبیلے کے چند جیالوں کو لے کر تائی جوت والوں میں چلا گیا۔ تموچن بھی اس کے ساتھ تھا۔

بورتے کے باپ نے کئی میل آگے بڑھ کر یسوکائی کا استقبال کیا اور پھر یہ لوگ تائی جوت والوں کے مہمان ہو گئے۔

شاندار ضیافتیں ہوئیں اور یہ لوگ کئی دن تک محفل ناؤ نوش میں مشغول رہے۔ تموچن بورتے سے ملا مگر بورتے اس سے کٹی کٹی رہی۔ وہ تموچن کو کچھ بتانا چاہتی تھی لیکن تموچن اس کے اشارے نہیں سمجھ سکا۔ آخر تیسرے دن وہ تموچن کے پاس سے گزرتی اور یہ کہتی چلی گئی "لمبی لمبی گھاسوں کے پیچھے فوراً آؤ' تم سب خطرے میں ہو۔"

تموچن' یسوکائی اور اس کے ساتھیوں کو چھوڑ کر اونچی اونچی گھاسوں میں بورتے کو تلاش کرتا رہا' اس کا کہیں پتا نہ تھا۔

کچھ دیر بعد بورتے کی ایک سہیلی وہاں پہنچی اور کہا "بورتے نے کہا ہے کہ تم لوگ فوراً یہاں سے چلے جاؤ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔"

تموچن نے یہ بات اپنے باپ کو بتائی اور کہا "اگر یہ میری ماں کا قبیلہ ہے تو ہمیں اس پر بھروسا نہیں کرنا چاہئے۔ یہ سترہ اٹھارہ سال پرانا انتقام ہم سے لے سکتے ہیں۔"

یسوکائی نے بیٹے کو یقین دلایا "بورتے کا باپ تجھے بخوشی اپنی بیٹی دینے کو تیار ہے۔ میں تیری ماں اولون کو عین اس وقت اڑا لے گیا تھا جب وہ کسی اور کی دلہن بننے والی تھی اور یہ کوئی ایسی خاص حرکت نہیں تھی۔ یہاں کے قبائل اس کے عادی ہیں' قبائل کی اکثر عورتیں اسی طرح حاصل کی گئی ہیں۔"

تموچن نے باپ کو واپس بھیج دیا اور خود بورتے کے قبیلے میں ٹھہر گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر قبیلے والے انتقام لیں گے تو اس کے باپ یسوکائی سے لیں گے' تموچن میں تو ان کا خون شامل تھا۔

یسوکائی نے جاتے جاتے تموچن کو نصیحت کی "بورتے کی عمر ابھی صرف تیرہ سال ہے' تو چند دن یہاں رہ اور بورتے کو سمجھنے کی کوشش کر۔"

یسوکائی چلا گیا اور تموچن بورتے کے قبیلے میں مہمان بن کے رہنے لگا اور چند دنوں کی قربت میں تموچن نے بورتے کے مزاج اور طبیعت کے بارے میں جو اندازے لگائے تھے وہ زندگی بھر درست ثابت ہوتے رہے۔ بورتے تموچن کو بہت پسند کرتی تھی اور عقلمندی کی باتیں کرتی تھی۔

ابھی چند ہفتے گزرے تھے کہ اچانک یاکا قبیلے کا ایک آدمی تموچن کو تلاش کرتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا اور قبیلے سے باہر لے جا کر یہ وحشت ناک خبر سنائی "تیرا باپ تائی جوت قبیلے کی ایک شاخ کا مہمان تھا۔ وہاں اسے کھانے میں دھوکے سے زہر دے دیا گیا اور یسوکائی نیم مدہوش حالت میں اپنے قبیلے تک پہنچنے میں کامیاب تو ہو گیا مگر زندہ بچنے کے آثار نہیں پائے جاتے۔"

تموچن گھبرا اٹھا تو بہت مگر قاصد کو ہدایت کی "اپنی اس پریشانی کا اثر چہرے سے ظاہر نہ ہونے دینا کیونکہ اگر یہ خبر بورتے کے گھر والوں کو ہو گئی تو وہ اپنے وعدے سے پھر سکتے ہیں اور ہمیں نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

تموچن سب سے پہلے بورتے سے ملا اور اسے اپنی ماں کی

بیماری کی خبر دی اور اس سے واپس جانے کی اجازت چاہی۔

بورتے اداس ہو گئی، پوچھا "پھر کب آؤ گے؟"

تموچن نے جواب دیا "تجھ کو لینے کے لئے اور اس کے لئے مجھے تین چار سال اور انتظار کرنا ہو گا۔"

بورتے کے باپ کو بھی اولون کی بیماری کی خبر دی گئی تو اس نے فوراً جانے کی اجازت دے دی۔

تموچن قاصد کے ساتھ بے تحاشا گھوڑا دوڑاتا ہوا اپنے قبیلے میں پہنچا تو وہاں عجیب ہی منظر دیکھنے میں آیا۔ بالکل ویرانی کا سماں تھا۔ یہ خبر فوراً مل گئی کہ یسوکائی کا انتقال ہو چکا ہے اور قبیلے کے کم تر درجے کے لوگ بے چینی سے تموچن کا انتظار کر رہے تھے کہ آئے اور اپنے باپ کی جگہ مسندِ سرداری سنبھالے۔

لیکن قبیلے کے طاقتور، عمر رسیدہ، اپنے اپنے قبیلوں کے سردار اس نوعمر لڑکے کی سرداری تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ چالیس ہزار خیموں پر مشتمل یہ قبائل اپنی قسمتیں اس لڑکے سے وابستہ نہیں کر سکتے تھے۔

یسوکائی اور اس کے آباؤ اجداد اس لئے سرداری کے مستحق قرار دیئے گئے تھے کہ ان میں اپنے جملہ قبائل کو متحد اور منظم رکھنے کی صلاحیت پائی جاتی تھی۔ یہ اپنے قبائل کو دشمنوں سے محفوظ رکھ سکتے تھے۔ شکار کروا سکتے تھے، چراگاہوں کے لیے نئی نئی زمینیں تلاش کر سکتے تھے لیکن یہ لڑکا تموچن ان قائدانہ صلاحیتوں سے اگر محروم نہیں تھا تو اپنی کم عمری اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے بے بس اور مجبور ضرور تھا۔

اس کی ماں بھی اپنے خیمے میں موجود نہ تھی اور چھوٹا بھائی قسار بھی غائب تھا۔ اس کے سوتیلے بھائی ملکوتی نے اسے بتایا "ماں بگوڑے سرداروں کو منت و سماجت سے روکنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

تموچن اپنے گھوڑے پر سوار ہو کے ماں کی تلاش میں نکل گیا۔ دیر بعد ایک سردار سے اپنی ماں کو بحث و مباحثہ کرتے دیکھا۔ قسار اس کے ساتھ تھا۔ اس نے دور ہی سے سنا اولون کہہ رہی تھی۔ "تم سرداروں کا یہ فرض تھا کہ یسوکائی کے سب سے بڑے بیٹے تموچن کو اس کے باپ کی جگہ دیتے۔ اس کی مسند پر بٹھاتے، اس کی سرداری اور اپنی تابعداری کا اعلان کرتے۔"

دوسری طرف عمر رسیدہ سردار حقارت سے کہہ رہا تھا "آخر ہمیں بھی تو اپنی جانیں عزیز ہیں۔ اپنے سوتیلے بھائی کو قتل کر کے فرار ہو جانے والا تموچن ہمارا سردار کس طرح بن سکتا ہے۔ تیرا یہ نوعمر بیٹا ہمارے دشمنوں سے ہماری حفاظت کس طرح کرے گا۔"

اولون کو رونا آ گیا، بھرائی آواز میں کہا "ہمارے قبائل میں کتنے ایسے بھائی ہیں جو اپنے سوتیلے بھائیوں سے حسد اور دشمنی نہیں رکھتے۔ اس قسم کے قتل تو عام ہیں۔ اگر میرا بیٹا تموچن اس وقت نوعمر ہے تو چند سال بعد بیس سال کا ہو جائے گا اس لئے ان بھولے بساتوں کو اپنی نافرمانی کا سبب نہ بناؤ۔ اور تنگری کے سائے میں رہتے ہوئے اپنے قبیلے کی آبائی رسمیں توڑنے میں پہل نہ کرو۔"

اب تموچن نے چاروں طرف زمین آسمان سے ملنے والے آفاق پر نظریں ڈالیں۔ یہ افق جہاں آسمان زمین کی طرف جھکا ہوا اور ملا ہوا نظر آتا تھا بالکل چھتری کی طرح جس کے بیچ میں کوئی لکڑی یا لوہے کی سلاخ نہیں تھی۔ یہ ان کی زبان میں تنگری کہلاتا تھا۔ اور یہ وحشی منگول اس آسمانی چھتری کو جاودانی قوت سمجھتے تھے۔

قسار نے تموچن کو دیکھ لیا۔ اور ماں کو خوش خبری سنائی "ماں! تموچن آ گیا ہے۔ چالیس ہزار یورتوں کا نیا سردار۔"

اولون نے مڑ کے تموچن کو دیکھا اور عمر رسیدہ سردار سے کہا۔ "تو تمہارا سردار بھی آ گیا۔ آگے بڑھو اور یاک کے دُموں والے پرچم کو اپنے ہاتھوں سے اس کے خیمے پر نصب کرو۔"

سردار نے خیمے کے اندر جاتے ہوئے کہا "اولون! اگر تو سچ سننا چاہتی ہے تو سن۔ ہم سب نے تائی جوت کے قبیلے کے سب سے بڑے سردار ترغاتائی سے بات کر لی ہے۔ وہ بھی بور جیجین نسل سے تعلق رکھتا ہے اور اپنی بھوری آنکھوں کی وجہ سے ہمارا اپنا سردار لگتا ہے۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہماری ذمے داری اٹھانے کے لئے تیار ہے۔"

تموچن کو اپنی ماں پہ رحم آیا۔ اس نے منع کیا کہ وہ اس سردار کی مزید خوشامدیں نہ کرے اور وہ اپنے بھائی اور ماں کو لے کر اپنے خیمے میں واپس چلا گیا۔ تموچن نے پہلی بار اپنے خاندان کے سردار کی حیثیت سے اپنے خونی رشتوں کو یکجا کیا۔ ماں اولون اس کی سرپرست تھی اور اپنی اس ضد پر قائم تھی کہ وہ اپنے بیٹے تموچن کو اس کا حق دلا کر رہے گی۔

پوری رات بحث و مباحثے میں گزر گئی۔ وہ اپنے خاص قبیلے کے بزرگوں سے کہہ رہی تھی "جاودانی نیلے آسمان کے لئے اپنے مرے ہوئے سردار کے بیٹے کے لئے کچھ کرو۔ دشمن ہماری تاک میں ہیں۔ وہ ہماری نااتفاقیوں سے فائدہ اٹھا کے دریائے انگوڈا اور دریائے کیرولان کی درمیانی وادی سے بیدخل کر دیں گے کیونکہ یہ اس علاقے کی سب سے بہترین وادی ہے۔"

قبیلے کے بوڑھے بھی متذبذب نظر آ رہے تھے۔ ان سب کا متفقہ جواب یہ تھا "بی بی! ہم اس ناتجربہ کار لڑکے پر کس طرح بھروسا کر لیں۔ اگر ترغاتائی ہم پر حملہ کر دے تو کیا یہ لڑکا ہمیں اس سے بچا لے گا؟"

رات بھر بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ اولون کی منت و سماجت جاری رہی مگر سب کچھ فضول اور بے اثر رہا۔ کسی بھی جوان یا عمر رسیدہ کو تموچن کے لڑکپن پر بھروسا نہیں تھا۔

جب سب خیمہ خالی کر گئے تو تموچن نے ماں کو سمجھایا "بات اس طرح نہیں بنے گی۔ یہ تجربے کار لوگ مجھ پر بھروسا نہیں کر سکتے۔ جو لوگ اپنی مرضی سے رک جائیں اور میری سرداری

تسلیم کرلیں۔ ہمیں ان پر توجہ دینی چاہئے۔"

اولون نے کہا "تموچن! اگر ان جانے والوں کو روکا نہ گیا تو بچے کچے لوگ بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔"

قسار نے کہا "بھائی تموچن! بچے کچے لوگوں پر توجہ دیں۔ ان کی حفاظت کریں۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو لوگ دوبارہ ہمارے پاس واپس آجائیں گے۔"

اولون نے قسار کو جھڑک دیا "احمقانہ باتیں مت کر۔ اگر ایک بار ہوا اکھڑ گئی تو ہم پھر کبھی بھی سردار کی حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکیں گے۔"

تموچن نے کم سے کم باتیں کیں۔ وہ مستقبل کی منصوبہ بندی کررہا تھا۔ اسے یہ قلق ضرور تھا کہ اس کا عظیم الشان قبیلہ منتشر ہورہا ہے لیکن وہ اس انتشار کو روک نہیں سکتا تھا۔

کئی دن بعد ترک قبیلہ اور نقل مکانی کرنے والوں میں اضافہ نظر آنے لگا۔ یہ لوگ سینکڑوں یا ہزاروں کی تعداد میں اپنے اپنے خیمے اور سامان گھوڑوں اور گاڑیوں پر بار کئے چلتے پھرتے نظر آنے لگے۔ میدان جگہ جگہ سے خالی ہوگیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے صحرائی طوفانی جھکڑ ان خیموں کو اڑا لے گئے ہوں۔ اولون نے بڑی بے قراری سے کہا "نہیں روکو! کوئی آگے بڑھے اور ہمت سے کام لے اور جس طرح بن پڑے ان کو جانے سے روک دے۔"

لیکن کون تھا جو انہیں روکتا اور وہ کون سی تدبیر تھی جس سے انہیں روکا جا سکتا تھا۔

آخر اولون کچھ دیر کے لئے نظروں سے اوجھل گئی اور جب دوبارہ واپس آئی تو یاک کی نو دموں والا پرچم اس کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوگئی اور اپنے بیٹوں سے کہا "تم بھی میرے ساتھ آؤ۔"

ہمدردی میں سو ڈیڑھ سو بوڑھے اور جوان بھی ان کے ساتھ ہو لئے۔ یہ سب اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے جانے والے قبائل سے آگے نکل گئے اور کافی دور جا کے واپس ہوئے۔ تموچن اور اولون سب سے آگے تھے۔ قومی پرچم اولون کے ہاتھ میں تھا۔ یہ لوگ اسی حال میں جانے والوں کا راستہ روک کے کھڑے ہوگئے اور اولون نے ساتھ چھوڑ جانے والوں سے کہا۔ "کہیں تم یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تم سب کو طاقت کے ذریعے روکنے کی کوشش کررہی ہوں۔ میرے ساتھ بہت کم آدمی ہیں۔ تمہارا قومی پرچم میرے ہاتھ میں ہے اور کیا تم یہ چاہتے ہو کہ یہ پرچم بے یار و مددگار ہو جائے۔ اسی پرچم کے زیر سایہ تم نے عزت و قوت حاصل کی اور جب تمہارے دلوں سے اس کی عزت و وقعت جاتی رہی تو تم منتشر ہونے لگے۔ آگے بڑھو! اور یہ پرچم میرے ہاتھ سے لے کر تموچن کے ہاتھ میں دے دو تاکہ یہ تمہاری حفاظت کرے اور اپنی سرداری کی دوسری ذمے داریاں ادا کرے۔"

اس ڈرامائی طریقہ کار کا فوری طور پر یہ اثر ہوا کہ ایک عمر رسیدہ سردار آگے بڑھا۔ اولون سے قومی پرچم لے کر تموچن کے ہاتھ میں تھمایا اور خود گھوڑے سے اتر کر تموچن کے روبرو زمین پر دو زانو بیٹھ گیا۔

اس طرح ایک سردار نے تموچن کو اپنا سردار تسلیم کرلیا تھا۔

اس بوڑھے سردار کی دیکھا دیکھی کئی دوسرے سردار بھی اپنے اپنے قبیلوں کے ساتھ تموچن کی سرداری کے قائل ہوگئے اور ساتھ چھوڑ کر جانے والوں سے علیحدہ ہوگئے۔ یہ سردار بھی تموچن کے سامنے زمین پر دو زانو بیٹھ گئے اور اقرار کیا کہ انہیں تموچن کی سرداری قبول ہے۔

لیکن بیشتر سرداروں نے ان کم عقلوں کا مذاق اڑایا اور وہ حیرت سے ان سے پوچھ رہے تھے کہ یہ پندرہ سولہ سالہ لڑکا اپنی سرداری کی ذمے داریاں کس طرح پوری کرے گا اور عمر رسیدہ سرداروں کو کس طرح متحد رکھے گا۔

اولون نے دوسروں کو بھی روکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ آخر اپنے وفادار قبائلی سرداروں کے ساتھ واپس آگئی۔ اب اسے تموچن کے سردار بنائے جانے کی رسوم باقاعدہ ادا کرنا تھیں۔ تموچن کو یسوکائی کے خیمے میں ایک پُرتکلف سفید نمدے پر بٹھایا گیا۔ یہیں قبائلی سرداروں کو بھی نہایت عزت سے بٹھایا گیا۔ لیکن اولون کہیں غائب تھی۔ تموچن کا وفادار سوتیلا بھائی بلکوتی اور حقیقی بھائی قسار دونوں تموچن کے سامنے مؤدب بیٹھ گئے۔

اس قبائلی نظام کا ایک اہم فرد شامان تھا۔ اسے ان وحشیوں میں بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہ نجومی بھی ہوتا تھا، مذہبی رسوم بھی ادا کرتا تھا۔ مریضوں کا جادو ٹونے سے علاج بھی کرتا تھا اور ان وحشیوں کے بقول یہ شامان غیظ و غضب کی حالت میں آندھی طوفان بھی اٹھا سکتا تھا۔ اس کی پیش گوئیاں وحشیوں کے لئے بڑی اہم ہوتی تھیں۔ اولون نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اس نازک گھڑی میں چالاک شامان کا تعاون حاصل کرے گی۔ چنانچہ قبیلے کے شامان کے ساتھ تموچن کے خیمے میں داخل ہوئی اور کہا "عزت دار سردارو! دیکھو یہ شامان تمہارے نئے سردار تموچن کے بارے میں کیا پیش گوئیاں کررہا ہے؟"

شامان تموچن کی طرف بڑھا اور اعلان کیا "نیلے جاودانی آسمان کی طاقت اس شخص میں حلول کرگئی ہے اور زمین پر اسے آسمان کا نائب مقرر کیا گیا ہے۔"

اب سرداروں نے شامان سے سوالات کرنے شروع کردیئے۔ ایک نے پوچھا "کیا یہ لڑکا ہماری غذا کا انتظام کرسکے گا؟"

شامان نے جواب دیا "کیوں نہیں، ہر پیٹ کے لئے غذا ضروری ہے اور تموچن کسی کو بھوکا نہیں رہنے دے گا۔"

دوسرے سردار نے پوچھا "کیا یہ ہمیں دشمنوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے؟"

شامان نے جواب دیا "محفوظ بھی رکھے گا اور تم سب کو نئی زمین کا مالک بھی بنادے گا۔"

یہ چند سوالات اور ان کے اطمینان بخش جوابات سرداروں کے لئے کافی تھے۔ خاموشی چھا گئی۔ شامان نے تموچن کو سردار مقرر کئے جانے کی چند رسمیں ادا کیں اور اعلان کیا "اب تموچن ہم سب کا سردار ہے اور ہم پر اس کی اطاعت واجب ہو گئی ہے۔"

تموچن کے سردار بن جانے کے بعد سب کی دعوت کی گئی۔ کھانے کے دوران شامان اولون کو دوسرے خیمے میں لے گیا اور انعام و اکرام کا مطالبہ کیا۔ اولون نے سمور کا ایک لبادہ، کمر کسنے کی ایک پیٹی اور شیشے کے کئی برتن دیتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ بھی شامان کو نوازتی رہے گی اور شامان کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اسی طرح تموچن کی مدد کرتا رہے۔

○☆○

یسوکائی جب تک زندہ رہا جھیل بیکال کے شمالی حصے سے، جنوب میں دریائے کیرولان تک کا علاقہ اس کے قبضے میں رہا اور مشرق میں اس سرسبز علاقے کا پھیلاؤ منچوریا کی سرحد تک تھا۔ آج کل اس پورے علاقے کو خنگان کہتے ہیں۔ یہ سرسبز و شاداب علاقہ دوسرے قبائل کے لئے تحریص کا سبب بنتا رہا تھا۔ لیکن طاقتور یسوکائی کی زندگی تک کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس پر اپنی حرص و ہوس کی نظریں ڈالتا۔ لیکن جب یسوکائی کی موت کے بعد یاکا قبائل میں انتشار پیدا ہوا اور یہ ٹوٹ پھوٹ دوسرے طاقتور قبائل کے علم میں آ گئی تو یہ خنگان کا علاقہ بالکل غیر محفوظ ہو گیا۔ تموچن میں ابھی اتنی صلاحیت نہیں تھی کہ وہ فرداً فرداً دوسرے طاقتور قبائل کو اپنی طرف بڑھنے سے روک دیتا۔

برسہا برس کے دشمن قبیلے تائی جوت نے فیصلہ کیا کہ اب اس کمسن لڑکے سے اس کی سرداری چھین لینا چاہئے کیونکہ تائی جوت قبیلے کا ایک سردار خود بھی بھوری آنکھوں والی نسل سے تعلق رکھتا تھا اور خود کو بورجیگن کی نسل سے سمجھتا تھا۔ یہ ترغاتائی بورجیگن نسل سے تعلق رکھنے والا خود کو بہت بڑے علاقے کا سردار تصور کرنے لگا تھا۔ تموچن کے منحرف سردار بھی ترغاتائی کے پاس پہنچ رہے تھے اور ترغیب دے رہے تھے کہ لڑکے تموچن کو اس کے علاقے سے نکال کے خود وہاں قابض ہو جائے۔

اولون کو یہ خبریں مل رہی تھیں اور یہ بھی اپنے دشمن کے مقابلے کے لئے تیار تھی۔ اس نے یہاں بھی شامان سے کام لیا کہ وہ اپنی شاندار پیش گوئیوں سے ہمت ہار جانے والے لوگوں میں حوصلہ پیدا کرے اور گویوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے یک تارے کو کام میں لائیں۔ تمام خیموں کے سامنے سے گزریں اور یاکا قبائل کی بہادری کے گیت گاتے پھریں۔

تموچن نے یہ خبریں سنیں تو اسے یہ یقین نہیں آیا کہ وہ ترغاتائی جیسے طاقتور دشمن کا مقابلہ کر بھی سکے گا یا نہیں لیکن پھر بھی وہ مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔

انہی پریشانیوں میں اسے بورتے کا خیال آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا شامان کی پیش گوئیاں غلط ہونے والی ہیں اور اس کی سرداری کیا عنقریب اس سے چھن جائے گی؟ ایسے میں وہ کس طرح اپنی سرداری کو بچا سکے گا۔

تموچن کے خیمے پر یاک کے نو دُموں والے پرچم کو نصب کر دیا گیا۔ یہ خیمہ نہایت شاندار تھا۔ - ور اور اون کا یہ خیمہ گیند کی شکل کا تھا جس کا دروازہ جنوب میں تھا۔ اس کا بھائی قسار سائے کی طرح ساتھ رہتا۔ سوتیلے بھائی بلکوتی کو بھی تموچن کے ساتھ رہنے کی اجازت تھی۔ ان دونوں کے علاوہ چند ایسے نوجوان بھی تموچن کے ساتھ رہتے جن کے دلوں میں تموچن کی بہت عزت تھی اور یہ لوگ تموچن کو دل سے غیر معمولی انسان سمجھتے تھے۔ حالانکہ تموچن کو ان پر زیادہ اعتبار نہ تھا۔ فی الحال اس احساس نے تموچن کو ان جوانوں پر ہمدردی کی نظریں ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا کہ ان سب نے بھی دریائے کیرولان کا پانی پیا تھا اور ٹھیک اس جگہ کا پانی پیا تھا جہاں تموچن نے پی کر جھوٹا کر دیا تھا۔ اس طرح یہ جوان بھی تموچن کے بھائی بن گئے تھے۔ یہ سب تموچن کے ساتھ بیٹھ کر بیلوں کے سینگوں کے جام میں شرابیں پیا کرتے تھے۔ گرمیوں میں گھوڑی کا دودھ ان کا مرغوب مشروب تھا۔

تموچن نے اپنے آدمی اِدھر اُدھر لگا رکھے تھے کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کی نوعمری کے پیش نظر کوئی بھی دشمن اس پر حملہ کر سکتا تھا۔ تموچن کے تعینات کئے ہوئے یہ نوجوان بظاہر تو اپنے گھوڑوں پر سوار اِدھر اُدھر گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ جیسے انہیں شکار کی تلاش ہو یا کسی قریبی چراگاہ کی جستجو میں ہوں لیکن وہ حقیقتاً ہر وقت کسی نامعلوم اور نادیدہ دشمن پر نظریں رکھے ہوئے تھے۔ ان کا یہ مشغلہ دن پر ہی موقوف نہ تھا، وہ راتوں کو بھی اپنے دشمن سے چوکس رہتے تھے۔

اپنے خیموں میں تموچن بھی چوکس اور تیار رہتا تھا۔ اس نے اپنے خونی رشتوں کو ہر وقت تیار رہنے کا حکم دے رکھا تھا۔ جب سے اس نے اپنے باپ کی مسند سنبھالی تھی وہ اپنے سوتیلے بھائیوں پر بھی مہربان ہو گیا تھا۔ یہ سارے بھائی بس تموچن کے خیمے کے قریب ہی اپنے اپنے خیموں میں مستعد اور موجود رہتے تھے۔

تموچن ابھی شراب پینے میں مشغول ہی تھا کہ ایک اجنبی ہمت کر کے خیمے میں داخل ہوا۔ یہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ وہ جو خبر لایا تھا، سب کے سامنے سنانا پسند نہیں کرتا تھا۔

جس جگہ تموچن بیٹھا شراب پی رہا تھا عین اس کے سر پر روئی اور نمدے کی ایک پتلی لٹک رہی تھی۔

تموچن نے اس اجنبی کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ یہ بورتے کے قبیلے سے آیا تھا اور جب تموچن بورتے کا مہمان تھا تو یہ جوان اکثر تموچن کے پاس آ کر بیٹھ جایا کرتا تھا۔ اسے بھی تموچن کی باتیں بہت پسند تھیں۔ تموچن نے حیرت سے دریافت کیا "تم کو میرے خیمے میں یہاں تک کس نے آنے دیا؟"

نوارد نے جواب دیا "میں باہر تعینات پہرے داروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اندر آ گیا۔"

تموچن کا نشہ ہرن ہوگیا اور اسے اجنبی کی پریشان آنکھوں میں بورتے سے متعلق کوئی خبر چھپی ہوئی محسوس ہوئی' پوچھا "میری بیوی بورتے خیریت سے تو ہے؟"

نوارود نے آہستہ سے کہا "وہ تو خیریت سے ہے مگر تو البتہ خطرات میں گھرا ہوا ہے۔"

تموچن نے سینگ کا ایک جام مہمان کو بھی پیش کیا اور پوچھا "اب بتا کیا بات ہے اور تو اچانک یہاں کیا لینے آگیا ہے؟"

نوارود نے شراب میں انگلیاں ڈال دیں اور شراب میں بھیگی ہوئی انگلیوں سے لگی ہوئی ٹکی پر شراب کے چھینٹے دیے اور کہا "یہ ٹکی تجھے آفات سے محفوظ رکھے گی اور دشمنوں کی روحیں بھی تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔"

یہ کہتے ہوئے وہ خیمے میں چاروں طرف گھومتا رہا اور چاروں کونوں پر تھوڑی تھوڑی شراب گراتا رہا۔ یہ قبائلی رسم تھی اور ان کا خیال تھا کہ یہ ٹکی تموچن کی ہمزاد ہے اور اس پر شراب کے چھینٹوں کی وجہ سے یہ ٹکی خوش ہوکے تموچن کی حفاظت کرے گی اور چاروں کونوں میں شراب کے قطرے گرانے سے طوفان، برق و باد پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ زلزلوں سے بچا جاسکتا ہے۔

تموچن بورتے کا پیغام سننے کے لئے بے چین تھا۔ ایک بار پھر اس نے دریافت کیا "تو بتاتا کیوں نہیں بورتے کو کیا ہوگیا؟"

نوارود نے ایک کونے میں کھڑے ہوکر سرگوشی میں بتایا۔ "بورتے نے کہا ہے کہ تائی جوت کا ترغاتائی تجھ سے تیری حکومت چھین لینا چاہتا ہے۔ اگر تو اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تو کہیں روپوش ہوجا۔"

تموچن نے کہا "میں نے تو یہ سنا ہے کہ ترغاتائی شکار کھیلنے آرہا ہے اور شکار کھیل کے واپس چلا جائے گا۔"

نوارود نے کہا "وہ تیرا شکار کرنے آرہا ہے۔"

تموچن نے کہا "یہ جھوٹ ہے ترغاتائی کے پاس میرے اپنے بہت سے قبائل پہنچ چکے ہیں اور یہ لوگ اپنے سردار پر کبھی بھی حملہ آور نہیں ہوسکتے۔"

نوارود نے اصرار کیا "تو میری باتوں پر یقین کر اور چپ چاپ فرار ہو کے اپنی جان بچالے۔"

تموچن کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر پوچھا "ترغاتائی تو اس کا اپنا سردار ہے۔ وہ اپنے سردار کے خلاف مخبری کیوں کررہی ہے؟"

نوارود نے کہا "بورتے کہتی ہے کہ تموچن میرا ہونے والا شوہر ہے اور ترغاتائی ہمارا سردار۔ میں اپنے شوہر کو بہرحال بچاؤں گی۔"

تموچن نے یہ خبر اپنی ماں کو دی اور ہدایت کی کہ وہ اپنے رشتے کی بچیوں اور بچوں کو لے کر کہیں روپوش ہوجائے' وہ خود قسار' ملکوتی اور چند ساتھیوں کو لے کر کہیں دور چلا جائے گا۔

تموچن نے اپنے دونوں بھائیوں اور دو ساتھیوں کو ہمراہ لیا اور گھوڑوں پر بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہوگیا۔ راستے میں تموچن کو راستے کی نگرانی اور جاسوسی کرنے والا ملا۔ اس نے بھی یہی خبر دی کہ ترغاتائی اس علاقے میں شکار کھیلنے آرہا ہے۔

اب نوارود کی خبر کی تصدیق ہوچکی تھی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اسے بھاگ کر کہاں روپوش ہوجانا چاہئے؟ قسار اور ملکوتی نے جواب دیا "سردار تو ہے' ہم تو تیرے پیچھے پیچھے چلنے والوں میں سے ہیں۔"

تموچن نے کہا "اگر یہ بات ہے تو تم سب لوگ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

نوارود راستے سے واپس چلا گیا اور تموچن پیچھے دیکھے بغیر اپنا گھوڑا بھگاتا رہا۔ اس وقت بھی اس کا دماغ کام کررہا تھا اور وہ روپوش ہوجانے کی جگہ کا انتخاب کرچکا تھا۔ اس نے اپنے لئے برخان کلدون کی جنوبی پہاڑیوں میں سے کسی ایک کو پسند کرلیا تھا۔ یہاں وہ کہیں بھی چھپ کے اپنی جان بچا سکتا تھا۔ اس وقت ان سب کے پاس صرف معمولی ہتھیار تھے۔ قسار کے پاس ترکش میں کچھ تیر بھی تھے۔ تموچن کے پاس صرف ایک خنجر تھا۔ ملکوتی عجلت میں صرف تلوار ساتھ لا سکا تھا۔ بقیہ دونوں جوان دو بچھے اور ایک ایک تلوار اپنے ساتھ لائے تھے۔ یہ دونوں بچھے کسی عرب تاجر سے چھینے گئے تھے۔

قسار کو سب سے پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ ان کا پیچھا کیا جارہا ہے۔ اس نے تموچن کو بتلایا "ہمارا پیچھا کیا جارہا ہے۔"

تموچن نے کہا "پیچھا کرنے والوں کا تیروں سے کام تمام کردے۔"

بظاہر اس حکم کی تعمیل بہت مشکل تھی کیونکہ بھاگتے ہوئے گھوڑے کی پشت سے متعاقبین کو اپنے تیروں کا نشانہ بنانا بہت مشکل کام تھا لیکن قسار اپنی تیراندازی میں بے مثل ماہر سمجھا جاتا تھا۔ اس نے مڑ مڑ کے تیر چلائے اور کئی تعاقب کرنے والوں کو مار گرایا۔

اچانک تموچن کی آواز سنائی دی "جس کو جدھر فرار کی راہ ملے' فرار ہوجائے۔ اب ہم سب کا ایک ہی سمت بھاگتے رہنا مناسب نہیں ہے۔"

اور خود تموچن ایک پہاڑی کی طرف بھاگتا رہا۔ بھاگتے بھاگتے ملکوتی کو حکم دیا "تو قسار کے ساتھ رہ۔"

دونوں نوجوانوں نے تموچن کا ساتھ دیا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے گھوڑے بھگاتے رہے۔

ان کے گھوڑے بھی تھک چکے تھے۔ تموچن کے حکم پر تموچن کے ساتھی اپنے اپنے گھوڑوں سے کودے اور گھوڑوں کو ایک طرف بھگا دیا اور تینوں پہاڑی کے ایک غار میں روپوش ہوگئے۔ قسار اور ملکوتی لمبی لمبی گھاسوں میں غائب ہوگئے۔ ان دونوں نے بھی اپنے اپنے گھوڑوں کو چھوڑ دیا تھا۔

تعاقب کرنے والے گھوڑوں کے پیچھے بھاگتے رہے۔ اور آخر میں مایوس ہوکر واپس پلٹے اور ادھر ادھر باغیوں کو تلاش کرتے

رہے۔ یہ تعاقب کرنے والے ابھی تک لاعلم تھے کہ وہ کس کا تعاقب کر رہے تھے۔

دوسری طرف ترغاتائی شکار کھیلنے کے بہانے یاکا قبائل پر حملہ آور ہوا اور زخمیوں میں تموچن کو تلاش کرتا رہا۔ اسے صرف تموچن کی تلاش تھی۔ اس کی ملاقات اولون سے بھی ہوئی مگر اسے اولون سے کوئی غرض نہ تھی' پوچھا "تموچن کہاں ہے؟"

اولون نے جواب دیا "وہ بھی تیری طرح شکار کھیلنے گیا ہوا ہے۔"

لیکن ترغاتائی کو اب بھی یہ شبہ تھا کہ تموچن انہی خیموں میں کہیں موجود ہے۔ اس کے آدمیوں نے تمام خیموں کو اپنے محاصرے میں لے رکھا تھا۔ اور وہ ایک ایک خیمے کی تلاشی لے رہے تھے۔ انہیں کئی گھنٹے کی تلاشی کے بعد بڑی مایوسی ہوئی۔ ترغاتائی کو حیرت ہوئی کہ تموچن کس طرح بچ کے نکل گیا۔ تموچن کے خیمے میں اس وقت بھی روئی اور نمدے کی پتلی تموچن کی تلاش کرنے والوں کا مذاق اڑا رہی تھی۔ وہ بھیگی ہوئی تھی جس سے ترغاتائی کو یہ معلوم ہو گیا کہ تموچن کو اس خیمے سے نکلے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ وہ اپنے آدمیوں کو ڈانٹ ڈانٹ کر ہدایت دے رہا تھا "تموچن کو تلاش کرو۔ وہ یہیں کہیں موجود ہے۔"

تموچن نے جس غار میں پناہ لی تھی' تائی جوت والے وہاں تک نہیں پہنچ سکے کیونکہ تموچن اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑے تائی جوت والوں کو مل گئے تھے اور ان تھکے ہارے گھوڑوں کو دیکھ کر دشمنوں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ تموچن اور اس کے ساتھی تھکے ہوئے گھوڑوں کو چھوڑ کر تازہ دم گھوڑوں پر کہیں نکل گئے۔ اکثر تائی جوت کے لوگ واپس چلے گئے لیکن چند چالاک تعاقب کرنے والے وہیں چھپ گئے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ تموچن یہیں کہیں روپوش ہے اور میدان صاف دیکھتے ہی سامنے آجائے گا۔

تموچن نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا "تم دونوں میرا ساتھ چھوڑ دو اور میری ماں کے پاس واپس جاؤ' ترغاتائی کے لوگ میری تلاش میں ہیں۔ تم سے کوئی کچھ نہیں پوچھے گا۔"

لیکن دونوں نے ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ یہ دونوں تموچن کے ساتھ جینے مرنے کا عہد کر چکے تھے۔ ایک نے تموچن کے ایک زخمی حصے کا خون چوس لیا اور کہا "اب میں تیرا بھائی ہوں۔ تیرا اندا بھائی یعنی میدان جنگ میں جینے مرنے کا عہد کرنے والا حقیقی بھائی۔"

تموچن اس کی وفاداری سے بے حد متاثر ہوا۔ لیکن یہاں یہ مشکل پیش آئی کہ ان تینوں کو بھوکا رہنا پڑ رہا تھا۔ اس غار میں ان کے کھانے پینے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ وہ کب تک یہاں چھپے رہ سکتے تھے۔ دو دن تک بھوکے پیاسے رہنے کے بعد تموچن نے فیصلہ کیا کہ وہ کھانے کی تلاش میں باہر جائے گا۔

دونوں ساتھیوں نے منع کیا کہ باہر خطرہ ہے۔ لیکن تموچن نہیں مانا اور کہا "میں تم دونوں سے زیادہ چالاک ہوں اور بہادر بھی۔ میں جب واپس آؤں گا تو تم دونوں کے لیے بھی کچھ نہ کچھ ضرور لاؤں گا۔"

اور تموچن اپنے دونوں ساتھیوں کا جواب سنے بغیر ہی غار سے نکل گیا۔ وہ ایک چٹان پر بیٹھ کے چاروں طرف کا جائزہ لینے لگا۔ دور دور تک زندگی کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ وہ آدمیوں کے علاوہ خیموں اور چھوٹی موٹی پہاڑیوں کی آڑ سے بلند ہونے والے دھوئیں کی فکر میں تھا۔ اگر کہیں دھواں نظر آجاتا تو اس کا یہ مطلب ہوتا کہ وہاں آبادی موجود ہے۔ گھنٹوں کی تحقیق اور جستجو کے بعد اس کو ایک چھوٹے سے غار کے منہ سے دھواں نکلتا دکھائی دیا جس سے اس کو یقین ہو گیا کہ شاید اس غار میں بھی اس کی طرح کچھ لوگ روپوش ہیں اور ان روپوش ہونے والوں کے ساتھ کھانے پینے کی اشیا بھی موجود ہیں۔ بھوک پیاس سے نڈھال تموچن اس دھوئیں والے غار کی طرف چل پڑا۔ کافی دیر چلتے رہنے کے بعد جب وہ غار کے قریب پہنچا تو معلوم نہیں کس طرف سے نکل کر دس بارہ تائی جوت والے اس کو گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ اور ان ہی میں سے ایک نے چیخ کر کہا "یہی تموچن ہے۔"

اس وقت بھی تموچن کے پاس خنجر موجود تھا مگر وہ اسے استعمال نہیں کر سکتا تھا کیونکہ خنجر کے استعمال کا یہ مطلب تھا کہ وہ ان ہتھیار بند تائی جوت والوں سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ اور مقابلے کا نتیجہ تموچن کے قتل کے سوا نہیں نکل سکتا تھا۔

تموچن نے خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا' اپنا خنجر ان کے حوالے کر دیا۔ تموچن کو گرفتار کر لیا گیا۔ ایک نے تموچن سے کہا "ہمیں یقین تھا کہ تو یہیں کہیں روپوش ہے۔"

تموچن نے جواب دیا "مجھے میری بھوک پیاس نے گرفتار کروا دیا ورنہ تم لوگ مجھے کبھی بھی گرفتار نہ کر سکتے۔"

تموچن نے اپنے دونوں ساتھیوں کے بارے میں ان کو کچھ بھی نہ بتایا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کو کسی مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

یہ لوگ گرفتار تموچن کو لے کر ترغاتائی کے پاس پہنچے۔ وہ تموچن کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کہا "میں نے بھی یہ تہیہ کر رکھا تھا کہ جب تک تو گرفتار نہیں ہو گا' میں یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔"

تموچن نے پوچھا "میری ماں کہاں ہے۔ میری بہنیں کہاں ہیں؟"

ترغاتائی نے جواب دیا "مجھے تیری ماں اور بہن سے کچھ بھی لینا دینا نہیں۔ وہ اپنے اپنے خیموں میں آرام سے رہ رہی ہوں گی اور یہ سارا علاقہ میرا ہے اور تم اب میری سرداری میں رہو گے۔"

تموچن نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ بظاہر اب تموچن کی سرداری کا خاتمہ ہو گیا تھا اور اس کی پوری وادی ترغاتائی کے قبضے میں چلی گئی تھی۔

ترغاتائی نے بڑی کوشش کی کہ تموچن اپنے دل کا غبار نکالے

اور غصے میں اول فول بکے اور وہ اس نوجوان سردار کی بے عزتی کرے لیکن تموچن کے صبر و استقلال نے ترغاتائی کو یہ موقع نہ دیا۔ ترغاتائی نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "اس کے دونوں ہاتھوں اور شانوں میں کنگ ڈال دیا جائے۔"

لوگوں نے لکڑی کی ایک ہتھکڑی دونوں کلائیوں اور شانوں میں ڈال دی۔ اس عجیب و غریب ہتھکڑی کو وہ لوگ کنگ کہتے تھے۔ ایک لمبی چپٹی لکڑی کو دونوں شانوں پر رکھ کے اس کے دونوں سرے ہتھیلیوں تک لے جا کے دونوں کلائیوں سے جکڑ دیے جاتے تھے۔

اب تموچن بالکل بے بس تھا۔

تموچن بہت بھوکا تھا۔ اس نے کنگ پہنانے والوں کو بتایا۔ "میں بھوکا ہوں۔ اپنے سردار سے کہو کہ وہ میرے لیے کھانے کا انتظام کرے۔"

ان لوگوں نے ترغاتائی کو بتایا کہ تموچن بھوکا ہے۔

ترغاتائی نے کھانے کا انتظام کر دیا۔

کھانے کے لیے ایک ہاتھ آزاد کر دیا گیا۔ کھانے کے بعد اسے دوبارہ کنگ لگا دیا گیا اور اسے ایک خیمے میں تنہا بٹھا دیا گیا۔

اب اس خیمے میں اس کے سوا کوئی نہ تھا۔

اولون کو تموچن کی گرفتاری کی خبر ملی تو اسے دکھ تو پہنچا مگر اپنے بیٹے کی رہائی کے لیے منت و زاری کرنے ترغاتائی کے پاس نہیں گئی کیونکہ اسے یقین تھا کہ اگر تموچن کو فوراً قتل نہ کیا گیا تو وہ کسی نہ کسی طرح آزاد ہو کے اپنے قبائل میں واپس آ جائے گا۔

ترغاتائی نے کوچ کیا اور اپنے مسکن کی طرف روانہ ہو گیا۔

کئی دن چلتے رہنے کے بعد وہ دریائے انگوڈا کے قریب پہنچ گئے۔ یہیں پڑاؤ کیا گیا۔ خیمے نصب کیے گئے۔ ترغاتائی کے ساتھ تموچن کے قبیلے کے بہت سے لوگ شامل تھے۔ ایک ہم قبیلہ کو تموچن پر رحم آیا اور اس سے اپنے سردار کی بے عزتی دیکھی نہیں گئی لیکن اس نے اپنے احساسات کا کسی دوسرے کے سامنے اظہار نہیں کیا اور وقت کی تلاش میں رہا۔

ترغاتائی نے اس جگہ جشن کا اہتمام کیا کیونکہ اس حد تک تموچن کے قبائل کی سرداری تھی یعنی یا کا منگولوں کی سرداری تھی۔ دریا کے اس پار کا علاقہ تائی جوتوں کا تھا لیکن اب یہ دونوں علاقے ترغاتائی کے قبضے میں آ گئے تھے۔

نہایت دھوم دھام سے جشن منایا گیا۔ تائی جوت والے اچھلتے کودتے پھر رہے تھے۔ ترغاتائی اپنے سرداروں کے ساتھ خوش گپیوں اور پینے پلانے میں مشغول تھا اور دوسرے قبائلی علاقوں پر قابض ہونے کی باتیں کر رہا تھا۔ لیکن یاکا قبیلے کے کچھ منگول پچھتا رہے تھے کہ انہوں نے اپنی زمینوں پر ناحق ترغاتائی کو قابض کروا دیا۔ تائی جوت والے خود کو سب سے افضل اور منگولوں کو اپنا غلام سمجھنے لگے تھے۔ ان دونوں میں فاتح اور مفتوح کا فرق پایا جاتا تھا۔ تائی جوت والے فاتح تھے اور منگول مفتوح۔ منگول سوچ رہے تھے کہ انہوں نے ناحق تموچن کا ساتھ چھوڑا۔

اب انہیں اپنی بے عزتی کا احساس ہو رہا تھا۔ ایک منگول تموچن کو آزاد دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ موقع کی تاک میں تھا۔ وہ تموچن سے ملنا، باتیں کرنا اور اظہارِ ہمدردی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ترغاتائی نے تموچن کے خیمے کے باہر پہرا بٹھا رکھا تھا اور یہ پہرے دار تائی جوت سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن جشن کی رات یہ موقع مل گیا کیونکہ پہرے دار بھی شراب کے نشے میں بدمست ہو رہے تھے اور آپس میں بہکی بہکی باتیں کر رہے تھے۔ اسی نشے کی حالت میں انہیں کسی سے معلوم ہوا کہ جشن میں عورتوں لڑکیوں نے بھی شرکت کی ہے۔ اور تائی جوت کے سردار رنگ رلیاں منانے میں مشغول ہیں۔ اور یہ پہرے دار اس سے محروم تھے۔

ایک منگول شراب کا چھوٹا سا مٹکا لے کر پہرے داروں کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے مخصوص وضع کے سینگوں کے خول میں شراب بھر بھر کے پہرے داروں کو پلانے لگا۔

جب یہ پہرے دار شراب کے نشے میں دُھت ہو گئے تو اس منگول نے ایک پہرے دار کی جیب سے کنگ کی کنجی نکال لی اور اندر جا کے تموچن کو آزاد کر دیا۔

تموچن حیران تھا کہ اس کے ساتھ یہ مہربانی کیوں کی جا رہی ہے؟ کنگ سے آزاد کرنے والے منگول نے کہا "اے نوعمر سردار! ہم سب منگول اپنی وفاداریاں بدلنے پر شرمندہ ہیں۔"

تموچن نے منگول کی بولی سے سمجھ لیا تھا کہ یہ کوئی اپنے ہی قبیلے کا جوان ہے۔ تموچن نے پوچھا "اب میں کہاں جاؤں؟"

منگول نے جواب دیا "موقع بہت اچھا ہے۔ ہر کوئی رنگ رلیاں منانے میں مشغول ہے۔ اکثر لوگ نشے میں دھت ہیں۔ تم ان سے چھپتے چھپاتے یہاں سے نکل جاؤ۔"

تموچن نے پہلا کام یہ کیا کہ کنگ کی ضربیں لگا کے پہرے داروں کو بے ہوش کر دیا۔ اب وہ آزاد تھا اور اپنے دشمنوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار ہو سکتا تھا۔

منگول آہٹوں پر کان لگائے ہوئے تھا کہ ناگاہ چند آدمیوں کے آنے کی آہٹیں محسوس ہوئیں۔ یہ منگول وہاں سے بھاگ گیا اور تموچن سے کہتا گیا۔

"سردار! کچھ لوگ ادھر ہی آ رہے ہیں اس لیے تم بھی بھاگ کے کہیں روپوش ہو جاؤ۔"

تموچن خیمے سے نکل کر ایک طرف بھاگا اور پانی کے ایک جوہڑ میں اتر گیا۔ اس جوہڑ میں دور تک اونچی اونچی گھاس اگی ہوئی تھی۔ تموچن کا پورا جسم پانی کے اندر تھا اور ٹھوڑی کے اوپر والا حصہ پانی کے اوپر مگر گھاس میں چھپا ہوا تھا۔

ترغاتائی نے جشن کی خوشی میں تموچن کو بھی شریک کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ تموچن کو مزید ذلیل کرنا چاہتا تھا۔ چند غدار منگول سرداروں نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ دست بستہ تموچن کو سب کے سامنے لایا جائے۔

ترغاتائی چند سرداروں کے ساتھ تموچن کے خیمے تک پہنچا۔

وہاں پہرے دار بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ ترغاتائی نے ان کو ہوش میں لانے کا حکم دیا اور خود تموجن کے خیمے میں چلا گیا۔ وہاں کنگ ایک کونے میں پڑا ہوا تھا اور تموجن غائب تھا۔ ایک ہلچل مچ گئی۔ ترغاتائی نے چیختا چلاتا شروع کر دیا "تموجن کو پکڑو، جانے نہ پائے ابھی یہیں کہیں ہو گا۔"

دس دس بارہ بارہ افراد پر مشتمل کئی دستے تموجن کی تلاش میں نکل گئے۔ کچھ خیموں کے باہر راستوں کی نگرانی کرنے لگے۔ کچھ ادھر ادھر خیموں کی تلاشیاں لینے لگے اور کئی دستے ناہموار راستوں کے نشیب و فراز میں جھاڑیوں اور چھوٹے چھوٹے غار جیسے گڑھوں میں تموجن کی بُو سونگھتے پھر رہے تھے۔ ترغاتائی خود اس جوہڑ تک پہنچ گیا جہاں تموجن چھپا ہوا تھا۔

اس وقت بھی ترغاتائی کے ساتھ چند منگول تھے۔ یہ لوگ بھی اپنی غداری پر شرمندہ تھے مگر اپنی کسی بات سے اس کا اظہار نہیں ہونے دیتے تھے۔ ان منگولوں میں سے کسی ایک نے تموجن کو دیکھ لیا اور یہ اپنے مصنوعی تجسس کے ساتھ تموجن کے پاس پہنچ گیا اور آہستہ سے کہا "بس یہیں خاموش دبکے بیٹھے رہو۔ میں ترغاتائی کو یہیں سے واپس لے جاؤں گا۔"

پھر فوراً ہی اس منگول کو خیال آیا کہ تموجن گھوڑے کے بغیر یہاں سے فرار نہیں ہو سکتا، آہستہ سے کہا "کچھ دیر بعد یہاں ایک گھوڑا پہنچا دیا جائے گا۔ تم اس پر بیٹھ کر کہیں نکل جانا۔"

پھر یہ منگول ترغاتائی کے پاس واپس گیا اور کہا "اس جوہڑ میں تو کہیں تموجن کا پتا نہیں لگتا۔"

ترغاتائی نے ملول لہجے میں کہا "اگر وہ یہاں نہیں ہے تو کہاں گیا؟ اگر وہ بچ کے نکل گیا تو میں اپنے منصوبے میں ناکام ہو جاؤں گا۔ اسے پکڑو اور بچ نکلنے کا کوئی موقع نہ دو۔"

تموجن کی پانی میں بیٹھے بیٹھے بری حالت ہو گئی تھی۔ ابھی شام ہونے میں کافی دیر تھی اور رات سے پہلے یہاں سے نکل کے فرار ہونا ناممکن تھا۔

کہیں مغرب کے بعد وہی منگول گھوڑے پر سوار جوہڑ کے کنارے پہنچا اور آہستہ سے آواز دی "تموجن! موجود ہو یا چلے گئے۔ میں تمہارے لیے گھوڑا لایا ہوں۔ تم اس پر بیٹھ کر اپنے قبیلے میں واپس جاؤ اور اپنی ماں اولون سے کہنا کہ ہم لوگوں نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا اس پر شرمندہ ہو رہے ہیں۔"

اس منگول کو یہ نہیں معلوم تھا کہ تموجن جوہڑ سے نکل کر پتھر کے ایک بڑے ٹکڑے کے پیچھے بیٹھا گھوڑے کا انتظار کر رہا ہے۔

جب اس نے منگول کی آواز سنی اور پتھر کی آڑ سے خوب جائزہ لے کر یہ سمجھ لیا کہ اس منگول کے ساتھ کوئی اور نہیں آیا ہے تو وہ منگول کے سامنے آ گیا اور گھوڑے کی لگام پکڑتے ہوئے آہستہ سے کہا "میں تیرا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا لیکن تمہیں بھی مل جل کے یہ سوچنا چاہیے کہ جو کچھ تم نے کیا اگر نہ کرتے تو آج ہم اتنے مضبوط ہوتے کہ تائی جوت والے بحیثیت حکمران ہم پر مسلط نہ ہوتے۔"

منگول نے افسوس کرتے ہوئے کہا "ہم بھی شرمندہ ہیں۔ تم قبیلے میں پہنچو، ہم بھی ترغاتائی کا ساتھ چھوڑ کر بہت جلد اپنے قبائل میں پہنچ جائیں گے۔"

تموجن وقت ضائع کیے بغیر اچک کے گھوڑے پر بیٹھ گیا اور پھر یہ گھوڑا یاکا قبائل کی طرف روانہ ہو گیا۔

کئی دن بعد ترغاتائی کو منگولوں کی وفاداری پر شبہ ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ تموجن منگولوں کی مدد کے بغیر آزادی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے تموجن کے پہرے داروں کو بلوایا اور ان سے سوال جواب شروع کر دیے۔ اسے یہ بتایا گیا کہ ایک منگول شراب کا مٹکا لیے خیمے کے پاس پہرے داروں کے پاس آیا تھا اور اس نے ان کو اتنی شراب پلا دی کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں ہی نہ رہے۔ تب تموجن کی آزادی کی کارروائی عمل میں لائی گئی۔ کنگ کی ضربات سے پہرے داروں کو زخمی کیا گیا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ اس منگول نے ہی ان کی جیب سے کنجی نکال کے تموجن کو آزادی دلوائی ہو گی۔

اب اس منگول کی تلاش شروع ہو گئی مگر اس کا بھی کوئی پتا نہ تھا۔ اب ترغاتائی کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ ساری شرارت منگولوں کی ہے اور یہ منگول اس کی نظر میں مشتبہ قرار پائے۔ اب وہ کسی منگول پر اعتبار کرنے کو تیار نہ تھا۔

دو دن بعد اس نے اعلان کر دیا "اب ہم یہاں نہیں ٹھہریں گے۔ اپنی زمینوں پر چلو۔ جو کچھ کرنا ہے اس کی منصوبہ بندی بھی وہیں ہو گی۔"

خیمے اکھڑنے لگے، پرچم لپیٹ دیے گئے۔ ایک بہت بڑی گاڑی ترغاتائی کے خیمے کے سامنے کھڑی کر دی گئی۔

اس گاڑی میں بیس بیل جتے ہوئے تھے اور دونوں پہیوں کے درمیان تقریباً بیس فٹ کا فاصلہ تھا۔ اس پر ایک گنبد نما خیمہ رکھ دیا گیا۔ ترغاتائی اپنے مسکن تک اس گاڑی پر سفر کرنا چاہتا تھا۔ بیلوں کی راسیں ایک لڑکی کے ہاتھ میں تھیں۔ یہی لڑکی گاڑی بان تھی۔

اس خیمے میں بیٹھنے سے پہلے ترغاتائی نے اعلان کیا "جو منگول میرے ساتھ رہنے میں کسی قسم کی تکلیف محسوس کر رہے ہوں وہ میرا ساتھ چھوڑ سکتے ہیں۔ مجھے وفادار لوگ درکار ہیں۔ متذبذب لوگ کسی کام کے نہیں ہوتے۔ یہ لوگ تو خود اپنے بھی نہیں ہوتے۔ میں نے سوچا تھا کہ دو دریاؤں کی درمیانی سرسبز وادی کو میں کسی عمر رسیدہ منگول سردار کے حوالے کر کے واپس چلا جاؤں گا لیکن منگولوں نے مجھے دھوکا دیا اور اپنے سردار تموجن کو فرار کروا دیا۔ فی الحال میں کچھ دن آرام کروں گا اور جب دوبارہ اس وادی میں آؤں گا تو منگولوں کو مجبور کروں گا کہ وہ اپنے لیے کوئی دوسری وادی تلاش کریں۔ مگر اب یہ سب کچھ ممکن نہیں رہا۔ اب میں جھیل بیکال کی پشت پر مغربی حصوں میں آباد قبائل کو مطیع

فرمانبردار کروں گا اور اس کے بعد جنوب کا چکر لگاتا ہوا مشرق میں آباد تاتاریوں کے سروں پر پہنچ جاؤں گا اور جب انہیں بھی اپنے قابو میں کرلوں گا تو دریائے کیرولان عبور کرکے دوبارہ منگولوں کی وادی میں داخل ہو جاؤں گا اور انہیں تابع فرمان کرکے انہی میں سے کسی کو ان کا سردار بنادوں گا اور اس امیر پر سالانہ مالی ادائیگی کی ذمے داری ڈال دی جائے گی۔"

یہ خطرناک اعلان منگولوں کے لیے قابل عمل نہیں تھا۔ کیونکہ ان میں سے بیشتر سردار تائی جوت قبیلے کے جینے مرنے کے ساتھی ہو گئے تھے۔ لیکن جو منگول یہاں آنے پر شرمندہ تھے وہ ترغا تائی کی واپسی کے منصوبے کو اپنے لیے مفید سمجھ رہے تھے۔ انہیں اپنے بچھڑے ہوئے لوگ یاد آرہے تھے۔ اپنی وادی کی کشش انہیں اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ انہیں منت سماجت کرتی اولون نظر آرہی تھی جو ان سب کو روک لینا چاہتی تھی۔ انہیں تموچن بھی یاد آرہا تھا۔ اور انہیں اس وقت تموچن پر فخر تھا کہ وہ ترغا تائی کی قید میں آنے کے بعد فرار ہو گیا تھا۔ گویا یہ اس کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔

سفر کے دوران یہ پچھتانے والے منگول سب سے پیچھے ہو گئے اور یہیں سے کٹ کٹ کر اپنے قبائل میں واپس چلے گئے۔

ترغا تائی کو معلوم تھا کہ مشتبہ اور نیم دلے منگول اس کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ وہ آنکھیں بند کیے سفر کرتا رہا۔ اسے افسوس تھا کہ حاصل کی ہوئی وادی اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ لیکن وہ اب بھی اس وادی پر دانت لگائے ہوئے تھا اور یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ جب دوبارہ اس وادی پر قبضہ کرے گا تو بیشتر منگولوں کو قتل کروادے گا۔ یہاں تک کہ یہ پھر کبھی سر نہیں اٹھا سکیں گے۔



تموچن دریائے کیرولان کے شمالی کنارے تک پہنچ گیا۔ وہ اپنے خیمے کو تلاش کررہا تھا۔ اپنے لوگوں کو تلاش کررہا تھا جو ادھر اُدھر تتر بتر ہو گئے تھے۔ آخر دو ہفتوں کی کوشش کے بعد وہ ایک چرواہے کے پاس پہنچ گیا اور اس سے اپنے قبیلے والوں کا پتا پوچھا۔

چرواہے نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "دراصل خرابی سب سے بڑی یہ ہے کہ ہم نے اپنے سردار پر اعتبار نہیں کیا اور غیروں پر بھروسا کرنے لگے۔ غیر مضبوط ہو گئے' ہم کمزور پڑ گئے۔"

تموچن کو چرواہے کی نشاندہی کے باوجود اپنی ماں تک پہنچنے میں کئی دن لگ گئے۔ یہ لوگ مشرق میں خنبجان والے علاقے میں چلے گئے تھے۔ اولون کے خیال میں یہ جگہ کسی قدر محفوظ تھی۔ وہ مسلسل یہ سوچ رہی تھی کہ اگر تموچن یہاں نہ آیا تو اسے کیا کرنا ہوگا۔ اس کا چھوٹا بیٹا قسار اس کے پاس آچکا تھا۔ وہ اس کی سرداری کے لیے غور کررہی تھی۔ لیکن اس کا دل اس پر آمادہ نہیں ہوتا تھا اور رہ رہ کر تموچن یاد آرہا تھا۔ کیونکہ تموچن میں یسوکائی سے زیادہ سرداری کے اوصاف موجود تھے۔ اس نوعمری میں تموچن جو کچھ کر گزرا تھا اس سے یسوکائی اس کا ہم پلہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ قسار میں کئی خوبیاں تھیں۔ بہادر تھا' بہترین تیر انداز تھا' اپنے قبائل سے بے حد محبت کرتا تھا' ماں کا تابعدار تھا مگر اس میں تموچن جیسی سوجھ بوجھ اور عقل نہیں تھی۔ وہ زیادہ تجسس پسند بھی نہیں تھا۔ دوسروں پر رعب جمانے اور دلوں پر قبضہ کرلینے کے گر بھی نہیں جانتا تھا۔ یاکا قبائل کے لوگ بھی قسار کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ جب کہ تموچن سب کی نظروں میں ایک اہم نوجوان تھا۔

اولون کی نظریں کیرولان کے اس پار تاتاریوں پر بھی تھیں۔ یہ یسوکائی کے جد امجد قبل خان کے بھائی کی اولاد تھے اور اس برے وقت میں اولون کا ساتھ دے سکتے تھے۔ وہ تموچن کے انجام کی خبروں کی منتظر تھی۔ اگر ترغا تائی تموچن کو قتل کروبتا ہے تو وہ مظلوم بن کے تاتاریوں میں چلی جائے گی اور ان سے ترغا تائی کے خلاف مدد مانگے گی اور اپنی پوری وادی تاتاریوں کی مدد سے واپس لے لے گی۔

اولون یہ سب کچھ سوچ رہی تھی کہ تھکا ہارا' بھوکا پیاسا تموچن اولون کے پاس پہنچ گیا۔ اولون بیٹے کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئی۔ قبیلے کے سبھی لوگ تموچن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

تموچن کی گرفتاری نے اس کا ساتھ دینے والے منگولوں کو دل برداشتہ کردیا تھا اور انہیں یہ یقین نہیں رہا تھا کہ یہ نوعمر لڑکا ان کی سرداری کا حق ادا کرسکے گا۔ انہیں اپنے نئے سردار سے بھی یہی توقع تھی کہ وہ ان کی روزی کی ذمے داری قبول کرے گا۔ دشمنوں سے ان کی حفاظت کرے گا اور قبیلوں میں اتحاد پیدا کرے گا۔ لیکن تموچن کی گرفتاری کے بعد وہ بہت مایوس ہوئے اور ہر قبیلہ اپنے اپنے طور پر اپنے لیے الگ سوچ میں جتلا ہو گیا۔ وہ کسی ایسے نوجوان کی سرداری پر کس طرح بھروسا کرسکتے تھے جو اپنے دشمن کی معمولی سی یلغار کا مقابلہ نہ کرسکتا ہو۔

بظاہر یہ لوگ اب بھی تموچن کی سرداری کے زیر اثر تھے۔ لیکن ان کے حتمی رویے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تموچن کی سرداری میں رہنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

یسوکائی کی زندگی تک یہ لوگ اپنے سردار کو ہر سال کچھ مویشی نذر کیا کرتے تھے گویا یہ ایک خراج تھا جو وہ اپنے سردار کو ادا کرتے تھے۔ اولون نے اس پریشانی کے عالم میں تموچن کو یاد دلایا۔ "تو اپنے وفادار قبائلی سرداروں کے پاس جا اور ان سے اپنی سرداری کا نذرانہ طلب کر۔"

تموچن نے ماں کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے ماتحت قبائلی سرداروں کے پاس گیا۔ اور ان سے اپنا حق مانگا لیکن قبائلی سرداروں نے اس کا منہ چڑایا اور پوچھا "کیسا حق! تو نے اپنی سرداری کا حق ادا کیا جو اپنا حق مانگنے چلا آیا؟"

تموچن نے اصرار کیا "میں اپنا حق بھی ادا کروں گا مگر تم لوگ بھی اس برے وقت میں میرا ساتھ دو۔"

ایک سردار نے طنزاً کہا "دیکھ تموچن! جو قبائل ہمارا ساتھ چھوڑ کے ترغاتائی کے پاس چلے گئے، ان کا فیصلہ صحیح تھا۔ ہم نے تیرا ساتھ دینے کا غلط فیصلہ کیا اور پچھتا رہے ہیں۔ اب ہمیں مزید تنگ نہ کر۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی تیرا ساتھ چھوڑ کر تائی جوت والوں میں چلے جائیں۔"

تموچن نے اپنا حق بہ اصرار طلب کیا "تم لوگوں کو ایک اونٹ، ایک گھوڑا، ایک بکری اور ایک بھیڑ ہر حال میں دینا ہوگی۔ حالانکہ ہمیں ضرورت زیادہ جانوروں کی ہے مگر فی الحال ان چار سے ہی کام چل جائے گا۔"

سردار نے بھی تیوریاں دکھائیں "تموچن! ہمیں تنگ نہ کر۔ ابھی تو ہم تیرے ساتھ ہیں۔ زیادہ تنگ کرے گا تو ہم بھی تائی جوت والوں میں چلے جائیں گے۔"

ایک سردار نے تموچن کو مشورہ دیا "تو اپنی ہونے والی بیوی بورتے کے قبیلے میں کیوں نہیں جاتا۔ وہ اس حیثیت میں ہے کہ تیری مدد کرے۔ اور تیرا کھویا ہوا وقار بحال کر دے۔"

ایک دوسرے سردار نے تموچن کو یاد دلایا "ابھی تو پیدا بھی نہیں ہوا تھا کہ تیرا باپ قرابت والوں کے سردار طغرل خان کے پاس مہمان ہوا تھا۔ ان دونوں میں بڑی دوستی تھی اور یہ بات ہمیں خود یسوکائی نے بتائی تھی کہ دونوں سرداروں نے ایک دوسرے کی جھوٹی شراب پی کر یہ معاہدہ کیا تھا کہ دونوں دوست برے وقت میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ یسوکائی مر گیا۔ اب تو ہم سب کا سردار ہے، طغرل خان کے پاس جا اور اپنے باپ کے اس معاہدے کا ذکر کر کے اسے اپنی مدد پر آمادہ کر۔"

تموچن نے کہا "تم سب تجربہ کار اور عمر رسیدہ لوگ ہو۔ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہارا ننگا بھوکا سردار تحائف کے بغیر ہی طغرل خان کے پاس جائے اور فقیر کی طرح مدد طلب کرے۔"

سردار نے کہا "ہم لوگوں کو عہد و پیمان جان سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔ تو طغرل خان کے پاس جا تو سہی۔"

تموچن نے نیم تلخی سے کہا "میں تم لوگوں سے مشورے لینے نہیں آیا۔ تم لوگوں کا بھی اپنے سردار سے ایک دیرینہ معاہدہ چلا آ رہا ہے۔ اس معاہدے کی پابندی کرو اور میرا حق مجھے دے دو۔"

لیکن کسی سردار نے بھی اس کو کچھ نہیں دیا کیونکہ وہ سب یہ جانتے تھے کہ تموچن میں اپنا حق حاصل کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اگر وہ تموچن کو اس کی سرداری کا خراج نہیں دیں گے تو وہ کیا کر لے گا۔

تموچن مایوس و نامراد اپنے یورت میں پہنچا اور اپنی قوت کا اندازہ لگایا تو معلوم ہوا کہ اس کے پاس صرف نو گھوڑے ہیں۔ ان نو میں سرخ رنگ کا وہ گھوڑا بھی شامل تھا جس پر بیٹھ کر وہ ترغاتائی کی قید سے فرار ہوا تھا۔ اس کی ماں، بھائی اور بہنیں بھوکے تھے۔ ان کے پاس مویشیوں کے جو ریوڑ تھے وہ ترغاتائی چھین کر لے گیا تھا۔ قسار اور بلکوتی شکار کھیلنے نکل جاتے مگر ان کے پاس اتنے تیر بھی نہیں تھے کہ وہ انہیں شکار پر ضائع کر دیتے۔ بدرجہ مجبوری دن بھر گلہریوں کے پیچھے بھاگتے رہتے۔ ان دنوں یہی ان کی مرغوب غذا تھی۔

تائی جوت قبیلے کے چور اب بھی ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ ان کا تموچن کے دوسرے بڑے قبیلوں پر زور نہیں چلتا تھا۔ مگر یہ تموچن کو بالکل برباد کر دینے کی فکر میں تھے۔ تموچن اپنی پریشانی میں تھا اور تائی جوت قبیلے کے چند چور اس کے گھوڑوں کی فکر میں تھے۔

تموچن نے اپنی ماں کو بتایا "قبائلی سرداروں نے ہماری مدد کرنے سے انکار کر دیا اور وہ کہتے ہیں کہ بورتے کے قبیلے سے مدد مانگو یا پھر طغرل خان کے پاس جاؤ۔"

اولون نے فکرمند لہجے میں کہا "یہ کس طرح ممکن ہے۔ بورتے کا خاندان تائی جوت والوں سے تعلق رکھتا ہے اور طغرل خان ہم کمزور اور بے یار و مددگار لوگوں کی کیا مدد کرے گا۔ جب کوئی دوست اپنے دوست کے پاس جاتا ہے تو اپنے ساتھ تحفے تحائف بھی لے جاتا ہے۔ دوستی ہمیشہ برابری کی سطح پر ہوتی ہے اور اب ہم طغرل خان کی سطح کے نہیں رہے۔"

تموچن نے ماں کو اس کے خیمے میں چھوڑا اور خود باہر نکل کے خیمے کے پیچھے اکڑوں بیٹھ گیا اور سر جھکائے اپنے ساتھ پیش آنے والے نشیب و فراز پر غور کرتا رہا۔ اپنے کو بے یار و مددگار سمجھ کے آنسو بہاتا رہا۔

اتنے میں قبیلے کا ایک شخص بھاگتا ہوا آیا۔ وہ تموچن کو تلاش کر رہا تھا مگر خیمے میں اولون کو تنہا دیکھ کر پوچھا "تیرے بیٹے کدھر ہیں؟"

اولون نے جواب دیا "صرف تموچن یہیں کہیں ہوگا۔ قسار اور بلکوتی شکار کے لیے نکلے ہوئے ہیں۔"

پہلے کے جوان نے اولون کو بتایا "تم کو کچھ خبر ہے۔ تمہارے آٹھوں گھوڑے تائی جوت والے اڑا لے گئے۔"

تموچن نے بھی یہ باتیں سنیں اور گھبرایا ہوا خیمے میں داخل ہوا۔ اور پوچھا "وہ گھوڑوں کو لے کر کدھر گئے ہیں؟"

جوان نے جواب دیا "ادھر دریائے اگوڈا کی طرف۔"

اب تموچن کے پاس کوئی گھوڑا بھی نہ تھا کہ وہ چوروں کا تعاقب کرتا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت قسار اور ملکوتی بھی آگئے۔ یہ دونوں بہت سی گلہریاں شکار کر کے لائے تھے۔ جب ان دونوں کو آٹھ گھوڑوں کی چوری کا حال معلوم ہوا تو ملکوتی نے کہا "میں ابھی ان کے تعاقب میں جاتا ہوں اور ان سے گھوڑے چھین کے واپس لاتا ہوں۔"

قسار نے ترکش پشت پر ڈالا اس کے ساتھ ہی کمان بھی لٹکائی اور ایک تلوار اور خنجر لے کر اٹھ کھڑا ہوا "چوروں کا پیچھا میں کروں گا اور ان سے گھوڑے چھین کے واپس لے آؤں گا۔"

تموچن نے ان دونوں کو پیچھے ہٹا دیا اور کہا "چوروں کا پیچھا میں کروں گا کیونکہ یہ کام صرف بہادری دکھانے کا نہیں ہے۔ اس میں عقل اور تدبیر کی بھی ضرورت ہے اور یہ کام مجھ سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔"

تموچن نے ایک تلوار اور خنجر ساتھ لیا اور خیمے کے اندر سے تلاش کر کے سوکھے گوشت کے چند ٹکڑے اپنے ساتھ لیے اور سرخ گھوڑے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "نیلے جاودانی آسمان نے چاہا تو میں اپنے گھوڑے واپس لے آؤں گا۔"

اولون اور دونوں بھائیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ مشکل کام صرف تموچن ہی کر سکتا ہے۔

تموچن نے سوکھے گوشت کے ٹکڑے زین کے نیچے رکھے اور خود ان پر بیٹھ گیا تاکہ گوشت گرم رہے اور اس طرف روانہ ہو گیا جدھر چور اس کے گھوڑے لے کر فرار ہوئے تھے۔ وہ گھوڑوں کے پاؤں کے نشانات پر سفر کرتا رہا۔

یہ لوگ آدمی یا جانور کے نقوش پا پر سفر کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ راستے میں کئی جگہ تموچن نے راہ گیروں سے پوچھا "تم نے راستے میں کہیں آٹھ گھوڑوں کے ساتھ لوگوں کو بھاگتے دیکھا ہے؟"

اور جس سے بھی پوچھا، یہی جواب ملا "دیکھا تو ہے مگر کیا تو تنہا ان سے اپنے گھوڑے واپس لا سکتا ہے؟"

تموچن نے کہا "تو مجھے صرف ان کا پتا بتا دے۔ مجھے جو کام کرنا ہے میں تنہا ہی کر لوں گا۔"

ان لوگوں نے اس طرف اشارہ کر دیا جدھر انہوں نے چوروں کو گھوڑے لے جاتے دیکھا تھا۔

تموچن اس راستے پر تین دن بھاگتا رہا مگر چوروں کو نہیں پکڑ سکا۔ چوتھے دن اس نے ایک جگہ بہت سے خیمے نصب دیکھے اور یہیں شاہراہ کے کنارے ایک جوان کو گھوڑی کا دودھ دوہتے ہوئے دیکھا۔

تموچن یہاں ٹھہر گیا اور گھوڑے سے اتر کر اس دودھ دوہنے والے شخص سے پوچھا "تو نے کچھ آدمیوں کو آٹھ خالی گھوڑے بھگا کر لے جاتے دیکھا ہے؟"

اس شخص نے کچھ توقف کیا اور ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہاں! کل وہ ادھر سے گزرے تھے۔ ان کے ساتھ آٹھ خالی گھوڑے بھی تھے۔"

تموچن اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا تو یہ جوان بھی کھڑا ہو گیا اور پوچھا "معاملہ کیا ہے؟"

تموچن نے جواب دیا "وہ میرے گھوڑے چرا کر لے گئے ہیں۔ میں ان چوروں کا پیچھا کر رہا ہوں۔"

دودھ دوہنے والے جوان نے اس طرف دیکھا جدھر سے تموچن آیا تھا اور پوچھا "تیرے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟ مگر تو تو تنہا نظر آتا ہے۔"

تموچن نے کہا "میں تنہا ان چوروں کا پیچھا کر رہا ہوں۔"

اجنبی جوان ہنسنے لگا "یہ کہاں کی عقلمندی ہے لیکن میں تیری ہمت کی داد دیتا ہوں۔"

وہ دودھ کے برتن اٹھا کر ایک خیمے کی طرف لے جانے لگا اور تموچن سے کہا "تو ذرا ٹھہر میں ابھی آتا ہوں۔"

تموچن نے زین کے نیچے سے بچا کھچا گوشت کا سوکھا ٹکڑا نکالا اور وہیں کھڑے کھڑے کھا گیا۔ وہ بہت بھوکا تھا اور اب اس کے پاس کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد اجنبی جوان واپس آیا۔ اس کی پشت پر ترکش اور کمان بندھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں دودھ کا برتن تھا۔ اس نے یہ دودھ تموچن کو دیا اور کہا "تو بھوکا لگتا ہے، اسے پی لے۔ پھر ہم دونوں مل کے چوروں کا پیچھا کریں گے۔"

اس کے اس احسان سے تموچن بے حد متاثر ہوا۔ بلا تکلف دودھ پی لیا اور کہا "چوروں کے لیے میں تنہا کافی ہوں۔"

میزبان نے کہا "بچکانا باتیں نہ کر، وہ کئی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تو تنہا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

اب تموچن کو بھی یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ تنہا چوروں کا پیچھا کر کے اپنے گھوڑے واپس نہیں لے سکتا۔

میزبان دوبارہ اپنے خیمے میں گیا اور وہاں سے بہت سارے سوکھے گوشت کے ٹکڑے اٹھا لایا اور سفید گھوڑے پر بیٹھ کر تموچن کے ساتھ چوروں کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔

دونوں تین دن تک چوروں کا تعاقب کرتے رہے۔ اور چوتھے دن وہ ایک چراگاہ میں داخل ہو گئے۔ یہ تموچن کی خوش قسمتی تھی کہ اس نے اپنے آٹھوں گھوڑوں کو چراگاہ میں چرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس وقت تائی جوت کے چور اپنے خیموں میں بیٹھے تھکان دور کر رہے تھے۔

تموچن کا مطلب اپنے گھوڑے واپس لینا تھا۔ وہ یہاں لڑنے

جھگڑے نہیں کیا تھا۔ اگر جنگ ناگزیر ہو جاتا تو وہ اس کے لیے بھی تیار تھا لیکن اپنے گھوڑوں کو اتنی آسانی سے پا جانے کے بعد وہ نہیں لے کر واپس روانہ ہو گیا۔

ابھی یہ دونوں چند میل ہی گئے ہوں گے کہ چوروں کو بھی معلوم ہو گیا کہ ان کے چوری کیے ہوئے گھوڑے کوئی چھین کے واپس لے جا رہا ہے۔ انہوں نے تموجن کا پیچھا کیا اور بہت جلد دونوں کے قریب پہنچ گئے۔

تموجن کے ساتھی نے پہلی بار تموجن کو اپنا نام بتایا "میرا نام بغورچی ہے۔ تو اسی نام سے مجھے مخاطب کرے گا۔ تیرا نام اور تعارف میں اپنے خیموں تک پہنچ کے حاصل کروں گا۔"

اب تعاقب کرنے والے بہت قریب آ چکے تھے۔

بغورچی نے کہا "میں تجھ سے بچھڑ کے تعاقب کرنے والوں کے پیچھے جاتا ہوں۔ تو گھوڑوں کے ساتھ بھاگتا رہ۔"

لیکن تموجن نے اسے منع کیا "نہیں، تو میرے ساتھ ساتھ رہ اور یہیں سے پیچھا کرنے والوں کا نشانہ لے اور انہیں مار مار کے گرا دے۔"

پیچھا کرنے والوں کے پاس تیر کمان نہیں تھے۔ بغورچی نے ایک سوار کو مار کے گرا دیا۔

پیچھا کرنے والے صرف پانچ تھے۔ اب وہ چار رہ گئے تھے۔ بغورچی نے دوسرے کو بھی زخمی کر دیا۔ بقیہ تین نے تعاقب چھوڑ دیا اور اپنے زخمی ساتھیوں کو سنبھالنے لگے اور تموجن بغورچی کی مدد سے اپنے آٹھوں گھوڑے واپس لانے میں کامیاب ہو گیا۔

دونوں وہاں پہنچ گئے جہاں بغورچی گھوڑی کا دودھ دوہتا ہوا ملا تھا۔ یہاں بغورچی کے ہم قبیلہ نے بتایا "تیرا باپ تجھ سے ناراض ہے۔ تو بتائے بغیر کہاں چلا گیا تھا؟"

بغورچی نے تموجن سے پوچھا "ہاں! اب بتا تو کون ہے اور تیرا قبیلے سے تعلق ہے؟"

تموجن نے کہا "قبل خان میرا جد امجد تھا۔ یہ وہی بہادر شخص ہے جس نے ملک خطا کے بادشاہ کے دربار میں اس کی داڑھی نوچ لی تھی۔ یسوکائی میرا باپ تھا جسے ایک دشمن قبیلے نے کھانے میں زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ میں اس کا سب سے بڑا بیٹا تموجن ہوں۔ آج کل میں ہی اپنے قبیلے کا سردار ہوں۔ دریائے انگودا اور دریائے کیرولان کی درمیانی وادی مجھے ورثے میں ملی ہے۔"

اس تعارف نے بغورچی کو بالکل مطمئن کر دیا۔ وہ تموجن کا ذکر سن چکا تھا اور تموجن کے خاندان سے اس کا پورا قبیلہ واقف تھا۔ بغورچی نے دودھ کا بھرا ہوا برتن ساتھ لیا اور تموجن کے ساتھ اپنے باپ کے پاس پہنچا پھر دودھ باپ کی طرف بڑھا دیا اور کہا "اسے پی لیں تو میں اپنے نامور مہمان کا آپ سے تعارف کرواؤں۔"

بغورچی کا باپ واقعی بھوکا تھا۔ دودھ پی لینے کے بعد اس کے حواس بحال ہوئے اور غصہ کافور ہو گیا۔

بغورچی نے تموجن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ یسوکائی کا بیٹا تموجن ہے۔ اس کا دادا قبل خان تھا۔ اس نوجوان نے بھی خاصی شہرت حاصل کر لی ہے۔"

بوڑھا بھی تموجن سے مل کر بہت خوش ہوا اور اپنے بیٹے سے کہا "تب تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ تجھے تموجن کی دوستی حاصل ہو گئی۔ یہ بہت بڑے باپ کا بیٹا ہے اور اس کے دادا قبل خان کا تو کوئی جواب ہی نہ تھا۔ اپنے علاقے کی سب سے اچھی وادی اسے ورثے میں ملی ہے۔ اب تو اس کا مستقل دوست بن جا۔ اسی کے ساتھ رہ اور خود بھی بڑا بننے کی کوشش کر۔"

تموجن نے بھی بوڑھے سے بغورچی کی تعریفیں کیں "اگر بغورچی نے میرا ساتھ نہ دیا ہوتا تو میں تنہا اپنے گھوڑے تائی جوت کے چوروں سے واپس نہ لے سکتا۔"

بغورچی ہنسنے لگا "اب میں زیادہ حیران ہوں کہ تجھ جیسے نامور آدمی نے تنہا گھوڑے واپس لانے کا منصوبہ کس طرح بنایا تھا۔"

تموجن نے جواب دیا "اصل واقعہ یہ تھا کہ ہمارے پاس کل نو گھوڑے تھے جن میں سے آٹھ تائی جوت والے چرا لے گئے تھے۔ بس ایک گھوڑا باقی بچا تھا جس پر بیٹھ کر میں چوروں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا۔"

بغورچی کے باپ نے اس کی تعریف کی "بے شک تو بڑی ہمت رکھتا ہے اور اس کا اہل ہے کہ اپنے قبائل کی سرداری کرے۔"

اس کے بعد اپنے بیٹے سے کہا "تو اس کا مستقل دوست بن جا۔ یہ اچھا دوست اور وفادار سردار ثابت ہو گا۔"

اس کے بعد بغورچی کے باپ نے ایک سردار کی حیثیت سے تموجن کی خاطر تواضع کی۔ ایک عرصے بعد تموجن کو اچھا کھانا میسر آیا تھا۔ کھانے کے بعد گھوڑی کا دودھ بھی پیش کیا گیا۔

کھانے کے دوران بغورچی کے باپ نے بڑی باتیں کیں۔ اس نے بار بار قبل خان اور یسوکائی کا ذکر کیا اور یہی کہتا رہا کہ بور جیگین نسل کے یہ لوگ ہر طرح سے سرداری کے اہل ہیں اور تموجن کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنے کارناموں سے اپنے ان بزرگوں کا صحیح جانشین ثابت ہو۔

تموجن نے اپنے بے وفا سرداروں کا ذکر کیا "اگر وہ لوگ میرا ساتھ نہ چھوڑ جاتے تو میں آج اتنا بے یار و مددگار نہ ہوتا۔"

بغورچی کا باپ ہنسنے لگا "شکر کر! انہوں نے اپنے سردار کا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ ایک نو عمر نا تجربے کار لڑکے سے مایوس ہو کر دوسرے طاقتور سردار کی سرپرستی میں چلے گئے۔"

بغورچی کو شبہ تھا کہ کہیں تائی جوت والے ان دونوں کے پیچھے نہ لگے ہوں اور اس کے قبیلے پر حملہ آور ہو جائیں اور اس کے خیال میں یہ بھی ممکن تھا کہ تائی جوت والے صرف تموجن کی فکر میں ہوں گے اور اس کو اکیلا واپس جاتے دیکھ کر اس پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ تموجن مارا جائے گا اور گھوڑے دوبارہ چوروں کے قبضے میں چلے جائیں گے۔ اپنے اس اندیشے کے پیش نظر بغورچی

نے اپنے باپ کے کان میں کہا "باپ! تموچن کو چند دن مہمان رکھ میں اپنے چند آدمیوں کو چاروں طرف تائی جوتوں کے کھوج میں روانہ کروں گا۔ اگر وہ کہیں آس پاس موجود ہیں تو ان کو ٹھکانے لگادیا جائے گا اور اگر راستے صاف ہیں تو تموچن کو جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔"

بغورچی کا باپ ہنسنے لگا اور کہا "تم دونوں کے بقول وہ پانچ سات سے زیادہ نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک کو تو نے زخمی کر کے گرادیا تھا اور دوسرا زخمی ہو گیا تھا۔ باقی رہ گئے چار پانچ۔ کیا ان کی شامت آئی ہے کہ وہ ہمارے قبیلے کے آس پاس منڈلائیں۔ اس طرح تو ان کا ایک آدمی بھی واپس نہیں جاسکے گا۔"

پھر بھی بغورچی نے تموچن کے لیے جشن کا اہتمام کیا۔ اس جشن میں کشتیوں کے مقابلے بھی ہوئے۔ شمشیر زنی بھی اور دوسرے ہتھیاروں کے مقابلے بھی دیکھنے میں آئے۔ قبیلے کے مسخروں نے ہنسنے ہنسانے والے کرتب بھی دکھائے۔ گویوں نے گانے سنائے اور شامانوں نے دل خوش کن پیش گوئیاں کر کے تموچن کو خوش کیا۔

ایک ہفتے تک مہمانی کے مزے لوٹنے کے بعد تموچن کو جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اس دوران بغورچی کے آدمی گھوم پھر کے واپس آگئے تھے اور یہ خبر بھی لائے تھے کہ راستے صاف ہیں اور تائی جوتوں کا دور دور تک نام و نشان تک نہیں ملتا۔

تموچن کو پیشکش کی گئی کہ قبیلے کے چند جوان اس کی مدد کے لیے اس کے ساتھ کر دیے جائیں مگر تموچن نے کہا "میں تنہا کافی ہوں۔ چار پانچ تائی جوت میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔"

پھر بغورچی سے مخاطب ہوا "تو بھی میرا بھائی ہے اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اگر تو نے میرا ساتھ نہ دیا ہوتا تو میں کبھی بھی تائی جوتوں سے اپنے گھوڑے واپس نہ لے سکتا۔"

بغورچی نے ہنستے ہوئے کہا "جب تو نے مجھے اپنا بھائی کہہ دیا تو میں نے جو تیری مدد کی ہے وہ کوئی احسان نہیں ہے۔"

تموچن نے آٹھ میں سے چار گھوڑے بغورچی کی خدمت میں پیش کر دیے اور کہا "یہ تیری نذر ہیں۔ میرے لیے چار ہی کافی ہیں۔"

لیکن بغورچی نے وہ چار گھوڑے نہیں لیے اور کہا "میں یہ چار گھوڑے اس لیے نہیں لے سکتا کہ تو نے مجھے اپنا بھائی کہہ دیا ہے۔ میرا باپ بھی تیری عزت کرتا ہے۔ وہ بھی میرے اس رویے سے خوش نہیں ہوگا۔"

دونوں بحث و مباحثہ کرتے رہے۔ تموچن چار گھوڑے دینے پر مصر تھا اور بغورچی نہ لینے کی ضد پر قائم تھا۔ آخر تموچن نے کہا۔ "میں تیرا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ جب کبھی میری مدد کی ضرورت پیش آئے تو صرف ایک تیر میرے پاس بھیج دینا۔ جس سے میں یہ سمجھ جاؤں گا کہ تجھے مدد کے لیے میرے قبیلے کی ضرورت پیش آرہی ہے۔"

تموچن کو بغورچی اور اس کے بوڑھے باپ نے نہایت عزت و احترام سے رخصت کیا اور جب دو ڈھائی ہفتے کے بعد وہ اپنے قبیلے میں واپس پہنچا تو تموچن کی بڑی دھوم مچ گئی۔ ہر طرف اس کی بہادری کے چرچے ہو رہے تھے۔ قبائلیوں کی نظر میں واقعی یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا کہ اکیلا تموچن تائی جوتوں سے اپنے آٹھ گھوڑے واپس لے آیا تھا۔

جن قبائل نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اب وہ بھی تموچن کے خیمے میں حاضریاں دینے لگے۔ وہ اپنے نوعمر سردار کو پہلی بار حیرت و استعجاب اور فخریہ دیکھ رہے تھے۔ وہ سب اس کارنامے کی تفصیل جاننا چاہتے تھے مگر تموچن تفصیل بیان کرنے سے گریز کرتا رہا۔ وہ بغورچی کا ذکر اس لیے نہ کرسکا کہ اس سے اس کے کارنامے کی اہمیت میں کمی واقع ہو جاتی۔

اب تموچن کے یورت کے آس پاس بہت سے یورت نصب ہو گئے تھے اور ان میں ہر روز اضافہ ہو تا رہا۔ یہ رفتہ رفتہ جمع ہونے والے سردار تموچن سے ملاقاتیں کرتے اور کہتے "تیری بہادری اور سوجھ بوجھ سے ہمیں یہ امید پیدا ہو گئی ہے کہ اب تو ہماری حفاظت بھی کرسکے گا اور ہماری روزی رزق کا ذمے دار بھی بن سکے گا۔"

لیکن تموچن خاموش تھا۔ وہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اس کی سرسبز وادی دشمنوں کے قبضے میں نہیں جانا چاہیے۔ لیکن اسے دشمنوں سے کس طرح بچایا جائے بس یہی بات اسے پریشان کر رہی تھی۔ لیکن جب بے وفا اور بچھڑے ہوئے قبائل اس کے پاس واپس آنے لگے تو وہ بہت پُر امید ہو گیا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اب وہ کوئی دوسرا جرأت مندانہ قدم اٹھائے گا جس سے اس کے مطیع اور فرمانبردار قبیلے اور زیادہ متاثر اور مرعوب ہو جائیں اور اس کا شہرہ تائی جوتوں تک پہنچ جائے جس سے تائی جوتوں میں موجود اس کے اپنے قبیلے وہاں سے اکھڑنے لگیں اور اس سے دوبارہ آن ملیں۔

اس فیصلے کے بعد ہی اس نے دوسرا فیصلہ یہ کیا کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ کسی قسم کی رُو رعایت نہیں ہونی چاہیے۔ دشمن یا تو اس کا مخلص دوست بن جائے یا پھر اسے تباہ و برباد ہو جانا چاہیے۔ اب تموچن دشمنوں کے لیے رحم و ہمدردی سے عاری ہو چکا تھا۔ اور ظلم، شقاوت، بے رحمی اور سفاکی کو اپنا شعار بنالیا تھا۔

ان منصوبوں کے ساتھ ہی اس نے انگوڈا کے اس پار بسنے والے تائی جوتوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ اسی دریا کو عبور کر کے اپنے قبیلے تک واپس پہنچا تھا۔ اور اسی دریا کے کنارے پر ترغاتائی نے اس کو قیدی بنا کر رکھا تھا۔ اس کو اس خطے سے نفرت ہو گئی تھی۔

اس نے اپنے زیر سرداری قبائل کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا اور کہا "فی الحال ہمارے آس پاس شکار بھی بہت کم ہے اور دور

دراز علاقوں میں جہاں شکار موجود ہے وہاں دوسرے طاقتور قبائل موجود ہیں۔ محض شکار کے لیے ان سے الجھنا مناسب نہیں۔ انگوڈا کے اس پار جو تائی جوت آباد ہیں ان کے پاس مویشیوں کی کثرت ہے۔ ہم ان کو تباہ و برباد کر کے ان سے ان کا سارا سامان چھین لیں گے اور مویشیوں کو ہنکا لائیں گے۔"

قبائلیوں کے لیے یہ ایک شاندار منصوبہ تھا لیکن دریا کو دوبار عبور کرنا انہیں دشوار لگا۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے "یہ ناتجربہ کار نوجوان کہیں اس طرح ہمیں تباہ و برباد تو نہیں کروا دے گا؟"

ایک بوڑھے سردار نے کہا "تموچن بہت ہوشیار ہے۔ کیا تم سب نے دیکھا نہیں کہ وہ تنہا سو پچاس تائی جوتوں سے اپنے آٹھ گھوڑے واپس چھین لایا۔"

تائی جوتوں والے معاملے نے مبالغے کی شکل اختیار کر لی تھی۔

ایک سردار نے پوچھا "ہم دریائے انگوڈا کو عبور کر کے اپنے دشمن پر حملہ آور ہوں گے۔ اگر جیت گئے تو اپنے دشمن کا لوٹا ہوا سامان واپس لے کر دوبارہ دریا عبور کریں گے۔ کیا یہ دشوار کام نہیں ہے؟"

جہاں یہ بحث و مباحثہ ہو رہا تھا وہاں تموچن بھی پہنچ گیا اور جب مجلس میں زیر بحث خدشات کا ذکر سنا تو اس نے کہا "دریا کو عبور کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اسے خود میں نے عبور کیا ہے وہ زیادہ گہرا نہیں ہے۔ دو دو اونٹوں کو برابر برابر کھڑا کر کے ان پر عماریاں کس دی جائیں۔ ان عماریوں پہ آدمی بٹھا دیے جائیں۔ یہ اونٹ بہ آسانی انہیں دریا کے اس پار پہنچا دیں گے اور جو لوگ اپنے گھوڑوں سے اس پار پہنچنا چاہیں تو وہ گھوڑوں کو دریا میں اتار دیں اور ان کی دُم پکڑ کر دوسرے کنارے پہنچ جائیں اور یہی ترکیب واپسی میں بھی کام آئے گی اور لوٹا ہوا سامان بھی اسی طرح واپس لایا جائے گا۔"

یہ تجاویز بہت معقول تھیں۔ ہر شخص نے ان سے اتفاق کیا اور دریا کے اس پار پہنچنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

○☆○

ان تیاریوں میں ان کے تین دن صرف ہوئے۔ چوتھے دن رات کے اندھیرے میں ان سب نے دریا عبور کر لیا۔ ابتدا میں دونوں میں کچھ جھڑپیں بھی ہوئیں مگر تائی جوت والے اپنی غفلت کی وجہ سے مار کھا گئے۔ تموچن نے پہلی بار جنگ کا وہ طریقہ اختیار کیا جس پر بعد میں منگول صدیوں کاربند رہے۔ اسے معلوم تھا کہ جب تائی جوت والوں کو مار لگے گی تو وہ شمال مغرب کا رخ اختیار کریں گے۔ اس نے فرار کے راستے میں جگہ جگہ منگولوں کو خفیہ مقامات پر بٹھا دیا اور مقابلہ کرنے والوں کو حکم دیا کہ وہ کچھ دیر جنگ کرنے کے بعد پسپا ہو جائیں اور ان حصوں کی طرف راہِ فرار اختیار کریں جہاں منگول چھپے بیٹھے ہوں۔ کافی دور جا کر پسپا منگول پلٹ پڑیں اور چھپے ہوئے منگول سامنے آ جائیں۔ پھر دونوں دشمنوں کو گھیر کے ان کا صفایا کر دیں۔

تائی جوتوں نے بہت سے منگولوں کو اچانک اپنے سامنے دیکھا تو گھبرا گئے۔ حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے وہ تموچن کے آدمیوں سے ملے اور اس طرح اچانک آنے کی غرض و غایت دریافت کی تو تموچن نے جواب دیا "ہم لوگ بھی کسی اطلاع کے بغیر اچانک ترغا تائی کی طرح اس علاقے میں شکار کھیلنے آ گئے ہیں۔"

اس جواب کے ساتھ ہی تموچن نے تائی جوتوں کا شکار شروع کر دیا اور ایسی قتل و غارتگری ہوئی کہ تائی جوتوں کو پناہ کی کوئی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی لیکن یہ بھی سخت کوش اور جنگجو لوگ تھے۔ آخری دم تک لڑنے کا فیصلہ کر لیا اور منگولوں کے اس حصے کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے جو شمال مشرق سے ان پر حملہ آور ہوا تھا۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ منگول پسپا ہو گئے اور تائی جوتوں کے اصل مسکن کی طرف بھاگنے لگے۔ تائی جوتوں نے ان کا پیچھا کیا اور انہیں کئی میل تک رگیدتے چلے گئے اور جب منگولوں کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ تعاقب کرنے والے تائی جوت ان کے نرغے میں آ چکے ہیں تو وہ پلٹ پڑے اور تائی جوتوں کا جم کر مقابلہ شروع کر دیا۔ اسی دوران تائی جوتوں کے پیچھے چھپے ہوئے منگولوں نے بھی حملہ شروع کر دیا اور تائی جوت چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ جانے والے گیہوں کی طرح پس کر رہ گئے۔

تائی جوتوں کو مکمل شکست ہو چکی تھی۔ ان کی پوری آبادی کو سفاکی سے صاف کر دیا گیا۔ ان کی ہر چیز منگولوں کے قبضے میں چلی گئی۔ خیمے، خیموں کے اندر کا ساز و سامان، ہزاروں مویشی اور سیکڑوں گھوڑے تموچن کے ہاتھ آئے۔ اس سامان کو نہایت احتیاط سے دریا کے دوسرے کنارے پہنچایا گیا کیونکہ تموچن کو

موت

جب ہم کانٹے دار تاروں کی باڑھ کے نیچے سے نکل کر باہر نکلے تو اچانک مشین گن سے گولیاں نکل پڑیں ——— دھڑا ——— دھڑ ——— دھڑ ——— لیکن جب تک میرا سر زمین سے نہیں لگا اس وقت تک تو میں چلتا رہا۔ پھر یکایک میرے دماغ نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ "آہ میری موت ہو گئی ——— ختم ہو گیا میں" اور اس کے ساتھ ہی میرا جسم زمین پر گر پڑا۔

یعقوب جمیل

اندیشہ تھا کہ اگر اس قتل و غارت گری کی خبر ترغا تائی تک پہنچ گئی تو وہ اپنے بہت بڑے لشکر کے ساتھ آندھی طوفان کی طرح اس کے سر پر آجائے گا اور واپسی کی راہیں مسدود کر دے گا۔

جب لوٹے ہوئے مویشی اور ساز و سامان دریا کے اس پار پہنچائے جا رہے تھے تو اسی دوران تموچن کے پینتیس چالیس سوار بچ نکلنے والے تائی جوتوں کو تلاش کرتے پھر رہے تھے کیونکہ تموچن یہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی تائی جوت فوراً ترغا تائی کے پاس پہنچے اور اس سانحے کی خبر کر دے۔

بمشکل دو تائی جوت ہاتھ آئے۔ منگولوں کا خیال تھا کہ ان دونوں کو بھی قتل کر دیا جائے گا لیکن تموچن نے انہیں اپنی تحویل میں لے لیا اور دوسرے منگولوں سے کہا "یہ دونوں بڑے کام کے آدمی ہیں اس لیے انہیں زندہ رہنا چاہیے۔"

جب سارا سامان دریا کے دوسرے کنارے پہنچ گیا اور آخری منگول نے بھی دریائے انگوڈا کو عبور کر لیا تو تموچن نے دونوں تائی جوتوں کو آزاد کر دیا۔ انہیں سفر کے لیے ایک ایک گھوڑا بھی دیا گیا۔ تموچن نے ان سے کہا "اب تم دونوں ترغا تائی کے پاس جا سکتے ہو۔ میری طرف سے اس سے کہہ دینا کہ جو شکار کھیلنے میں اس نے پہل کی تھی میری طرف سے یہ اس کی جوابی کارروائی تھی۔ میں کتنا ہی نو عمر اور ناتجربے کار سہی مگر مجھے اپنی میراث کی حفاظت کرنی آتی ہے۔"

دونوں تائی جوت آزاد کر دیے گئے اور تموچن لدا پھندا اپنے قبیلوں میں پہنچا تو ایک بار پھر دھوم مچ گئی۔ اب قبیلے کے لوگ کسی قدر آسودہ حال ہو گئے تھے اور انہیں اس کی سرداری پر اعتماد ہو چلا تھا۔

تجربے کار بوڑھے اولون کو مبارکباد دے رہے تھے۔

ترغا تائی کو جب تموچن کی اس وحشیانہ کارروائی کا علم ہوا تو وہ سکتے میں آگیا اور اسے اپنا خواب ناقص اور ادھورا نظر آنے لگا۔ تموچن نے خاص تائی جوتوں کے علاقے میں داخل ہو کے ان کے خلاف کامیاب کارروائی کی تھی اور صاف بچ کے نکل گیا تھا۔ یہ کس طرح ممکن ہوا۔ ترغا تائی کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا۔

جو منگول اس کے حلیف بن گئے تھے اور جنہوں نے تجربے کار ترغا تائی کی سرداری کو ہنسی خوشی قبول کر لیا تھا اب وہ بھی متذبذب اور دو دلے ہو رہے تھے۔ ان کا اعتبار اور اعتماد بھی مشتبہ ہو گیا تھا۔

بورتے کے قبیلے نے تموچن کا یہ کارنامہ سنا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انہیں بالکل یقین نہیں تھا کہ تموچن کبھی بھی بورتے کے لائق خود کو ثابت کر سکے گا۔ لیکن آٹھ گھوڑے واپس لانے کی شہرت اور بہت سارے تائی جوتوں کو تباہ و برباد کر کے کامیابی سے ان کا کل سامان لوٹ لے جانا' تموچن کے یہ دو بہت بڑے کارنامے تھے۔ اب بورتے کا باپ اور اس کا قبیلہ بورتے کو تموچن کے حوالے کر سکتا تھا اور تموچن اس کا ہر طرح اہل تھا۔

بورتے کے باپ نے اپنے کئی آدمی اولون کے پاس بھیجے اور کہا "تیری امانت تیرا اور تموچن کا انتظار کر رہی ہے۔ تم آؤ اور اپنی امانت لے جاؤ۔"

اب تموچن واقعی اس لائق تھا کہ بورتے کو دلہن بنا کے اپنے قبیلے میں لے آئے۔ لیکن اب بھی تموچن کو ان کئی منگول سرداروں کی واپسی کا انتظار تھا جو کسی بھی وقت ترغا تائی کا ساتھ چھوڑ کے اس کے پاس آسکتے تھے۔ یوں بھی تموچن کے یورتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور اس کے زیرِ اثر قبائل آہستہ آہستہ خراج کے مویشی اس کو پہنچانے لگے تھے۔

اب تموچن اپنے ماتحت قبائلیوں سے اسی طرح پیش آتا تھا جس طرح یسوکائی پیش آیا کرتا تھا۔ اب تموچن کو اپنی حفاظت کے لیے پہرے داروں کی ضرورت تھی۔ جن دو سواروں نے فرار ہوتے وقت اس کا ساتھ دیا تھا پھر اس کے زخم کا خون چوسا تھا یا دریائے کیرولان کا تموچن کی جھوٹی کی ہوئی جگہ کا پانی پیا تھا' یہ سب تموچن کے اندا بن گئے۔ ان کی اپنی مقامی زبان میں اندا کا مطلب تھا۔ جنگی بھائی۔ یہی قابلِ اعتبار جنگی بھائی اس کے پہرے دار مقرر ہوئے۔

جس وقت تموچن بورتے کے باپ کے پاس سے آئے ہوئے مہمانوں سے باتیں کر رہا تھا اسی وقت ایک پہرے دار نے تموچن کو اطلاع دی کہ بغورچی نامی ایک جوان اس سے ملنے آیا ہے۔

تموچن اسی وقت بغورچی کے استقبال کو باہر پہنچا اور بے اختیار اس کے گلے لگ گیا۔

تموچن کے پیچھے پیچھے قسار اور ملکوتی بھی خیمے سے باہر نکلے اور تموچن کو ایک اجنبی کے گلے لگے دیکھ کر حیران ہوئے۔

تموچن نے بغورچی کی پیٹھ تھپتھپائی اور اس کے قبیلے کی خیریت معلوم کی۔

بغورچی نے کہا "میرے باپ نے مجھ کو ہمیشہ کے لیے تیری سرداری میں دے دیا ہے۔ اب تو میرا سردار ہے اور میں تیرا ادنیٰ سا چاکر۔"

تموچن نے اپنا بایاں ہاتھ بغورچی کے شانے پر رکھ دیا اور اس کا دایاں ہاتھ اپنے شانے پر رکھ لیا اور کہا "تو میرا بھائی ہے۔"

پھر قسار اور ملکوتی کو اشارے سے قریب بلایا اور بغورچی کے سینے پر اپنی پہلی انگلی رکھ کر کہا۔ "یہ ہم سب کا بھائی ہے۔ میں نے ابھی تک تمہیں اس کی جاں نثاری کا وہ واقعہ نہیں سنایا جس کی وجہ سے میں اپنے گھوڑے واپس لینے میں کامیاب ہوا تھا۔"

اس کے بعد اس نے اپنے دونوں بھائیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بغورچی سے کہا "یہ دونوں میرے بھائی ہیں۔ قسار میرا حقیقی بھائی ہے۔ ملکوتی کی ماں تو دوسری ہے لیکن ہم دونوں ایک دوسرے سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی کوئی سگی ماں کی اولاد سے کر سکتا ہے۔"

تموچن بغورچی کے کاندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے اپنے خیمے میں

گیا۔ ان دونوں کے پیچھے پیچھے قسار اور ملکوتی بھی اندر داخل ہوئے۔ اندر داخل ہوتے ہی بغورچی کو اپنے ساتھ لائی ہوئی پوٹلی یاد آئی جو اس کے گھوڑے کی گردن سے لٹک رہی تھی۔

بغورچی نے قسار سے کہا "بھائی! میرے گھوڑے کی گردن میں لٹکی ہوئی پوٹلی تو لے آنا۔"

لیکن تموچن نے یہ کام ملکوتی کے سپرد کیا اور ملکوتی کی عزت بڑھانے کے لیے کہا "مجھے اپنا یہ بھائی بے حد عزیز ہے اور میں اس پر بے حد اعتماد کرتا ہوں۔"

جب ملکوتی بغورچی کی پوٹلی اندر لے آیا اور پوٹلی کھولی گئی تو اس میں سے ایک سمور کی ٹوپی' ایک سمور کا لبادہ' ایک پاجامہ اور ایک زمین پر بچھا کر بیٹھنے کا بہترین سمور کا ٹکڑا نکلا۔ یہ ساری چیزیں سمور کی تھیں اور نہایت خوبصورت تھیں۔

بغورچی نے یہ چیزیں تموچن کے حوالے کر دیں اور معذرت کرتے ہوئے کہا "جلدی میں تیرے لیے بس یہی حقیر سا تحفہ لا سکا" اس کے بعد بغورچی کی نظریں قسار اور ملکوتی پر گئیں "مجھے ان دونوں بھائیوں کا پتا نہ تھا ورنہ میں ان کے لیے بھی تحفے لاتا۔"

تموچن نے کہا "تو میرا بھائی ہے۔ تحفے تو مہمان لاتے ہیں۔ اگر تو یہ تحفے بھی نہ لاتا تو کوئی حرج نہ تھا۔"

اولون بھی خیمے میں داخل ہوئی کیونکہ اسے کسی نے یہ بتایا تھا کہ کوئی اجنبی کہیں سے آیا ہے اور تموچن اس کے گلے میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے خیمے میں لے گیا ہے۔

شکی مزاج اولون گھبرائی ہوئی تموچن کے خیمے میں داخل ہوئی اور وہاں اس نے دیکھا کہ تموچن' قسار اور ملکوتی کے ساتھ ایک اجنبی بھی بھائیوں کی طرح بے تکلفی سے بیٹھا ہوا ہے اور سمور کی چیزیں تموچن کے سامنے رکھی ہوئی ہیں۔

اولون کو دیکھتے ہی تموچن کھڑا ہو گیا اور بغورچی سے کہا "بغورچی! یہ میری ماں ہے۔ اسی کی عقلمندی سے مجھے اپنے باپ کی مسندِ سرداری میسر آئی۔ یہ شفقت و محبت کا ایک درخت ہے جس کے سائے میں ہم سب رہ رہے ہیں۔"

اولون بغورچی کے بارے میں کچھ پوچھنا ہی چاہتی تھی کہ تموچن نے اس سے پہلے ہی بغورچی کا تعارف کروایا "ماں! یہ بغورچی ہے۔ جب میں چور تائی جوتوں کا پیچھا کر رہا تھا تو اس نے مجھے بے یار و مددگار دیکھ کر میری مدد کی تھی اور سچائی تو یہ ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو میں اپنے آٹھ گھوڑے کبھی بھی واپس نہ لا سکتا اور وہ تائی جوت دھوکے سے مجھے قتل بھی کر سکتے تھے۔"

اولون نے جذبۂ شکر گزاری سے بغورچی کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا "تو گویا میں نے آج ایک اور بیٹا حاصل کر لیا ہے۔"

بغورچی نے اولون کے ہاتھ چوم لیے اور جذباتی لہجے میں کہا "جب میرے باپ نے کہا کہ بغورچی تو تموچن کی چاکری میں چلا جا تو اس وقت مجھے اپنی ماں سے بچھڑنے کا بے حد دکھ تھا لیکن اگر اس وقت مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں ایک ماں کو چھوڑ کے دوسری ماں کے پاس جا رہا ہوں تو میرے دکھوں میں کمی ہو جاتی۔"

اولون نے بغورچی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور کہا "اب تو میرا بیٹا ہے۔ تو چاکری کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔ ایسا بھائی کہاں ملتا ہے؟"

اولون کے جانے کے بعد تموچن نے بغورچی کے اعزاز میں پینے پلانے کا سلسلہ شروع کیا اور بغورچی نے اپنے حصے کی شراب میں انگلیاں ڈال کے تموچن کے سر پر لگی ہوئی چھلی پر چھڑکاؤ کیا۔ اس کے بعد یورت کے چاروں کونوں میں تھوڑی تھوڑی شراب چھڑکی اور پھر تموچن کے ساتھ شراب نوشی میں مصروف ہو گیا۔ قسار اور ملکوتی بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ اس وقت تموچن بے حد خوش تھا۔ بورتے کے پاس سے آئے ہوئے مہمان بھی شراب نوشی میں مشغول ہو گئے۔

پیتے پیتے تموچن کو ہوش آیا تو وہ کچھ کہے سنے بغیر یورت سے باہر نکلا اور اپنے دونوں غار میں چھپنے والے ساتھیوں کو بھی خیمے کے اندر لے گیا کیونکہ یہ دونوں بھی اس کے اندا تھے یعنی جنگی بھائی۔

یہ گھڑیاں بڑی پُر لطف اور پُر کیف تھیں۔ بد مست ہونے کے باوجود ہر کسی کو اتنا ہوش ضرور تھا کہ تموچن کے مرتبے اور مقام کا خیال کرتا رہے۔

دوسرے دن بورتے کے قبیلے سے آئے ہوئے ایک بوڑھے نے تموچن کو ایک خاص راز کی بات بتائی۔ اس نے تنہائی میں تموچن سے پوچھا "کیا تو نے کبھی مرکیت قبیلے کا نام سنا ہے؟"

تموچن نے جواب دیا "بالکل سنا ہے کیونکہ میری ماں کا تعلق اسی قبیلے سے ہے۔ میری نانی اپنی دو بہنوں سمیت مرکیت والوں سے چھین کے لائی گئی تھی اور میری ماں اولون کہتی ہے کہ جب تائی جوت والوں نے اسے دو بہنوں اور ماں کے ساتھ مرکیت والوں سے چھینا تھا تو ان میں بڑی سخت جنگ ہوئی تھی اور پھر جب یسوکائی اسے اٹھا لایا تو مرکیت والوں نے بھی اسے اپنی بے عزتی سمجھا تھا۔"

بوڑھے نے کہا "بورتے کے باپ کا خیال ہے کہ جب تو بورتے کو لینے پہنچے گا تو مرکیت کے لوگ تجھ کو آسانی سے بورتے کو نہیں لانے دیں گے۔"

تموچن نے مرکیت والوں کے بارے میں جو کچھ سن رکھا تھا اسے یاد کرتے ہوئے کہا "لیکن یہ لوگ تو ٹنڈرا کے برفانی علاقوں میں رہتے ہیں اور بغیر پہیوں کی گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں جنہیں ریذیر کھینچتے ہیں۔ کیا انہیں گھڑ سواری آتی ہے۔ اگر نہیں تو وہ ہمارا کیا مقابلہ کریں گے۔"

بورتے کے قبیلے کے بوڑھے نے کہا "مرکیت بلا کے وحشی ہیں۔ انہیں گھڑ سواری بھی آتی ہے اور وہ اپنے دشمن کو کئی نسلوں تک یاد رکھتے ہیں۔"

تموچن نے پوچھا "تم تو مجھے یہ بتاؤ کہ مرکیت کے لوگ مجھ سے کیا بدلہ لے سکتے ہیں؟"

بوڑھے نے جواب دیا "مجھے ڈر ہے کہ جس طرح تیرا باپ

یسوکائی اولون کو لے اڑا تھا اسی طرح جب بورتے دلہن بنی بیٹھی ہوگی تو مرکیت والے اسے لے اڑیں گے۔"

تموچن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "ایسا ممکن ہے۔ ابھی میں اتنا طاقتور نہیں ہوں کہ بیک وقت تائی جوت قبیلے اور مرکیت والوں کا مقابلہ کروں۔ اس سلسلے میں مجھے طغرل خان سے مدد حاصل کرنی ہوگی اور اب میں قیمتی تحائف لے کر طغرل خان کے پاس جاسکتا ہوں اور مدد کی درخواست کرسکتا ہوں۔"

بورتے کے خاندان والے واپس چلے گئے اور تموچن نے بورتے کو لانے کی تیاریاں شروع کردیں۔ اولون کو ابھی تک بورتے کے آدمیوں کے بتائے ہوئے خدشات کا علم نہیں تھا اور تموچن بھی کئی دن تک اس مخمصے میں رہا کہ وہ مرکیت والوں کا ذکر ماں سے کرے یا نہ کرے۔ لیکن اولون کی عالی ہمتی نے تموچن کو مجبور کردیا کہ وہ اس خطرے کا ذکر ماں سے ضرور کردے۔

اولون نے بورتے اور تموچن کے لیے ایک نیا خیمہ تیار کروایا تھا۔ یہ دونوں کی شب باشی کا خیمہ تھا' نہایت پُرتکلف اور خیمے کی دیواروں اور پردوں پر رنگ برنگی تصویریں بنوائی گئی تھیں۔

تموچن اپنی ماں کو اسی خیمے میں لے گیا اور پوچھا "ماں! یہ مرکیت کے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟"

اولون نے جواب دیا "اچھے ہوتے ہیں۔ میری رگوں میں مرکیت ہی کا خون رواں ہے۔"

تموچن نے پوچھا "کیا وہ ہمارے دشمن ہیں؟"

اولون نے جواب دیا "وہ تائی جوت کے بھی دشمن ہیں اور تیرے قبیلے یاکا کے بھی۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ ہمیں مرکیت ہی سے اٹھایا گیا تھا اور پھر تیرا باپ یسوکائی مجھے تائی جوت والوں سے چھین لایا تھا۔"

تموچن نے کہا "ان واقعات کو ایک زمانہ بیت گیا۔ کیا مرکیت والے ان معمولی واقعات کو ابھی تک بھولے نہیں ہوں گے۔"

اولون نے جواب دیا "تو میری طبیعت سے مرکیت والوں کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ میں نے کتنے مشکل حالات میں بھی ہمت نہیں ہاری اور تجھ کو تیرے باپ کی جگہ دلوا کر رہی۔ یہی خصلت مرکیت والوں کی ہے۔ وہ بغیر پہیوں کی گاڑیوں پر بھی سفر کرتے ہیں اور بہترین شہسوار بھی ہیں۔ وحشت اور سفاکی میں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔"

تموچن کو مرکیت والوں کے بارے میں جو کچھ جاننا تھا' جان چکا تھا۔ کچھ دنوں سے وہ خود کو بہت طاقتور سمجھنے لگا تھا لیکن اب اندازہ ہوا کہ وہ ابھی بہت کمزور ہے۔ دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دوست بہت کم تھے۔ اگر چالیس ہزار یورت کے لوگ ساتھ ہوتے تب بھی وہ کچھ طاقتور ہوتا مگر اپنے لوگ بھی ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ نئے اندیشے اسے پریشان کر رہے تھے اور اپنے ساتھی وفادار تو تھے مگر ان کی تعداد بہت کم تھی اور ان کی وفاداری اور جاں نثاری کچھ زیادہ کام نہیں آسکتی تھی۔ وہ اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے طاقت حاصل کرنے کے اسباب اور ذرائع پر غور کرتا رہتا۔

اس نے دو عیسائی سیاح پادریوں سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے بارے میں جو کچھ سنا تھا اس پر غور کرتا رہا۔ اسے یہ بات ابھی تک یاد تھی کہ منگولیا جیسا صحرا عرب میں بھی ہے اور وہاں بھی بے شمار قبائل رہتے تھے۔ ان قبائل میں بھی جنگ وجدل برپا رہتی تھی اور جب پیغمبرِ اسلام نے ان سب کو متحد کردیا تو وہ دنیا کے بہت بڑے حصے کے مالک بن گئے۔ یہ فکر ایک قسم کی مشعل راہ تھی جو اسے مستقبل کی راہیں دکھا رہی تھی۔ لیکن اسے پیغمبرِ اسلام کی جو بات نہیں بھاتی تھی وہ نرمی اور صلۂ رحمی تھی۔ اس کے خیال میں دشمن کو نیست ونابود کردینا چاہیے اور اس کے باقی ماندہ افراد کو اپنا حامی بنا لینا چاہیے۔ اتنی طاقت حاصل کرلی جائے کہ دشمن کو کہیں جائے پناہ نہ ملے اور تموچن ہر حال میں اس کا کام تمام کردے۔ بہت سے قبائل کا اتحاد اور اجتماع تموچن کو غیر معمولی طاقتور بنا سکتا تھا۔

لیکن فی الحال اس کے سامنے بورتے کا مسئلہ تھا۔ بورتے اس کا انتظار کررہی تھی۔ اور اسے یہ بات بالکل پسند نہ تھی کہ مرکیت والے بورتے کو اٹھا لے جائیں۔

اب اس نے چیدہ چیدہ بہادروں کا ایک دستہ تیار کیا۔ ان کے لیے بہترین ہتھیار مہیا کیے گئے' کھالوں کے لباس اور اس لباس پر سمور کے شلوکے پہنائے گئے۔ پیٹھ پر مہیب شکلیں بنائی گئیں۔ تیروں سے بھرے ہوئے ترکش اور کڑی کمانیں مہیا کی گئیں۔ نیزے بھی اکٹھا کیے گئے۔ پاؤں میں ہرن کی کھالوں کے جوتے پہنائے گئے۔ کمر سے تلواریں نیاموں میں پڑی لٹک رہی تھیں اور پیٹیوں میں خنجر اُڑسے ہوئے تھے۔ یہ ایک ہزار جوان تھے جنہیں ہدایت کی گئی تھی کہ جب تموچن اپنے بھائیوں اور ماں کے ساتھ بورتے کے قبیلے میں پہنچ جائے تو یہ ہزار جانباز اپنے گھوڑوں پر سوار وہاں پہنچیں اور بورتے کے قبیلے والوں کو یہ تاثر دیں کہ مرکیت کے لوگ بورتے کو اٹھا لے جانے کی جرأت نہیں کرسکتے۔

تموچن نے قسار اور ملکوتی کو اپنی جگہ چھوڑا اور بلغورچی اور ماں اولون کو لے کر بورتے کو لینے چلا گیا۔ اس وقت بھی اس کے ساتھ جاں نثاروں کا ایک شاندار دستہ تھا جو کسی بھی اچانک حملے کا پامردی سے مقابلہ کرسکتا تھا۔

بورتے کے باپ نے اپنے خیمے کے دروازے پر مہمانوں کا استقبال کیا اور ہنستے ہوئے کہا "جب مجھے یہ بتایا گیا کہ تجھے ترغاتائی نے گرفتار کرلیا ہے تو میں تیری زندگی کی طرف سے مایوس ہوگیا تھا۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ تو ترغاتائی کی قید سے نکل بھاگا تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ تو واقعی قبل خان کی نسل کا ایک شاندار جوان ہے۔"

تموچن نے جواب دیا "اگر میرے پاس سوکھے گوشت کے چند پارچے بھی ہوتے تو ترغاتائی کے لوگ مجھے کبھی بھی گرفتار نہ

کر سکتے۔ وہ تو میری بھوک تھی جس نے مجھے گرفتار کروا دیا۔"

ہنسی خوشی کے اس ماحول میں بورتے کا باپ تموچن اور اولون کو خیمے کے اندر لے گیا مگر بنورچی کو باہر ہی روک دیا گیا۔

تموچن نے بنورچی کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کھینچتا ہوا اپنے ساتھ لے گیا "یہ میرا بھائی بنورچی ہے اور میرے ساتھ ہی بیٹھے گا۔"

بورتے کے باپ نے کہا "مگر تیرا بھائی تو قسار ہے۔ یہ نیا بھائی کہاں سے پیدا ہو گیا؟"

اولون نے مداخلت کی اور بورتے کے باپ سے کہا "بحث نہ کر۔ یہ بھی میرا بیٹا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تموچن اور قسار کی طرح اسے میں نے پیدا نہیں کیا لیکن یہ تموچن کا بھائی ہے۔"

جب یہ لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو قبائلی رسم کے مطابق شراب کا ایک پیالہ تموچن کو دیا گیا۔ یہاں بھی اون اور روئی کی ایک پتلی لٹک رہی تھی۔ تموچن نے شراب میں انگلیاں ڈبو کر پتلی پر انگلیوں سے شراب کا چھڑکاؤ کیا پھر تھوڑی تھوڑی شراب خیمے کے چاروں کونوں میں گرائی۔ یہیں ایک کونے میں بورتے بھی اپنی ماں اور رشتے دار عورتوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مسکرا کر رہ گئے۔ بورتے کے بالوں کی کئی چوٹیاں لٹک رہی تھیں اور ان میں سونے کے سکے پرو دیے گئے تھے۔ وہ بار بار تموچن کو دیکھ رہی تھی۔

بورتے کے باپ نے اپنے خدشے کا اظہار کیا "دشمنیاں تو سبھی کے ساتھ لگی ہوتی ہیں لیکن جتنے تیرے دشمن ہیں کسی اور کے نہ ہوں گے۔ سچ کہتا ہوں کہ مجھے یہ یقین نہیں تھا کہ تو ترغاتائی کی قید سے زندہ بچ نکلے گا۔"

تموچن نے جواب دیا "جب میرے قبیلے والے مجھ سے بے وفائی کر رہے تھے تو مجھے ان کی بے وفائی بے حد ناگوار گزر رہی تھی لیکن گرفتاری کے دوران جب میرے اپنے قبیلے کے کچھ لوگ میرے کام آئے تو مجھے یہ ماننا پڑا کہ ان کی بے وفائی محض موقع پرستی تھی۔"

انہی باتوں کے دوران بہت سے گھوڑوں کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ بورتے کے باپ کو شبہ ہوا کہ شاید مرکیت والے آ گئے ہیں لیکن تموچن مطمئن تھا۔

بورتے کا باپ گھبرا کے باہر جانے لگا اور کہا "مجھ کو اسی بات کا ڈر تھا۔ آخر مرکیت والے آ ہی گئے۔"

تموچن ہنسنے لگا اور خود بھی بورتے کے باپ کے ساتھ خیمے سے باہر نکلا اور کہا "یہ مرکیت والے نہیں 'اپنے آدمی ہیں۔ ہماری حفاظت کی خاطر آئے ہیں۔"

دونوں خیموں کے دروازے پر کھڑے ہو کر گھڑ سواروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جب وہ کسی قدر قریب آ گئے تو ان کی پشت پر کمانوں سے اونچے نیزے صاف دکھائی دینے لگے۔

سردی سے بچنے کے لیے ان سب نے سمور کے لباس پہن رکھے تھے۔ چہروں پر چربی ملی ہوئی تھی اور چربی پر جمی ہوئی گرد و غبار نے ان کی شکلیں بدل کے رکھ دی تھیں۔

یہ نوجوان اپنے سامنے تموچن کو دیکھ کر اپنے اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے۔

تموچن نے بورتے کے باپ سے کہا "یہ جنگجو تقریب کے دوران کسی بھی متوقع حملہ آور کے خلاف ہماری حفاظت کریں گے۔"

بورتے کے باپ نے پوچھا "انہیں کہاں ٹھہرایا جائے؟"

تموچن نے جواب دیا "فی الحال یہ تھکے ہوئے ہیں' چند گھنٹے ہم سب کے ساتھ خیموں میں بیٹھیں گے اس کے بعد ہماری پہرے داری کے لیے ہمارے خیموں کے چاروں طرف پھیل جائیں گے۔"

ان سب کے ہتھیار ان سے لے لیے گئے اور انہیں ایک بہت بڑے خیمے میں لے جایا گیا۔ اسی بڑے خیمے میں اولون' بنورچی' بورتے اور اس کے دوسرے رشتے دار بلا لیے گئے اور یہاں باضابطہ مہمانوں کی خاطر تواضع ہوئی۔ شراب کا دور چلا۔ اور بورتے کے باپ نے بڑی فیاضی دکھائی۔

چند گھنٹے بعد محافظ نوجوان باہر نکل گئے اور اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کے پہرے داری میں مشغول ہو گئے۔

تیسرے دن بورتے کو دلہن بنا کے بٹھا دیا گیا۔ وہ سفید سمور کا لمبا سا لبادہ پہنے ہوئے تھی۔ اس کی چوٹیاں سونے چاندی کے سکوں اور ننھی ننھی موتیوں سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ صنوبر کی چھال سے ایک خاص قسم کی ٹوپی بنائی گئی تھی۔ اس ٹوپی پر قیمتی ریشم منڈھ دیا گیا تھا۔ یہ ٹوپی اس کے سر پر بہار دے رہی تھی۔

بورتے کو تموچن کا انتظار تھا لیکن اس انتظار کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تموچن آئے اور بورتے اس کے ساتھ چلی جائے۔ ان وحشیوں کا کوئی کام آسان نہیں تھا۔ بورتے کو تموچن کو دیکھتے ہی فرار ہو جانا تھا اور بہت سارے خیموں میں وہ کہیں بھی چھپ سکتی تھی۔ بورتے کی رشتے دار خواتین اس کو چھپا سکتی تھیں اور خادمائیں مزاحمت کر سکتی تھیں۔ وہ تموچن کو آگے بڑھنے سے روک سکتی تھیں اور تموچن کو بالکل آزادی تھی کہ وہ بورتے کا خیمے خیمے پیچھا کرے۔ اس کو تلاش کرے۔ مزاحم ہونے والوں کو راستے سے ہٹائے اور دلہن کو حاصل کر کے لے اڑے۔

رسم کا آغاز ہوا اور بورتے نے تموچن کو جیسے ہی اندر داخل ہوتے دیکھا وہ دوسرے خیمے میں چلی گئی۔ دوسرے سے تیسرے میں اور تیسرے سے چوتھے میں۔ رشتے دار خواتین اور بورتے کی خادمائیں ان خیموں کی پہرے داری کر رہی تھیں جہاں بورتے ابھی پہنچی بھی نہیں تھی اور یہ تموچن کو دھوکا دینے کے لیے کیا گیا تھا۔

تموچن نے پہلے تو ایسے دو خیموں میں بورتے کو تلاش کیا اور اس کا خواتین نے خوب مذاق اڑایا تو اس نے ان خیموں میں بورتے کو تلاش کرنا شروع کر دیا جن میں مزاحمت کرنے والی

خواتین موجود نہیں تھیں۔

کئی خیموں کی تلاشی لینے کے بعد اس نے بورتے کو ایک خیمے سے نکل کر دوسرے خیمے میں جاتے دیکھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف دوڑا اور اسے اٹھا کے خیموں کے باہر نکلا۔ اور اپنے گھوڑے کی طرف بھاگتا ہوا آیا اور اس پر بٹھا کے اپنے خیمے میں لے گیا۔ چالاک تموچن نے بورتے کو بہت جلد حاصل کر لیا تھا۔

اس کے بعد تموچن نے بورتے کے قبیلے والوں کی دعوت کی۔ بہت سی دیگیں چڑھ گئیں اور مختلف قسموں کے مویشی کاٹ کر ان دیگوں میں ڈال دیے گئے۔ یہ نہایت شاندار تقریب تھی۔ بورتے کے قبیلے کے لوگ بہت خوش تھے کہ کسی جھگڑے کے بغیر ان کی یاکا منگولوں سے قرابت داری ہو گئی تھی۔

ان دشوار گزار مراحل سے بہ آسانی گزر جانے کے بعد تموچن کو اس کی چھٹی حس نے بتایا کہ خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے اور کسی وقت بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ یہی حس اس کو یہ بھی بتا رہی تھی کہ اب اس کے ساتھ جو کچھ پیش آنے والا ہے اس میں اسے طغرل خان کی اعانت درکار ہو گی۔ اس لیے اب یہ ضروری ہو گیا تھا کہ وہ طغرل خان سے ایک بار مل ضرور لے اور اسے یسوکائی والے معاہدے کی یاد دلا دے۔

تموچن نے اس کا ذکر اپنی ماں اولون سے کیا۔ اولون نے کہا۔ "بظاہر تو ہم مضبوط ہوتے جا رہے ہیں۔ بے وفا بچھڑے لوگ بھی واپس آ رہے ہیں اور انہوں نے بھی تجھ کو اپنا سردار تسلیم کر لیا ہے۔ اس لیے اب ہمیں طغرل خان کی مدد نہیں درکار ہو گی۔"

لیکن تموچن نہیں مانا۔ اس نے بہترین سمور کے چند لباس ساتھ لیے اور دس گھوڑے اور پچاس مویشی لے کر طغرل خان کے پاس روانہ ہو گیا۔ وہ طغرل خان کو اپنا چچا کہتا تھا۔ اس سفر میں بغورچی بھی ساتھ تھا۔

طغرل خان خاصا مہذب ہو چکا تھا اور فصیل بند شہر میں رہتا تھا۔ وہ خود نیلے جاودانی آسمان کو مانتا تھا لیکن اس کے شہر میں نسطوری پادری پہنچ چکے تھے اور کچھ وحشیوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

جب تموچن شہر کے صدر دروازے پر پہنچا تو دربانوں نے اسے روک دیا۔

تموچن نے اپنا تعارف کروایا "میں منگولوں کے یاکا قبائل کا سردار تموچن ہوں۔ میرا باپ یسوکائی تیرے سردار طغرل خان کا جگری دوست تھا۔ اب میں پہلی بار اپنی شکل دکھانے آیا ہوں۔"

کئی دربان یسوکائی سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس وقت تموچن کے ساتھ دس بارہ آدمی تھے۔ اتنے بڑے شہر میں دس بارہ آدمی کیا کر سکتے تھے' دربانوں نے انہیں شہر میں جانے دیا۔ انہیں دوبارہ محل کے دروازے پر روکا گیا لیکن طغرل خان کو جیسے ہی بتایا گیا کہ اس کے مرے ہوئے دوست یسوکائی کا بیٹا تموچن خود آیا ہوا ہے تو طغرل خان اس کے استقبال کے لیے دروازے پر پہنچ گیا۔

نذرانے میں پیش کیے گئے گھوڑے اور مویشی باڑوں میں بھیج دیے گئے اور طغرل خان تموچن اور بغورچی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ بغورچی کو تموچن کا بھائی سمجھ رہا تھا۔

طغرل خان نے ان دونوں کو جو عزت دی تھی اور ان کے ساتھ جتنے احترام سے پیش آیا تھا' تموچن اس سے بہت متاثر ہوا۔

رات کا کھانا ان دونوں نے طغرل خان کے ساتھ کھایا۔ کھانے کے بعد شراب کا دور چلا۔ طغرل خان نے پہلے ہی جام کو منہ سے لگاتے ہوئے کہا "لڑکے! تیرا کیا نام ہے؟"

تموچن نے جواب دیا "تموچن۔"

طغرل خان نے کہا "شاید تجھ کو نہیں معلوم کہ تیرے باپ کا مجھ سے ایک معاہدہ ہوا تھا کہ جب بھی اس کو میری مدد کی ضرورت ہو گی میں مدد کو پہنچ جاؤں گا۔"

تموچن نے بتایا "اس معاہدے کا ذکر میری ماں نے کیا تھا۔ باپ کی موت کے بعد میرے اپنے قبیلے کے بہت سے لوگوں نے میری سرداری کو تسلیم کرنے سے اس لیے انکار کر دیا کہ میں کمسن اور ناتجربے کار تھا۔ وہ ہمارا ساتھ چھوڑ کے تائی جوت کے قبیلوں میں چلے گئے اور میرے آس پاس بہت تھوڑے سے لوگ رہ گئے پھر تائی جوت کا ترغاتائی شکار کھیلنے کے بہانے ہماری زمینوں میں آیا اور ہمارے آدمیوں کا شکار کیا۔ ہمارے مویشیوں اور مجھ کو قید کر کے اپنے ساتھ لے گیا لیکن جاودانی نیلے آسمان نے مجھ پر مہربانی کی اور مجھے رہائی مل گئی۔ اس وقت تک ہم بالکل تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ میری ماں نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو معاہدے کی یاد دلاؤں لیکن میں اس وقت اس لیے آپ کے پاس نہیں آیا کہ میرے پاس آپ کو تحفے میں دینے کے لیے کچھ بھی نہ تھا اور میں فقیر کی طرح اس دربار میں نہیں آنا چاہتا تھا۔"

طغرل خان زور زور سے ہنسنے لگا اور کہا "مجھے افسوس ہے کہ تو تحفے تحائف کے انتظار میں پریشانیاں اٹھاتا رہا۔ باہمی معاہدے تحفے تحائف سے مشروط نہیں ہوتے۔ اگر تیری طرف سے ایک آدمی

سو سالہ دلہن

مسز ونیفرڈ کلارک کو دُنیا کی معمر ترین دُلہن تسلیم کیا جاتا ہے۔ اُس نے اپنی سوویں سالگرہ صرف ایک روز قبل ساؤتھ یارکشائر انگلینڈ میں ۹۰ سالہ البرٹ اسمتھ سے شادی کی'

بھی میری طرف یہ پیغام لے کر آجاتا کہ اس وقت تجھ کو میری مدد کی ضرورت ہے تو میری فوجیں تیری مدد کو پہنچ جاتیں اور ترغاتائی سمیت کئی قبائل کے سرداروں کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ تو میرا بھتیجا ہے اور تجھ کو میری سرپرستی حاصل ہے۔"

طغرل خان نے تموچن کو اتنی محبت دی کہ اس نے سارے اندیشے دل سے نکال دیے اور خود کو ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کا اہل سمجھنے لگا۔

اس شہر میں اسے کئی نسطوری پادری بھی نظر آئے۔ انہی جیسے دو سیاح پادری اس کے قبیلے میں بھی آئے تھے اور عجیب عجیب باتیں کیا کرتے تھے۔ تموچن کو ان کی صرف وہ باتیں اچھی لگتی تھیں جو پکے مکانات میں رہنے والے امن پسندوں سے متعلق ہوتی تھیں۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ شہروں میں لوگ مل جل کے رہتے ہیں اور آپس میں بڑا اتحاد اور اعتماد ہوتا ہے لیکن اسے جب یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ جب گھروں سے باہر جاتے ہیں تو مکانوں کو مقفل کر دیتے ہیں تو تموچن کو بڑی ہنسی آئی۔ اس نے ایک نسطوری پادری سے پوچھا "کیا تم لوگ بھی اپنے گھروں کو تالے لگاتے تھے؟"

پادری نے جواب دیا "ہم لوگ گرجوں میں رہتے تھے۔ ہمیں گرجوں میں چیبل ہوتے تھے۔ ان چیبلوں کو ہم اپنی عدم موجودگی میں تالے لگا دیتے تھے اور گرجوں کے ان حصوں کو بھی مقفل کر دیتے تھے جہاں گرجوں کا مقدس، متبرک اور قیمتی سامان رکھا جاتا تھا۔"

تموچن ہنسنے لگا اور کہا "تم لوگ باتیں بہت کرتے ہو لیکن اعتبار کسی پر نہیں کرتے۔ تمہارے مقفل دروازے یہ بتاتے ہیں کہ تمہیں کسی پر بھی اعتبار نہیں جب کہ ہمارے خیموں میں تالے نہیں لگتے اور ہم اپنے آدمیوں پر اعتبار کرتے ہیں۔"

نسطوری پادری تموچن سے الجھ پڑا اور کہا "جنگل کا کوئی درندہ بھی تالوں کا استعمال نہیں کرتا لیکن درندگی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ تم سب درندے ہو۔"

تموچن نے ایک مکا مار کر اس کا جبڑا توڑ دیا اور کہا "اگر ہم درندے ہیں تو درندگی ضرور دکھائیں گے۔"

طغرل خان نے تموچن سے جواب طلب کیا تو تموچن نے طغرل خان کو اس خطرے سے آگاہ کر دیا جس سے اس کے سپاہی دوچار ہوتے جا رہے تھے۔ اس نے کہا "چچا! یہ شخص ہمیں بزدل بنانے آیا ہے۔ اگر اسے نہ روکا گیا تو یہ ہماری فوج کو بالکل ناکارہ کر دے گا کیوں کہ یہ ہر بات میں عدم تشدد کی بات کرتا ہے۔"

اب طغرل خان نے اپنے آدمیوں سے پوچھا "یہ شخص یہاں کیوں آیا ہے اور کیا کرتا رہتا ہے؟"

ایک شخص نے جواب دیا "یہ ہمیں ورغلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تم لوگ یونہی لڑتے جھگڑتے رہے تو ایک نہ ایک دن بالکل ناپید ہو جاؤ گے اور اس علاقے پر دوسرے لوگ قابض ہو جائیں گے۔"

طغرل خان نے حکم دیا "اس قسم کے لوگوں کو شہر سے نکال دیا جائے اور جن لوگوں نے ان کا اثر قبول کر لیا ہے انہیں ان کے ساتھ کر دیا جائے۔"

چنانچہ جب دو نسطوری پادری نکالے گئے تو ان کے ساتھ کچھ منگول بھی تھے۔ ان سب کے نکل جانے سے طغرل خان کو اطمینان ہوا کہ وہ خطرات سے نجات پا گیا ہے۔

تموچن نے بھی سکون کی سانس لی۔ دونوں میں ایک بار پھر معاہدے کی تجدید ہوئی۔ اس بار یہ زبانی معاہدہ تحریری شکل میں لایا گیا لیکن تموچن کو پڑھنا لکھنا نہیں آتا تھا۔ طغرل خان نے نہایت خلوص اور محبت سے اسے رخصت کیا۔

راستے میں تموچن مہذب دنیا کے بارے میں سوچتا رہا۔ اسے یہ لوگ بہت اچھے لگے۔ ان کی دولت اور مال و زر شاید تموچن کا انتظار کر رہے تھے لیکن صحرائے گوبی کو عبور کرنا کوئی مذاق نہیں تھا۔ کتنی ہی فوج کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ تھا کیونکہ شرقاً غرباً ہزار میل شمالاً جنوباً پانچ سو میل صحرا کو عبور کرنے والی فوج کو کھانے پینے کی اشیا وافر مقدار میں درکار تھیں جنہیں ساتھ لے جانا تقریباً ناممکن تھا۔

اسے یہ بات تو معلوم ہو گئی تھی کہ یہ شہری اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے خواہ وہ تعداد میں کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ ایک بھیڑیا سو بکریوں کے لیے کافی تھا۔

راستے میں بغورچی نے پوچھا "کیا ہمیں واقعی کسی دشمن کا خطرہ ہے؟ اگر میرے قبیلے کی مدد درکار ہو تو میں ان کو لے آؤں گا۔"

تموچن نے جواب دیا "ہم جس ماحول میں رہتے ہیں وہاں ہر وقت خطرے منڈلاتے رہتے ہیں۔ اب اگر طغرل خان ہماری مدد پر آمادہ ہو گیا ہے تو گویا ہم بالکل محفوظ ہو گئے ہیں۔"

یہ لوگ قبیلے میں واپس پہنچے تو بغورچی نے معلوم نہیں کس قسم کا خطرہ محسوس کیا۔ اس نے چند پستہ قامت گھڑسواروں کو ادھر ادھر گھوڑے دوڑاتے دیکھا۔ یہ بالکل اجنبی لوگ تھے اور ان کا انداز بتلاتا تھا کہ وہ یہاں کا جائزہ لینے آئے ہیں۔

اس نے اس کا ذکر تموچن سے بھی کیا مگر تموچن نے اس کا کوئی خاص اثر نہیں لیا اور بات کو ٹال گیا۔

رات کے کھانے پر اولون نے بھی تموچن کو یہی بتایا کہ مرکیت قبیلے کے لوگ کئی دن سے آ جا رہے ہیں اور ان کے عزائم اچھے نظر نہیں آتے۔

تموچن کو طغرل خان کی دوستی کا نشہ چڑھا ہوا تھا، کہنے لگا "وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں جب چاہوں گا اپنے کسی آدمی کو طغرل خان کے پاس بھیج دوں گا اور اس سے مدد منگوالوں گا اور پھر یہ گھڑسوار ہمیشہ کے لیے یہاں سے رفوچکر ہو جائیں گے۔"

خیمے میں بورتے بہت اداس تھی۔ اس نے تموچن سے پوچھا

"تجھے ماں نے کوئی خاص بات بتائی؟"

تموجن نے حیرت سے پوچھا "کون سی خاص بات؟"

بورتے نے کہا "تیری ماں اولون کی جس سے شادی طے ہوئی تھی اور تیرا باپ یسوکائی جس کی بیاہتا دلہن کو صاف اڑا لایا تھا وہی وہ لوگ ہمارے خیموں کے گرد چکر لگاتا دیکھا گیا ہے۔"

تموجن نے سوچا کہ اب وہ لوگ اولون کے لیے تو یہاں آنے سے رہے۔ یقیناً ان کا ہدف کوئی اور ہوگا اور بظاہر یہ ہدف بورتے ہو سکتی ہے۔

تموجن نے مرکیت والوں کی تلاش میں اپنے آدمی چاروں طرف دوڑا دیے لیکن ان کے چند آدمی اپنی جھلک دکھا کر کہیں غائب ہو گئے تھے۔ جب مرکیت والوں کا کوئی گروہ کہیں نظر نہ آیا تو یہ مطمئن ہو گئے لیکن اس اطمینان کے ٹھیک ساتویں دن رات کے اندھیرے میں تموجن پر حملہ ہو گیا۔ حملہ آور مرکیت تھے۔ شمالی خطہ کے لوگ۔ انہوں نے حملہ کرنے سے پہلے جلتی ہوئی مشعلیں خیموں پر پھینکیں۔ جب ان خیموں سے بدحواس لوگ نکلے تو ان پر حملہ کر دیا گیا۔ تموجن نے حملہ آوروں کا تیغوں سے مقابلہ کیا اور صاف بچ کر نکل گیا۔ مرکیت والے تموجن کو زندہ گرفتار کرنا چاہتے تھے مگر ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی جب انہوں نے بورتے کو نہایت آسانی سے حاصل کر لیا۔

تموجن اور اس کے قبیلے والے بورتے کی حفاظت نہیں کر سکے۔ یہ حملہ آور جتنی تیزی سے آئے تھے اتنی ہی تیزی سے واپس چلے گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد سب نے اپنے اپنے نقصانوں کا اندازہ لگایا تو معلوم ہوا کہ ہر شے اپنی جگہ موجود ہے۔ بس بورتے غائب تھی۔ چند خیموں میں آگ بھی لگ گئی تھی مگر ان میں کوئی خاص سامان نہیں تھا۔ ان میں رہنے بسنے والے قبائلی جوان پہلے ہی نکل گئے تھے۔ اس لیے خیمے جل گئے تھے اور وہ خود بچ گئے تھے۔

اب قبیلے کے عمر رسیدہ اور جوان سبھی سر جوڑ کے بیٹھے اور بورتے کی واپسی کی صلاح اور تدبیریں کرنے لگے۔ بالآخر خود کو کمزور کر کے سبھی نے یہ فیصلہ کیا کہ طغرل خان سے مدد حاصل کی جائے۔ یہ تجویز نہایت معقول تھی۔ سبھی کو اس سے اتفاق تھا۔ ان تیاریوں کے ساتھ یہ لوگ طغرل خان کے پاس روانہ ہو گئے۔

طغرل خان تموجن کو اتنی جلدی دوبارہ اپنے سامنے دیکھ کر حیران ہوا۔

تموجن نے کسی تمہید کے بغیر بے حد سادگی سے سارا واقعہ بیان کر دیا اور کہا "وہ میری بورتے کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ میں بورتے کو ہر قیمت پر ان سے واپس لوں گا۔"

طغرل خان نے پوچھا "تیری ماں اولون بھی شاید اسی طرح اٹھا کر لائی گئی تھی۔ تو مرکیت والوں کے ہجوم میں بورتے کو اب کہاں تلاش کرے گا؟"

تموجن نے جواب دیا "پہلے میں یہ معلوم کروں گا کہ میری ماں کس کی دلہن بننے والی تھی۔ میری بورتے کو اسی خاندان کے کسی جوان کے حوالے کر دیا گیا ہوگا۔"

طغرل خان، تموجن کی فراست کا قائل ہو گیا۔ اس کا خیال درست ہو سکتا تھا۔ بہرحال طغرل خان نے تموجن کی مدد کی اور ایک لشکر اس کے حوالے کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اسی لشکر کے انتظار میں اسے ڈیڑھ دو سال برباد کرنا پڑے۔ پھر جیسے ہی یہ مدد حاصل ہو گئی، تموجن اپنے قبیلے کے جنگجو جوانوں کو ساتھ لے کر مرکیت والوں کی طرف روانہ ہو گیا۔

راہ میں اسے جو بھی ملا اسے گرفتار کر لیا گیا تاکہ ایسا کوئی شخص تموجن کے آنے کی خبریں مرکیت والوں کو نہ پہنچا سکے۔

پھر جس طرح خیموں پر جلتی ہوئی مشعلیں پھینک کر مرکیت والوں نے حملہ کیا تھا اسی طرح تموجن نے بھی حملہ کیا۔

تموجن کے لوگوں نے جلتی ہوئی مشعلوں کی بارش کر دی اور جب یہ گھبرا کر اپنے اپنے خیموں سے باہر نکلے تو تموجن کے ساتھیوں نے تیر برسانے شروع کر دیے۔ اس افراتفری کے عالم میں بھی تموجن بورتے کو آوازیں دے رہا تھا "بورتے تو کہاں ہے جلدی سے آجا میں تجھ کو لینے آیا ہوں۔"

کچھ دیر بعد بورتے بھاگتی ہوئی آئی اور تموجن کے گلے سے لگ گئی۔ وہ سسکیاں لے کر رونے لگی۔

تموجن نے پوچھا "تو کس کے ساتھ رہ رہی تھی؟"

بورتے نے جواب دیا "یہ خبر یہاں بہت مشہور ہے کہ تیری ماں اولون جس کی بیوی بننے والی تھی، تیرا باپ اس کی دلہن کو زبردستی لے اڑا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے اولون کے ہونے والے شوہر کے بیٹے کے حوالے کر دیا تھا اور وہ سب فخریہ کہتے تھے کہ یہی ہمارا انصاف ہے۔"

تموجن کو بورتے مل گئی تھی اس لیے اب جنگ و جدل فضول تھی۔ تموجن نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "اب لڑائی ختم۔ گھر واپس چلو۔"

جب یہ لوگ اپنی زمینوں پر واپس آرہے تھے تو راستے میں بورتے سے ایک بچہ پیدا ہوا۔ یہ بچہ تموجن سے ڈھائی تین سال کی مفارقت کے بعد پیدا ہوا تھا جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ یہ تموجن کا بیٹا نہیں تھا اور بورتے کا یہ خیال تھا کہ تموجن نومولود کا گلا دبا کر ہلاک کر دے گا۔ اس لیے وہ تمام ایسی تدبیروں پر غور کرنے لگی جس سے اس کا نومولود زندہ رہے۔

تموجن نومولود کو پہلی بار دیکھنے خیمے میں گیا تو بورتے نے کہا "یہ سو رہا ہے۔ اسے ہاتھ نہ لگانا، جاگے گا تو تنگ کرے گا۔"

تموجن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "تو مجھ سے ڈھائی تین سال دور رہی ہو گی لا اسے میری گود میں دے۔ اگر جاگ کے اس نے پریشان کیا تو میں اسے منالوں گا۔"

بورتے اس کو منع کرتی رہی مگر تموجن نے اس کو زبردستی اٹھا لیا اور کچھ دیر اسے غور سے دیکھتا رہا۔ بورتے خوشامد کرنے لگی۔

"اس میں میرا یا اس بچے کا کیا قصور؟ ہم دونوں مجبور تھے۔"

تموجن مسکرایا اور کہا "یہ ہمارا مہمان ہے یعنی جوجی خان' اور مہمان کو گزند پہنچانا قبائلی روایات کے خلاف ہے۔ یہ جوجی خان میرا بیٹا ہے اور زندگی بھر اس کی ایک مہمان کی حیثیت سے عزت کی جائے گی۔"

اس نے جوجی خان کو سینے سے لگایا' پیار کیا اور دوبارہ بورتے کے پہلو میں لٹا دیا۔

جب یہ لوگ اپنی زمینوں پر پہنچے تو کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ جوجی خان کے خلاف کوئی ناشائستہ لفظ استعمال کرتا۔

طغرل خان کی فوج شکریے اور تحائف کے ساتھ واپس بھیج دی گئی۔

اولون کو جوجی خان اس لیے قابلِ قبول نظر آیا کہ ایک بار وہ بھی تموچن نامی دشمن کی قید میں چلی گئی تھی اور جب تموچن کو قتل کر کے اولون کو واپس لیا گیا تھا تو تموجن اس کی گود میں تھا اور یسوکائی نے اپنے بیٹے کا نام ہی اپنے دشمن کے نام پر رکھ دیا تھا۔

بورتے کو جو اندیشے تھے وہ آہستہ آہستہ دور ہوتے چلے گئے اور جوجی خان سب کے لیے قابلِ قبول ہوتا چلا گیا۔

لیکن اب بورتے کو ایک نئی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ جو منگول تموجن کی سرداری میں رہتے تھے ان کی تعداد صرف تیرہ ہزار تھی جب کہ دشمن قبائل کی تعداد ان سے کہیں زیادہ تھی۔ اگر طغرل خان ان کی مدد نہ کرتا تو یہ شمالی ٹنڈرا کے لوگوں سے کبھی بھی نہ نمٹ سکتا۔ بورتے اس حادثے کے بعد اکثر سوچتی رہتی کہ یہ منگول کب تک زندہ رہیں گے۔ طغرل خان کے سوا ان کا کوئی دوست نہ تھا اور یہ کب تک منگولوں کی مدد کر سکتا تھا۔ ترغا تائی بھی ان کی تاک میں تھا اور کیرولان کے اس پار تاتاری بھی اب منگولوں کے دوست نہیں رہے تھے۔ وہ اکثر سوچتی رہتی کہ وہ اتنے غیر یقینی ماحول میں کب تک زندہ رہے گی۔ وہ اپنے انجام کو سوچ سوچ کر خوفزدہ رہتی تھی اور اکثر تموجن سے کہتی تھی "کچھ کریں۔ آگے بڑھیں اور بڑی بڑی حکومتوں سے آنکھیں لڑانے کے قابل بننے کی کوششیں کریں۔ اس طرح کمزور رہ کر آپ کب تک زندہ رہیں گے۔"

تموجن جواب میں ہر بار یہی کہتا "میں بہت جلد اس لائق ہو جاؤں گا کہ لوگ مجھ سے خوف کھایا کریں گے۔"

ابھی یہ تشویش انگیز گفتگو جاری تھی کہ معلوم ہوا کہ تائی جوت والے اپنے تیس ہزار آزمودہ کار سواروں کے ساتھ بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ ان کی کمان ترغا تائی کے ہاتھ میں تھی۔

قبیلے کے بوڑھے' ادھیڑ عمر اور جوان تموجن کو گھیر کے بیٹھ گئے اور پوچھا "اب ہمیں ان کا مقابلہ کس طرح کرنا چاہیے؟ وہ ہر معاملے میں ہم پر فوقیت رکھتے ہیں۔"

تموجن نے فوراً اپنا فیصلہ سنایا "بچے اور عورتیں جنگل میں روپوش ہو جائیں۔"

بچے اور عورتیں فوراً جنگل میں چھپ گئے۔ جوان' ادھیڑ عمر اور بوڑھے لڑنے مرنے کے لیے صف بندیاں کرنے لگے۔ اس موقع پر تموجن نے جنگ کے لیے ایک نئی حکمتِ عملی تیار کی۔ بہت سارے چھکڑے جن پر سامان بار کیا جاتا تھا' انہیں چوڑائی میں اس طرح کھڑا کر دیا گیا جیسے ان کے درمیان محاذ بندی کی گئی ہو۔ یہ چھکڑے آہستہ آہستہ ایک مربع محاذ کی شکل اختیار کر گئے۔ ان کے بیچ کی جگہ خالی رکھی گئی۔ ترغا تائی اپنے تیس ہزار جوانوں سے حملہ آور ہوا تھا۔

تموجن نے اپنے آدمیوں کو ادھر اُدھر چھپا دیا تھا اور کچھ کو سامنے رہنے دیا تھا۔ چھکڑوں کا آخری سرا جنگل سے جا ملا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا تھا کہ جب جنگ زور پکڑ جائے تو آہستہ آہستہ چھپے ہوئے منگول سامنے آنے لگیں اور لڑائی میں شریک ہوتے جائیں۔ اس سے ترغا تائی کو مغالطہ ہو گا کہ منگول تعداد میں زیادہ ہیں یا پھر طغرل خان کے سپاہیوں کی مدد بھی انہیں حاصل ہے۔

تموجن نے خالی چھکڑوں میں بھی نوجوانوں کو چھپا دیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ جب ترغا تائی کے جوان چھکڑوں کی طرف بڑھیں تو ان پر اچانک تیروں کی بوچھاڑ کر دی جائے۔ دشمنوں کے آس پاس بھی منگول چھپے ہوئے تھے اور اسی وقت انہیں بھی ان پر حملہ کرنا تھا۔

ترغا تائی کے جوانوں نے منگولوں کا جائزہ لیا۔ انہیں اس سناٹے میں ایک منگول بھی نظر نہ آیا۔ بس چھکڑوں کو چوکور شکل میں کھڑے دیکھا اور ان چھکڑوں کا ایک سرا جنگل تک چلا گیا تھا۔

تائی جوت نہایت احتیاط سے چھکڑوں کی طرف بڑھے۔ وہ اپنی تیز نگاہوں سے چھکڑوں کے اندر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن جب تک وہ قریب نہ پہنچ گئے انہیں کچھ نظر نہ آیا۔ ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ وہ کچھ پیچھے ہٹے اور تیروں کا جواب تیروں سے دینا چاہا تو دائیں بائیں سے منگول نمودار ہونے لگے۔ یہ بھی تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے اور موت نے انہیں تین طرف سے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ چند گھنٹوں میں چھ ساڑھے چھ ہزار تائی جوت مارے گئے پھر تائی جوت نے جنگل سے بھی منگولوں کو نکلتے اور حملہ کرتے دیکھا جس سے ترغا تائی کو یہ احساس ہوا کہ اسے منگولوں کی تعداد کے بارے میں غلط خبر دی گئی تھی۔

ترغا تائی نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ جنگ بند کر دیں اور اپنے علاقوں میں واپس جائیں۔ تموجن خاصا طاقتور ہو چکا ہے۔

جب وہ واپس جا رہے تھے تو ان کے ستر جوان تموجن کے قیدی بن چکے تھے۔ مرنے والوں کے ہتھیار منگولوں کے ہاتھ آئے۔ یہ ستر قیدی بھی اپنے ساتھ خاصے ہتھیار رکھتے تھے۔ اب ان سب کا مالک تموجن تھا۔

تموجن یہ جنگ جیت چکا تھا اور دشمن نے شکست اٹھا کے راہِ فرار اختیار کی تھی۔ اس لیے تموجن نے اسی جگہ اپنے قبیلے والوں

کے لیے دیگیں چڑھوا دیں۔ دیگوں کے ساتھ بڑے بڑے کڑھاؤ بھی پتھر کے چولہوں پر رکھ دیے گئے۔

تموجن نے باری باری قیدیوں کو طلب کیا۔ ان سب سے اس کا ایک ہی سوال تھا "کچھ دیر پہلے تک تم ترغاتائی کے جاں نثار تھے لیکن وہ تمہیں ہماری قید میں دے کر اپنی زمینوں میں چلا گیا۔ اب تم کیا کرو گے؟"

تقریباً چالیس آدمیوں نے ایک ہی جواب دیا "ہم ذات کے سپاہی لوگ بہادر آقا کی ماتحتی کو باعثِ عزت سمجھتے ہیں۔ کچھ دیر پہلے تک ہم ترغاتائی کے جاں نثار تھے اب آپ کی وفاداری کریں گے۔"

تموجن نے پوچھا "یہ بات تم لوگ دل سے کہہ رہے ہو یا ہمیں دھوکا دینے کی غرض سے؟"

ایک نے بقیہ انتالیس کی طرف سے جواب دیا "جو منگول وفاداریاں بدل کے ترغاتائی کے پاس چلے گئے تھے، کیا وہ آج تک اس کے وفادار نہیں ہیں؟ ہم قبائلیوں میں دھوکا دہی باعثِ شرم بھی جاتی ہے۔"

لیکن تیس جوان سرکشی اور بغاوت پر تلے رہے۔ انہوں نے تموجن سے صاف صاف کہہ دیا "ہمارا مرنا جینا ترغاتائی کے ساتھ ہے۔ ہم تیرے ساتھ رہیں گے تب بھی ترغاتائی کے وفادار رہیں گے اور بہادر لوگ اس وفاداری کی قدر کرتے ہیں۔ تجھ کو چاہیے کہ ہمیں آزاد کر دے تاکہ ہم ترغاتائی کے پاس جا کے یہ بتائیں کہ تموجن بہادر ہے۔ اور وفاداروں کی قدر کرتا ہے۔"

تموجن نے جواب دیا "میں بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ سفاک بھی ہوں اور بے رحمی میں میرا کوئی جواب نہیں۔ میں غداری کو پسند نہیں کرتا لیکن ایسے وفاداروں کا دشمن ہوں جو وفاداری کی راہ میں اپنی جان دے دینا باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ ایسے احمقوں کا زندہ رہنے کے بجائے مر جانا بہتر ہے۔"

اور ان تیس آدمیوں کو سب کے سامنے کڑھاؤ میں ڈال دیا گیا۔ اور سب مل کے ان وفاداروں کی حماقتوں کا مذاق اڑا رہے تھے۔ جن چالیس آدمیوں نے تموجن سے سمجھوتا کر لیا تھا وہ اپنے ساتھیوں کا حشر دیکھ کر اتنے ڈر گئے کہ کبھی ان کے دل میں بے وفائی کا خیال تک نہ آیا۔ وہ تموجن کے نہایت سچے وفادار جاں نثار ثابت ہوئے۔

پورے گروہ کو اس جیت سے ناقابلِ بیان خوشی حاصل ہوئی اور اب اسے یقین آیا کہ تموجن اپنے قبیلے کی حفاظت کر سکتا ہے۔ قبیلے کے لوگ بھی قائل ہوتے جا رہے تھے کہ تموجن صحیح معنوں میں ان کا سردار ہے۔

قبیلے کے لوگ جنہوں نے یہ کالی کا دور دیکھا تھا اب انہیں گزشتہ دورِ عزت و عظمت واپس آتا نظر آ رہا تھا۔

اس واقعے کا بڑا چرچا ہوا اور آس پاس کے قبائل مرعوب اور حاضر ہوئے۔ ایک قبیلے نے تموجن کے اعزاز میں دعوت کر دی

اور پورے قبیلے کو اس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔

تموجن اپنے پورے قبیلے کے ساتھ اس دعوت میں پہنچا۔ یہاں اس کی پذیرائی کے لیے دور دور تک قالین بچھا دیے گئے تھے۔ اس موقع پر بغورچی نے تموجن کے کان میں کچھ کہا اور تموجن نے مدعو کرنے والے قبیلے کے چند سرداروں کو بلایا اور ان سے پوچھا "یہ کیسی دعوت ہے کہ تمہارے قبیلے کے سردار اپنے مہمانوں کا استقبال بھی نہیں کرتے۔"

قبیلے کے سب سے بڑے سردار نے جواب دیا "ہم اپنے مہمانوں کا استقبال خاص محفل میں کریں گے۔"

لیکن تموجن اس کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا اور حکم دیا۔ "تم لوگ بحیثیت میزبان قالین پر آگے آگے چلو، تمہارے پیچھے پیچھے ہم چلیں گے۔"

لیکن قبائلی سرداروں نے تموجن کی یہ بات نہیں مانی اور انہوں نے کہا "ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم اپنی قبائلی رسوم کے پابند ہیں۔"

تموجن نے کہا "اگر تم لوگ ہمارے آگے آگے نہیں چل سکتے تو اپنے قبیلے کے نسبتاً کم تر درجے کے سرداروں کو ہمارے آگے آگے چلنے کا حکم دو۔"

ایک سردار نے غصے سے کہا "یہ بھی نہیں ہو سکتا۔"

تموجن نے غصے میں پوچھا "ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟"

غصے میں بغورچی آگے بڑھا اور قالین کو دور تک الٹتا چلا گیا۔ قالین کے نیچے خندق تھی۔ اگر اس موقع پر ذرا سی بھول چوک ہو جاتی تو تموجن اپنے خاص خاص آدمیوں کے ساتھ اس خندق میں دفن ہو جاتا۔

تموجن نے میزبان سرداروں کو حراست میں لے لیا اور اپنے قبیلے کو حکم دیا "اپنی زمینوں میں واپس چلو" اور میزبان قبائل سے کہا "تم لوگ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کرو گے۔ اگر ایسی غلطی کی تو تمہارے سردار مار دیے جائیں گے۔"

تموجن ان سرداروں کو قیدی بنا کے کافی دور تک لے گیا۔ اپنے سرداروں کے بغیر قبیلے کے لوگ اعلانِ جنگ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ترغاتائی کی شکست نے یونہی آس پاس کے قبیلے پر دھاک بٹھا رکھی تھی۔

اپنے علاقے میں داخل ہونے کے بعد تموجن نے قیدی سرداروں کو ایک ایک گھوڑا دیا۔ راستے میں کھانے کے لیے سوکھے گوشت کے پارچے اور پنیر دے دیا اور کہا "اب تم لوگ جا سکتے ہو۔ اگر کبھی جنگ کرنے کا جی چاہے تو مجھے صرف اطلاع دے دینا۔"

ایک سردار نے اظہارِ شکر گزاری کے طور پر دوستی کی پیشکش کی اور اپنی دھوکا دہی کی معافی مانگتے ہوئے کہا "ہم نے خندقوں پر قالین بچھا کے جو فریب کاری کی تھی اس پر شرمندہ ہیں۔ ہمارے دوسرے سردار شاید اس بات کو پسند کریں یا نہ کریں لیکن حقیقت

یہی ہے کہ یہ سب کچھ ترغاتائی کو خوش کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔"

دوسرے سرداروں نے بھی اس بچ کی تائید کی اور کہا "اب ہم تیرے ساتھ ہیں۔"

تموچن نے کہا "اگر تم لوگ میرے یاک کے نو دموں والے پرچم کے زیرِ سایہ آجاؤ گے تو فائدے میں رہو گے ورنہ اسی طرح خوار و زبوں رہو گے۔"

سردار چلے گئے اور تموچن اپنی وادی میں بیٹھ کے بڑے بڑے منصوبے بنانے لگا۔ اس نے اس نو عمری میں ترغاتائی کو شکست دے کر ایک غیر معمولی اعزاز حاصل کر لیا تھا۔ قبیلے کے لوگ بھی اس اعزاز پر بہت خوش تھے۔ انہوں نے ایک قیمتی عصا تیار کیا۔ اس عصا میں ہاتھی دانت کی پیوند کاری کی گئی تھی اور جگہ جگہ آبنوس کے ٹکڑے بھی پیوست تھے۔ شہتوت کے اجزا بھی تھے۔ یہ عصا بڑی ہنر مندی سے تیار کیا گیا تھا۔ لوگوں نے یہ عصا اس کی خدمت میں پیش کیا اور کہا "تو اس کا اہل ہے کیونکہ دیوارِ چین کے اس پار کے بادشاہ اس قسم کا عصا اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ اسے حکومت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔"

تموچن نے کہا "لیکن میں بادشاہ تو نہیں ہوں پھر یہ عصا کیوں لوں۔"

یک تارا بجاتا ہوا ارغون نامی ایک گویا سامنے آیا اور اس نے گا گا کے تموچن کو بتایا "تو دیوارِ چین کے اس پار رہنے والے بادشاہ سے بھی بڑا ہے۔ وہ کاہل اور نکمے ہوتے ہیں۔ ان کی رعایا ان کو پالتی ہے۔ مگر تو ان سے بالکل مختلف ہے۔ تو اپنی قوم اور قبیلوں کے آگے آگے رہتا ہے اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر قوم کو بچاتا ہے۔ اور پھر وہ فیاضی دکھاتا ہے کہ جو تیرے سوا کوئی اور نہیں دکھا سکتا تو نکما اور کاہل بھی نہیں ہے اور پورے قبیلے والوں کے لیے غذا مہیا کرتا ہے۔"

ان تعریفوں کا تموچن پر گہرا اثر ہوا۔

اب اسی موقع پر تموچن کو کچھ اور قابلِ ذکر لوگوں کی جستجو ہوئی۔ ترغاتائی والی جنگ میں کس نے کیا خدمات انجام دی تھیں اور کس نے کتنی بہادری دکھائی تھی' یہ سب کچھ اس کی نظر میں تھا۔ جبی نویان اور متولون میدانِ جنگ میں نہایت چالاک اور منجھے ہوئے سپہ سالار لگتے تھے۔ یہ دونوں زخموں سے چور ہونے کے باوجود پیچھے نہیں ہٹے تھے۔ اگر اس وقت یہ دونوں پیچھے ہٹ جاتے تو اس کا اثر دوسرے منگولوں پر بہت برا پڑتا۔ ان دونوں کو بھی تموچن کی قربت اور اعتماد حاصل ہو گیا۔

ایک سبدائی بہادر تھا۔ اس کا نام تو صرف سبدائی تھا لیکن بہادر کا اضافہ تموچن نے کر دیا تھا۔ اس کی تیر اندازی کا کوئی جواب نہ تھا۔ یہ گھوڑے پر سوار سامنے دائیں بائیں اور پیچھے یکساں تیر اندازی کر سکتا تھا۔ تموچن نے جنگ میں دیکھا تھا کہ اسی کی تیر اندازی سے دشمن بہت خائف اور لرزاں اور ترساں نظر آتا تھا۔ سبدائی بہادر بھی تموچن کا نہایت قابلِ اعتماد ساتھی بن گیا۔

ترغاتائی کی جنگ نے تموچن کو کچھ کام کے آدمی دے دیے تھے اور کچھ کام کی سوچ عطا کر دی تھی۔

تموچن نے اعلان کیا "دشمن کو بالکل نیست و نابود کر دیا جائے تاکہ اس کی دشمنی کا اندیشہ باقی نہ رہے۔"

ارغون گویتے نے مسکراتے ہوئے کہا "اس طرح تو ہماری تعداد محدود ہو کر رہ جائے گی۔ سارے ہی قبائل ہمارے دشمن ہیں۔ اور ان سب کو قتل کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اس لیے کل دشمنوں کے خاتمے کے خیالِ خام سے پیچھا چھڑا لینا چاہیے۔"

ارغون گویتے کی یہ رائے سبھی کو پسند آئی۔ اور تموچن نے فوراً اس کی اصلاح کر دی "میرا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ میں قبائلی وسیع تر اتحاد کی فکر میں ہوں۔ اگر یہ ٹکڑوں میں تقسیم قبائل میرے یاک کے نو دموں والے پرچم کے زیرِ سایہ آجائیں تو میں ان کی مدد سے پوری دنیا فتح کر لوں گا۔ قبائلی دشمنوں کو نیست و نابود کر دینے سے میری یہ مراد تھی کہ ان قبیلوں میں جو اتحاد کے حامی نہ ہوں انہیں قتل کر دیا جائے۔"

تموچن اپنے خیمے میں چلا گیا اور چپکے سے بغورچی کو باہر بھیجا کہ وہ ارغون گویتے کو بلا لائے۔ جب ارغون اندر آگیا تو تموچن نے ایک قیمتی یک تارا ارغون کی نذر کیا۔ اس کے بیشتر حصے پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ تموچن نے کہا "اب تو اسے بجائے گا۔ میں نے یہ یک تارا تیرے اچھے مشورے پر کچھ دنوں کے لیے تجھے دیا ہے۔ جب میں اسے دوبارہ طلب کروں تو تو اسے واپس کرنے کا پابند ہو گا۔"

اب کیا تھا' ارغون اس قیمتی یک تارے کو دکھاتا پھرتا تھا اور تموچن کے قصیدے پڑھتا رہتا تھا۔

تموچن کے پاس نئے نئے قبائل کی آمد شروع ہو گئی تھی خیموں میں اضافہ ہونے لگا تھا۔

اب بہت بڑے ہجوم میں نظم و نسق کی ضرورت پیش آئی۔ یہ نئے آنے والے اپنی عادات و اطوار میں مختلف تھے اور جس بات کا سب سے زیادہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا وہ چوری تھی۔ چوریاں کوئی بھی کر سکتا تھا' اپنے بھی اور غیر بھی۔ اس نازک گھڑی میں تموچن نے اعلان کر دیا "چوری کی سزا موت ہے۔"

یہ اعلان ڈھول بجا بجا کے کیا گیا۔ اس طرح کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے یہ اعلان نہیں سنا۔

اس اعلان کے چند دنوں بعد کسی نے تموچن سے شکایت کی "ابھی چند دنوں پہلے تک ارغون تیرا عطا کیا ہوا سونے کا یک تارا بجاتا پھرتا تھا۔ مگر اب وہ اپنے خیمے سے بھی نہیں نکلتا ہے اور نہ یک تارے کی آواز سنائی دیتی ہے۔"

تموچن نے ارغون کے پاس چند آدمی بھیجے اور انہیں ہدایت کی کہ وہ ارغون کو یک تارے کے ساتھ حاضر کریں۔

یہ لوگ ارغون کو تو پکڑ لائے لیکن یک تارا اس کے پاس نہیں تھا۔ تموچن نے غضب ناک لہجے میں پوچھا "میرا دیا ہوا یک تارا کہاں ہے؟"

ارغون نے بڑے اطمینان سے جواب دیا "چوری ہو گیا۔"

تموچن نے غصے میں کہا "کس نے چرایا۔ چور کون ہے؟"

ارغون نے جواب دیا "اگر مجھے چور کا علم ہوتا تو اسے اپنے ساتھ لے آتا۔ یہی تو مصیبت ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یک تارا کس نے چرایا۔"

تموچن کو غصہ آگیا۔ اس نے کہا "میں نے تو یک تارا تجھے مستعار دیا تھا۔ بخشش یا انعام میں نہیں دیا تھا۔ تو نے اس کو خود چرایا ہو گا اور چوری کی سزا موت ہے۔"

تموچن نے اپنے دو سرداروں کو حکم دیا "ارغون کو قتل کر دیا جائے۔"

لیکن ارغون بڑا ہر دلعزیز تھا۔ سرداروں کو اس پر رحم آیا۔ وہ ارغون کو تموچن کے سامنے سے ہٹا کر لے گئے اور ایک خیمے میں بٹھا کر اس کو خوب شراب پلائی۔ جب وہ نشے میں بالکل دھت ہو گیا تو وہ اسے خیمے میں بند کر کے واپس چلے گئے۔ اور صبح سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی دوبارہ وہاں واپس پہنچ گئے۔ ارغون کو تموچن کے خیمے کے سامنے لے جایا گیا اور بہ آواز بلند اعلان کیا گیا۔ "تیرے اردو میں روشنی پھیلنے لگی۔ دروازہ کھول اور رحم کا کرشمہ دکھا۔"

اعلان کرنے والے کا اردو سے یہ مقصد تھا کہ تیرے لشکر میں غیر معمولی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس اضافے کی خاطر رحم دلی سے کام لے۔ کچھ دیر ارغون کو یا بھی خاموش رہا۔ شاید وہ اشعار موزوں کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے گنگنانا شروع کیا "طائر گاتا ہے تنگ تانگ۔

آخری آواز سے پہلے ہی اس پر شہباز جھپٹتا ہے۔

اسی طرح میرے آقا کا غضب مجھ پر نازل ہوا

افسوس کہ مجھے ساغر کی گردش سے محبت ہے لیکن میں چور نہیں۔"

تموچن کو ہنسی آگئی اور اس نے ارغون کو معاف کر دیا کیونکہ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ ارغون چور نہیں ہے۔

○☆○

تموچن کے ذہن میں کئی دن سے ایک خیال پرورش پا رہا تھا۔ برخان کلدون جو قوت واقتدار کا پہاڑ کہلاتا تھا' وہ اس پہاڑ پر کھڑے ہو کے نیلے جاودانی آسمان سے ایک دعا مانگنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے اس ارادے کا ذکر قسار' ملکوتی' بغورچی' جبی نویان' مقولون اور سوبدائی بہادر سے کیا۔ ان سب نے تموچن کی تائید کی اور اس کے ساتھ اس پہاڑی تک گئے۔ جملہ ساتھی نیچے رک گئے اور تموچن تنہا پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنی کمر سے لگی ہوئی پیٹی کھول کر اپنے کاندھے پر ڈال لی اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اے لاانتہائی آسمان! مجھ پر رحم کر۔ بلندی کی ہواؤں کی روحوں کو میرا دوست بنا کر بھیج دے۔ زمین پر آدمیوں کو بھیج تاکہ وہ میری مدد کر سکیں۔ یہ جس جگہ میں کھڑا ہوں قوت واقتدار کا مسکن ہے۔ یہی جگہ تنگری کا مسکن ہے۔ تنگری یعنی اوپر کی ہواؤں کی وہ روحیں جو طوفان' رعد اور لاانتہائی آسمان کے دوسرے خوف انگیز مظاہر کو حرکت میں لاتی ہیں۔"

وہ کچھ دیر آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔ اب اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے قوتیں اس میں حلول کرتی جا رہی ہیں اور اس کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخش دیا گیا ہے۔

کافی دیر بعد وہ پہاڑ سے نیچے آیا۔ اس کے ساتھیوں نے اس میں غیر معمولی تبدیلیاں محسوس کیں۔ وہ بہت سنجیدہ تھا۔

بغورچی نے پوچھا "دعا مانگ لی' جواب کیا ملا؟"

سوبدائی بہادر نے کہا "وہاں سے جواب نہیں ملتا مگر یہ ضرور محسوس ہو جاتا ہے کہ دعا قبول ہوئی یا نہیں؟"

جبی نویان نے پوچھا "دعا کیا مانگی تھی؟"

قسار نے جواب دیا "ساتھیوں میں اضافہ اور آسمانی شر و بلا سے پناہ۔"

تموچن کو حیرت تھی کہ یہ خالص سپاہی اس کے دل کی گہرائیوں تک کس طرح پہنچ گئے۔

ملکوتی نے کہا "میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ یہاں ایک دن دعا مانگنے سے کچھ نہیں ملتا۔ ہمارے کئی بزرگ یہاں دس دس بارہ بارہ دن تک آ آ کے دعائیں مانگتے رہے مگر ان کی دعائیں قبول نہیں ہوئیں اس لیے تموچن کو بھی یہاں کئی بار آنا پڑے گا۔"

تموچن نے کہا "میں اس پہاڑی پر چالیس بار حاضری دوں گا مگر سچ بات تو یہ ہے کہ میری دعا ایک مرتبہ میں قبول ہو چکی ہے۔ میں اپنے جسم میں بے پناہ توانائی محسوس کر رہا ہوں اور میری عقل بھی پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی ہے۔"

جب یہ لوگ اپنے یورتوں میں واپس پہنچے تو معلوم ہوا کہ کئی نئے قبائل ان میں شامل ہو چکے ہیں۔

تموچن نے ان قبائل کے سرداروں سے ملاقات کی اور انہیں سمجھایا "ہم سب صحرا کے رہنے والے ہیں' آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اگر ہم ایک دوسرے کو لوٹیں گے اور قتل وغارت گری کریں گے تو ہمیں کیا ملے گا۔ کچھ بھی نہیں۔ ہمیں چینیوں کا رخ کرنا چاہیے جہاں لوگ پکے مکانوں میں رہتے ہیں' غلے اگاتے ہیں اور دولت جمع کرتے ہیں۔ وہ ہماری طرح سخت کوش نہیں ہوتے۔"

سردار اس نوجوان خان کی باتیں غور سے سنتے رہے۔ اس کی باتوں میں انہیں سچائی نظر آئی لیکن انہیں یہ خیال ناممکن العمل محسوس ہوا کہ وہ جنوبی دیوار چین کے اس پار لوٹ مار کے لیے پہنچ بھی سکیں گے۔ یہ طویل ترین دیوار ان وحشیوں سے محفوظ رہنے کے لیے ہی بنائی گئی تھی۔

ایک سردار نے تموچن سے پوچھا "ہم چینیوں تک' طویل

دیوارِ چین کی موجودگی میں کس طرح پہنچیں گے؟ ہم ان دیواروں کو توڑ بھی نہیں سکیں گے اور دیواروں پر موجود چینی فوجیں ہمارا کام تمام کر دیں گی۔"

تموچن نے ان کم حوصلہ سرداروں کا مذاق اڑایا اور کہا "یاد رکھو، کوئی دیوار یا کوئی قلعہ انسانی ہمت سے زیادہ مضبوط نہیں ہوتا۔ اس دیوارِ چین کے اس پار میں تمہیں لے جاؤں گا۔ نیلے جاودانی آسمان نے اوپری ہواؤں کی ارواح کو مجھ پر مہربان کر دیا ہے۔"

ان عجیب و غریب منصوبوں کا ذکر قبائل میں ہونے لگا۔ قبائلی سرداروں نے ان پر کچھ یقین بھی کر لیا لیکن تموچن کی باتیں ان کے لیے بڑی حیرت انگیز اور ناممکن العمل تھیں۔

اب تموچن نے اپنے جوان سپہ سالاروں کو ادھر اُدھر بھیجنا شروع کر دیا۔ جبی نویان، سوبدائی بہادر اور بغورچی فوجی دستے لے کر جاتے اور قبائلی سرداروں کو گرفتار کر کے تموچن کے پاس لے آتے۔ تموچن ان سے مہربانی سے پیش آتا اور اتحاد کی دعوت دیتا جو عموماً کارگر ثابت ہوتی۔

تموچن کا حکم تھا کہ شمال کے تائی جوت اور قرایت قبیلوں پر اندھا دھند یلغار کی جائے اور انہیں اس وقت تک معاف نہ کیا جائے جب تک یہ ہتھیار نہ ڈال دیں اور بالکل مطیع و فرمانبردار نہ ہو جائیں۔

جبی نویان اور سوبدائی بہادر نے یہ کام نہایت عقلمندی اور سمجھ داری سے انجام دیا۔ اور شمالی گوبی کا ایک بہت بڑا علاقہ تموچن کے زیرِ اقتدار آگیا۔

دوسرا بڑا معرکہ تھیان شیان کے پہاڑی سلسلوں میں ہوا۔ یہ علاقہ گوبی کے جنوب میں اور تبت کے شمال میں واقع تھا۔ یہ ایک شاندار گزرگاہ بھی تھی۔ مشرقی ترکستان کی راہ سے آنے والے قافلے اسی شاہراہ سے چین تک پہنچتے تھے۔

تموچن حیرت انگیز طور پر ان راستوں پر قابض ہوتا جا رہا تھا اور اس کے سپہ سالار اس کے مشورے اور ہدایت پر سب کام انجام دے رہے تھے۔ اس سے بظاہر ایسا لگتا تھا جیسے ان کارناموں کے پیچھے کوئی بہت بڑا دماغ کام کر رہا ہے۔

تموچن نے بھی اپنے سرداروں کو ادھر اُدھر مشغول کر کے برخان کھلدن کی بلندی پر آنا جانا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ چالیس دن تک متواتر پہاڑی چوٹی پر فتح کے دعائیں مانگتا رہا۔ حالانکہ پہلے ہی دن اس کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی دعا قبول ہو گئی۔ مگر وہ نیلے جاودانی آسمان کو مسلسل چالیس دن تک اپنی دعاؤں کی قبولیت پر مجبور کرتا رہا۔

اکتالیسویں دن وہ پہاڑی کی چوٹی پر نہیں گیا کیونکہ اسے یقین ہو چکا تھا کہ اس کی دعائیں قبول ہو چکی ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے سپہ سالاروں کو مسلسل کامیابیوں سے ہمکنار ہوتے دیکھ رہا تھا۔

اسے وہ سارے وحشی قبائل جو ابھی تک تموچن سے دور اور منحرف تھے وہ بھی اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے نظر آ رہے تھے۔ انہی دشمن قبیلوں میں سے ایک نے جبی نویان کو تموچن کے سامنے ایک ہزار سفید ناک والے گھوڑوں کا تحفہ پیش کرتے دیکھا۔ اس سردار کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا اور تموچن سے پوچھا "کیا یہ جبی نویان ہے؟"

تموچن نے جواب دیا "ہاں یہ جبی نویان ہے۔"

دشمن قبیلے کے سردار نے کہا "میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، یہ اپنے قبیلے میں تیر شہزادہ کہلاتا تھا کیونکہ اگر یہ نکل بھاگنے پر تل جاتا تھا تو کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی تھی۔ اور یہ تمہارا بدترین دشمن تھا پھر اس نے تمہاری چاکری کس طرح کر لی؟"

تموچن نے کہا "یہ جب میرے پاس آیا تھا تو قیدی تھا مگر اس نے مجھ سے کہا کہ میں جانا چاہتا ہوں، تم ایک تلوار مجھے دے دو، ایک گھوڑا بھی فراہم کر دو اور اپنے سو جوانوں کو میرا راستہ روکنے کے لیے کھڑا کر دو۔ اگر مارا جاؤں تو میری قسمت اور اگر میں بچ کے نکل جاؤں تو مجھے آزاد سمجھا جائے۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کر لی۔ یہ اس وقت جس قسم کے گھوڑے تحفے میں لایا ہے اسی قسم کا ایک گھوڑا اور ایک تلوار اس کو دے دیے گئے۔ میرے سو آدمیوں نے اس کو روکنا چاہا مگر نہ روک سکے۔ اور یہ صاف بچ کر نکل گیا۔ میں نے اپنے جوانوں سے کہا کہ جبی نویان کو آزادی دی گئی۔ اب اسے دھوکے سے گرفتار نہ کرنا لیکن جبی نویان خود واپس آگیا اور درخواست کی کہ اب میں خان کی چاکری میں رہنا چاہتا ہوں۔ اور میں نے اس وفادار بہادر کو اپنی فوج کے ایک حصے کا سپہ سالار بنا دیا۔"

تموچن کو سوبدائی بہادر کا واقعہ بھی یاد تھا۔ جب وہ جاودانی نیلے آسمان سے اپنی سربلندی کی دعائیں مانگا کرتا تھا تو اسے بتایا گیا کہ شمال میں کانون کوتان بھی ہے یعنی برے دیوتاؤں کی سرزمین۔

یہ سرزمین سائبیریا کے شمالی میدانوں پر مشتمل تھی۔ یہاں ابھری ہوئی سیاہ پتھریلی چٹانیں تھیں اور لوگوں کا خیال تھا کہ انہیں دیووں کے مہیب ہاتھوں نے تراشا تھا۔ یہاں اس بلا کی سردی پڑتی تھی کہ لکڑی بھی سختی میں لوہے کی ہمسری کرتی تھی۔ یہاں بڑے بڑے جانوروں کے ڈھانچے برف سے ڈھکے ہوئے صحیح سلامت محفوظ تھے۔ ان کے دانت ہاتھی جیسے تھے۔ برے دیوتاؤں کی اس سرزمین پر چھ مہینے رات طاری رہتی اور انسانوں کو سمور کے خود میں چھپ کے اڑتالیس پچاس گھنٹے خاموش پڑا رہنا پڑتا۔

ایک دوسری لعنت برگا تھی۔ یعنی منجمد شمالی کا برفانی طوفان جس سے انسان کے کپڑوں میں برف گھس جاتی۔ وحشیوں نے اس سے بچنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ طوفان کی طرف سر کر لیتے اور سموروں میں چھپ کے دو دو تین تین دن تک خاموش پڑے رہتے تھے۔ جب برگا کا زور ختم ہو جاتا تو یہ بھی حرکت میں آجاتے اور تموچن جانتا تھا کہ ان تمام منحوس طاقتوں پر ایک ہی

طاقت حاوی تھی۔ اس طاقت کی سکونت آسمان پر تھی۔ مونگ کے تنگری یعنی جلودانی نیلے آسمان پر۔ آسمان ہی خدا تھا۔

تموجن کو ان منحوس طاقتوں سے پنجہ حاصل کرنے کے لیے شمالی حصوں میں بھی جانا پڑا۔ وہیں اس کی ملاقات سبدائی بہادر سے ہو گئی۔ جب تموجن نے مرکیت والوں کو شکست دی تھی اور ان سے بورتے کو چھین کر واپس لے گیا تھا تو سبدائی بہادر نے اپنے طور پر اندازہ لگایا کہ تموجن بہت بڑا آدمی ہے۔ سبدائی تموجن کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا "آپ میں زندگی بھر تیری چاکری کروں گا۔"

تموجن نے اس کو شک وشبے سے دیکھا اور پوچھا "تو میری چاکری کیوں کرے گا؟ تجھے مجھ سے کیا ملے گا؟"

سبدائی بہادر نے کہا "ہم سب جانتے ہیں کہ وحشت اور بربریت ہم قبائلیوں کی فطرت میں ہے لیکن کھرے وحشی صرف مرکیت والے ہیں۔ وہ اس پر فخر کرسکتے ہیں کہ تو نے ان کھرے وحشیوں کو ان کی زمینوں پر جا کے شکست دے دی۔ بس تیری یہی ادا مجھے بھائی۔"

ان دنوں دریائے کیرولان کے اس پار تاتاریوں سے تموجن کی ان بن ہو گئی تھی۔ وہ اپنے دوری رشتے داروں سے الجھنا نہیں چاہتا تھا لیکن کسی نے تموجن کو یہ خبر دی تھی کہ جب وہ جھیل بیکال کے آس پاس اور تبت اور تھیان شیان کے درمیانی علاقوں میں جنگیں لڑ رہا ہو گا تو تاتاری کیرولان کو عبور کر کے اس کی وادی پر قبضہ کرلیں گے۔ اور تموجن نے فی الحال یہ اصول اپنا رکھا تھا کہ اپنے دشمن کو سر اٹھانے سے پہلے ہی نیست و نابود کر دیا جائے۔

وہ کئی دن تک تاتاریوں کے بارے میں سوچتا رہا اور آخر اپنے نامی گرامی سرداروں کے سامنے اپنا یہ مسئلہ رکھ دیا اور پوچھا "تاتاریوں کو سبق کون دے گا؟"

سبدائی بہادر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور کہا "یہ کام میں کروں گا اور اس کام کے لیے زیادہ جنگجو بھی نہیں چاہئیں۔"

تموجن کو سبدائی بہادر کی چالاکی اور سفاکی کا کسی قدر علم تو تھا مگر یہ خصوصیات ابھی تجربے میں نہیں آئی تھیں۔

سبدائی بہادر کو دو ہزار جوان دے دیے گئے۔ ان جوانوں نے دریائے کیرولان کو تین مختلف جگہوں سے عبور کیا۔ سبدائی بہادر ان سب سے الگ تھلگ رہا اور انہیں یہ حکم دیا گیا کہ یہ تین اطراف سے تاتاریوں کا محاصرہ کرلیں مگر اس طرح کہ انہیں آخری لمحوں تک اس محاصرے کا علم نہ ہو۔ اگر سبدائی بہادر تین دن تک ان سے نہ ملے تو چوتھے دن رات کی تاریکی میں تاتاریوں پر تین طرف سے یلغار کر دی جائے۔ اس وقت تینوں دستوں کی کمان سبدائی بہادر کے ہاتھ میں ہو گی۔

اس منصوبے کے اعلان کے بعد سبدائی بہادر تینوں دستوں سے الگ ہو گیا۔ دریائے کیرولان کو تنہا عبور کیا اور اپنے گھوڑے کو دوڑاتا بھگاتا تاتاریوں کے خیموں تک لے گیا۔

تاتاریوں نے ایک تنہا گھڑسوار کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اسے اپنے سردار کے پاس لے گئے۔

سبدائی بہادر نے اپنا تعارف کروایا "میرا تعلق شمالی آہووں والے قبیلے الوسس اماقی سے ہے۔ میں نے خان کی چاکری کی تھی لیکن مجھے جلدی اندازہ ہو گیا کہ تموجن احسان ناشناس ہے۔ میں نے اس کی چاکری چھوڑ دی اور تم لوگوں کے پاس چلا آیا۔"

تاتاری سوار نے کہا "لیکن ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے کہ تموجن عنقریب ہم پر حملہ کر دے گا۔"

سبدائی بہادر ہنسنے لگا اور کہا "نا ممکن۔ تم لوگ آہستہ آہستہ اپنے آدمیوں کو دریائے کیرولان کے کنارے لے چلو اور پھر جب میں کہوں تو دریا کو عبور کر کے تموجن پر حملہ کر دو۔"

یہ لوگ تین دن تک کیرولان تک پہنچنے کی کوششوں میں لگے رہے۔ اس عالم میں ان کا کچھ سامان کہیں تھا اور کچھ کہیں اور اسی بے سروسامانی کے عالم میں چوتھے دن شب کو ان پر حملہ کر دیا گیا۔ تاتاریوں کا اسلحہ کہیں تھا اور وہ خود کہیں۔ سامنے دریا تھا اور ان پر پیچھے سے تین طاقتور جتھوں نے حملہ کر دیا تھا۔ بہت سے تاتاری مارے گئے۔ جو زندہ بچے وہ ایسے بھاگے کہ پلٹ کے بھی نہ دیکھا کیونکہ انہیں حملہ آوروں کی طاقت کا صحیح اندازہ نہ تھا۔

سبدائی بہادر نے ان کے سامان پر قبضہ کر لیا۔ کچھ تاتاری گرفتار بھی ہوئے۔ ان قیدیوں کو ان کے سامان کے ساتھ تموجن کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ سبدائی بہادر کی یہ کامیابی سب کے لیے رشک کا سبب بن گئی۔ اکثر کا خیال تھا کہ اس حیرت انگیز کارنامے کے بعد سبدائی بہادر کو تموجن کے قریب بیٹھنے کی اجازت مل جائے گی لیکن اس وقت بھی بغورچی تموجن کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

لوگوں کی نظروں میں جو اعتراضات اور سوالات پائے جاتے تھے، تموجن نے انہیں پڑھ لیا تھا اور اس نے اعلان کیا "یہاں میرے آس پاس میرے بھائی ملکوتی اور قسار بھی موجود ہیں۔ لیکن میں انہیں بھی بغورچی کی جگہ دینے کو تیار نہیں ہوں۔ جس کی جو حیثیت ہے اس کے مطابق جگہ دی جائے گی۔ سبدائی بہادر اور جبی نویان میری نظر میں بڑی وقعت رکھتے ہیں۔ بغورچی کے بعد یہی دونوں مجھ سے سب سے زیادہ قریب سمجھے جائیں گے۔"

قسار کو ملال تھا کہ اسے حقیقی بھائی کا مرتبہ اور مقام نہیں دیا جا رہا تھا۔ اس نے شاکی نظروں سے تموجن کی طرف دیکھا تو تموجن نے کہا "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ تو بہترین تیر انداز ہے اور تلوار بھی خوب چلا لیتا ہے اس لیے میں تجھے تیراندازوں کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔ اگر جبی نویان اور سبدائی بہادر جتنی عقل بھی تیرے پاس ہوتی تو تو آج کہیں سے کہیں پہنچ چکا ہوتا۔"

ایک اور سردار سو آئی تھا۔ اسے صبر و برداشت کا حیرت انگیز

اختیار حاصل تھا اور وہ کئی دن تک بھوکا رہ سکتا تھا اور تھکے بغیر سفر جاری رکھ سکتا تھا۔ سب کا خیال تھا کہ اس کی یہ خصوصیات اسے کوئی اہم منصب دلا دیں گی لیکن تموچن نے یسوتائی کے بارے میں حیرت انگیز فیصلہ کیا "یسوتائی غیر معمولی اور زبردست قوتِ برداشت کا حامل ہے۔ یہ قوتِ برداشت کسی اور میں نظر نہیں آتی۔ یہ تھکتا بھی نہیں ہے اس لیے اگر اس کو دوسروں پر سپہ سالار کی حیثیت سے مسلط کر دیا جائے تو یہ لوگوں کی بھوک پیاس اور تھکان کی ذرا بھی پروا نہیں کرے گا اور لوگ اس سے عاجز آجائیں گے اس لیے میں یہ عذاب اپنے آدمیوں پر مسلط نہیں کروں گا۔ یہ اپنے طور پر کارنامے انجام دیتا رہے۔ اور چھکڑوں کی حفاظت اور نگرانی کرتا رہے۔"

ایک ایسے سردار کو جو احمقانہ حد تک نڈر واقع ہوا تھا، غلّے اور سامان کی حفاظت پر لگا دیا گیا۔

جبی نویان اور سوبدائی بہادر کو معلوم اور نامعلوم علاقوں کی تسخیر سپرد کی گئی۔

سب کی نظریں بار بار بغورچی پر جا رہی تھیں کیونکہ اسے ابھی تک کوئی منصب نہیں ملا تھا۔

تموچن نے بھی سمجھ لیا کہ لوگ، کیا جاننا چاہتے ہیں۔ اس نے اعلان کیا "بغورچی کی جو حیثیت اس وقت ہے وہ تادم زیست رہے گی اور یہ ہمیشہ ہر محفل میں مجھ سے قریب تر بیٹھا کرے گا۔ میری کمانیں، میرے تیر، میرے ترکش اور میرا... جملہ اسلحہ اس کی تحویل میں رہیں گے۔ میں عنقریب جملہ قبائل کی قرولتائی (مجلسِ انتخاب) منعقد کرنے والا ہوں۔ اس قرولتائی میں لوگ اپنے خان کا انتخاب کریں گے۔ یعنی خانِ اعظم کا انتخاب جو اس دشت کے جملہ قبائل کا خانِ اعظم ہوگا۔ اس وقت بھی قرولتائی میں بغورچی مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ تموچن نامی جوان کو زبردستی اپنا سردار مانتے رہو۔ قرولتائی میں یہ تمہاری صوابدید پر ہوگا کہ خانِ اعظم بننے اور کہلانے کا مستحق کون شخص ہے۔"

یہ حیرت انگیز اعلان تھا جس نے ان وحشیوں کو کسی قدر متذبذب کر دیا تھا۔ ان سب کا اس پر اتفاق تھا کہ تموچن کے سوا کوئی اور خانِ اعظم نہیں بن سکتا تو... پھر خود تموچن کو اپنی ذات پر کیوں شبہ ہے؟

جس قرولتائی کا تموچن نے ذکر کیا تھا وہ اس صحرائی زندگی میں کبھی بھی منعقد نہیں ہوئی تھی۔ قبائلی سردار موروثی ہوتے تھے یا زبردستی بن جاتے تھے۔ ان کا کبھی کسی نے انتخاب نہیں کیا تھا۔ وہ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ قرولتائی میں تموچن کے علاوہ وہ کون ہے جو خانِ اعظم بننے کی تمنا کرے گا اور کتنے قبائلی سردار اس کا ساتھ دیں گے؟

سوبدائی بہادر قرولتائی کے ذکر سے فکرمند ہو گیا تھا۔ وہ چپ چپ تموچن سے ملا اور پوچھا "یہ تو قرولتائی کی کیا باتیں کرتا ہے۔ کیا صحرائی قبائل میں کوئی تیرا مدِمقابل ہے؟"

تموچن نے جواب دیا "یہ تو قرولتائی میں معلوم ہوگا کہ میرا کوئی مدِمقابل ہے یا نہیں۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ صحرائی قبائل میری طاقت سے مرعوب ہو کے میری تابعداری کرتے رہیں۔ جن علاقوں کے لوگ پکے مکانوں میں رہتے ہیں، مدرسوں میں پڑھتے ہیں، عمامے باندھتے ہیں لبادے پہنتے ہیں، فصلیں اگاتے ہیں اور مستقل بازار لگاتے ہیں وہاں ایک چیز قانون کہلاتی ہے۔ وہ سب اپنے بنائے ہوئے قانون کی پیروی اور تابعداری کرتے ہیں۔ تم چند سو میل جنوب میں چلے جاؤ وہاں ین کنگ ہے (آج کل اسے پیکنگ کہا جاتا ہے) یعنی بڑا دربار۔ وہاں چینی لوگ ریشم پہنتے ہیں اور باغ اگاتے ہیں۔ وہاں بھی قانون موجود ہے۔ میں بھی پہلی بار اپنی قوم کو قانون دینا چاہتا ہوں اور قانون کی طرف پہلا قدم قرولتائی ہوگی جس میں صحرا کے تمام لوگ اپنے لیے خانِ اعظم کا انتخاب کریں گے۔ اور پھر ان سب کو اپنے منتخب خانِ اعظم کا حکم ماننا پڑے گا اور خانِ اعظم کی ذمے داری بھی ہوگی کہ وہ اپنے زیرِ فرمان لوگوں کی ضروریات اور جان و مال کا خیال رکھے۔ وہ انہیں بھوکا نہیں رہنے دے گا۔ ان کے لیے نئی نئی زمینیں اور نئی چراگاہیں تلاش کرے گا۔"

سوبدائی بہادر بلا کا ذہین اور زیرک انسان تھا مگر تموچن نے اس کو جو کچھ سمجھایا تھا اس کے مفاہیم اور تشریحات کا وہ صحیح احاطہ نہ کر سکا لیکن وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ تموچن نے جو کچھ اس کو سمجھایا ہے وہ کوئی نادر اور نایاب بات ضرور ہے اور اس سے سبھی کو بہت فائدے پہنچیں گے۔

قرولتائی کے ذکر نے جبی نویان کو بھی پریشان کیا۔ اس کا بھی یہی خیال تھا کہ اگر کسی جھگڑالو شخص نے تموچن کے مقابلے میں خانِ اعظم کی حیثیت سے اپنا نام پیش کر دیا تو بہت برا ہوگا اور اس سے قبائلی اتفاق خطرے میں پڑ جائے گا۔ اس نے بھی اپنے اس خدشے کا اظہار تموچن سے کیا۔ تموچن نے اسے سمجھانے کے بجائے سوبدائی کے پاس بھیج دیا اور کہا "سوبدائی بہادر تجھے سمجھا دے گا اور تو یہی باتیں دوسروں تک پہنچا دے گا۔"

ٹیلی پیتھی موجودہ دور میں ٹیلی فون، وائرلیس، ریڈیو، مائکرو ویو سسٹم اور ٹیلی ویژن وغیرہ کی معجزہ نمائیاں کی تشریح ہیں۔ ابھی بہت کم لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ حیاتِ انسانی بھی ایک خود کار برقی نظام سے متحرک ہے اور انسان ذہن اور روح کی ان دیکھی برقی قوت سے عمل پیرا ہے۔ ٹیلی پیتھی بھی کوئی جادو کا علم نہیں بلکہ ایک نظام ہے۔ ایک سسٹم ہے جس کے ذریعہ ایک انسان اپنے ذہن کو مطلوبہ انسان کے ذہن سے میلوں کی دوری پر بھی جوڑ سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک طاقتور ٹرانسمیٹر کے ذریعہ رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

یہ فن مسلسل مشق اور صحیح طریقہ کار پر عمل کر کے کوئی بھی حاصل کر سکتا ہے۔ ٹیلی پیتھی کے فن اور مشق کے ذریعہ بہت سے لوگوں نے کشف و کرامات دکھانے کی حد تک شہرت پائی ہے۔ زیر نظر ناول ایک ایسے ہی انسان کی آپ بیتی ہے۔ میری رائے میں ہر شخص اپنی روح کی برقی طاقت اور ذہن کے کنٹرول سسٹم پر قابو پا کر ٹیلی پیتھی کا ماہر بن سکتا ہے۔ میری نظر میں کتاب والا، بہادری بک ڈپو دہلی سے شائع شدہ کتاب ٹیلی پیتھی گائیڈ ایک مکمل ہدایت نامہ ہے۔

محی الدین نواب

دیکھتے ہی دیکھتے تموجن کے اردو میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا۔ مختلف قبائل اور نسلوں سے تعلق رکھنے والے یہ لوگ وادی کے میدانوں میں حدِ نظر تک یورتوں میں آباد تھے۔ جب کہ تموجن اپنے خاندان کے ساتھ ان کے خان کی حیثیت سے ان سب سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ یہ تموجن کی اپنی خاص آبادی تھی جہاں اس کا بھائی قسار رہتا تھا۔ سب سے چھوٹا بھائی تموچی یہیں اپنی ماں اولون کے ساتھ رہتا تھا۔ تموچی کی اور تو کوئی خاص بات مشہور نہیں تھی مگر یہ بہت طاقتور تھا اور ماں کا بڑا لاڈلا تھا۔ اس نے ابھی تک کوئی ایسا کارنامہ بھی انجام نہیں دیا تھا جس سے اسے کوئی خاص شہرت حاصل ہوتی۔ اسے تموجن اور قسار یکساں چاہتے تھے کیونکہ اولون اس سے محبت کرتی تھی۔ بلغوتچی، جبی نویان، سوبدائی بہادر اور یسو تائی کے خیمے بھی تموجن کے قریب ہی نصب کیے گئے تھے۔ تموجن کے محافظ بھی یہیں آباد تھے اور یہیں سے تموجن فرمان جاری کرنے لگا تھا۔ ہر نیا قبیلہ جو تموجن کی سرداری میں رہنا چاہتا، یہاں آتا اور تموجن کے سامنے دو زانو ہو جاتا اور اس وقت تک دو زانو رہتا جب تک تموجن انہیں سیدھے کھڑے ہو جانے کا حکم نہ دیتا۔ تموجن کے خیمے میں جو بھی داخل ہوتا اس کو اپنے ہتھیار تموجن کے محافظین کے حوالے کرنا پڑتے۔

ان نئے نئے آنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور تموجن کے یورتوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ اب تموجن صحرائے گوبی کے مضافات میں آباد قبائل میں سب سے طاقتور خان تھا۔ اس نے اب تک جو کارنامے انجام دیے تھے ان میں ترغاتائی کی شکست اور اس کے حلیف قبیلے کے مکر و فریب سے صاف بچ نکلنے کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ جھیل بیکال کے چاروں طرف رہنے بسنے والے خانہ بدوش مدتوں سے ایک ایسے ہی سردار کی تلاش میں تھے جو انہیں اتفاق سے میسر آ گیا تھا۔

ان نئے نئے آنے والوں میں ایک دن ایک نہایت معزز مہمان اپنے سات بیٹوں کے ساتھ تموجن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگوں نے اس کا غیر معمولی احترام کیا اور تمام خیموں میں یہ خبر گشت کرنے لگی کہ بورتے کا باپ نیلیک بھی اپنے بیٹوں کو تموجن کی سرداری میں دینے کے لئے حاضر ہو چکا ہے۔

نیلیک کے ساتوں بیٹے نازاں تھے کہ ان کی بہن بورتے کا شوہر تموجن عظیم الشان اردو کا خان ہے۔ نیلیک کو بھی یہی فخر تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے بیٹوں کو سب سے زیادہ معزز مناصب عطا کیے جائیں۔ ان سات میں سے ایک کا نام تب تنگری تھا اور اس کے لئے یہ مشہور تھا کہ یہ پیدائشی شامان ہے۔ اس کی پیش گوئیاں بہت مشہور تھیں۔ وہ یہ مشہور کرتا پھر رہا تھا کہ تموجن جیسے بے سہارا اور بے یارومددگار لڑکے سے بورتے کی شادی اسی کی سفارش پر کی گئی تھی کیونکہ اس نے عالمِ بالا میں تموجن کو اس شان سے سفر کرتے دیکھا تھا کہ لاکھوں خانہ بدوش اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور تموجن ان سب کی سرداری کر رہا تھا۔

ان سب کو بھی تموجن کے روبرو دو زانو ہونا پڑا۔

جب بورتے کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اس کا باپ اور بھائی

تموچن کے روبرو دو زانو ہو چکے ہیں تو وہ بھاگتی ہوئی تموچن کے خیمے میں داخل ہوئی اور اپنے باپ نیلیک کو ساتوں بھائیوں سمیت تموچن کے روبرو دو زانو دیکھ کر بہت حیرت زدہ ہوئی اور تموچن سے شکایتاً کہا "کیا تو نے ان کو پہچانا نہیں۔ ان میں ایک تو میرا باپ نیلیک ہے اور بقیہ یہ ساتوں میرے بھائی ہیں۔"

تموچن نے ان سب کو سیدھے کھڑے ہو جانے کا حکم دیا اور بورتے سے کہا "یہ ایک خان کا خیمہ ہے اور جو بھی خیمے کے جنوبی دروازے سے اندر داخل ہو گا اسے انکسار و وفاداری کے لئے دو زانو ہونا پڑے گا۔ باہر دیکھ کیا دروازے کے سامنے اندر آنے کے راستے کے آس پاس آگ نہیں جل رہی ہے۔ میرے خیمے میں جو بھی آتا ہے اسے ان دونوں آگوں کے درمیان سے گزر کے آنا پڑتا ہے اور اس طرح اگر کوئی آنے والا میرے پاس جادو ٹونے کے ساتھ آتا ہے تو یہ دو رویہ آگ جادو ٹونے کے اثر کو زائل کر دیتی ہے۔ تیرا باپ اور تیرے بھائی جب یہاں سے تیرے خیمے میں جائیں گے تو وہاں انہیں رشتوں کا احترام بھی ملے گا۔"

نیلیک اور اس کے ساتوں بیٹوں کو تموچن کے سامنے جگہ دی گئی لیکن بغورچی، قسار، جبی نویان، سوبدائی بہادر اور ریسو تائی سے کم تر۔ یہ بات بورتے کے بھائی تب تنگری شامان کو بہت گراں گزری اور اس نے تموچن سے شکایتاً کہا "یہاں میری دوہری حیثیت ہے۔ ایک حیثیت تو یہ ہے کہ میں بورتے کا بھائی ہوں اور اگر میں نہ چاہتا تو بورتے سے تیری شادی ہرگز نہ ہوتی۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ میں شامان بھی ہوں اور جب چاہوں عالم بالا کی سیر کر سکتا ہوں۔ میری روح میرے جسم سے نکل کر دنیا کی سیر کرتی رہتی ہے اور جو کل پیش آنے والا ہے اسے آج ہی دیکھ لیتی ہے۔"

بورتے نے تموچن کی طرف دیکھا۔ تموچن نے بورتے سے نظریں چرائیں اور ساتھیوں سے کہا "جو کارنامے دکھائے گا وہ عزت پائے گا۔ یہاں باتوں سے کام نہیں چلے گا" اور قسار کو حکم دیا "ان سب کے لئے خاص یورت نصب کئے جائیں۔"

دربار برخاست ہو گیا۔

خیمے سے باہر نکلتے ہی تب تنگری نے باپ سے کہا "تموچن سرداری کے لئے اتنا موزوں نہیں ہے جتنا ہم سمجھ بیٹھے ہیں۔"

نیلیک نے جواب دیا "تو نے ہی تو یہ کہا تھا کہ تموچن لاکھوں خانہ بدوشوں کا سردار بنے گا۔"

تب تنگری نے جھنجلا کے جواب دیا "وہ تو میں نے ایک معمولی سی بجلی سی جھلک دیکھی تھی۔ اب مجھے بطورِ خاص یہ معلوم



کرنا پڑے گا کہ تموجن کی سرداری عارضی ہے یا مستقل۔"

نیلیک نے اپنے بیٹوں کو سمجھایا "دیکھو! سرداری اتحاد و اتفاق چاہتی ہے۔ تم سات بھائی ہو اس لئے تم ساتوں کو متحد رہنا ہے۔ اسی میں تمہاری طاقت کا راز مضمر ہے۔"

جس قسم کا سردار تموجن ہے اس سے بہتر سرداری تو میں کر سکتا ہوں" تب تنگری بڑبڑاتا ہوا قسار کے پاس چلا گیا۔ جب سے اس نے قسار کو تموجن کے پاس مئوب کھڑا دیکھا تھا اس کا سازشی دماغ معلوم نہیں کیا کیا کچھ سوچنے میں مشغول ہو گیا تھا۔

قسار، نیلیک اور اس کے بیٹوں کے لئے خیمے تیار کروا رہا تھا۔ تب تنگری بھی اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور اس کے کام میں عیب نکالنے لگا۔ قسار نے کہا "تجھے یہاں کس نے بھیجا ہے۔ جب خیمے تیار ہو جائیں گے تو تم سب کو بلوا لیا جائے گا۔"

تب تنگری نے کہا "یہ خیمے تو تیار ہوتے رہیں گے۔ ادھر میرے ساتھ آ۔"

قسار اس کے ساتھ ہو لیا اور تب تنگری نے ایک سنسان جگہ پر لے جا کر اس سے کشتی لڑنی شروع کر دی۔

قسار نے خود کو چھڑاتے ہوئے پوچھا "یہ تجھے کیا ہو گیا ہے تب تنگری۔ تو مجھ سے کشتی لڑ رہا ہے اس کی کوئی خاص وجہ؟"

تب تنگری نے جواب دیا "لوگ کہتے ہیں کہ تو بہت طاقتور ہے اور تو کڑی کمانیں کھینچنے کا ماہر ہے۔ میں زور آزمائی کر کے تیری طاقت کا اندازہ لگا رہا ہوں۔"

قسار نے ہنستے ہوئے نہایت آسانی سے تب تنگری کو پٹک دیا اور کہا "میرے بارے میں جو کچھ مشہور ہے وہ درست ہے اور تو نے خود بھی آزما کے دیکھ لیا ہے۔"

تب تنگری نے غصے میں کھڑے ہوتے ہوئے کہا "تو نے مجھے غصے میں دھوکے سے پچھاڑ تو دیا ہے لیکن میں شامان بھی ہوں اور رات ہی میں نے تجھے نہایت برے حالوں میں دیکھا ہے۔"

قسار نے کہا "تو نے خواہ مخواہ میرا وقت ضائع کیا۔ یہ طاقت کا مقابلہ لوگوں کے سامنے بھی ہو سکتا تھا اس کے لئے اس سنسان جگہ پر آنا ضروری نہیں تھا۔" اور قسار دوبارہ خیموں کی تنصیب کا کام اپنی نگرانی میں کروانے چلا گیا۔

تب تنگری نے اپنے باپ اور بھائیوں سے قسار کی شکایت کی اور یہ تاثر دیا کہ قسار کو اپنی طاقت پر بڑا ناز ہے اور اس نے اسے ایک سنسان جگہ پر لے جا کر دھوکے سے پچھاڑ دیا۔

یہ بات نیلیک کو بھی بہت بری لگی۔ اس نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا "جب ہم سب اپنے اپنے خیموں میں منتقل ہو جائیں گے تو تم میں سے کوئی ایک قسار کو باتوں میں لگائے گا۔ تب تنگری میرے پاس بیٹھے گا اور تم چھ بھائی قسار کو حکم دو گے کہ وہ تب تنگری کے سامنے دو زانو ہو جائے بالکل اسی طرح جس طرح ہم سب تموجن کے سامنے دو زانو ہوئے تھے۔"

اس منصوبے سے فارغ ہونے کے بعد تب تنگری اپنی بہن ہورتے سے ملا اور اس سے تموجن کے بارے میں پوچھا "تموجن کہاں ہے، مجھے اس سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔"

ابھی ہورتے نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ تموجن اندر داخل ہوا اور تب تنگری سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔ تب تنگری بھی نہایت پرتپاک انداز میں اس کے گلے لگ گیا اور کہا "خان! کچھ باتیں ایسی تھیں جنہیں میں سب کے سامنے نہیں کر سکتا تھا، ان کے لئے تنہائی درکار تھی۔"

تموجن نے کوئی خاص توجہ نہیں دی اور کہا "تیرے خیمے تو تیار ہو گئے ہوں گے۔ فی الحال تو تھکا ہوا ہے جا آرام کر۔ بقیہ باتیں بھی ہو جائیں گی۔"

تب تنگری نے اپنی بہن کی طرف دیکھا اور کہا "ہورتے! تو اسے سمجھاتی کیوں نہیں۔ میں شامان ہوں۔ میں ہر شخص کو اس کے باطن کے بارے میں بتا سکتا ہوں۔"

تموجن نے کہا "اب تو تو ہم میں آ ہی گیا ہے۔ تیری شامانی کو بھی دیکھ لوں گا۔"

تموجن تب تنگری سے پیچھا چھڑانے کے لئے دوبارہ باہر جانے لگا تو اس کے ساتھ تب تنگری بھی ہو لیا اور کہا "تموجن رات میری روح جسم سے نکل کر آسمان میں چلی گئی تھی وہاں اس نے دیکھا کہ تیری سرداری اچانک ختم ہو گئی ہے اور تیری جگہ قسار نے لے لی ہے۔ میں شامان ہوں، جو کچھ دیکھا تجھ کو بتا دیا۔"

اب تموجن کی پوری توجہ تب تنگری پر مبذول ہو گئی اور پوچھا "اگر یہ ہم دونوں کی قسمت ہے تو اسے کون بدل سکتا ہے۔"

تب تنگری نے جواب دیا "اگر تو کہے تو میں ایک بار پھر اپنی روح کو جاودانی نیلے آسمان میں بھیج دوں اور معلوم کروں کہ تم دونوں کا اصل مستقبل کیا ہے۔"

تموجن نے تب تنگری کو اجازت دی اور کہا "میں قسار اور اپنے بارے میں جو کچھ جاننا چاہتا ہوں وہ مجھے دو دن کے اندر معلوم ہو جانا چاہئے۔"

تب تنگری وہم کا بیج بو کر چلا گیا۔

تموجن قسار کے بارے میں رات بھر بے چینی سے سوچتا رہا۔ اس کی ماں اولون نے بھی اس کی بے چینی محسوس کی۔ تموجن کو دوسری صبح کا انتظار تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ رات کو تب تنگری کی روح اس کے جسم سے نکل کر نیلے جاودانی آسمان میں چلی گئی ہو گی اور تموجن کے ساتھ مستقبل میں جو کچھ پیش آنے والا ہے، تب تنگری کی روح نے اسے دیکھ لیا ہو گا۔

اس دوران تب تنگری اور اس کا باپ نیلیک کوئی دوسرا ہی منصوبہ بنا چکے تھے۔ ان دونوں نے قسار کو اپنے خیمے میں طلب کیا اور جب وہ آ گیا تو اسے حکم دیا "قسار! تو تب تنگری شامان کے سامنے دو زانو ہو جا۔"

قسار نے انکار کیا اور کہا "ہم سب کے دو زانو ہونے کی جگہ ایک ہی ہے۔ میں بھائی تموچن کے سوا کسی اور کے سامنے دو زانو نہیں ہو سکتا۔"

تملیک نے اپنے چھ بیٹوں کو اشارہ کیا اور وہ سب قسار کو پکڑ کر زبردستی دو زانو کرنے لگے مگر طاقتور قسار ان کے قابو میں نہیں آیا اور دھکے دے دے کر سبھی کو پچھاڑ دیا۔ تب تنگری اپنی جگہ بیٹھا بھائیوں کو حکم دے رہا تھا "یہ بڑا طاقتور بنتا ہے۔ اسے زبردستی میرے سامنے دو زانو کردو" اور قسار کو حکم دیا "اپنی بے جا مزاحمت سے باز آجا ورنہ تیرا وہ حشر کیا جائے گا کہ۔۔۔۔"

قسار نے ان سب کو دھکے دے کر دوبارہ گرا دیا اور اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔ ماں کو پوری روداد سنائی اور کہا "ماں' بورتے کے بھائی اور باپ نہایت حریص واقع ہوئے ہیں۔ تب تنگری خان بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ وہ مجھے اپنے روبرو زبردستی دو زانو بٹھانا چاہتا تھا مگر میں اس کے قابو میں نہیں آیا۔"

جب قسار اپنی ماں سے باتیں کر رہا تھا' اسی وقت تب تنگری تموچن سے ملاقات کرنے پہنچ گیا۔ اس بار تموچن نے اس کا بہت احترام کیا اور اس کے استقبال کے لئے چند قدم بڑھتے ہوئے کہا "میں تیرا ہی انتظار کر رہا تھا۔ کیا رات تیری روح نیلے جاودانی آسمان میں گئی تھی؟ اس نے وہاں کیا دیکھا؟"

تب تنگری نے جواب دیا "میری روح کئی گھنٹے میرے جسم سے الگ تھلگ رہی۔ وہاں اس نے دیکھا کہ تو لاکھوں خانہ بدوشوں کا خان بن گیا ہے مگر پھر قسار نے تجھ پر حملہ کردیا اور خانہ بدوشوں کا خان قسار ہو گیا ہے۔"

تموچن بے حد مضطرب اور بے قرار نظر آرہا تھا "تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں تھوڑی مدت کے لئے خان رہوں گا اس کے بعد خانی قسار کے پاس چلی جائے گی۔"

تب تنگری ہنسنے لگا "نہیں' ایسا نہیں ہو گا۔ میں نے یعنی میری روح نے وہ خوف ناک منظر بھی دیکھا جس میں تیرا ہاتھ قسار پر حملہ آور ہوا۔ تیرے ہاتھ کا خنجر قسار کے سینے میں پیوست ہو گیا اور لاکھوں خانہ بدوش مرد قسار کو روندتے ہوئے تیرے یاکوں کے نو دموں والے پرچم کے زیر سایہ جمع ہو گئے اور تو ہم سب کا مستقلاً خان ہو گیا۔"

تموچن نے متذبذب لہجے میں پوچھا "کیا مستقل کا خان بننے کے لئے مجھے اپنے ہاتھ سے قسار کو قتل کرنا ہو گا؟"

تب تنگری نے بتایا "میری روح نے جو کچھ دیکھا تھا وہ میں نے تجھے بتا دیا۔ کوئی اور یہ کام کرے گا بھی نہیں۔ ہم سب کا خان بننے کے لئے ضروری ہے کہ تو سب سے پہلے قسار کو اپنی راہ سے ہٹا دے۔"

تب تنگری یہ پٹی پڑھا کر چلا گیا۔ سب سے چھوٹا بھائی تموجی خیمے کے پیچھے کھڑا یہ باتیں سن رہا تھا۔ اس نے فوراً قسار کو مطلع کیا "بھائی! تو چپ چاپ یہاں سے فرار ہو جا کیونکہ ذرا دیر بعد بھائی تموچن تجھ کو قتل کرنے کے لئے آجائے گا۔"

قسار نے فوراً اپنا خیمہ چھوڑ دیا اور بے سرو سامانی کے عالم میں بھاگ کے اردو میں روپوش ہو گیا۔ تموچن قسار کو تلاش کرتا پھر رہا تھا اور جب اسے یہ یقین ہو گیا کہ قسار نے اردو میں پناہ لی ہے تو وہ غضب ناک حالت میں اردو پہنچ گیا۔

چھوٹے بھائی تموجی نے اپنی ماں کو پوری تفصیل بتا دی اور کہا "ماں! قسار کو بچائیں۔ اگر آپ نے دیر کی تو وہ قتل کر دیا جائے گا۔"

اولون نے دو تیز رفتار اونٹنیاں لیں اور تموجی کے ساتھ اپنے عظیم الشان اردو کی طرف روانہ ہو گئی۔ ان دونوں کو قسار تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ جب دونوں تموجی کے ساتھ خیمے میں داخل ہوئی تو اس نے یہ عجیب و غریب منظر دیکھا کہ قسار کی پیٹی' خنجر اور تیر کمان تموچن کے قدموں میں پڑے ہوئے تھے اور قسار چھوٹے فرمانبردار بھائی کی طرح تموچن سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ تموچن کو بھی قسار پر رحم آگیا۔

اولون نے آگے بڑھ کر تموچن کے ہاتھ سے خنجر لے لیا اور غصے میں کہا "تو لاکھوں خانہ بدوشوں کا خان کس طرح بنے گا۔ ایک معمولی شامان نے تجھ کو بے وقوف بنا دیا۔ ہمارے اپنے شامان بھی ہیں' انہوں نے تو ہمیں کوئی ایسی بات نہیں بتائی جیسی تب تنگری بتا رہا ہے۔"

تموچن نے ماں کا شکریہ ادا کیا "ماں! تو بروقت آگئی ورنہ مجھ پر تو تب تنگری نے جادو کر دیا تھا۔ پہلے میں غصے میں تھا اور اب میں شرمندہ ہوں۔"

تموجی نے کہا "بھائی! تب تنگری تو اپنی خانی کے خواب دیکھ رہا ہے۔ وہ بھائیوں کو آپس میں لڑوا کے کمزور کر دے گا۔"

تموچن نے اب بھی تب تنگری کی شامانی سے پوری طرح نجات نہیں حاصل کی تھی' اپنی ماں سے کہا "تو اپنے شامانوں سے بات کر ماں۔ وہ تب تنگری کے بارے میں معلوم کرکے بتائیں کہ یہ جو کچھ کہتا ہے وہ کس حد تک درست اور کس حد تک غلط ہے۔"

اولون نے کہا "میں نے تم تینوں کو اپنی چھاتی سے دودھ پلایا ہے۔ جب منگول قانون نے اور خود میں نے تجھ کو خان مقرر کر دیا ہے تو تیرا کوئی بھائی تیری مخالفت نہیں کر سکتا اور تو ہر طرح سرداری کا اہل بھی ہے۔"

تب تنگری قسار کی موت کی خبر سننا چاہتا تھا لیکن جب اسے یہ بتایا گیا کہ اولون اور تموجی نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا ہے تو اسے تموجی پر بے حد غصہ آیا اور اپنے باپ سے کہنے لگا "یہ ذرا سا چھوکرا شامان کا مقابلہ کرے گا' میں اسے بھی اپنے راستے سے ہٹا دوں گا۔"

اس نے تموچن سے مل کے دریافت کیا "کیا میں نے تجھ کو یہ

نہیں بتادیا تھا کہ تیری خانی چند روزہ ہے اور اگر تو مستقل خانی کا طلب گار ہے تو تجھے قسار کو اپنی راہ سے ہٹانا ہوگا۔"

تموجن نے جواب دیا "تو اپنی شامانی اپنے پاس رکھ۔ میری ماں کے پاس بھی کئی شامان ہیں اور میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ اپنی روحوں کو نیلے جاودانی آسمان پر بھیجیں اور معلوم کریں کہ میری خانی کا مستقبل کتنا ہے۔"

تب تنگری کو غصہ آگیا "میں اپنے زمانے کا سب سے بڑا شامان ہوں۔ میری روح جہاں تک پہنچ سکتی ہے' تیرے شامانوں کا خیال تک وہاں نہیں جا سکتا" مشتعل اور بپھرا ہوا تب تنگری اپنے باپ نملیک سے ملا اور کہا "تموجن خود کو شامانوں سے بڑا سمجھتا ہے۔ اس نے میرا مذاق اڑایا ہے میں اسے سزا دوں گا۔"

نملیک نے کہا "اگر تو شامان ہے تو تجھے یہ بات ضرور معلوم ہونا چاہئے کہ غصے اور اشتعال میں کام بگڑتے ہیں' بنتے نہیں ہیں۔ تو فی الحال تموچی پر توجہ دے اور اسے اپنے سامنے دو زانو بٹھانے کی کوشش کر۔ اگر نہ مانے تب تو زبردستی سے کام لے گا۔"

گو بظاہر تموچی نملیک اور سات بھائیوں کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا لیکن تموچی کو تب تنگری کے سامنے دو زانو بٹھا دینا بہت بڑا مسئلہ تھا۔ پھر بھی ان سب کا یہ خیال تھا کہ یہ کام ناممکن نہیں۔

ادھر اولون نے نہایت عقل مندی سے تب تنگری کو بدنام کرنا شروع کردیا۔ وہ خود بھی کہتی پھر رہی تھی کہ تب تنگری جاہ پسند ہے اور دوسروں سے بھی کہلوا رہی تھی کہ تب تنگری خان بننے کی فکر میں ہے۔ اولون کے شامان بھی تموجن کو یقین دلا چکے تھے کہ قسار ناقابل اعتبار نہیں ہے اور وہ کبھی بھی خان بننے کی خواہش نہیں کرے گا۔

پوری وادی دھواں دھواں ہو رہی تھی۔ ہزاروں خیموں سے دھواں خارج ہو رہا تھا۔ گویا شام کا کھانا تیار ہو رہا تھا۔ چلبلے گھڑ سوار ادھر ادھر گھوڑے دوڑاتے پھر رہے تھے۔ بہت سے باتونی اپنے اپنے خیموں کے سامنے باہر بیٹھے نادیدہ ملکوں اور شہروں کی باتیں کر رہے تھے۔ تاجروں کے قافلوں کی باتیں ہو رہی تھیں جن کا انہیں انتظار تھا اور شاید تاجروں نے اپنے کاروانی راستے بدل دیئے تھے۔

جو خانہ بدوش دولت کمانے کے چکر میں ادھر آئے تھے وہ ان جنگوں کے منتظر تھے جو تموجن کی سرکردگی میں دور دراز ملکوں میں ہونے والی تھیں۔ ان جنگوں سے انہیں بہت کچھ مل سکتا تھا۔

لیکن نملیک اور اس کے ساتوں بیٹے تموچی کی فکر میں تھے۔ وہ کسی کام سے اردو گیا تھا۔ جب وہ واپس آرہا تھا تو اسے تب تنگری نے اپنے بھائیوں کی مدد سے اغوا لیا اور اپنے خاص خیمے میں لے گئے۔ وہاں تب تنگری ایک اونچے سے سفید رنگ کے نمدے پر بیٹھ گیا اور تموچی کو حکم دیا "میرے سامنے اسی طرح دو زانو ہو جا جس طرح تو اپنے بھائی تموجن کے سامنے دو زانو ہوا کرتا ہے۔"

تموچی نے انکار کیا اور کہا "ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ ہم سب کا خان ہے۔"

نملیک نے کہا "جب تک قرولتائی منعقد نہ ہو اور اپنے خان کا انتخاب نہ کرلے' کوئی خود کو خان نہیں کہہ سکتا اور نہ خان سمجھا جائے گا۔"

تموچی نے کہا "بھائی تموجن کو لاکھوں خانہ بدوشوں نے اپنا خان مقرر کیا ہے' تم لوگ بھی اس کے سامنے دو زانو ہو چکے ہو۔ اب اس کی عدم موجودگی میں فتنہ و فساد کی باتیں کرتے ہو۔"

نملیک کے ایک زیادہ اجڈ اور وحشی بیٹے نے تموچی کو گدی سے پکڑ لیا اور کہا "اگر تو بھائی تب تنگری کے سامنے دو زانو نہیں ہوتا تو میں تجھ کو زبردستی دو زانو کروں گا اور اس کوشش میں تیری جان بھی جا سکتی ہے۔"

تموچی نے ان سب پر اچانک حملے شروع کر دیئے۔ کسی کو لات رسید کی' کسی کو مکا مارا' کسی کے منہ پر کہنی سے حملہ کر دیا۔

کچھ دیر نملیک اور تب تنگری یہ منظر دیکھتے رہے اس کے بعد نملیک غصے میں اٹھا اور کہا "اس ذرا سے چھوکرے کو دیکھو' ذرا سی ڈھیل دے دی تو ہاتھ پاؤں چلانے شروع کر دیئے۔"

تموچی نے برق رفتاری سے سب کی پٹائی کی اور خیمے سے نکل کر اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور اپنی ماں کے پاس پہنچ کر نملیک اور اس کے بیٹوں کی شکایت کی۔

اولون نے اس نئی صورتِ حال کا ذکر تموجن سے کر دیا اور کہا۔ "اب اس کا کوئی مستقل انتظام ہونا چاہئے۔"

تموجن نے کہا "اس کا مستقل انتظام بھی ہو جائے گا ماں۔ تو فکر نہ کر۔"

بورتے بھی اپنے باپ اور بھائیوں کی حرکتوں سے واقف ہو چکی تھی۔ تموجن کو کسی حد تک بورتے کا لحاظ تھا اور وہ نملیک اور اس کے ساتوں بیٹوں کے خلاف کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا جس سے بورتے کو دکھ پہنچتا۔ تموجن نے ان باتوں کا ذکر اپنی ماں سے نہیں کیا۔ اس نے خاموشی سے اپنے چھوٹے بھائی تموچی کو سکھلایا "دیکھ تموچی' تجھے زندہ رہنے کے لئے میرے سہارے سے زیادہ اپنی ذات پر بھروسا کرنا ہوگا۔ یہ تیری نملیک اور اس کے سات بیٹوں کے خلاف جنگ ہے۔ اس میں بنیادی تو تب تنگری ہے' جاہ پسند اور اقتدار کا بھوکا۔ بس تجھ کو اسی سے مقابلہ کرنا ہے اور اس کو نیچا دکھانا ہے۔"

تموچی ڈرا اور کہا "تب تنگری کا ساتھ نملیک اور اس کے چھ بیٹے دیں گے۔ ان سب کے مقابلے میں میری کیا حیثیت ہوگی۔"

تموجن نے جواب دیا "مگر نملیک اور اس کے چھ بیٹوں نے تم دونوں کی جنگ میں مداخلت کی تو تیری طرف سے میں ساتھ دوں

گا۔"

اس کے بعد تموچن سرگوشی میں تموچی کو کچھ سکھاتا پڑھاتا رہا۔ تموچی مطمئن اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔ وہاں بورتے اولون سے اپنے باپ اور بھائیوں کی سفارش کر رہی تھی۔ بورتے بھی اپنے شامان بھائی تب تنگری سے خوف زدہ تھی جس نے بورتے کو معلوم نہیں کیا کچھ بتا رکھا تھا۔ وہ اولون سے کہہ رہی تھی "ماں! تو اپنے بیٹوں کو سمجھالے کہ وہ میرے شامان بھائی سے نہ الجھیں۔"

اولون نے بورتے کو گھورا اور کہا "تیرا شامان بھائی خود کو سمجھتا کیا ہے۔ وہ جاہ پسند ہے۔ اس کی جاہ پسندی یہاں راس نہیں آئے گی۔"

اچانک تموچی کو سامنے دیکھ کر بورتے نے اس کو سمجھایا "تموچی! تو نہیں جانتا کہ بھائی تب تنگری حیرت انگیز اور غیر معمولی قوتوں کا مالک ہے۔ اس سے الجھنا چھوڑ دے ورنہ نقصان اٹھا جائے گا۔"

تموچی نے شکایت کی "تو بھی اپنے باپ اور بھائیوں کو سمجھادے کہ وہ ہم دونوں بھائیوں کو تب تنگری کے سامنے دو زانو بیٹھنے پر مجبور نہ کرے۔"

بورتے نے تب تنگری کی حمایت کی "وہ شامان ہے اور شامان کے سامنے دو زانو ہو جانا کوئی ذلت کی بات نہیں ہے۔"

تموچی نے غصے میں کہا "یہاں سب بھائی تموچن کے سامنے دو زانو ہو کے بیٹھتے ہیں اور کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی قبیلے والے کو اپنے روبرو دو زانو بیٹھ جانے کا حکم دے۔"

بورتے مشکل میں پھنس گئی تھی۔ وہ دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ تموچی نے غصے میں کہا "تب تنگری خود کو بہت طاقتور سمجھتا ہے۔ دو چار دن میں ہر کوئی یہ جان لے گا کہ تب تنگری زیادہ طاقتور ہے یا میں۔"

اس واقعے کے چوتھے دن تموچن کے مخصوص دربار میں سرداران قبائل اپنی اپنی مخصوص جگہوں پر بیٹھے ہوئے صحرائے گوبی کے اس پار مغربی دنیا کے بارے میں منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ تموچن نے معلوم نہیں کس طرح اپنے ہدف کے بارے میں وسیع معلومات حاصل کر لی تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہاں دو قوتیں اس کا راستہ روکیں گی۔ ایک تو مسیحی دنیا جو عدم تشدد پر یقین رکھنے کے باوجود تشدد سے باز نہیں آتی۔ دوسری قوت مسلمانوں کی ہے جو تشدد اور عدم تشدد پر یکساں ایمان رکھتے تھے۔ اور اس کا اصل مقابلہ اسی دوسری قوت سے ہونا ہے۔

تموچن نے تب تنگری شامان سے کہا "ذرا تو کسی دن ان معرکوں کے بارے میں کچھ معلوم کر۔"

نملیک کو یہ فخر حاصل تھا کہ اس کا داماد تموچن تھا اور بیٹا تب تنگری بہت بڑا شامان۔ اس نے تموچن سے کہا "جب تو میرے بیٹے سے اتنی بڑی بڑی باتیں معلوم کرتا ہے تو اسے اس کے شایانِ شان اعلیٰ منصب بھی ملنا چاہئے۔"

عین اسی وقت تموچی اندر داخل ہوا اور تب تنگری کی دونوں بغلوں سے ہاتھ گزار کے گدی کو جکڑ لیا اور پوری قوت سے اس کو اٹھا کر اوندھے منہ زمین پر گرا دیا۔

تموچی غصے میں چیخ رہا تھا "اس نے مجھے اپنے روبرو زبردستی دو زانو بٹھانا چاہا تھا۔ اس وقت اس کے چھ بھائی بھی اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ آج میں اس کی طاقت دیکھ لوں گا۔"

نملیک اور اس کے چھ بیٹے تب تنگری کی مدد کو آگے بڑھے تو تموچن نے انہیں روکا "نہیں' ان دونوں کی لڑائی میں کوئی تیسرا دخل نہیں دے سکتا" اور تموچی اور تب تنگری کو ڈانٹا "یہ اکھاڑا نہیں ہے' لڑنا ہے تو باہر جا کے لڑو۔"

تموچی تب تنگری کو گھسیٹتا ہوا خیمے کے باہر لے گیا۔

ان دونوں کے پیچھے نملیک اور اس کے بیٹے بھی چلے لیکن تموچن نے انہیں حکماً روک دیا "ان دونوں کی لڑائی میں کوئی تیسرا دخل نہیں دے گا۔"

باہر تموچی کے چار آدمی اس کا انتظار کر رہے تھے۔

تموچی نے تب تنگری کو ان چاروں کی طرف پھینک دیا اور ایک بنے بنائے منصوبے کے تحت تموچی کے چاروں آدمیوں نے تب تنگری کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی اور اسے ایک چھکڑے کے پاس لٹا دیا۔ وہ چاروں اپنا کام مکمل کر کے غائب ہو گئے۔

کچھ دیر بعد تموچی اندر داخل ہوا اور تموچن سے تب تنگری کی شکایت کی "بھائی! میں تب تنگری کو مقابلے کی دعوت دے رہا ہوں مگر وہ چھکڑے کے پاس بے سدھ لیٹا ہوا ہے اور میرے مقابلے پر نہیں آتا۔"

تموچن' قسار' بلغوتچی' جبی نویان' سوبدائی بہادر اور ریسو تائی' نملیک اور اس کے چھ بیٹوں کے ساتھ تموچی کے پیچھے پیچھے باہر نکلے۔ نملیک نے تب تنگری کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی اور وہ خود حالتِ نزع میں تھا۔

نملیک نے واویلا مچایا "میرے بیٹے کو قتل کیا گیا ہے۔"

تموچن نے کہا "تیرا بیٹا جاہ پسند تھا۔ اس جاہ پسندی کی جنگ میں طاقتور غالب آیا اور کمزور مارا گیا۔"

نملیک نے کہا "تموچی کو ہمارے حوالے کیا جائے۔"

تموچن نے پوچھا "اگر میرا بھائی تموچی مارا جاتا تو کیا تو تب تنگری کو ہمارے حوالے کر دیتا؟"

نملیک بے حد غمزدہ تھا۔ اس نے غصے میں تموچی سے کہا "تو نے ایک بہت بڑے شامان کو قتل کیا ہے۔ اب اس کی روح کے انتقام سے نہیں بچ سکتا۔"

تموچن نے تب تنگری کی شامانی کا مذاق اڑایا اور کہا "یہ کیسا شامان تھا کہ اسے اپنی موت کا بھی علم نہیں تھا اور اگر یہ بات صحیح ہے کہ اس کی روح اس کا جسم چھوڑ کے نیلے جاودانی آسمان کی سیر

کرنے نکل جاتی تھی تو تم لوگ انتظار کرو۔ اس وقت بھی اس کی روح سیر سپاٹے میں مشغول ہوگی اور کچھ دیر میں واپس آجائے گی۔"

جو ہونا تھا، ہو چکا تھا۔ نملیک اور اس کے چھ بیٹوں کو حالات سے سمجھوتا کرلینا پڑا۔ تموچن زیادہ چالاک نکلا۔ یورتے کو بھی اپنے بھائی کی موت کا بے حد غم تھا۔ اس نے شکایتاً تموچن سے پوچھا "کیا یہ سچ ہے کہ تموچی نے اپنے چار ساتھیوں کی مدد سے میرے شامان بھائی تب تنگری کو قتل کردیا ہے؟"

تموچن نے جواب دیا "جاہ پسندی بہت کم لوگوں کو راس آتی ہے اور اس کے لئے شامان ہونا ضروری نہیں ہے۔"

لیکن بہت جلد تموچن کو یہ اندازہ ہوگیا کہ تب تنگری کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ اس کی ساحرانہ حیثیت اور شامانی طاقت کے ماننے والے اردو میں موجود تھے۔

نملیک اور اس کے بیٹے تموچن کے خلاف سازشیں کرتے پھر رہے تھے۔ ان کے ارادے خطرناک تھے۔

تموچن نے ان کے زور کو توڑنے کے لئے ایک نرالی ترکیب سوچی۔ اس نے تب تنگری کی لاش اس کے خیمے میں رکھوا کے حکم دیا "خیمے کو چاروں طرف سے بند کردیا جائے تاکہ اگر تب تنگری کی روح عالم بالا کی سیر کرنے گئی ہے تو جب چاہے واپس آ کے اس کے جسم میں حلول کرجائے۔"

اب خیمے کو ہر طرف سے بند کردیا گیا تھا۔ اوپر دھواں نکلنے کی جگہ کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ تب تنگری کی روح کو اسی دودکش کے ذریعے خیمے اور جسم میں داخل ہونا تھا۔ اس خیمے کے چاروں طرف پہرا بٹھادیا گیا۔

تموچن کے محافظ ادھر ادھر ہوگئے تھے اور نہتا تموچن اپنے خیمے میں تنہا رہ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد نملیک اور اس کے چھ بیٹے ہتھیاروں سمیت خیمے میں داخل ہوئے۔

نملیک نے غمزدہ لہجے میں کہا "خان! ہم تیری خدمت کرنے آئے تھے لیکن تو نے ہم سے اچھا سلوک نہیں کیا۔"

تموچن نے خطرے کی بو محسوس کرلی تھی اور وہ جانتا تھا کہ نملیک اور اس کے چھ بیٹے اپنے ہتھیاروں سمیت کیا کہنے اور کیا کرنے آئے ہیں۔ وہ تنہا بھی تھا اور غیر مسلح بھی۔ اس کے اپنے محافظ کہیں ادھر ادھر ہوگئے تھے اور خیمے میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ اس سے لاعلم تھے۔ تموچن نے پوچھا "تو کیا کہنا چاہتا ہے؟"

نملیک نے کہا "اب نہ تو تو ہمارا آقا ہے اور نہ ہم تیرے خدمت گزار۔"

اس کلمۂ انکاریہ میں جو دھمکی موجود تھی تموچن اس سے اچھی طرح واقف تھا۔ نملیک کے چھ بیٹے تموچن کا راستہ روکے کھڑے تھے۔ تموچن نے نملیک سے وعدہ کیا "تم لوگ جو چاہو کہو اور جو چاہو کرو لیکن میں نے تم سب کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور اس ذمے داری کو ہمیشہ نبھاؤں گا۔"

نملیک نے کہا "ہم نے تجھ سے کہا تھا کہ تموچی کو ہمارے حوالے کردے لیکن تو نے ہماری یہ درخواست بھی رد کردی۔"

تموچن نے کہا "نملیک! تموچی اور تب تنگری کا مقدمہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ میں نے تب تنگری کے روح سے محروم جسم کو اس کے خیمے میں رکھوادیا ہے اور خیمے کو چاروں طرف سے بند کرکے اس پر پہرا بٹھوادیا ہے۔ ہوسکتا ہے، تیرے شامان بیٹے کی روح نیلے جاودانی آسمان کی وسعتوں میں کہیں گھوم پھر رہی ہو اور کچھ تاخیر سے واپس آجائے۔ جب تک یہ مسئلہ صاف نہیں ہوجاتا۔ میں تموچی کو کس طرح تیرے حوالے کرسکتا ہوں۔"

لیکن نملیک اور اس کے چھ بیٹے تموچن کا راستہ روکے کھڑے رہے۔ ان کے ارادے کچھ اور ہی تھے۔

تموچن نے ان کے عزائم بھانپ لئے اور انہیں حکم دیا "یہ کیا بے ہودگی ہے۔ راستہ چھوڑو اور مجھے جانے دو۔"

نملیک کے چھ بیٹے غیر ارادی طور پر سامنے سے ہٹ گئے اور تموچن ان کے درمیان سے گزر کر باہر پہنچا اور اپنے محافظین کو حکم دیا "نملیک اور اس کے چھ بیٹوں کو ان کے خیموں تک پہنچادیا جائے۔ یہ لوگ میری امان میں ہیں۔"

تموچن نے اسی رات دودکش کے راستے سے تب تنگری کی لاش نکلوا کے خاموشی سے کہیں دفن کروادی۔ صبح نملیک اپنے چھ بیٹوں اور ان کے حامیوں کے ساتھ تب تنگری کے، چاروں طرف سے بند خیمے کے سامنے پہنچا۔ اس وقت تموچن کے ساتھ اس کے اپنے دو شامان بھی تھے۔

تموچن نے نملیک کو حکم دیا "تو اپنے بیٹوں کے ساتھ تب تنگری کے خیمے کو کھول اور دیکھ وہ اس وقت کس حال میں ہے۔"

نملیک نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا "خیمے کو کھول دیا جائے۔"

خیمہ کھل گیا۔ نملیک اور اس کے چھ بیٹے اندر داخل ہوئے۔ وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

تموچن نے باہر سے آواز دی "تب تنگری کو لے کر باہر آؤ۔"

نملیک منہ لٹکائے ہوئے باہر نکلا اور کہا "اب تو خیمے میں تب تنگری کا بے جان جسم بھی موجود نہیں ہے۔"

تموچن نے اپنے دونوں شامانوں کے ساتھ اندر داخل ہوکے وہ خالی جگہ دیکھی جہاں تب تنگری کا جسد بے روح رکھا گیا تھا۔

تموچن نے یہ خالی جگہ سبھی کو دکھائی اور اپنے شامانوں سے کہا "اب تم دونوں لوگوں کو بتاؤ کہ تب تنگری کا جسد بے روح کہاں چلا گیا؟"

ایک شامان نے دوسرے شامان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ہم دونوں کل رات سے بے حد پریشان ہیں۔ کل رات ہماری روحیں اپنے اپنے جسموں کو چھوڑ کے تب تنگری کی روح کی

تلاش میں نکلی تھیں۔ عالم بالا میں یہ عجیب و غریب منظر دیکھنے میں آیا کہ خلاؤں کی بدروحیں تب تنگری کی روح کو اپنے قبضے میں لئے ہوئے تھیں اور اعلان کر رہی تھیں کہ یہ جاہ پسند بدبخت انسان اس خان کا مدِمقابل بن رہا ہے۔ جس پر نیلے جاودانی آسمان کی برکتیں عام ہیں۔ اس کے بعد ان روحوں نے دوسری بدروحوں کو حکم دیا کہ تب تنگری کے خالی جسم کو بھی یہاں اٹھوا لیا جائے اور اب تب تنگری کی روح اور جسم خلائی بدروحوں کے قبضے میں ہیں اور ان کی آزادی کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔"

شامانوں کے اس اعلان نے نملیک' اس کے چھ بیٹوں اور ان کے حامیوں کے حوصلے پست کر دیے۔

اسی جگہ تموچن نے سب کے سامنے اعلان کیا "لیکن تب تنگری کی خطاؤں کی سزا کسی اور کو نہیں ملے گی۔ نملیک اور اس کے بیٹے میری پناہ میں ہیں اور میں انہیں کبھی بھی نہ خود قتل کروں گا اور نہ قتل ہونے دوں گا۔"

نملیک اور اس کے اقتدار پسند بیٹوں کا کھیل ختم ہو چکا تھا لیکن نملیک کا دل یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ تب تنگری کی روح اور جسم بدروحوں کے قبضے میں چلے گئے ہیں۔

اب تموچن بھی زیادہ محتاط ہو گیا تھا اور اس کے محافظ ہر وقت اس کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ چنانچہ بے چین اور بے قرار نملیک جب اپنے بیٹوں کے ساتھ تموچن سے ملنے گیا تو ان ساتوں کو اپنے ہتھیار باہر ہی رکھوا دینے پڑے۔ تموچن کے خیمے کے جنوبی در کے سامنے دو رویہ آگ روشن تھی۔ انہیں اس آگ کے بیچ سے گزار کے تموچن کے سامنے پہنچایا گیا۔

اب کسی سازش یا ناگہانی حملے کا امکان ختم کر دیا گیا تھا۔ نملیک کچھ دیر تو خاموش کھڑا رہا لیکن سوال اس کے چہرے سے عیاں تھا۔

تموچن نے قسار کے اشارے پر آگے بڑھ کر پوچھا "تجھے کچھ پوچھنا ہے؟"

نملیک نے اسے جھڑک دیا "او بدبخت! میری نظروں سے دور ہو جا۔ میں تموچن سے براہ راست بھی بات کر سکتا ہوں۔"

تموچن نے اپنے چھوٹے بھائی کو اشارہ کیا کہ وہ نملیک کو تنگ نہ کرے۔ اور نملیک سے پوچھا "تو مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے؟"

نملیک نے کہا "صرف یہ کہ تب تنگری کی لاش کہاں چلی گئی؟"

تموچن نے کہا "میں زمین پر نیلے جاودانی آسمان کا واحد نمائندہ ہوں۔ اس نے بدروحوں کو حکم دے رکھا ہے کہ جو بھی میرا برا چاہے' اس کی روح اور جسم کو دنیا سے اٹھوا لیا جائے۔ یہ روحیں تب تنگری کی روح اور جسم کو لے کر کہاں چلی گئیں میں نہیں جانتا۔"

سوبدائی بہادر نے نملیک کو سمجھایا "تو اپنے بدبخت بیٹے تب تنگری سے برأت کا اعلان کر دے ورنہ ڈر ہے کہ خلائی بدروحیں تجھے بھی نقصان نہ پہنچا دیں۔"

نملیک نے کہا "لیکن میرا دل نہیں مانتا۔ جب تک تب تنگری کی روح اور جسم کا مسئلہ حل نہیں ہوتا' میں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"

بغورچی نے کہا "اگر تو خان کو جھوٹا سمجھتا ہے اور شامانوں کی باتوں پر یقین نہیں رکھتا تو کسی اور سردار کی چاکری میں چلا جا۔"

نملیک نے کہا "جب یہ بات طے پا گئی کہ نیلے جاودانی آسمان کی زمین پر نمائندگی خان کو ملی ہے تو میں بھی خان کی چاکری کروں گا اور میرے بیٹے بھی ان کی خدمت کریں گے۔"

بظاہر یہ مسئلہ دب گیا اور سبھی نے یہ محسوس کیا کہ اب تب تنگری کی روح اور جسم کا مسئلہ کبھی بھی زیر بحث نہیں آئے گا لیکن نملیک اور اس کے چھ بیٹے مدتوں تموچن کے خلاف در پردہ سازشیں کرتے رہے۔ تموچن نے ان ساتوں سے جو وعدہ کیا تھا وہ اس پر قائم رہا۔ اس کے سامنے بڑے بڑے منصوبے تھے۔ اس نے صحرائی وحشی قبائل کو متحد کرنے کا جو کام شروع کیا تھا اس پر نہایت سختی اور ہوشیاری سے عمل کرتا رہا۔ وہ اپنوں کے لئے بہت مہربان تھا لیکن مخالفین کے لئے انتہائی سفاک' وحشی اور درندہ تھا۔ وہ جن لوگوں میں رہتا تھا وہاں رحم و مروت نام کی کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ کسی بھی اہم ترین مسئلے میں اس کا فیصلہ انتہائی سخت اور بہیمانہ ہوتا تھا۔ اگر وہ بھی مروت اور رحم دلی سے کام لیتا تو خود اس کا صفایا کر دیا جاتا۔ وہ سب جہد للبقا کے نظریے پر قائم تھے۔ جس نے اس نکتے کو سمجھ لیا وہ زندہ رہا' جو نہیں سمجھ سکا وہ مارا گیا۔

آخر تموچن نے ایک دن نملیک کو بٹھا کر سمجھایا "دیکھ نملیک! تو بورتے کا باپ ہے اور میں تیری عزت کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو اب بھی اپنے مرے ہوئے بیٹے تب تنگری کے لئے کوششیں کرتا رہتا ہے اور میرے اردو میں تیرے حامی بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ میں تجھے منع کرتا ہوں کہ اپنی حرکتوں سے باز آ جا۔"

نملیک نے پھر شکوہ کیا "تو نے اپنے شامانوں کے ذریعے تب تنگری کی روح اور جسم کے بارے میں جو کچھ بتلایا ہے میں اس پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"

تموچن نے کہا "اب میں بھی تجھے اصل حقائق سے آگاہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ تیرا بیٹا جاہ پسند تھا اور وہ میرے اقتدار میں شرکت کا خواہش مند تھا۔ میں نے اس کو قتل کروا دیا۔ جن سیکڑوں قبائل کو میں نے یاک کے نو دموں والے پرچم کے زیر سایہ اکٹھا کیا ہے' میں اس اردو کو دو حصوں میں تقسیم کرنا کس طرح پسند کروں گا۔ اگر تو بھی میرے اقتدار میں شریک ہونے کی کوشش کرے گا تو تو بھی مارا جائے گا۔ یہ محض تنبیہہ نہیں ہے میرے ارادے کے فیصلے کا اظہار ہے۔"

نملیک نے آہستہ سے کہا "تو میرے اندازے سے درست نکلے۔ میرے بیٹے کو تو نے قتل کروایا۔"

تموچن نے جواب دیا "ہاں! اب سنگری جیسی حرکت جو بھی کرے گا' مارا جائے گا۔"

آخر کار نملیک اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر تموچن زمین پر جاودانی نیلے آسمان کا اوتار بن کر آیا ہے تو اسے نیچا دکھانا ناممکن ہے۔ اور اس کی تابعداری ہی میں فائدے ہیں۔ کچھ دیر بعد اسی خیمے میں لوگ آہستہ آہستہ جمع ہونا شروع ہو گئے۔ حسبِ دستور بغورچی اس وقت بھی تموچن کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جب یہ چنے ہوئے نامی گرامی سردار تموچن کے خیمے میں جمع ہوئے تو نملیک کی حیثیت صفر ہو کر رہ گئی۔ اب ہر سردار اپنی اپنی کہہ رہا تھا اور تموچن ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس موقع پر شاید نملیک نے تموچن سے اپنی زندگی کا آخری مذاق کیا "تموچن! برا مت ماننا۔ ہمارے بزرگ صدیوں سے کہتے چلے آرہے ہیں کہ بہت سے دل و دماغ جو الگ الگ سوچ رکھتے ہوں' ایک دل و دماغ میں جمع نہیں ہو سکتے۔ کیا ہمارے بزرگوں کا یہ مقولہ غلط ہو سکتا ہے؟"

تموچن نے کہا "پہلے تو اس مقولے کا مفہوم ذہن نشین کرا دے۔ اس کے بعد کوئی اور بات ہو گی۔"

سوبدائی بہادر نے تموچن کی طرف سے جواب دیا "ہمارے بزرگوں نے مختلف دل و دماغ کے ایک دل و دماغ میں جمع ہونے کو اتحاد اور اتفاق کے معنوں میں کہا ہے یعنی اس صحرا میں بسنے والے لاکھوں وحشیوں کے دل و دماغ کو کسی ایک پرچم تلے متحد اور منظم کر دینا تقریباً ناممکن ہے۔"

نملیک نے بھی اس سے اتفاق کیا اور کہا "بزرگوں کے قول جھٹلائے نہیں جا سکتے۔"

تموچن نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لیکن مجھے اس زمین پر اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ میں اپنے بزرگوں کی ایسی باتیں جھٹلا دوں۔ وہ محض انسان تھے اور میں اس زمین پر نیلے جاودانی آسمان کا نمائندہ ہوں۔"

نملیک ہنسنے لگا اور تموچن پر طنز کیا "تو بزرگوں کو کیا جھٹلائے گا۔ میں نے آج تک اپنے کسی بزرگ کے کسی قول کو جھوٹا ہوتے نہیں دیکھا۔"

تموچن نے کہا "نملیک! تو کیسی باتیں کر رہا ہے۔ یہ ہزاروں دل و دماغ جو میرے اردو میں جمع ہو گئے ہیں' کیا متحد نہیں ہیں۔ کیا ان سب کی سوچ ایک نہیں ہے؟ کیا ان کے ارادے الگ الگ ہیں؟ کیا ان کے دلوں میں متضاد جذبے پرورش پا رہے ہیں؟ ان سب کا دل میں ہوں۔ ان سب کا دماغ بھی میں ہی ہوں۔ جو میں سوچتا ہوں وہی یہ سب سوچیں گے۔ جو میں چاہوں گا وہی یہ سب چاہیں گے۔ لاکھوں دل و دماغ ایک دل و دماغ کے تابع ہو جائیں گے اور اسی وقت میں وہ سب کچھ کر دکھاؤں گا جو ہمارے بزرگ نہیں کر سکے تھے۔"

نملیک اب بھی اسے ایک ناپختہ کار نوجوان کی خام خیالی سمجھ رہا تھا۔ بھلا یہ کس طرح ممکن تھا کہ نامی گرامی طاقتور قبائل کسی ایک کی بالادستی قبول کر لیں۔ آپس کے مناقشے کس طرح ختم ہو سکتے تھے۔ منتقمانہ فطرت کو کس طرح بدلا جا سکتا تھا۔ الگ الگ اغراض و مقاصد رکھنے والوں کو کسی ایک غرض اور مقصد پر کس طرح متحد رکھا جا سکتا تھا۔ اسے اس پر بھی ہنسی آرہی تھی کہ تموچن نے بزرگوں کا مذاق اڑایا تھا اور طغرل خان کی موجودگی میں تمام قبائل کا ایک سردار بننے کی توقع رکھ رہا تھا۔ یہ ایک دیوانے کا خواب تھا۔

تموچن بھی یہی سوچ رہا تھا کہ نملیک اور اس جیسے دوسرے حاسد سردار اس کی کوششوں میں رکاوٹیں ڈالیں گے۔ لیکن آہنی عزم و ارادے کا وہ پیکر بہت سے سرداروں کے درمیان کھڑا ہوا بے باکی سے اعلان کر رہا تھا "جس طرح اوپر ہم سب کے لئے ایک نیلا جاودانی آسمان ہے اس طرح زمین پر ایک ہی حکمران ہونا چاہئے۔ میں تمام قبائل کو ایک خان کی قیادت میں اکٹھا کروں گا۔ اوپر ایک آسمان' نیچے ایک خان۔ تبھی ہم بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکیں گے۔ جب تک ہم چھوٹے چھوٹے قبائل میں تقسیم ہیں' چھوٹے چھوٹے سرداروں کی سرداری میں رزق و معاش کے لئے جدوجہد کرتے رہیں گے' ناقابلِ ذکر ہوتے چلے جائیں گے۔ ہزاروں قبائل نہیں' ہمیں صرف ہزاروں قبائل پر مشتمل ایک قبیلہ درکار ہے۔ ہزاروں سرداروں کی جگہ ایک خان کی ضرورت ہے اور جس دن ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے' پوری دنیا اور اقوامِ عالم ہمارے قدموں میں ہو گی۔"

نملیک نے تموچن کو یاد دلایا "کیا تو قوم قرابیت کے طغرل خان کو نہیں جانتا جو خطا کے سامنے دیوارِ چین کے مقابل مشرق سے مغرب تک حکومت کر رہا ہے۔ کیا طغرل خان تجھے اپنا خان تسلیم کر لے گا؟"

تموچن نے جواب دیا "نہیں! یہ ناممکن ہے۔ طغرل خان میرا باپ ہے۔ اس کا میرے حقیقی باپ یسوکائی سے معاہدہ تھا اور دونوں کی مساوی سطح پر دوستی تھی۔"

نملیک کو بے اختیار ہنسی آئی۔ اس نے قسار کو مخاطب کیا "تو نے کچھ سنا۔ ابھی تک تو میں یہ سمجھتا رہا کہ یسوکائی تم تینوں کا باپ تھا لیکن تموچن کہتا ہے کہ طغرل خان بھی اس کا باپ ہے۔ کیا تو بھی اس سے اتفاق کرے گا۔"

تموچن نے قسار کی طرف سے جواب دیا "طغرل خان میرا باپ نہیں ہے بلکہ میں اس کا متبنیٰ بن جاؤں گا اور یہ بوڑھا شریف سردار میری درخواست کبھی بھی رد نہیں کرے گا۔"

یہ مجلس یونہی سوال و جواب کی نذر ہو گئی اور یہ جانتے ہوئے

بھی کہ تموجن سازشیں پسند نہیں کرتا، نیلیک سازشوں میں مشغول رہا۔ بظاہر ان سازشوں سے اسے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا مگر تب تنگری کی موت کے بعد تموجن کے خلاف حسد و نفرت کی جو گھٹا نیلیک کے دل و دماغ پر چھا گئی تھی وہ کسی طرح چھٹنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔

تموجن اس ساری گفتگو میں نیلیک کی ایک بات سے متفق تھا اور شاید احسان مند بھی ہوا۔ طغرل خان کا ابھی تک اسے خیال بھی نہ آیا تھا۔ وہ اس حیرت انگیز شخص کی موجودگی میں اپنی سرداری کا اعلان نہیں کر سکتا تھا۔ اپنی خانی کے اعلان کا مطلب تھا۔ طغرل خان کی تضحیک اور قوم قرایت کے خلاف اعلان جنگ۔

کسی کو کچھ بتائے بغیر اس نے بغورچی اور سبدائی بہادر کو ساتھ لیا اور طغرل خان سے ملاقات کرنے قوم قرایت کی طرف روانہ ہو گیا۔ چلتے وقت اس نے اپنی ماں اولون کو یہ بتا دیا تھا کہ میں طغرل خان کا متبنّی بننے جا رہا ہوں۔ یہ بات کسی اور کو نہیں معلوم ہونی چاہئے۔ اور بورتے سے کہا "بورتے! تو اپنے باپ نیلیک کو سمجھا۔ اگر اسے میری خانی سے اختلاف ہے تو کہیں اور چلا جائے۔ یہاں خان کی جو نیام ہے اس میں صرف ایک تلوار رہ سکتی ہے۔ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رکھی جا سکتیں۔"

بورتے نے معنی خیز مسکراہٹ سے جواب دیا "میرا باپ نیلیک خود بھی بہت عقل مند ہے لیکن قسمت کی خرابی کہ اسے تم پر فوقیت نہیں دی جا سکتی۔ بس یہ سمجھ لو کہ وہ تب تنگری کا باپ ہے۔ اس تب تنگری کا جس کی روح اور جسم کو خلا کی بد ارواح اٹھا لے گئی ہیں۔"

اب تموجن بہت مطمئن تھا کیونکہ نیلیک کے معاملے میں اسے بورتے کی پوری پوری تائید حاصل ہو گئی تھی۔

پھر تموجن، بغورچی اور سبدائی بہادر اچانک کہیں غائب ہو گئے اور قسار پورے اردو پر کچھ عرصے کے لئے حاکم بن گیا۔ اولون جانتی تھی کہ تموجن کہاں گیا ہے مگر اس کے دل میں بحر اکاہل جیسی گہرائی تھی۔ گہرائی کی تہ میں تموجن کی عدم موجودگی کا راز بیٹھ گیا تھا۔

تموجن دریائے کیرولان کو عبور کر کے اس چینی دیوار کی طرف بڑھا جو شرقاً غرباً کئی سو میل تک سر اٹھائے ہوئے کھڑی تھی۔ جنوب میں اور اس دیوار کے شمال میں قوم قرایت آباد تھی۔ جس کا سردار طغرل خان تھا۔

چونکہ کیرولان کے اس پار اور دیوارِ چین کے درمیان تاتاری قبائل آباد تھے اس لئے ان سے نہ تو چینی قافلے محفوظ تھے اور نہ قوم قرایت کے لوگ۔ چین اور ختن سے چلنے والے تجارتی قافلے ان وحشی تاتاریوں سے عاجز آئے ہوئے تھے جس سے چینی تجارت بہت متاثر ہو رہی تھی اور چین کا حکمران سنگ خاندان ان تاتاریوں سے بہت عاجز آیا ہوا تھا اور اس نے اپنے سپہ سالار کو یہ خدمت سونپی کہ وہ تاتاری قبائل کو تہس نہس کر ڈالے۔ یہ بالکل ایک اتفاقی عمل تھا۔ اس کے پیچھے کوئی خاص واقعہ یا سانحہ کارفرما نہیں تھا۔

ٹھیک اسی انداز میں اور اسی دوران طغرل خان بھی تاتاریوں کے خلاف یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ انہیں تباہ و برباد کر دیا جائے کیونکہ انہی تاتاریوں کی وجہ سے طغرل خان کو اپنے شہروں کے چاروں طرف اونچی اونچی فصیلیں کھڑی کرنا پڑی تھیں اور جن قافلوں پر لوٹ مار کا حق قوم قرایت کو حاصل تھا۔ یہ تاتاری انہیں راستے میں ہی اچک لیتے تھے۔ گویا یہ تاتاری چین اور قوم قرایت کے لئے یکساں مصیبت بنے ہوئے تھے۔

تیسری طرف منگولوں کو بھی یہی شکایت تھی کہ یہ تاتاری چین اور دریائے کیرولان کے درمیان آباد ہونے کی وجہ سے منگولوں کے لئے بھی مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے۔

یہ وہ وقت تھا جب تموجن طغرل خان کے پاس جا رہا تھا تاکہ اس کا متبنّی بن کے اس کی سرپرستی حاصل کر لے۔

راستے میں سبدائی بہادر نے تموجن کو مشورہ دیا "خان! ہمیں اتنا زیادہ پُراعتماد نہیں ہونا چاہئے۔ یہ خطرناک ماحول ہم تینوں کے لئے بہت برا ہے۔ تاتاری ہمارے پہلے ہی سے دشمن ہو رہے ہیں اور ہمیں کئی چرواہے یہ بتا چکے ہیں کہ وہ دریائے کیرولان کے اس پار کسی سے بڑی جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہی بات ایک دوسرے چرواہے نے بتائی۔ اس کا ایک عزیز طغرل خان کے ایک شہر سے آیا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ اسی قسم کی تیاریاں طغرل خان بھی کر رہا ہے اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ دیوارِ چین کا بڑا پھاٹک کھول دیا گیا ہے اور اس پھاٹک سے چیونٹیوں کی طرح بے شمار چینی فوجی نکلے چلے آ رہے ہیں۔ یہاں یقیناً کچھ ہونے والا ہے ہم صرف تین ہیں۔"

تموجن نے سبدائی بہادر کا مشورہ قبول کر لیا اور وہ اپنے اردو میں دوبارہ واپس گیا۔ ساڑھے پانچ ہزار جنگجو اپنے ساتھ لئے اور طغرل خان سے ملاقات کرنے چل کھڑا ہوا۔ اس بار اس کے ساتھ طغرل خان کے لئے نہایت قیمتی تحائف تھے۔

نوجوان تموجن کو پہرے دار پہچانتے تھے اس لئے اسے طغرل خان کے پاس جانے دیا گیا۔

طغرل خان اب بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور اس وقت وہ صرف اپنے دبدبے اور شان و شوکت کے بل پر حکومت کر رہا تھا۔

مسکراتے ہوئے طغرل خان نے تموجن کو گلے لگایا اور نہایت مشفقانہ لہجے میں پوچھا "کیا تجھے دوبارہ میری مدد کی ضرورت پیش آگئی ہے؟"

تموجن نے فدویانہ انداز میں اپنی درخواست پیش کر دی اور کہا "خان بابا! میرے باپ یسوکائی کی موت کے بعد میں نے آپ کو اپنا باپ سمجھ لیا ہے اور اس وقت میں آپ کا بیٹا بننے آیا ہوں۔

اگر آپ مجھے اپنا بیٹا نہیں بنائیں گے تو میری حفاظت کون کرے گا" میں تباہ و برباد ہو جاؤں گا۔"

طغرل خان نے تموچن کو اپنے ہاتھ سے شراب پیش کی اور کہا "تموچن! تو یہ کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا ہے۔ یسوکائی نے بھی مرنے سے پہلے مجھ سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہ شق شامل ہے کہ جب وہ نہیں ہو گا تو اس کی ذمے داریاں میں پوری کروں گا۔ میں نے تجھے اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ آج سے تو میرا بیٹا ہے اور میں تیرا باپ۔"

تموچن نے والہانہ انداز میں طغرل خان کے ہاتھ چومنے شروع کر دیئے۔ کبھی وہ دائیں ہاتھ کو چومتا اور کبھی بائیں ہاتھ کو۔

طغرل خان نے تموچن کو بیٹھنے کے لئے وہی جگہ دی جو اپنے ولی عہد کو دیا کرتا تھا "بیٹھ جا' اب ذرا کچھ اور باتیں بھی ہو جائیں کیونکہ ہم قرایت کے لوگ سیدھی سچی باتیں کرنے کے عادی ہیں۔"

تموچن کو دال میں کچھ کالا نظر آیا "ہم منگول بھی یاری' وفاداری اور رشتے داری میں جھوٹ اور دغا فریب پسند نہیں کرتے۔"

اس وقت طغرل خان کے آس پاس جو دوسرے سردار اور مقربین موجود تھے۔ طغرل خان نے ان سب کو ہٹا دیا اور آہستہ سے تموچن سے پوچھا "تو نے جس یاری' وفاداری اور رشتے داری کا ابھی ابھی ذکر کیا ہے تو کیا تب منگری تیری بیوی کا بھائی نہیں تھا۔ تو نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

تموچن نے جواب دیا "میرے باپ! میں اپنے قبائل کا خان ہوں اور تب منگری میری خانی میں شرکت چاہتا تھا۔ اگر قوم قرایت کا کوئی شخص آپ کے اقتدار میں شریک ہونے کی کوشش کرے تو آپ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔"

طغرل خان نے کہا "لیکن نیلیک تو یہ کہتا پھر رہا ہے کہ تو زمین پر نیلے جاودانی آسمان کا اوتار ہے اور جس طرح دنیا کے لئے ایک آسمان ہے اسی طرح زمین کے انسانوں کا ایک آقا ہونا چاہئے اور وہ آقا تو خود ہے۔"

تموچن چکرا گیا۔ اسے حیرت تھی کہ نیلیک کی سازشوں کا جال یہاں تک پھیلا ہوا تھا۔ تموچن نے طغرل خان کو جواب دیا "ایسی ہی بے سروپا باتوں سے نیلیک اور اس کے بیٹے ہم میں اختلاف کے بیج بو رہے تھے۔ اگر میں ان کا یار' وفادار اور رشتے دار نہ ہوتا تو تب منگری کے ساتھ ہی ان سب کا قصہ تمام کر دیا جاتا۔"

یہ باتیں ختم ہو گئیں۔ بظاہر تموچن نے طغرل خان کو مطمئن کر دیا تھا۔ اس رات طغرل خان نے تموچن کو بے حد شراب پلائی۔ باہر سبدائی بہادر اور بغورچی اپنے پانچ ساڑھے پانچ ہزار جوانوں کے ساتھ فکر مند بیٹھے تھے کہ اندر تموچن کی بات بنی یا نہیں؟

اس موقع پر ایک معمولی درجے کا سردار تلملا اٹھا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا "دوستو! مجھے اپنی جان کی کوئی پروا نہیں۔ اگر تموچن ہم میں موجود ہے تو ہمارے بیوی بچوں کو فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اگر مارا بھی جاؤں تو خان میرے بیوی بچوں کو پال پوس لے گا۔ میں تو تموچن کی فکر میں جا رہا ہوں۔"

بغورچی نے اسے منع کیا "خبردار! ایسا نہ کرنا۔ طغرل خان کئی بار تموچن کو اپنا بیٹا کہہ چکا ہے اس لئے وہ اپنے منہ بولے بیٹے سے دغا نہیں کرے گا۔"

صبح کے انتظار میں سبھی اپنے اپنے خیموں میں آرام کرنے لگے۔ سورج نکلنے سے پہلے ہی تموچن اپنوں میں واپس آ گیا اور یہ خوش خبری سنائی کہ طغرل خان نے اس کو اپنا متبنیٰ کر لیا ہے اور دوسری یہ خوش خبری سنائی کہ چین کا منگ خاندان اور طغرل خان ایک ساتھ تاتاریوں کے خلاف یلغار کرنے والے ہیں۔

تموچن کا خیال تھا کہ اس بار تاتاری چینی اور قرایت قوم کے دو پاٹوں کے درمیان آ چکے ہیں اور جب مقدرت تموچن بھی تاتاریوں کے خلاف کوئی کارنامہ انجام دینے کی کوشش کرے گا اور اس فتح سے چینی حکومت اپنے حلیفوں کو گرانقدر انعام و اکرام سے نوازے گی لیکن تاتاری ان تینوں سے زیادہ چالاک نکلے۔ انہوں نے اپنے مویشی' خیمے اور سامان منچوریا کی طرف پھیلے ہوئے جنگلات میں چھپا دیا اور دکھاوے کے لئے کچھ خیمے اور کچھ جوان سامنے رہنے دیے تاکہ ان کے دشمن راہ فرار اختیار کرنے والے تاتاریوں کا پیچھا نہ کریں۔

تاتاری اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ جب تین طاقتوں نے تاتاریوں کا پیچھا کیا تو کافی دیر بعد انہیں معلوم ہوا کہ معدودے چند تاتاریوں اور خیموں کے سوا وہ سب بچ کر نکل گئے ہیں۔ انہیں دور دور تک تلاش کیا گیا مگر وہ کہیں نظر نہ آئے۔

طغرل خان اور تموچن کی نظر میں یہ ایک ناکام مہم تھی۔ لیکن چینی سپہ سالار اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ اس نے تاتاریوں کو مار بھگایا ہے۔ اس خوشی میں چینیوں نے شادیانے بجائے' خوشیاں منائیں' چراغاں کیا اور سپاہیوں کو معمولی انعامات سے نوازا گیا۔

چینی حکومت نے اپنے حلیفوں کو بھی یاد رکھا تھا۔ اس نے طغرل خان کو اونگ خان کا خطاب دیا۔ یعنی خانوں کا سردار اور تموچن کو باغیوں کے دشمن سالار کا لقب عطا کیا گیا۔ اس خطاب کے ساتھ اس نے تموچن کو چاندی کا ایک جھولا بھی تحفے میں بھیجا تھا۔ اس جھولے کا غلاف سنہری تھا۔

تموچن اور اس کے ساتھی چینی سفیر سے پوچھ رہے تھے۔ "تموچن تو چینی حکومت کے بقول باغیوں کا دشمن سالار ہے لیکن ان چند لفظوں سے تموچن کو حاصل کیا ہوا؟"

سفیر نے اپنے بادشاہ کے عطا کردہ خطاب کے بارے میں کہا۔

"یہ ہمارے بادشاہ کی طرف سے عطا کیا ہوا ایک اعزاز ہے۔ ایسا شخص پوری قوم میں بہت معزز مانا جاتا ہے۔"

بغورچی کو چاندی کے جھولے کی فکر تھی' پوچھا "یہ کس کام آتا ہے؟"

چینی سفیر تموچن کی اجازت سے جھولے میں بیٹھ گیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا "تم مجھے جھلاؤ۔"

جب جھولے میں حرکت ہوئی اور سفیر کے آدمی بڑی تندہی سے جھولا جھلانے لگے تو سفیر کو نیند آگئی۔ تموچن اور اس کے ساتھی سوئے ہوئے سفیر کو دیکھ دیکھ کر آپس میں ہنس رہے تھے۔

سفیر کو بیدار کیا گیا۔ وہ گھبرا کر جھولے سے اترا اور خوشامدانہ لہجے میں کہا "تمہارا خان اس پر لیٹ کر آرام کی نیند سویا کرے گا۔"

تموچن نے کہا "تیرا بادشاہ' تیرے وزیر اور تیری قوم شاید ان جھولوں پر سونے کے عادی ہیں اس لئے انہیں گھوڑوں کی سواری نہیں آتی۔ پکے پکے شاندار مکانوں میں رہتے ہیں' لمبے لمبے لبادے پہنتے ہیں' مدرسوں میں جاتے ہیں' فصلیں اگاتے ہیں اور اچھے اچھے کھانے کھا کے جھولوں میں لیٹ کر سو جاتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے۔"

بغورچی نے مشورہ دیا "اس جھولے کو توڑ دیا جائے۔ اس کی چاندی ہمارے کام آسکتی ہے۔"

تموچن نے کہا "نہیں ابھی نہیں۔ تیرے مشورے سے مجھے اختلاف نہیں ہے لیکن اس جھولے کو میرے خیمے کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ اس عجیب و غریب سلا دینے والی چیز کو میری قوم کے لوگ بھی دیکھ لیں۔ میں اسے اپنی وادی میں لے جاؤں گا اور اس نشہ آور شے کو ایک ایک شخص کو دکھاؤں گا۔"

طغرل خان نے اس معرکے میں قریب سے تموچن کی صلاحیتوں کا مشاہدہ کیا تھا۔ اسے چینی بادشاہ کا تموچن کو دیا ہوا خطاب اور تحفہ بھی پسند نہیں آیا تھا۔ وہ تموچن کو اپنا طفیلی سمجھتا تھا اور تموچن کو اگر کوئی شخص خطاب یا تحفہ دے سکتا تھا تو وہ طغرل خان تھا۔ چینی بادشاہ نے تموچن کو باغی دشمنوں کا سالار کہا تھا اور تحفے میں سنہری غلاف والا چاندی کا جھولا بھی دیا تھا۔ گویا چینی حکومت نے تموچن کو طغرل خان کے برابر عزت اور حیثیت دے دی تھی۔

نملیک کے آدمی پہلے ہی سے طغرل خان کو ورغلانے میں مشغول تھے۔ ان سب نے تنہائی میں طغرل خان کو سمجھایا "آپ نے چالاک تموچن کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے اور بیٹا روئے زمین کا آقا بننے کی فکر میں ہے۔ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں اور آپ کی ایک اولاد بھی اس لائق نہیں کہ تموچن کی جاہ پرستی کا مقابلہ کرے۔"

طغرل خان بھی گویا ابھی تک سویا ہوا تھا' اب بیدار ہو گیا۔ جن خطرات کے حوالے سے بات کی گئی تھی وہ سمجھ میں آتی چلی گئی لیکن اسے اب بھی اپنے قول کا پاس تھا۔ اس نے تموچن کو اپنا بیٹا کہہ دیا تھا' اب وہ اس سے کس طرح منحرف ہو سکتا تھا۔

لیکن یہاں تموچن کے دوری رشتوں کے چچا بھی موجود تھے اور تموچن کا کنبہ بھی یہاں موجود تھا۔ یہ سب نملیک کی سازشوں کا شکار ہو چکے تھے۔

ایک بند کمرے میں پوری رات تموچن زیر بحث رہا اور سب کی یہی رائے تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو' تموچن کو قتل کر دیا جائے ورنہ یہ فتنہ طغرل خان کو بھی لے ڈوبے گا۔

صبح ہونے سے پہلے تک منصوبہ یہ طے پایا کہ طغرل خان اپنی ایک بیٹی کا رشتہ جوجی خان سے طے کر دے گا اور تموچن سے کہا جائے گا کہ وہ یہ رشتہ مانگنے طغرل خان کے پاس آئے اور پھر جیسے ہی تموچن اپنے نامی گرامی ساتھیوں کو لے کر اندر داخل ہو' اس پر اچانک حملہ کر دیا جائے۔ طغرل خان نے کہا "میں اپنی بیٹی کا رشتہ جوجی خان کے لئے پیش کروں گا تو مجھے کسی قدر انکسار سے کام لینا ہو گا۔ میں خود تم سب کو لے کر اس کے خیمے میں جاؤں گا۔ رشتے کی بات کروں گا اور میرے پیچھے میرے سوار اس کے خیمے کا محاصرہ کر لیں گے اور ہم سب کے باہر نکلتے ہی تموچن کے خیمے پر تیروں کی بارش کر دی جائے گی۔"

سب کے لئے یہ نہایت شاندار اور قابل عمل منصوبہ تھا۔ غلطی سے طغرل خان کے ایک سردار نے اس منصوبے کا ذکر دو چرواہوں سے کر دیا۔ اس ذکر کا مقصد یہ تھا کہ دونوں چرواہے تموچن کے ہزاروں مویشیوں کے لئے جگہ کا انتظام کر دیں۔ لیکن یہ دونوں چرواہے تموچن کے باپ یسوکائی کے احسان مند تھے۔ کسی برے وقت میں یسوکائی نے ان دونوں چرواہوں کا بہت ساتھ دیا تھا۔ ان دونوں نے تموچن کو طغرل خان کے خطرناک منصوبے سے آگاہ کر دیا۔ یہ وقت تموچن کی زندگی کا بدترین وقت تھا۔ پانچ ساڑھے پانچ ہزار آدمیوں سے طغرل خان' اس کی قوم قرایت اور قرایتوں کے حلیفوں کا مقابلہ کرنا ناممکن تھا۔

تموچن نے اپنے جاں نثاروں سے اس سازش کا ذکر کیا اور پوچھا "کیا ہم اپنے باپ طغرل کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟"

ہر ایک کی یہی رائے تھی "ہرگز نہیں' وہ آپ کا منہ بولا باپ اور شریف انسان ہے۔ اس کو مشیروں نے ورغلا کے آپ کے مقابل لا کھڑا کیا ہے۔"

بغورچی نے مشورہ دیا "آپ کوشش کریں کہ یہ جنگ نہ ہو اور باہمی غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔"

سوبدائی بہادر کا بھی یہی مشورہ تھا لیکن ایک معمولی سردار گلدار کا مشورہ ان سب کے خلاف تھا۔ اس نے کہا "جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں' مجھے اپنی کوئی فکر نہیں۔ اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو آپ میرے بیوی بچوں کو پال لیں گے۔ آپ کو طغرل خان سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر وہ جنگ کا خواہش مند ہے تو

آپ جنگ لڑیں۔ اب یہ جنگ کس طرح لڑی جائے گی یہ فیصلہ آپ کریں گے۔"

بظاہر یہ ایسا مشورہ تھا جس سے کوئی بھی متفق نظر نہیں آرہا تھا اور تموجن بھی خاموش تھا لیکن کچھ دیر بعد تموجن کھڑا ہو گیا اور نہایت سنجیدگی سے اعلان کر دیا "میرا منہ بولا باپ غلط اور صحیح کی تمیز نہیں رکھتا اور بڑھاپے نے اس کی عقل کو اس حد تک ماؤف کر دیا ہے کہ وہ ہر کس و ناکس کے ورغلانے میں آجاتا ہے تو ہمیں یہ جنگ لڑنا پڑے گی۔ زمین کے آقا کو حکم جاری کرنا چاہئے اور دوسروں کو بے چون و چرا تعمیل کرنی چاہئے۔ زمین کے آقا کے دل و دماغ دوسروں کے دل و دماغ بن جاتے ہیں نہ کہ دوسروں کے دل و دماغ زمین کے آقا کے دل و دماغ پر مسلط ہو جائیں۔"

بغورچی نے پوچھا "لیکن یہ جنگ کس طرح لڑی جائے گی؟ طغرل خان ہمارے ایک آدمی کو بھی بچ کے نہیں نکلنے دے گا۔"

تموجن نے کہا "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اپنے مویشیوں اور اپنے سامان کے ساتھ گاڑیوں پر بجتہ کی پہاڑی کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ وہاں پہاڑوں کے پیچ در پیچ کئی سلسلے ہیں۔ سو پچاس آدمی عین وقت پر یہاں سے بھاگیں گے۔ اپنے چولہوں کو جلتا چھوڑ جاؤ۔ میرے خیمے کو بھی دوسرے خیموں کے ساتھ جوں کا توں کھڑا رہنے دو۔ جب طغرل خان یہاں آئے گا تو وہ مجھ سے باتیں نہیں کرے گا بلکہ میرے خیمے اور آس پاس کے دوسرے خیموں کو اپنے تیروں سے چھلنی کر دے گا۔ اس وقت تک ہم بجتہ کے پہاڑی سلسلوں میں پہنچ چکے ہوں گے اور اگر طغرل خان پیچھا کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا تو اس کے تھکے ہوئے گھوڑوں اور آدمیوں کا ہمارے تازہ دم جوان اور گھوڑے اچھی طرح مقابلہ کر لیں گے۔"

اس منصوبے پر نہایت تیزی سے عمل شروع ہو گیا اور سارے مویشی، سازوسامان اور نوجوان بجتہ کی پہاڑیوں کی طرف روانہ ہو گئے لیکن خیموں کی ترتیب کچھ اس طرح باقی رکھی گئی تھی اور چولہے اس طرح روشن تھے گویا ان خیموں میں رہنے والے خوف زدہ ہو کے اچانک کہیں بھاگ گئے ہوں۔

تموجن نے یہاں تک چالاکی کی تھی کہ دودھ کے تھیلے اور اناج کے مٹکے توڑ کے بکھرا دیے گئے تھے۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ فرار ہونے والے عجلت میں بھاگے ہیں اور اسی عجلت میں وہ اپنا سامان تک چھوڑ گئے ہیں۔

صبح سے پہلے ہی تموجن اپنی مطلوبہ پہاڑیوں میں داخل ہو گیا۔ یہاں بجتہ کی پہاڑی سب سے اونچی تھی۔

سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی طغرل خان ہزاروں جوانوں کے ساتھ تموجن کی خیمہ بستی میں پہنچ گیا اور ان سب نے ایک ساتھ تموجن کے خیمے کو اپنے تیروں کا نشانہ بنایا لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ ان کے حملے دوسرے خیموں پر بھی ہوئے مگر یہاں بھی کسی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ خیموں میں داخل ہوئے تو وہ خالی نظر آئے۔ ہاں دودھ کی تھیلیاں پھٹی ہوئی تھیں جن سے دودھ بہہ چکا تھا۔ اناج کے مٹکے ٹوٹے ہوئے تھے اور ان کا اناج بکھرا ہوا تھا۔

طغرل خان اور اس کے ساتھی اسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ یہ لوگ طغرل خان کے خوف سے بحالت بدحواسی فرار ہوئے ہیں۔

طغرل خان اور اس کے ساتھیوں نے خالی خیموں سے نکل کے فرار ہونے والوں کے راستے کا جائزہ لیا۔ گھوڑوں کے نشان بتارہے تھے کہ تموجن اور اس کے ساتھی مشرق کی طرف فرار ہوئے ہیں۔ طغرل خان نے حکم دیا "ان کا پیچھا کیا جائے۔"

یہ لوگ مفرورین کے نقوش پا پر سفر کرنے لگے۔ آٹھ نو میل سفر کرنے کے بعد یہ بھی انہی پہاڑی سلسلوں تک پہنچ گئے جہاں تموجن اپنی قلیل تعداد کے ساتھ اپنے منہ بولے دشمن باپ کا انتظار کر رہا تھا۔

تموجن نے اپنے جوانوں کو ادھر ادھر پھیلا رکھا تھا اور یہ لوگ اپنے گھوڑوں سمیت آرام بھی کر چکے تھے۔ جب کہ طغرل خان اور اس کے ساتھی آٹھ نو میل سفر کرنے کے بعد کسی قدر تھکے ہوئے بھی تھے۔ گھوڑوں کی چلت پھرت میں بھی فرق آگیا تھا۔ یہاں بھی تموجن نے تو غمہ کا سہارا لیا۔ یہ اس کا اپنا ایجاد کردہ طریقۂ جنگ تھا۔ تموجن کی فوج کا کچھ حصہ شکست اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ طغرل خان نے اس کا پیچھا کیا۔ اسی دوران تموجن کی فوج کا بقیہ حصہ چکر کاٹ کے طغرل خان کے پیچھے پہنچ گیا۔ اس حصے کی کمان گلدار کے ہاتھ میں تھی اور بلند پہاڑی بجتہ طغرل خان کے قبضے میں تھی۔

تموجن نے گلدار کو حکم دے رکھا تھا کہ نہ صرف پیچھے سے طغرل پر حملہ کر دیا جائے بلکہ بجتہ پہاڑی پر یاک کی نو دُموں والا پرچم بھی نصب کر دیا جائے۔ اس کا طغرل خان پر بہت برا نفسیاتی اثر پڑے گا۔

تموجن کی جنگی تجاویز پر نہایت بہادری اور چالاکی سے عمل کیا گیا۔ شکست خوردہ منگول اچانک پلٹ پڑے اور تعاقب کرنے والوں پر حملہ آور ہو گئے۔ طغرل خان کے سپاہی پیچھے ہٹے تو وہاں بھی منگول موجود تھے اور عقب سے ایک بھرپور حملہ کر دیا گیا۔ اسی دوران طغرل خان کی نظریں بجتہ پہاڑی پر پڑیں۔ وہاں تموجن کا پرچم لہرا رہا تھا۔ طغرل خان پر ایسی بوکھلاہٹ طاری ہوئی کہ اس نے اپنے سپاہیوں کو فوراً پسپائی کا حکم دیا۔ تموجن بھی طغرل خان کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے حکم پر منگولوں نے طغرل خان اور اس کے ساتھیوں کو واپس جانے کا راستہ دے دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے جنگ ختم ہو گئی۔ اور یہ جنگ حیرت انگیز طور پر تموجن نے جیت لی تھی۔ تموجن کے ساتھیوں کو اپنی جیت پر یقین نہیں آیا کیونکہ قرایت کے علاقے میں منگولوں کی قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود جیت جانا ایک حیرت انگیز کارنامہ تھا جب کہ جی

نویان اور سوبدائی بہادر بھی اس جنگ کے خلاف تھے لیکن ایک چھوٹا سردار گلدار جنگ کے حق میں تھا اور تموجن نے اس کی تائید کردی تھی۔

جنگ جیتنے کے بعد اپنی وادی کی طرف واپس جاتے ہوئے تموجن نے اپنے سرداروں سے پوچھا "کچھ جانتے ہو کہ ہم نے یہ ناقابلِ یقین فتح کس طرح حاصل کرلی؟"

سوبدائی بہادر حیران تھا "کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

تموجن نے کہا "صرف اس لئے کہ جو میں سوچ رہا ہوں وہی تم سب سوچ رہے ہو۔ جو میں چاہتا تھا وہی تم سب چاہتے تھے۔ تم سب کے متضاد دل و دماغ میں 'میں' سما گیا ہوں۔ میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ جس طرح ہمارے سروں پر ایک نیلا جاودانی آسمان ہے اسی طرح روئے زمین پر دنیا بھر کی قوموں کا ایک آقا ہونا چاہئے۔ یہ دشوار کام میں کرکے دکھاؤں گا۔"

اس شکست کو طغرل خان کے ساتھیوں نے اپنی فتح قرار دیا۔ وہ یہ کہتے پھر رہے تھے کہ ہم نے ایک بہت بڑی مصیبت کو اپنے سروں پر مسلط نہیں ہونے دیا اور تموجن کو اپنے علاقوں سے نکال باہر کیا۔ تموجن خود بھی ایک پہلو سے اپنی اس جیت کو ہار سمجھ رہا تھا۔ اس کو نہایت ذلت سے طغرل خان کے علاقے سے نکالا گیا تھا۔ اس کے بہت سے خیمے اور گاڑیاں طغرل خان کے قبضے میں چلی گئی تھیں۔ دودھ اور اناج کا بیشتر ذخیرہ بھی پیچھے رہ گیا تھا۔ اس کے پاس مویشی تھے لیکن اگر وہ انہیں ذبح کرکے کھاتا تو چند دنوں کے بعد وہ کیا کرتا۔ اس نے فوری طور پر شکار کا منصوبہ بنایا تاکہ اس کے ساتھی بھوکے نہ رہیں اور ان کے دل بھی غموں سے نجات پالیں۔

یہ لوگ واپس جاتے ہوئے شکار بھی کھیلتے رہے' آپس میں ہنسی مذاق بھی کرتے رہے لیکن خود تموجن کا غصہ کسی طرح کم نہ ہو رہا تھا۔ اسے اونگ خان پر رہ رہ کر غصہ آرہا تھا جو دوسروں کے ورغلانے میں آگیا تھا مگر وہ اپنے اس غصے کا اظہار دوسروں کے سامنے نہیں کرسکتا تھا۔ صرف جبی نویان اور سوبدائی بہادر سے اس نے کہا "میں نے اس بوڑھے کو اپنا باپ بنایا اور اس وقت اس کی مدد کی جب وہ خونخوار تاتاریوں سے جنگ کرنے نکلا تھا۔ اس کے آدمیوں نے میرے ساتھیوں کی تذلیل کی اور میدان جنگ سے انہیں جو کچھ ملا تھا اس کا بیشتر حصہ خود ہڑپ کرگئے۔ میں نے اس پر اعتماد کیا۔ اس نے مجھ سے دھوکا کیا۔ اس نے زمین پر ایک آقا کے تصور کا مذاق اڑایا۔ حالانکہ اب میں کہتا ہوں کہ پہلے اس وادی میں یہ فیصلہ ہو جانا چاہئے کہ یہاں حکومت کون کرے گا۔ اونگ خان یا تموجن؟"

سوبدائی بہادر نے آہستہ سے کہا "لیکن قرایت قوم بہت مضبوط ہے اور ہم ان کے مقابلے میں بہت کمزور ہیں۔"

تموجن نے غصے میں جواب دیا "اونگ خان بوڑھا ہو چکا ہے۔ اس کے دل و دماغ بھی ناکارہ ہو چکے ہیں۔ کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے دوسروں کے دل و دماغ سے کرتا ہے۔ وہاں کوئی سردار نہیں' وہاں کوئی خان نہیں۔ اس لئے قوم قرایت بہت کمزور ہے لیکن میں اونگ خان کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہوں۔ اب میں قوم قرایت کے خلاف' اونگ خان کے خلاف اور اس کے ساتھ جتنے حلیف ہیں ان سب کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔"

اب جبی نویان اور سوبدائی بہادر میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ کسی قسم کے اختلاف کی بات کرتے کیونکہ تموجن نے بار بار یہ واضح کردیا تھا کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں متضاد دل و دماغ کو ایک ہی دل و دماغ کا تابع ہونا چاہئے۔

یہ لوگ شکار کھیلنے میں مشغول ہوگئے اور شکار کھیلتے کھیلتے یہ اپنی زمینوں پر پہنچ گئے۔ دریائے کیرولان اور دریائے انگوڈا کی درمیانی وادی میں۔ جبکہ تموجن اس وادی کو تین دریاؤں کی درمیانی وادی کہتا تھا۔ کیونکہ دریائے انگوڈا کے پاس ہی ایک تیسرا دریا بھی بہتا تھا۔ دریائے امور۔ یہ ٹھیک اسی جگہ سے نکلا تھا جہاں سے دریائے انگوڈا نکلا تھا لیکن کچھ دور مغرب میں بہنے کے بعد اس نے اپنا رخ جنوب میں کرلیا تھا اور اسی کے پچھلے مشرقی حصے میں دریائے کیرولان کا سنگم تھا۔ اس طرح تموجن کی نظروں میں اس کی وادی تین دریاؤں کے درمیان واقع تھی۔ اور اس بہت بڑی وادی کا وہ خود کو بلا شرکتِ غیرے مالک سمجھتا تھا۔ اسے یہ بات بالکل پسند نہ تھی کہ کوئی اور خان یا کوئی اور سردار اس وادی میں اس کی ہمسری کرے۔

اپنی زمینوں میں پہنچنے کے بعد اس نے اپنی ماں کو طغرل خان کی غداری کا قصہ سنایا اور یہ بھی بتایا کہ نملیک کی سازشوں کا جال کہاں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس نے ماں سے مشورہ کیا "کیا مجھے تب تنگری کی طرح نملیک کا قصہ بھی ختم کردینا چاہئے؟"

اولون نے پوچھا "نملیک کے بعد اس کے چھ بیٹوں کا کیا کرے گا؟"

تموجن نے جواب دیا "انہیں بھی قتل کروادوں گا۔"

اولون نے مزید سوال کیا "ان کے دوسرے عزیز اور رشتے دار بھی یہاں موجود ہیں جو نملیک اور اس کے بیٹوں سے محبت کرتے ہیں' ان کا کیا کرے گا؟"

تموجن نے جواب دیا "پہلے میں ان سب کی فہرست تیار کرلوں گا اور پھر ان سب کو بھی قتل کروادوں گا۔"

اولون ہنسنے لگی اور کہا "احمق لڑکے! اس فہرست کے ساتھ تجھے کئی اور فہرستیں بھی تیار کرنا ہوں گی۔ نملیک کے عزیزوں اور رشتے داروں کی فہرستیں اور ان رشتے داروں کے رشتے داروں کی فہرستیں اور پھر ان کے حامیوں کی فہرستیں۔ اس طرح تو تو اپنے اردو کا زیادہ حصہ قتل اور خون خرابے میں ضائع کردے گا پھر تو خانی کس پر کرے گا؟"

تموجن نے کہا "پھر میں کیا کروں۔ میری عقل کام نہیں کررہی

ہے۔"

اولون نے جواب دیا "تو ان سب کے دل و دماغ جیتنے کی کوشش کر۔ وادی کے تمام سرداروں کو بلوا' ان سب کو طغرل خان کی دھوکا دہی کی خبر دے اور انہیں بتا کہ اگر وہ اب بھی متحد نہ ہوئے اور تجھ کو اپنا خان تسلیم نہ کیا تو قوم قرایت ان سب کو برباد کردے گی۔ یہ وادی ان کے قبضے میں چلی جائے گی اور تاتاریوں کی طرح وہ بھی خنگان کے جنگلوں میں بھٹکتے پھریں گے۔"

ماں کا مشورہ بہت مناسب تھا اور تموچن نے یہ قطعی اور حتمی فیصلہ کرلیا کہ وہ اپنی پوری توجہ طغرل خان کی بربادی پر مرکوز کردے گا۔ نملیک اور اس کے چھ بیٹوں سے بہتر سلوک کرے گا اور ان کے دل جیتنے کی کوشش کرے گا اور اپنوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

O☆O

ہر طرف سوار دوڑا دیے گئے کہ جیسے ہی برف پگھلنی شروع ہو تمام علاقوں کے سردار کیرولان کی وادی میں پہنچ جائیں کیونکہ اس وادی پر جو آفت و بربادی کے بادل منڈلا رہے ہیں ان سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ سب مل جل کے آفت کا مقابلہ کریں۔ اب ایک ایسے خان کی ضرورت ہے جو سب کا آقا ہو' جو سب سے زیادہ عقل مند ہو' جس کا حکم سب پر چل سکے۔

جبی نویان' سوبدائی بہادر' یسوتائی اور گلدار سبھی حرکت میں آگئے۔ یہ پیغام ان قبائل کو بھی بھیجا گیا تھا جو کسی نہ کسی طرح تموچن سے شکست اٹھا کے بھاگ چکے تھے۔

پھر جیسے ہی برف پگھلنی شروع ہوئی' قبائلی سرداروں نے اپنے اپنے مسکن چھوڑ دیے اور وادیٔ کیرولان کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان میں بورجیجن قبیلے کے بھوری آنکھوں والے پیش پیش تھے۔ تموچن خود بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اور اس کی آنکھیں بھوری تھیں۔ بورجیجن کے لوگ اس کے سب سے زیادہ حامی و مددگار تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے پوری وادی خیموں سے اٹ گئی۔ رنگ برنگے خیمے اور لمبے چوڑے اور چھوٹے چوڑے چکلے سینوں والے سردار اپنی اپنی کمر پیٹیوں سے کسے ہوئے سرگرم عمل نظر آنے لگے۔ ان میں تائی جوت کے لوگ بھی موجود تھے اور یہ سارے ہی صحرائے گوبی کے مشرقی حصوں کے قبائل تھے اور اس وقت ان سب کے دل و دماغ پر یہ عصبیت کارفرما تھی کہ مغرب کے طغرل خان نے انہیں للکارا ہے اور قرایت کے لوگ انہیں غلام بنانا چاہتے ہیں۔

تموچن کا خیمہ بظاہر گول تھا لیکن اس میں وسعت بہت زیادہ تھی اور یہ میلوں دور سے سفید ہونے کی وجہ سے ایسا لگتا تھا جیسے دن کی روشنی میں ہلکی روشنی والا چاند زمین پر اتر آیا ہو۔

اس گول خیمے کے چاروں طرف آنے والے سرداروں کے گھوڑوں کے لئے خاصی جگہ رکھی گئی تھی۔ سردار اپنے گھوڑوں سے اترتے اور ان کے سائیس ان کے گھوڑے لے جاکر ان کی مقررہ جگہ پر باندھ دیتے۔

خیمے کے اندر تموچن کے قریب بغورچی بیٹھا ہوا تھا اور اس سے کسی قدر دور سوبدائی بہادر اور جبی نویان بیٹھے تھے۔

آنے والے سرداروں کو بغورچی کے بارے میں جستجو ہوئی تو انہیں بتایا گیا کہ تموچن اپنے محسنوں کو بڑی عزت دیتا ہے۔

یہاں نملیک اور اس کے چھ بیٹے بھی موجود تھے لیکن انہیں تموچن سے بہت دور رکھا گیا تھا۔

جب سارے سردار اس خیمے میں جمع ہوگئے اور تموچن کو یہ یقین دلا دیا گیا کہ صحرائے گوبی کے مشرقی علاقوں کا ہر سردار خیمے میں موجود ہے تو تموچن نے ان سب کو اپنی روداد سنائی اور کہا "طغرل خان سے مل کے میں نے یہ کوشش کی تھی کہ مشرق و مغرب مل کے فصیلوں والے ملکوں میں داخل ہوجائیں اور وہاں کے مال و زر' سامان اور اجناس سے اپنی اپنی قوم کو آسودہ کردیں۔ میں نے تاتاریوں کے مقابلے میں طغرل خان کی مدد کی۔ دنیا جانتی ہے کہ گاڑی میں دو پہیے ہوتے ہیں۔ طغرل خان کی گاڑی میں ایک پہیہ تھا' دوسرا پہیہ میں بن گیا۔ جب تاتاری مقابلے سے بھاگ نکلے اور ان کا کچھ سامان طغرل خان کے ہاتھ آیا تو اس نے وہ سب اپنے آدمیوں میں تقسیم کردیا۔ حالانکہ میں نے اسے اپنا منہ بولا باپ کہہ دیا تھا۔ اس باپ نے مجھ سے دھوکا کیا۔ اپنی گاڑی کا ایک پہیہ نکال پھینکا اور اب وہ ایک پہیے والی گاڑی میں بیٹھ کر ہم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ ہمیں ہماری وادی سے بے دخل کردینا چاہتا ہے۔ اس کی نظریں مشرقی وادیوں پر ہیں لیکن جب تک میں موجود ہوں' گاڑی کے ایک پہیے والا طغرل خان کامیاب نہیں ہوسکتا۔"

کسی تائی جوت سردار نے طنزاً کہا "تموچن! اس وقت تو بھی تو ایک پہیے والی گاڑی سے طغرل خان کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔"

تموچن نے فوراً جواب دیا "درست ہے' میں نے تم سب کو اس قرولتائی میں اسی لئے بلایا ہے کہ میری گاڑی کا دوسرا پہیہ تم لوگ بن جاؤ۔"

اسی تائی جوت سردار نے کہا "قرایت قوم بہت طاقتور ہے پورا قراقرم' وادی قراقرم اور ملک خطا سے جانب مغرب جانے والی شاہراہ پر طغرل خان کا قبضہ ہے۔ چین کا سنگ خاندان بھی اس سے ڈرتا ہے پھر ہم اس سے کس طرح لڑیں گے اور اسے کس طرح شکست دیں گے۔"

تموچن نے تائی جوت سردار سے پوچھا "اچھا پھر تو ہی بتا کہ ہمیں اس طاقتور دشمن کے خلاف کیا کرنا چاہئے؟"

تائی جوت سردار نے جواب دیا "ہمیں طغرل خان اور اس کے بیٹوں کو اپنا خان تسلیم کرلینا چاہئے۔ اس طرح ہم اس کی سرپرستی میں چلے جائیں گے اور اس کی غلامی سے بچ جائیں گے۔"

تموچن نے کہا "غلط' بالکل غلط۔ میں اس کا منہ بولا بیٹا بن کے

بھی اس کی سرپرستی حاصل نہ کر سکا اور اس نے مجھے دھوکا دیا۔"

ایک بورجیگن نسل کا سردار اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور تموجن سے پوچھا: "یہ قرولتائی آخر کس مقصد سے منعقد ہوئی ہے؟"

بتوچی اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور جواب دیا "ہم سب کے لئے کسی ایک خان کا انتخاب۔ اور تموجن اس کا اہل ہے کہ ہم سب کا خان کہلائے۔"

ایک سوچے سمجھے منصوبے اور طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق اسی وقت قبیلے کا سب سے بڑا شامان کسی کی اجازت کے بغیر اندر داخل ہوا اور اعلان کیا "میں تم سب کو ایک شاندار خوشخبری سناتا ہوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ نیلے جاودانی آسمان کی طاقت اس شخص پر نازل ہوئی ہے۔ یہ آسمان کی طرف سے زمین کا آقا مقرر کیا گیا ہے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کا نیا نام چنگیز خان ہو گا۔ چنگیز خان یعنی سرداروں کا سردار۔ سارے عالم کا شہنشاہ۔"

اب کسی میں بھی یہ ہمت نہ تھی کہ وہ شامان کے قول کی نفی کرتا۔ بورجیگن نسل کے لوگ بہت خوش تھے۔ انہوں نے درخواست کی "تموجن، تجھے اپنا یہ نیا منصب اور یہ نیا خطاب قبول کر لینا چاہئے۔"

تموجن جو اب چنگیز خان بن چکا تھا، کھڑا ہوا اور کہا "جو کچھ شامان نے کہا ہے، کیا میں یہ ساری باتیں تم سے پہلے ہی نہیں کہہ چکا ہوں، اور ایک نیلا جاودانی آسمان، نیچے روئے زمین پر اقوام عالم کا ایک شہنشاہ، دنیا بھر کے انسانوں کا ایک آقا۔ میں نے اپنا نیا نام چنگیز خان قبول کیا۔ اب میں تمہیں ایک قانون بھی دوں گا۔"

تائی جوت والے اب بھی دبے دبے لفظوں میں اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ ایک سردار نے کھڑے ہو کر آہستہ سے پوچھا۔ "لیکن چینی حکومت نے یعنی منگ خاندان کے بادشاہ نے طغرل خان کو اونگ خان کا خطاب دے رکھا ہے۔ یعنی خانوں کا سردار اور ابھی تک یہ فیصلہ ہونا باقی ہے کہ تموجن اور اونگ خان میں بڑا کون ہے؟ القاب و خطاب تو ملتے ہی رہتے ہیں لیکن ان کے اہل کتنے ثابت ہوتے ہیں۔"

چنگیز خان نے اعلان کیا "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ قوم قرایت پر حملہ کر کے میں طغرل خان کو یہ بتا دوں گا کہ وہ اونگ خان نہیں ہے۔"

تائی جوت سردار نے چنگیز خان کے اس فیصلے سے اختلاف کیا اور کہا "اس طرح تو ہم ایک نئی مصیبت مول لے لیں گے۔"

چنگیز خان نے کہا "میں طغرل خان کو ہرگز یہ موقع نہیں دوں گا کہ وہ ہماری زمینوں پر آ کر ہم سے جنگ کرے۔ یعنی وہ جارحانہ جنگ کرے، اور ہم مدافعانہ جنگ لڑیں۔ اب میں اس کے علاقوں پر جارحانہ یلغار کروں گا اور وہ مدافعانہ جنگ لڑے گا۔ میں تمہارے دلوں سے اس کی دہشت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکال دوں گا۔"

خیمے کے سارے سردار چند تائی جوت سرداروں کے سوا چنگیز خان سے متفق تھے لیکن دکھانے کے لئے تائی جوت سرداروں کو بھی ان سب سے متفق ہونا پڑا۔ اسی موقع پر چنگیز خان نے اعلان کیا "قوم قرایت اور طغرل خان کو شکست دینے کے بعد میں تم سب کو یاسا دوں گا یعنی ایک قانون۔ تم سب اس قانون کے دائرے میں رہ کر زندگیاں بسر کرو گے۔ اور تمہیں میری پیدائش کے سلسلے میں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ میں چینیوں کی جنتری کے مطابق سؤر والے سال میں پیدا ہوا تھا اور میں اپنے قول و عمل سے اپنے سن پیدائش کی صداقتوں کو ثابت کر دکھاؤں گا۔ سؤر اپنے دشمن پر حملہ کرتے وقت بہت خطرناک ہوتا ہے۔ بہت کم تھکتا ہے اور اس کی نسل بہت بڑی ہوتی ہے۔ وہ شرم و حیا اور غیرت جیسی کمزوریوں سے پاک ہوتا ہے۔"

اولون بے حد خوش تھی کہ آخر کار اس کا بیٹا چنگیز خان بننے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ قرولتائی نے سفید گول خیمے میں بیٹھ کے جو فیصلہ دیا تھا اس کا ڈھول پیٹ پیٹ کے اور گویوں نے یک تارے پر گا گا کے ہر طرف اعلان کر دیا۔ چنگیز خان کے اردو میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف نیلے جاودانی آسمان کے جے کارے لگ رہے تھے لیکن چنگیز خان نے طغرل خان کے خلاف حملے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس سے کافی لوگ متفق نہیں تھے۔ طغرل خان اور اس کی قرایت قوم کی ہیبت ان کے دل و دماغ پر طاری تھی۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ منگ خاندان کے جس بادشاہ نے طغرل کو اونگ خان کا خطاب دیا ہے وہ طغرل خان کی مدد بھی کر سکتا ہے۔ اور پھر کہیں قرایت قوم چینیوں کی مدد سے مشرقی علاقے پر قابض نہ ہو جائے۔

چنگیز خان بھی اس خطرے کو پیش نظر رکھتا تھا اور اسی لئے وہ طغرل خان کے خلاف جو کچھ کرنا چاہتا تھا اس میں عجلت اور رازداری کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اگر یہ سب کچھ اچانک کر دیا جائے تو طغرل خان چینی حکومت سے مدد نہیں حاصل کر سکے گا۔ اور اگر کسی طرح چینی حکومت کو یہ معلوم بھی ہو جائے کہ ان کے اونگ خان پر باغی دشمن یہ سالار نے حملہ کر دیا ہے تو یہ مصلحت اندیش شہری دیوار چین سے باہر نہیں آئیں گے اور اونگ خان ان کی مدد کے بغیر مارا جائے گا۔

جن لوگوں نے اسے چنگیز خان مقرر کیا تھا انہوں نے چنگیز خان کو ایک عصا بھی دیا تھا۔ یہ عصا حکمرانی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ جن قبائلی سرداروں نے متمدن دنیا دیکھی تھی ان کا کہنا تھا کہ یہ عصا بادشاہوں اور شہنشاہوں کے ہاتھ میں ہمیشہ دکھا گیا ہے۔ انہی لوگوں نے چنگیز خان کو عصا دیتے ہوئے کہا "اب تو ہمارا بوگدو یعنی جاودانی نیلے آسمان کی طرف سے ہمارا آقا ہے۔"

چنگیز خان نے یہ عصا قبول کر لیا اور کہا "اب تم سب میرا حکم مانو گے۔ میں جو کہوں گا اسے قانون سمجھو گے، میں جو سرداروں کا اپنی قسمت سمجھو گے کیونکہ میں تمہارا بوگدو ہوں۔"

یہ سخت سردیوں کا موسم تھا۔ طے یہ پایا کہ جب دوبارہ برف

پگھلنے لگے گی تو جملہ سردار اپنی اپنی فوجیں لے کر چنگیز خان کے پاس پہنچ جائیں گے اور چنگیز خان ان سے کیا کام لے گا اُس کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ قبائلی سردار کچھ عرصہ آرام کرنے کے لئے اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے اور وہاں برف پگھلنے کا انتظار کرنے لگے۔

بجورچی' سوبدائی بہادر' جبی نویان' یسو تائی اور گلدار جانتے تھے کہ جس اونگ خان نے چنگیز خان سے دھوکا کیا تھا اب وہ چنگیز خان کا پہلا ہدف ہوگا۔ وہ اس حملے سے مطمئن نہیں تھے۔ چونکہ اونگ خان کی قوت مسلمہ تھی اور وہ تنہا نہیں تھا۔ چینی حکومت بھی اس کے ساتھ تھی لیکن جب ایک بار یہ بات طے پا گئی کہ سارے دل و دماغ ایک ہی دل و دماغ کے تابع ہیں تو اب وہ مشورتاً بھی چنگیز خان سے اختلاف نہیں کر سکتے تھے اور چنگیز خان نے ان سب کو بتا دیا تھا کہ وہ اونگ خان کا انتظار نہیں کرے گا۔ جن زمینوں پر اس کے منہ بولے باپ نے دھوکا کیا تھا اسی زمین پر اسے اس کی دھوکا دہی کی سزا دی جائے گی۔

برف پگھلنی شروع ہو گئی اور قبائلی سردار اپنی اپنی قوموں کے ساتھ چنگیز خان کے پاس پہنچنا شروع ہو گئے۔

اب جھیل بیکال کے چاروں طرف کا علاقہ دو حریفوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ مغربی لوگ اونگ خان کے ساتھ تھے اور مشرقی علاقوں کے لوگ چنگیز خان کے پرچم تلے۔

وقت ضائع کئے بغیر چنگیز خان نے حرکت کی اور اونگ خان کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی سستی سے تغلیک اور اس کے بیٹے فائدہ اٹھا جائیں اور اس اچانک یلغار کی خبریں قبل از وقت اونگ خان کو پہنچ جائیں۔

اونگ خان کا علاقہ چنگیز خان کا دیکھا بھالا تھا اور اس بار اس نے جس پہاڑی سلسلے کو اپنا ہدف مقرر کیا تھا وہ اونگ خان کے شہر سے بہت قریب تھا۔ وہ رات کے سناٹے میں اس پہاڑی کے پیچھے پہنچ گیا اور چرواہوں کے ذریعے یہ افواہ پھیلا دی کہ چنگیز خان اونگ خان پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ ان افواہوں سے بھی بڑھ کے دوسرا اہم کام یہ کیا کہ اس نے اپنے ایک تیز طرار آدمی کو اونگ خان کے پاس روانہ کیا۔ یہ شخص بظاہر چنگیز خان کے خلاف تھا اور اس نے اونگ خان کے خلاف جنگ میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تھا۔ دربانوں نے اس ناراض شخص کو اونگ خان کی خدمت میں پیش کر دیا۔

اونگ خان کو یہ بھن گن تو مل چکی تھی کہ چنگیز خان اس سے جنگ کرنا چاہتا ہے لیکن ان افواہوں پر اس نے یقین نہیں کیا تھا لیکن جب یہ ناراض منگول اونگ خان سے ملا اور اس نے یہ تصدیق کر دی کہ اب تموجن چنگیز خان بن چکا ہے' مشرق کے تمام قبائلی سرداروں نے اس کو اپنا بوگدو تسلیم کر لیا ہے اور وہ طاقت کے نشے میں اونگ خان پر واقعی حملہ آور ہونے والا ہے تو اونگ خان کو اپنے منہ بولے بیٹے پر بے حد غصہ آیا اور اس نے بھی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مکار منگول نے اونگ خان سے درخواست کی۔ "آپ اپنا ایک ہراولی دستہ میرے سپرد کریں۔ میں اس کی مدد سے ان راستوں کی نگرانی کروں گا جن سے چنگیز خان آپ کے علاقوں میں داخل ہو سکتا ہے۔"

اونگ خان بھی کوئی نادان' ناتجربے کار اور غیر مآل اندیش حکمران نہیں تھا۔ اس نے پوری تیاری کی اور ایک ہراولی دستہ اس دغاباز منگول کے ساتھ کر دیا اور خود ایک بڑے لشکر کے ساتھ اپنے بیٹوں کے ہمراہ شہر سے باہر آ گیا۔

یہ منگول ہراولی دستے کے ساتھ اسی پہاڑی کی طرف چل پڑا جس کے پیچھے چنگیز خان پہنچ چکا تھا۔ فریبی منگول آگے آگے چل رہا تھا اور اتفاق کی بات کہ وہ جیسے ہی پہاڑی کے پاس پہنچا اسے چنگیز خان کا لشکر دور ہی سے صاف نظر آنے لگا۔

چنگیز خان کے آدمیوں نے اپنے عیار ساتھی کو دیکھ لیا تھا۔ جب کہ یہ عیار ساتھی اچانک اپنے سامنے چنگیز خان اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ ہراولی دستہ چنگیز خان کے لشکر کو دیکھ لے تو کچھ تو جنگ میں الجھ جائے اور باقی اونگ خان کو خبر کرنے قوم قرابت میں پہنچ جائے۔ یہ منگول اپنے گھوڑے سے اتر کے اس کے سم دیکھنے لگا۔ ہراولی دستہ پیچھے ہی رک گیا۔ کسی نے پوچھا "تیرے گھوڑے کو کیا ہو گیا؟"

منگول نے جواب دیا "کسی سم میں کوئی پتھر کا ٹکڑا پھنس گیا ہے۔ اس سے میرا گھوڑا لنگڑا رہا ہے۔"

منگول کافی دیر تک اپنے گھوڑے کے پاؤں اٹھا اٹھا کے سم میں پھنسا ہوا پتھر کا ٹکڑا تلاش کرتا رہا اور اس عرصے میں چنگیز خان کا ہراول دستہ اس کے عقب میں پہنچ گیا اور ان غافلوں کا چشم زدن میں صفایا کر دیا۔

اونگ خان اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر آ چکا تھا اور اپنے شاندار خیمہ و خرگاہ پر بیٹھا اپنے ہراولی دستے کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا اور جب یہ بدحواس بچے کھچے ہراولی کے لوگ اس کے پاس واپس پہنچے تو ان کے پیچھے پیچھے چنگیز خان بھی ان کے سر پر پہنچ چکا تھا۔

اونگ خان سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چنگیز خان اتنی جلدی اس کے سر پر پہنچ جائے گا۔ شاید زندگی میں پہلی بار اونگ خان اتنا پریشان ہوا ہو گا۔ اس نے بدحواسی میں چنگیز خان کا مقابلہ کرنا چاہا مگر اونگ خان کا بیٹا باپ کو بچانے کے لئے درمیان میں آ گیا۔ خود بھی زخمی ہوا اور اونگ خان کو بھی زخم آئے۔ اونگ خان کو بہت جلد یہ اندازہ ہو گیا کہ اگر اس نے کچھ دیر مقابلہ جاری رکھا تو وہ مارا جائے گا۔ چنگیز خان کی عاجلانہ پیش قدمی' جارحانہ یلغار اور انتہائی خوفناک غیر متوقع حملہ آوری نے اونگ خان کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ اگر اس نے اس جنگ میں رکنے اور مقابلہ جاری رکھنے کی

حکمتِ عملی جاری رکھی تو وہ خود مارا جائے گا۔

اس نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا "بظاہر ہم یہ چھوٹی سی جنگ ہار چکے ہیں۔ شہر واپس چلو اور سوچ سمجھ کے اس مغل دغا باز سے جنگ کی تیاری کرو۔"

اونگ خان اور اس کے بیٹے بدحواسی میں اپنا سب کچھ چھوڑ کے پیچھے ہٹ گئے اور سب سے پہلے چنگیز خان نے اونگ خان کے قیمتی خیمے اور خرگاہ پر قبضہ کرلیا۔ چنگیز خان کے ساتھی اس اچانک فتح پر اتنے خوش ہوئے کہ وہ ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے پھر رہے تھے۔ اونگ خان کو بھی شکست دی جاسکتی ہے، زندگی میں بھی انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔

چنگیز خان کا حکم تھا کہ قوم قرایت کے لوگ جتنے زیادہ گرفتار کئے جاسکیں گرفتار کرلئے جائیں۔ اب ان کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ خود چنگیز خان اپنے گھوڑے سے نہیں اترا اور اس پر سوار اونگ خان کے خیمے میں داخل ہوا۔ یہ نہایت پُر تکلف خیمہ تھا۔ خیمے میں ہر طرف تعیش کا سامان بکھرا پڑا تھا۔ چینی برتن، شراب کے پیالے اور جام، تلواریں جن کے قبضوں پر ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ سونے چاندی کے ٹکڑے۔ چنگیز خان کو چینی پلیٹیں بہت پسند آئیں۔ اس نے انہیں اپنے لئے الگ کرلیا۔ بقیہ چیزیں اپنے ساتھیوں میں تقسیم کردیں۔ یہاں سے وہ خرگاہ میں داخل ہوا۔ خرگاہ سامان سے اٹی پڑی تھی اور چنگیز خان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ میدانِ جنگ میں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ خرگاہ کا سامان بھی سپاہیوں میں تقسیم کردیا گیا۔ چنگیز خان اپنے ایک ایک فعل اور ایک ایک عمل سے اپنے ساتھیوں کو یہ باور کراتا جارہا تھا کہ اسے اپنے لئے کچھ بھی نہیں چاہئے اور اسے جنگوں سے جو کچھ مل رہا ہے وہ سپاہیوں کا حق ہے۔ اس طرح وہ ان وحشیوں کے دل و دماغ پر قبضہ کرتا چلا گیا۔

ابھی اونگ خان زندہ تھا اور اس کے قلب کا لشکر بھی موجود تھا۔ چنگیز خان کو ان دونوں کی فکر تھی کہ جب تک اونگ خان اور اس کا قلب موجود تھا کوئی بھی فاتح خود کو فاتح نہیں کہہ سکتا تھا لیکن چنگیز خان کی شکی اور تجسس پسند طبیعت یہاں نملیک اور اس کے بیٹوں کو تلاش کررہی تھی۔ اس کی ساری خبریں معلوم نہیں کس طرح اونگ خان تک پہنچ جایا کرتی تھیں۔

چنگیز خان نے شہر کی دیواریں گروادیں جس سے دونوں زخمی باپ بیٹے شدید مقابلہ کئے بغیر ہی فرار ہوگئے۔ اب اونگ خان کا قلب اونگ خان کے بغیر بیکار ہوچکا تھا۔ یہ لوگ اپنے گلے میں ہتھیار لٹکائے چنگیز خان کے سامنے کھڑے تھے اور درخواست گزار تھے "اب تک ہم قرایت کے لوگ اونگ خان کے وفادار تھے کیونکہ اس نے ہمارے جان و مال کی ذمے داری قبول کر رکھی تھی۔ لیکن اب وہ ہم میں موجود نہیں ہے اور ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ نے اپنی قوم کو متحد کیا، اسے حوصلہ بخشا اور انہیں فکرِ معاش کی طرف سے آزاد کردیا۔ اس لئے اب قوم قرایت آپ کے پرچم تلے کام کرے گی۔"

چنگیز خان نے کہا "میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ ہمارے سروں پر ایک جاودانی نیلا آسمان ہے اسی طرح نیچے زمین پر سارے انسانوں کا ایک خان ہونا چاہئے۔"

قلب کے سپاہیوں سے ہتھیار رکھوالئے گئے اور چنگیز خان نے ان سب کے لئے مویشی کٹوائے۔ دیگیں چڑھادی گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اونگ خان کے شہروں پر چنگیز خان کا قبضہ ہوگیا۔

یہ خبریں عالمِ غربت میں اونگ خان اور اس کے زخمی بیٹے کو ملیں تو انہیں اپنی قوم کی بے وفائی کا بے حد دکھ ہوا۔ ایک ترک قبیلے نے ان کو پناہ دے دی۔

یہ ساری خبریں کسی نہ کسی طرح چنگیز خان تک پہنچیں۔ اس کے آدمی اونگ خان اور اس کے بیٹے کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

جب قرایت قوم کھانے میں مشغول ہوگئی تو چنگیز خان نے اونگ خان کے ایک نہایت معتبر مشیر کو تخلیے میں طلب کیا۔ اور اس سے پوچھا "اب تو سچ سچ بتا کہ... تونے ہماری چاکری خلوص سے اختیار کی ہے یا اب بھی تیرے دل میں اونگ خان کے لئے جذبۂ وفاداری موجود ہے۔"

قرایت مشیر نے جواب دیا "اب اونگ خان کہاں جس کے لئے ہمارے دلوں میں جذبۂ وفاداری موجود ہوگا۔ اب صرف تو ہم سب کا آقا ہے اور ہم سب تیرے چاکر ہیں۔"

چنگیز خان نے پوچھا "میری بہت سی باتیں اونگ خان تک پہنچ جایا کرتی تھیں کیا نملیک اور اس کے بیٹوں کی آمدورفت یہاں رہتی تھی؟"

مشیر نے جواب دیا "نہیں۔ نملیک بہت چالاک انسان ہے

اور تب مخبری کے انجام نے اسے اور زیادہ چالاک کر دیا تھا۔ تیرا ایک رشتے کا بھائی یاقوسہ ہے۔ یاقوسہ کو اونگ خان کے پاس بھیج دیا گیا تھا اور اسی کے ذریعے تیری ساری خبریں یہاں پہنچتی رہتی تھیں۔"

چنگیز خان نے پوچھا "اس وقت وہ کہاں ہے؟"

مشیر نے جواب دیا "ہماری قید میں۔ وہ بھاگ نکلنا چاہتا تھا لیکن ہم نے اسے قید کر دیا۔"

چنگیز خان نے حکم دیا "اسے ہمارے سامنے لاؤ۔"

مشیر نے ذرا دیر بعد ہی یاقوسہ کو چنگیز خان کے حوالے کر دیا۔

یاقوسہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اس کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔ اسے... دیکھنے کے لئے ہر کوئی چنگیز خان کے آس پاس پہنچ چکا تھا۔

بغورچی نے ملامت کی "تو تو خان کا رشتے میں بھائی لگتا ہے پھر یہ تو نے کیا کیا؟"

سوبدائی بہادر نے پوچھا "سچ بتا تجھے اپنی ان ذلیل خدمات کا کیا صلہ ملا؟"

یاقوسہ نے جواب دیا "اگر ہم کامیاب ہو جاتے تو مجھے تین دریاؤں کی وادی کا حکمران بنا دیا جاتا۔"

یسو تائی نے ملامت کی "بڑے شرم کی بات ہے کہ جھیل بیکال کے آس پاس آباد قبائل تو تیرے بھائی کو چنگیز خان بنا دیں اور تو اونگ خان کے دسترخوان کے جھوٹے کھانوں کا عادی بنا رہے۔"

چنگیز خان نے کہا "اب تو اپنے لئے خود ہی سزا کا انتخاب کر۔"

یاقوسہ نے کہا "میں نے جو کچھ کیا اپنے فائدے کے لئے کیا اور کامیابی اور ناکامی کام کرنے والوں کا مقدر ہوتی ہے۔ میں ناکام رہا' نہ تو مجھے اس کا کوئی غم ہے نہ کوئی افسوس۔ اگر تو ناکام رہتا اور میں کامیاب ہو جاتا تو میں تجھ کو وہی سزا دیتا جو ان حالات میں چینی دیا کرتے ہیں۔"

چنگیز خان کو معلوم تھا کہ ان حالات میں چینی اپنے غداروں کو کیا سزا دیتے ہیں۔ وہ انہیں فوراً قتل نہیں کرتے بلکہ سزا کا آغاز انگلی کی ایک پور کو کاٹ دینے سے ہوتا ہے۔ ہر روز ایک پور کاٹ کے غدار کو تڑپنے کے لئے قید خانے میں چھوڑ دیتے۔ پہلے ہاتھوں کی انگلیوں کی پوریں کٹتیں اس کے بعد پاؤں کی پوروں کی باری آتی۔ پھر کلائیوں' کہنیوں' ٹخنوں اور گھٹنوں کی باری آتی اور بہت کم سخت جان ایسے ہوتے جو آخیر تک زندہ رہتے ورنہ درمیان میں ہی ان کی موت واقع ہو جاتی تھی۔

اب وہ یہ ساری تفصیل یاقوسہ کی زبان سے سننا چاہتا تھا' پوچھا "چینی اپنے غداروں کو کیا سزا دیتے ہیں؟"

یاقوسہ نے پوری تفصیل بیان کر دی اور کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں نہایت جوان اور کم عقل ثابت ہوا اس لئے میں اذیت کی موت کو ترجیح دے رہا ہوں۔"

چنگیز خان نے کہا "لیکن ہم لوگ چینی قوانین کی پابندی نہیں کرتے۔ میں عنقریب اپنی قوم کو ایک مجموعہ قوانین دینے والا ہوں۔ اس مجموعہ قوانین کا نام ہوگا یاسا۔ اس میں غداری کی سزا بھی موجود ہوگی۔ افسوس کہ تو کوئی عام آدمی نہیں ہے۔ تیرا تعلق بھوری آنکھوں والی بورجیجن نسل سے ہے اور ابھی تک ہم خانوں کی اولاد کو کوئی ایسی سزا نہیں دیتے کہ ان کا خون زمین پر بہے۔ تجھے یا تو گلا گھونٹ کے مار دیا جائے یا پھر قالینوں اور کمبلوں میں لپیٹ کے کچلوا دیا جائے لیکن اس میں بھی خون بہنے کا احتمال پایا جاتا ہے اس لئے تجھے سموروں کے ایک اونچے ڈھیر پہ لٹا کے تیرے اوپر کئی سو سمور ڈلوا دیے جائیں گے اور تو نہایت آسانی سے باعزت موت مر جائے گا۔"

یاقوسہ کو باعزت موت کا یہ طریقہ پسند آیا۔ جب چنگیز خان نے اس کو موت کی سزا کا فیصلہ سنایا تو اس پر اسی وقت عمل درآمد بھی ہوا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اب چنگیز خان اطمینان سے شراب نوشی کرے گا اور اپنے قریبی دوستوں کو اپنے مستقبل کے منصوبے بتائے گا' اونگ خان اور اس کے بیٹے کی گرفتاری کا حکم دے گا لیکن اس نے خلافِ توقع ایک قرایت سردار سے ان دونوں چرواہوں کا پتا پوچھا جنہوں نے بروقت مخبری کر کے اونگ خان سے چنگیز خان کی جان بچائی تھی۔

قرایت سردار ان دونوں چرواہوں سے اچھی طرح واقف تھا' کہنے لگا "لیکن اس وقت اتنی رات گئے ان دونوں چرواہوں کو لانے کا فائدہ؟"

چنگیز خان نے جواب دیا "میں تجھ سے فائدے یا نقصان کی بات نہیں کر رہا۔ میں ان دونوں چرواہوں کو اسی وقت یہاں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

قرایت سردار کا خیال تھا کہ شاید ان دونوں چرواہوں کی بھی شامت آئی ہے اسی لئے وہ ان دونوں کو بلوانے میں لیت و لعل سے کام لے رہا تھا۔ قرایت سردار' سوبدائی بہادر' جبی نویان اور یسو تائی دونوں چرواہوں کے گھر پہنچے۔ اس وقت وہ سوئے ہوئے تھے۔ انہیں جگایا گیا اور بتایا گیا کہ انہیں چنگیز خان نے یاد کیا ہے۔

یہ دونوں گھبرائے ہوئے پریشان حال چنگیز خان کے سامنے پہنچے' وہاں مشعلوں کی روشنی میں جشنِ فتح منایا جا رہا تھا۔ اس بہت بڑے دربار میں دو کم حیثیت چرواہوں کو لے جا کے کھڑا کر دیا گیا۔ چنگیز خان ان کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور دونوں کو نہایت عزت سے اپنے پاس بٹھایا اور حاضرین سے کہا "یہ جو کچھ ہے ان دونوں کے طفیل ہے۔ یہ دونوں میرے محسن ہیں۔ اگر یہ دونوں بروقت اونگ خان کے فریب سے مجھے خبردار نہ کر دیتے تو میں کب کا مارا جا چکا ہوتا اور یہ فتح جس سے تم سب لطف اندوز ہو رہے ہو' ہمیں کبھی میسر نہ آتی۔"

سبھی حیرت زدہ تھے کہ یہ دونوں کم حیثیت چرواہے چنگیز خان کی محفل میں سب سے زیادہ باعزت قرار پائے تھے۔ دونوں چنگیز خان کے بقول اس کے محسن تھے۔ چنگیز خان ان دونوں سے پوچھ

کہا تھا "مجھے بتاؤ" تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

چواہوں نے جواب دیا "آپ نے ہمیں اس وقت جو عزت بخشی ہے اب اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہئے۔"

چنگیز خان نے اونگ خان کے خیمے اور خرگاہ کا ذکر کیا "یہ سب کچھ تمہارا ہے" تم دونوں کا اور تمہیں ہماری طرف سے ترخان کا خطاب دیا جاتا ہے۔ تم اب نسلاً ترخان کہلاؤ گے۔ جتنے مویشی درکار ہوں ہمیں بتاؤ" وہ تمہیں مہیا کئے جائیں گے۔"

دونوں چواہوں نے اسی پر اکتفا کیا جو کچھ انہیں مل گیا۔ وہ مویشی مانگ کے خود کو لالچی کہلوانا پسند نہیں کرتے تھے۔ دونوں چواہے رات بھر چنگیز خان کے قریب رہے۔ صبح انہیں اجازت دی گئی کہ وہ خیمے اور خرگاہ کو جب چاہیں اکھاڑ لے جائیں۔

جب وہ یہ سارے کام انجام دے رہا تھا اس وقت بھی اسے اونگ خان کی یاد آ رہی تھی کیونکہ جب تک اونگ خان زندہ تھا وہ قرایت قوم پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ اب اس نے فی الحال اونگ خان کے شہر کو اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ یہاں کے لوگ کچے پکے مکانوں میں رہتے تھے اور کسی قدر متمدن تھے۔ مکانات کی وضع قطع اور ساخت دیکھ کر ہی مکینوں کی حیثیت کا تعین کیا جا سکتا تھا۔ فی الحال وہ اسی شہر میں رہنا چاہتا تھا۔ کم از کم اس وقت تک جب تک اونگ خان کا پتا نہ چل جائے یا اس کی موت کا یقین نہ ہو جائے۔ اس کام کے لئے اس نے سوبدائی بہادر کا انتخاب کیا۔ اسے منگولوں کا ایک دستہ دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ اونگ خان جہاں بھی ملے اسے گرفتار کر کے چنگیز خان کے سامنے لایا جائے۔

سوبدائی بہادر پہلے تھیان شیان میں آباد ترک قبیلوں میں اونگ خان کو تلاش کرتا رہا پھر وہ قراقرم کے ایک سلسلے میں نکل گیا۔ کسی سے بس اتنا معلوم ہو سکا کہ پریشان حال اور زخمی باپ بیٹے نے کئی ترک سرداروں سے پناہ کی درخواست کی تھی لیکن پرائی آگ میں جلنے کے لئے کوئی بھی تیار نہ تھا۔ یہاں تک کہ دو ترک سرداروں نے کچھ سوچ کے ان دونوں کو پناہ دے دی۔ شاید یہ دونوں ان معزز باپ بیٹوں کو اپنے لئے بہت قیمتی سمجھ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کبھی یہ کوئی مقام حاصل کر سکے اور اپنے علاقوں سے چنگیز خان کو نکال باہر کیا تو قوم قرایت پر ان دونوں کا غیر معمولی احسان ہو جائے گا اور اس وقت یہ دونوں سردار اپنے ماحول میں ایک خاص رعب و دبدبہ حاصل کر لیں گے اور آئے دن کے جھگڑے فساد سے نجات مل جائے گی۔

سوبدائی بہادر ان دونوں تک بھی پہنچ گیا اور اس نے ایک ترک سردار سے کہا "عنقریب جاودانی نیلے آسمان کا بوگدو تمہارے گھروں کی تلاشیاں لے گا اور جہاں سے بھی وہ دونوں ملیں گے' ان دونوں کے ساتھ ہی قبیلے والوں کو بھی بدترین سزائیں دی جائیں گی۔"

یہ دھمکی کام کر گئی۔ دونوں ترک سرداروں نے آپس میں بیٹھ کر مشورہ کیا۔ ایک دوسرے کو سمجھا رہا تھا "دیکھو! ہم ان دونوں کو زیادہ عرصے تک نہیں چھپا سکتے۔ جس طاقت نے اونگ خان کو دربدر کر دیا وہی طاقت یہاں بھی آ سکتی ہے۔ اس وقت ہم کیا کریں گے؟"

دوسرے ترک سردار نے مشورہ دیا "مہمان نوازی ختم۔ اب ان دونوں کو چنگیز خان کے حوالے کر دینا چاہئے۔"

لیکن دونوں پہلے ہی اونگ خان اور اس کے بیٹے کی موجودگی سے انکار کر چکے تھے۔ اب انہیں وہ کس طرح سوبدائی بہادر کے حوالے کر سکتے تھے اس لئے دونوں میں طے یہ پایا کہ انہیں قتل کر کے دونوں کے سروں کے کاسے محفوظ کر لئے جائیں۔

دونوں ترک سردار سوبدائی بہادر کو دلاسے دیتے رہے اور امید ظاہر کی کہ دونوں اونگ خان اور اس کے بیٹے کو تلاش کروا رہے ہیں۔ یہ دونوں جیسے ہی ملیں گے سوبدائی بہادر کے حوالے کر دیے جائیں گے۔

سوبدائی بہادر کو یقین تھا کہ دونوں انہی ترک سرداروں کے قبضے میں ہیں اس لئے اس نے سختی سے کہا "معزز سردارو! ہمیں اختیار دو کہ ہم اپنے دشمنوں کو تمہاری بستی میں تلاش کریں ورنہ ہم یہ سمجھ لیں گے کہ تم دونوں ہم سے کچھ چھپا رہے ہو۔"

دونوں ترک سردار گھبرا گئے اور انہوں نے گھبراہٹ میں اونگ خان اور اس کے بیٹے سے ملاقات کی اور انہیں ڈرایا "چنگیز خان تم دونوں کا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آ چکا ہے۔ اب بتاؤ تم دونوں کیا چاہتے ہو؟"

اونگ خان گڑگڑانے لگا "ترک سردارو! میں زخمی بھی ہوں اور بوڑھا بھی۔ اگر تم دونوں ہمیں مزید پناہ نہیں دے سکتے تو ہمیں یہاں سے کہیں اور جانے دو۔"

ایک ترک سردار نے کہا "تم دونوں ہمارے لئے باعث عزت ہو۔ زندہ رہو یا مر جاؤ' دونوں ہی صورتوں میں تم سے ہماری عزت دوبالا رہے گی۔"

اس کے بعد ترک سردار نے اونگ خان کو اس کے بیٹے سے

الگ کیا اور کہا "تیرا سر میرے لئے شراب پینے کا پیالہ بن سکتا ہے۔ میں اس پر چاندی کا خول چڑھا دوں گا اور اپنے معزز مہمانوں کو بتایا کروں گا کہ یہ اونگ خان کا سر ہے جو جام و پیالے کا کام دے رہا ہے۔"

اونگ خان نے احتجاج کیا "یہ ترکوں کے قبائلی رسم و رواج کے خلاف ہے۔ دشمن کو بھی پناہ دی جائے تو اس کی ذمے داری قبول کی جاتی ہے۔"

دونوں ترک سردار اونگ خان اور چنگیز خان کی دشمنی کے سبب سے واقف ہو چکے تھے۔ ایک سردار نے کہا "اونگ خان' ہمیں نادان اور لاعلم نہ سمجھو۔ تم نے اپنے منہ بولے بیٹے سے دھوکا کیا اور اب وہ بیٹا تمہارا پیچھا کرتا پھر رہا ہے۔"

دوسرے سردار نے مشورہ دیا "اس بوڑھے کو اس طرح ہلاک کرو کہ اسے زیادہ اذیت نہ ہو۔"

اونگ خان کے بیٹے نے تلوار مانگی "ہمارے لئے باعزت موت کا طریقہ یہ ہے کہ مقابلہ کرتے ہوئے مارے جائیں۔"

ایک ترک سردار ہنسنے لگا "اگر باعزت موت کا یہی طریقہ تھا تو تم دونوں کو میدانِ جنگ میں ہی مرجانا چاہئے تھا۔ چوروں کی طرح منہ چھپائے ہوئے ہمارے پاس نہیں آنا چاہئے تھا۔"

اونگ خان اور اس کے بیٹے کے پیچھے کئی ترک سپاہی حکم کے منتظر کھڑے تھے۔ انہوں نے اشارہ پاتے ہی دونوں کا کام تمام کردیا اور ان دونوں کے پوری طرح مرجانے کا انتظار کئے بغیر ان کے سروں کو جسم سے الگ کردیا گیا اور ماہر پیالہ سازوں کو بلوا کے حکم دیا گیا کہ دونوں کے کاسۂ سر صاف کرکے ان پر چاندی چڑھادی جائے اور انہیں بشکلِ پیالہ پیش کیا جائے۔

ایک سردار نے دوسرے سردار سے کہا "تو سبدائی بہادر کے پاس جا' اس کو باتوں میں لگاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد میں بھی آجاؤں گا۔"

ایک سردار سبدائی بہادر کے پاس چلا گیا اور اس سے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ جس قوت نے اونگ خان جیسی طاقتور شخصیت کو دربدر کردیا تھا اس سے یہ دونوں ترک سردار بہت خوف زدہ تھے۔

سبدائی بہادر مستقل اصرار کئے جارہا تھا "میرے پاس وقت نہیں ہے۔ مجھے اونگ خان اور اس کا بیٹا چاہئے۔"

ترک سردار نے جواب دیا "بس کچھ دیر اور۔ دونوں ہی آپ کو مل جائیں گے۔"

اب ترک سردار سبدائی بہادر سے چنگیز خان کی باتیں کرنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا "سنتا ہوں' یہ جوان پہلے تموچن تھا اب اس کے پرستاروں نے اسے چنگیز خان بنادیا ہے اور لوگ اسے بوگدو کہتے ہیں۔"

سبدائی بہادر نے بدمزگی سے کہا "فضول باتوں میں ہمارا وقت ضائع نہ کر۔"

اب ترک سردار کے لئے مزید باتیں بنانا مشکل ہوگیا تھا۔ وہ سبدائی بہادر کو لئے ہوئے اونگ خان اور اس کے بیٹے کے بے سر لاشوں کے پاس لے گیا اور کہا "یہ رہے آپ کے مطلوبہ سردار۔"

اس کے بعد سبدائی بہادر کو دونوں سر بھی دکھادیے گئے تاکہ اسے یقین ہوجائے کہ دونوں سردار قتل کئے جاچکے ہیں۔

سبدائی بہادر نے کہا "تم دونوں نے یہ بہت برا کیا۔"

اب دوسرا سردار بھی خوشامد درآمد پر اتر آیا اور عرض کیا "اگر تمہارا آقا ہماری اس حرکت سے خوش نہیں ہوگا تو ہم دونوں کو پابہ جولاں اپنے ساتھ لے چلو۔ ورنہ بات صرف اتنی سی ہے کہ ان دونوں باپ بیٹوں کے کاسۂ سر پر چاندی کا خول چڑھا کر ہم ان میں شراب پینے کی عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

سبدائی بہادر کچھ دیر سوچتا رہا اور کہا "ٹھیک ہے' میں چنگیز خان کو یقین دلادوں گا کہ دونوں باپ بیٹے قتل کردیے گئے اور آج کل ان دونوں کے کاسۂ سر میں شراب پی جاتی ہے۔"

دونوں ترک سرداروں نے چنگیز خان کے لئے کچھ تحائف دیے۔ سبدائی بہادر نے ان دونوں بے سر کے لاشے ساتھ لئے اور چنگیز خان کے پاس واپس پہنچا۔

اونگ خان اور اس کے بیٹے کی عزیز خواتین نے دونوں کو شناخت کرلیا اور گواہی دی "یہ دو بے سر کے لاشے اونگ خان اور اس کے بیٹے ہی کے ہیں۔"

چنگیز خان نے اونگ خان کے لاشے کے سامنے کھڑے ہوکر سوگوار لہجے میں کہا "میرے منہ بولے باپ! یہ میں تجھے آج کس حال میں دیکھ رہا ہوں۔ جن سرداروں اور حکمرانوں کے کاندھوں پر اپنے سر نہیں ہوتے ان کا یہی انجام ہوتا ہے۔"

دونوں لاشیں چنگیز خان نے اپنی نگرانی میں دفن کروادیں لیکن قرایت والوں کو کبھی بھی یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ ان دونوں کو کہاں دفن کیا گیا؟

یہ سارے واقعات ۱۲۰۶ء میں پیش آئے۔ اسی سن میں قرولتائی منعقد ہوئی اور وہ تموچن سے چنگیز خان بن گیا۔ اسی سن میں قوم قرایت کی طاقت کا بھرم کھل گیا اور اونگ خان اپنے بیٹے کے ساتھ قتل کیا گیا اور اسی سال بعض منحرف قبائل بھی چنگیز خان کی اطاعت و فرمانبرداری پر آمادہ ہوگئے اور اسی سال چینی نجومیوں اور جاسوسوں نے اپنی حکومت کو یہ خبردی کہ ان کے حلیف اونگ خان کا خاتمہ ہوگیا اور پورے صحرائے گوبی کے قبائل ایک شخص چنگیز خان کے یاک کے نو دموں والے پرچم تلے متحد ہوچکے ہیں اور وحشیوں کی تاریخ کا یہ ایک اہم ترین واقعہ ہے کہ ایک دوسرے کے حلیف اور حریف آپس کے اختلافات بھلا کر ایک شخص کی سرداری سے خوش ہیں۔

اور اسی سال چنگیز خان نے ان وحشیوں کو ایک مجموعۂ قوانین دیا۔ اس نے اس کا نام یاسا رکھا تھا۔ یاسا میں کچھ تو پرانے قبائلی رسم و رواج باقی رکھے گئے تھے اور کچھ کا چنگیز خان نے اضافہ کیا

تھا۔ اس نے تین جرائم کی سزا موت رکھی تھی۔

چوری کی سزا موت۔ کسی شخص کا گھوڑا چرایا جائے یا چھینا جائے اس کی سزا موت۔ زنا کی سزا موت۔

اس نے ایسے مردوں کو ملامت کی تھی جو اپنی بیویوں پر بلاوجہ شبہ کرتے تھے۔ ایسی اولاد جو بڑوں کی یا والدین کی عزت نہ کرتی ہو' قابلِ مواخذہ تھی۔

چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی عزت کرنے کا پابند تھا۔ کسی معمولی آدمی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے سردار کی عزت نہ کرے۔

یاسا نے ان وحشیوں میں ایک ذہنی انقلاب برپا کر دیا تھا۔

یہ وحشی شراب کے عادی تھے۔ یاسا کے ذریعے چنگیز خان نے اعلان کیا "جو شخص بہت زیادہ نشے میں ہوتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہوتی ہے جس کے سر میں غیر معمولی چوٹ آگئی ہو اور وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہو۔"

اس نے حکم نافذ کیا "شراب پیو مگر اتنی زیادہ نہیں کہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھو۔ مہینے میں تین بار مدہوشی برداشت کی جاسکتی ہے' چوتھی بار نہیں۔"

بغورچی نے مشورہ دیا "شراب نوشی کو ممنوع قرار دینے میں کیا حرج ہے؟"

چنگیز خان نے جواب دیا "یہ ناممکن ہے۔ کاملاً امتناعِ مے نوشی ناممکن ہے۔"

یاسا کے قوانین پر عمل کرانے کے لئے ایک چھوٹا سا محکمہ قائم کر دیا گیا اور پہلی بار ایسے لوگوں کے لئے دفتری اندراجات شروع ہوئے اور کثرتِ مے نوشی میں حواس کھو دینے والے افراد کا اندراج باقاعدہ ہونے لگا۔

ان وحشیوں کو سب سے زیادہ ڈر بجلی کی چمک اور بادل کی گرج سے لگتا تھا۔ یہ لوگ اس آسمانی بلا سے بچنے کے لئے دریاؤں اور جھیلوں میں کود جاتے تھے اور مر جاتے تھے۔ چنگیز خان نے ان کے نہانے پر پابندی لگا دی اور نہانا بدترین جرم قرار پایا۔

انہیں شامانوں کی پیش گوئیوں پر اعتقاد تھا۔ چنگیز خان نے ان شامانوں کی حیثیت بھی کم کر دی اور انہیں حکم دیا کہ وہ عوام میں پیش گوئیاں نہیں کریں گے بلکہ ہر شامان اپنی بات چنگیز خان سے کرے گا اور چنگیز خان جس پیش گوئی کو عام کرنا مناسب سمجھے گا عام کر دے گا اور جسے اس لائق نہیں سمجھے گا' اس کا کسی سے ذکر بھی نہیں کرے گا۔ لیکن اب چنگیز خان پیش گوئیوں پر زیادہ بھروسا کرنے لگا تھا۔ ایران کے مسلمان اور شام کے نسطوری عیسائی بھی شامانوں کے ساتھ ساتھ پیش گوئیاں کرنے لگے تھے اور حیرت انگیز طور پر ان کی بھی کئی پیش گوئیاں درست نکلی تھیں جس سے ان دونوں کی عزتوں میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ دونوں مذہبوں کے مبلغ بھی اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ اس نے اس صحرا میں مسلمانوں اور عیسائیوں کو بھی جمع ہوتے دیکھا۔ یہ لوگ اپنے اپنے طریقوں سے عبادت کرتے تھے اور چنگیز خان نے اپنے ہم قوم

لوگوں کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ ان دونوں کے خلاف کسی قسم کی مداخلت نہیں ہونی چاہئے۔ مسلمانوں کو آزادی سے نمازیں پڑھنے کی اجازت دی گئی اور عیسائیوں کو لکڑی کے گرجاؤں میں کتاب اور دعا پڑھنے کی اجازت عطا ہوئی۔ جس سے کوئی بھی مؤرخ یا سیاح اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ وحشی دوسروں کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیتے۔

سفید گول خیمے میں اولون کی عزت بہت بڑھ گئی تھی۔ اسی طرح بورتے کی بھی بڑی عزت تھی۔ چنگیز خان جب بھی بورتے کے پاس جاتا' نہایت عزت و احترام سے پیش آتا۔ وہ اسے اپنی خوش بختی کی علامت قرار دیتا۔ یہ بورتے ہی تو تھی جس نے چنگیز خان کی خاطر اپنے باپ نملیک اور چھ بھائیوں کو نظرانداز کر دیا تھا۔

نملیک اور اس کے چھ بیٹے اب بالکل بے دست و پا ہو چکے تھے کیونکہ تب تنگری کی ساری پیش گوئیاں غلط ثابت ہو چکی تھیں اور اولون کے شامانوں کی پیش گوئیاں سچ ہوتی جا رہی تھیں۔

قسار نے اپنے بھائی کی ایسی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کر رکھی تھی کہ اسے اگر کوئی شخص چنگیز خان کے خلاف کرنا بھی چاہتا تو ناکام رہتا۔ لیکن نملیک اور اس کے بیٹوں کو اب بھی ایک شکایت تھی۔ غیر معمولی اختیارات رکھنے والے چنگیز خان سے انہیں ابھی تک کوئی بڑا منصب نہیں ملا تھا اور نہ ہی انہیں قابلِ اعتبار سمجھا جاتا تھا۔ جب بورتے نے ان کی سفارش کی تو چنگیز خان نے کہا "میں اپنے اس وعدے پر ابھی تک قائم ہوں کہ ان لوگوں کو مجھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ انہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ رہ گئے عہدے' مراتب اور قربت تو انہیں صلاحیتوں اور وفاداریوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ نملیک اور اس کے چھ بیٹے اپنا اعتبار کھو چکے ہیں۔ اس اعتبار کو بحال کرنے کے لئے ایک وقت' ایک زمانہ درکار ہے۔ جب میں مطمئن ہو جاؤں گا... تو تیری سفارش کے بغیر ہی یہ کچھ نہ کچھ بن جائیں گے۔"

○☆○

چنگیز خان نے یاسا کی شکل میں قبائل کو جو کچھ دیا تھا اس میں اتحاد و اتفاق کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ باہمی لڑائی جھگڑے ممنوع قرار پائے اور دشمنوں کے ساتھ بے رحمی اور سفاکی ضروری قرار پائی۔ وہ اپنے دشمن کے ساتھ مروت و رحم دلی کے قائل نہیں تھے۔ فوج کو اس طرح تقسیم کیا گیا کہ دس سپاہیوں کا دستہ تومان

کہلاتا تھا اور دس ہزار توانوں سے ایک عظیم لشکر تیار ہوتا تھا۔ سالار اُمرخان تھے اور ان سب پر ایک سپہ سالار ہوتا تھا۔

چنگیز خان کے ذہن میں ایک عظیم منصوبہ پرورش پا رہا تھا۔ اس نے اونگ خان کو قتل کر دیا تھا لیکن اونگ خان کا نہایت طاقتور حلیف ملک خطا اب بھی موجود تھا جہاں تین ہزار سال سے لوگ پُرسکون زندگی بسر کر رہے تھے۔ شاندار پکے مکانات میں رہتے تھے۔ مدرسوں میں پڑھتے تھے' فصلیں اگاتے تھے' باغات لگاتے تھے' کاروبار کرتے تھے' جنگوں سے بچتے تھے لیکن فوج ضرور رکھتے تھے۔ شمالی صحراؤں میں رہنے والے وحشی قبائل سے نفرت کرتے تھے۔ ان پر اعتماد بھی نہیں کرتے تھے اور ان سے بچنے کے لئے دیوارِ چین کھڑی کر رکھی تھی۔ انہیں وحشی اور اچکا سمجھتے تھے اس لئے دونوں کے درمیان دیوارِ چین کھڑی کر دی تھی۔ گویا چنگیز خان کو یہ ساری باتیں دعوت مقابلہ دے رہی تھیں۔ ایغوری زبان کے عالم ان چینیوں کے بارے میں زیادہ معلومات رکھتے تھے اور چنگیز خان کو انہی سے یہ ساری معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ اسے حیرت تھی کہ ایغوری کتنی آسانی سے اس کو ساری باتیں فرفر بتا دیتے تھے۔ مثلاً یہ کہ وہ کاروبار میں اوزان کے باٹ رکھتے ہیں۔ انہیں نباتات کا علم حاصل ہے اور وہ اپنی مرضی سے فصلیں اگانے پر قادر ہیں۔ وہ مٹی سے اینٹیں بھی بنا لیتے ہیں اور لکھنے پڑھنے کے ہنر سے واقف ہیں۔ انہوں نے اپنے سالوں کو جانوروں سے منسوب کر رکھا ہے اور وہ کتابیں دیکھ کے بڑی آسانی سے یہ بتا دیتے ہیں کہ فلاں بادشاہ کس جانور کے سال میں پیدا ہوا تھا اور کس جانور کے سال میں مرگیا۔ انہوں نے اپنے عقلمندوں کی باتیں بھی لکھ رکھی ہیں۔ یعنی کوئی بھی انہیں پڑھ اور سمجھ سکتا ہے۔

انہی ایغوری عالموں نے چنگیز خان کو یہ بھی بتایا کہ وہ صحرا میں بسنے والوں کو وحشی اور جانور سمجھتے ہیں اور انہیں اس لائق نہیں سمجھتے کہ انہیں برابری کا درجہ دیا جائے۔ چنگیز خان کو بڑی حیرت تھی کہ چین کے شہری اٹھنے بیٹھنے' سونے جاگنے اور کھانے پینے میں تکلفات سے کام لیتے ہیں اور انہیں آداب کا نام دیتے ہیں۔

یہ ساری باتیں اسے مشتعل کر رہی تھیں اور اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ سست اور کاہل الوجود لوگ تین ہزار سال سے ایک جگہ رہ کر' چست اور ہر وقت حرکت میں رہنے والے انسانوں سے افضل کس طرح ہو سکتے ہیں۔ وہ ان کاہلوں کو ان کی حیثیت بتانا چاہتا تھا اور یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ ان کے خیال میں ناقابلِ تسخیر دیوارِ چین بھی چنگیز خان کے لئے قابلِ تسخیر ہے۔ وہ اس دیوار کی عظمت کے سحر کو توڑ دینا چاہتا تھا۔ وہ کیا کرنا چاہتا تھا' یہ سب کچھ اس کے دل میں تھا اور فی الحال تیاریوں کے بغیر وہ اپنے منصوبے کا اظہار کر بھی نہیں سکتا تھا لیکن سوبدائی بہادر' جبی نویان' یسوتائی' گمدار اور منقولی نامی بہادر چنگیز خان کے اس منصوبے سے آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ یہ کوئی ناقابلِ عمل منصوبہ نہیں ہے۔ دیوارِ چین کتنی ہی اونچی اور مضبوط کیوں نہ ہو اسے عبور ضرور کیا جا سکتا ہے اور یہ رکاوٹ چنگیز خان کو چین میں داخل ہونے سے نہیں روک سکتی۔

ایک ایغوری عالم نے چنگیز خان کو یہ عجیب و غریب بات بتائی کہ چین کا شہنشاہ خود کو تی ان تسی یعنی فرزندِ آسمان کہتا ہے اور اپنے دربار کو ابرِ آسمان۔

چنگیز خان نے غصے میں کہا "کیا اسے ابھی تک یہ نہیں معلوم کہ آسمان کا فرزند میں ہوں۔ میں چنگیز خان۔ شاہوں کا شاہ' روئے زمین کا تنہا آقا۔ میں زمین پر جاودانی نیلے آسمان کا اکیلا بوگدو ہوں یعنی آسمان کا اوتار۔ پھر یہ چینی شہنشاہ خود کو کس طرح فرزندِ آسمان کہتا اور سمجھتا ہے۔"

ایغوری عالم نے یہ بھی بتایا کہ شاہوں کا یہ خاندان خاندانِ زریں کہلاتا ہے۔ چنگیز خان نے غصے میں کہا "یہ کس طرح ممکن ہے کہ یہ کاہل الوجود خاندان خود کو خاندانِ زریں کہے۔"

یہ سب کچھ صحیح تھا لیکن چنگیز خان چین اور چینیوں کے بارے میں اور بھی بہت کچھ جاننا چاہتا تھا۔ جب اسے یہ بتایا گیا کہ چینی معزز خواتین جب ریشمی لباس پہن کے گاڑیوں میں سوار اپنے بزرگوں کی یادگاروں پر جاتی ہیں تو ان مردوں سے دعائیں مانگتی ہیں جب کہ ان کے غلام ان کی گاڑیوں کے پیچھے پیدل دوڑ لگاتے ہیں۔

چنگیز خان کو بڑی حیرت تھی کہ ان کے سونے اور جاگنے کے وقت مقرر ہیں اور اس پر بھی حیرت تھی کہ چین میں پیر فقیر قسم کے لوگ کچھ نہیں کرتے اور دوسروں کی کمائی پر زندہ رہتے ہیں۔ ان کی گزر بسر مذہبی رسوم کی ادائیگی پر منحصر ہے۔

اس نے ایغوری عالم سے پوچھا "کیا کبھی کسی نے اس دیوار کے اس پار پہنچنے کی کوشش نہیں کی؟"

ایغوری عالم نے جواب دیا "چین کی پرانی کتابوں سے ہمیں معلوم ہوا کہ تقریباً سو سال پہلے صحرا کے بہت سے قبیلے دیوار کے اس پار پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔"

چنگیز خان نے حیرت سے پوچھا "پھر انہوں نے کیا کارنامہ انجام دیا؟"

ایغوری عالم نے جواب دیا "پھر وہ کبھی واپس نہیں آئے۔ وہیں رہ بس گئے۔ انہی کی طرح لکھنے پڑھنے لگے' باغات لگانے لگے اور فصلیں اگانے لگے۔ رنگ برنگے ریشمی کپڑے پہنتے۔ مزے دار پکے ہوئے کھانے کھاتے اور وہ بھی سونے اور جاگنے کے اوقات کے پابند ہو گئے۔ اب اگر انہیں چینیوں سے الگ کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ بہت مشکل کام ہو گا۔"

چنگیز خان سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے پوچھا "ایسا کیوں ہوا؟"

ایغوری عالم نے جواب دیا "چینی عالم کہتے ہیں کہ طاقتور کمزور کو فتح کر لیتا ہے۔ چینی تمدن طاقتور تھا اور صحرا سے جانے

والے کوئی خاص تمدن نہیں رکھتے تھے اس لئے مفتوح ہو گئے۔"

چنگیز خان حیران تھا کہ یہ کس تمدن اور طاقت کی بات کر رہا ہے۔ وہ تو صرف جسمانی اور دماغی طاقت کا قائل تھا اور یہ دماغی طاقت بھی وہ تھی جس کا تعلق چالاکی، عیاری اور مکاری سے تھا۔ اگر ایلغوری عالم تمدنی قوت کی تفاصیل میں جاتا تو ایک بات بھی اس کی سمجھ میں نہ آتی۔

چنگیز خان بضد تھا "جسم کے جو اعضا مستقل حرکت میں نہیں رہتے، کمزور ہو جاتے ہیں۔ تو کسی بھی شہری کو ہمارے کسی قبائلی جوان سے کشتی لڑوا کے دیکھ لے شہری ہار جائے گا کیونکہ شہری اپنا زیادہ وقت سونے میں گزار دیتا ہے۔ وہ پکے مکانوں میں رہتا ہے اور موسمی مشکلات اور مصائب سے اس کو لڑنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ وہ اپنا سامان گھروں میں رکھ کر بھول جاتے ہیں اور ہم اپنے سامان اور خیموں کو چھکڑوں پہ لادے اِدھر اُدھر لئے پھرتے ہیں۔ اسی لئے ہمارے اعضا ان سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔"

ایلغوری عالم نے کہا "جب کوئی صحرائی بیمار پڑتا ہے تو اس کا علاج مشکل ہوتا ہے کیونکہ وہ طبی علوم سے ناواقف ہوتا ہے جب کہ چین میں طبی علوم عام ہیں۔ وہاں کے طبی عالموں نے پتھر کی بڑی بڑی سلوں پر مرضوں کے نام، ان کی علامات اور ان کے علاج کی تفصیلات لکھوا رکھی ہیں۔ کوئی شہری جب چاہے ان سلوں کے پاس چلا جائے، مرضوں کی علامت پڑھے، ان کی دوا کے اجزا لکھے، بازار سے خریدے اور دوا تیار کر کے استعمال کرے اور صحت یاب ہو جائے۔"

چنگیز خان کی سمجھ میں یہ سہولتیں اس لئے نہیں آ رہی تھیں کہ ان میں زندگی کی بھاگ دوڑ، جدوجہد اور حرکات و سکنات بہت کم پائی جاتی تھیں۔ اس نے ایلغوری عالم سے زیادہ بحث نہیں کی اور کہا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں ان شہروں سے اپنے آدمیوں کو دور رکھنا چاہئے کیونکہ جو بھی ان میں جائے گا، واپس نہیں آئے گا اور یاد رکھ، ایسے شخص کی مثال اس تیر جیسی ہے جو کمان سے نکل کر اونچی اونچی گھاس میں گر جائے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گم ہو جائے۔"

ایلغوری عالم نے کہا "خان! کچھ بھی ہو، تجھے اپنے آدمیوں کو شہروں سے دور رکھنا پڑے گا۔ اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو تیرے آدمیوں کی تعداد گھٹتی چلی جائے گی اور تیرے یہ سارے تیر لمبی لمبی گھاسوں میں کہیں گم ہو جائیں گے۔"

چنگیز خان نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا "لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں دنیا بھر کو فتح کر کے اسی صحرا میں واپس آ جاؤں گا اور اپنے جانشینوں کو ہدایت کروں گا کہ جب کوئی خان مر جائے تو اس کا انتخاب اسی صحرا میں ہوا کرے گا اور ہر آنے والا نیا خان پابند ہو گا کہ وہ اپنی اسی وادی سے دنیا پر حکومت کرے۔"

ایلغوری عالم ان باتوں سے نہ تو خود مطمئن ہوا اور نہ چنگیز خان کو مطمئن کر سکا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو قائل کرنے میں ناکام رہے۔ لیکن ان تمام باتوں کا یہ اثر ضرور ہوا کہ چنگیز خان تمدن اور شہروں سے سخت نفرت کرنے لگا۔ وہ یہ سمجھ نہ سکا کہ مستقل بازاروں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جب جنگلات موجود ہیں تو باغات کیوں لگائے جائیں۔ مویشیوں اور مویشیوں کے دودھ کی جگہ کثرت سے اناج کا استعمال بے معنی تھا۔ اسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ شہری ایک ہی جگہ رہتے رہتے اکتا کیوں نہیں جاتے اور لکھنے پڑھنے میں اپنی عمریں کیوں ضائع کر دیتے ہیں۔ جب مرنا ضروری ہے تو اس کے لئے بڑے بڑے پتھروں پر مرضوں کے نام لکھ کے ان کی دوائیں تجویز کرنا اور ان کے استعمال میں وقت ضائع کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ ان احساسات کے باوجود وہ شہری زندگی کو قریب سے دیکھنے کی خواہش ضرور رکھتا تھا۔

اس فکر میں کئی سال گزر گئے اور چین اس کے دل و دماغ سے ذرا دیر کے لئے بھی محو نہ ہوا۔ وہ دیوار چین کی رکاوٹ کو دور کرنے کی فکر میں لگا رہا اور چینی مخبر اپنی حکومت کو متواتر یہ خبریں دیتے رہے کہ جھیل بیکال کے چاروں طرف رہنے والے صحرانشین وادی میں کبھی بھی اتنے متحد اور منظم نہیں تھے جتنے آج ہیں۔ اس لئے چینی حکومت کو ہر وقت مستعد اور چوکنا رہنا چاہئے۔

چینی حکومت کو جب یہ حیرت انگیز خبر پہنچی کہ باغی دشمنوں کے سالار نے اونگ خان کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا ہے تو انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ فوری طور پر انہوں نے خوف محسوس کیا اور چینی حکومت کی طرف سے چنگیز خان کو تحائف بھیجے گئے۔ تحائف کی چیزوں میں ریشمی کپڑوں کے تھان، اناج کے ذخائر اور شراب کے مٹکوں کی کثرت تھی۔

چنگیز خان خوب سمجھ رہا تھا کہ چینی حکومت جنہیں تحائف کہہ رہی ہے وہ ایک قسم کی رشوت ہے۔ اس نے یہ رشوت قبول کر لی اور تحائف لانے والوں سے بڑی باتیں کیں۔ اس نے چینیوں سے پوچھا "کیا تمہارا بادشاہ اپنی فوجوں کی سپہ سالاری کرتا ہے؟"

چینی نے جواب دیا "ہمارے ملک میں بادشاہ الگ ہوتا ہے اور سپہ سالار الگ۔ بادشاہ ین کنگ میں رہتا ہے اور سپہ سالار کسی دوسرے شہر میں۔ دونوں کی ملاقات کبھی کبھی ہوتی ہے۔"

چنگیز خان نے پوچھا "تیرے ملک میں معزز لوگ کون ہوتے ہیں؟"

چینی نے جواب دیا "مصور جو تصویریں بناتے ہیں۔ شاعر جو قصیدے لکھتے ہیں۔ مصاحبین جو اپنی مسخرانہ باتوں سے بادشاہ کا دل بہلاتے ہیں۔"

چنگیز خان کو چینی بادشاہ سے بڑی شکایت تھی۔ اس نے کہا "تم اپنے بادشاہ سے کہہ دینا کہ لفظوں کی الٹ پھیر سے حقائق نہیں بدل جاتے۔ چینی حکومت جب ہم سے خوف زدہ ہوتی ہے تو

وہ ہمیں راضی رکھنے کے لئے ہمیں رشوت بھیجتی ہے اور انہیں تحائف کا نام دیتی ہے۔ وہ ہمیں اپنی رعایا سمجھتی ہے اور ہر سال ہم سے خراج طلب کرتی ہے۔ لیکن اب یہ کھیل ختم ہو جانا چاہئے۔ اپنے بادشاہ سے کہہ دینا کہ اب اس کے آدمی خراج کے لئے یہاں آنے کی زحمت نہ کریں۔"

چینی نے خوف زدہ لہجے میں جواب دیا "ہم اپنے بادشاہ کے روبرو اتنی ناشائستہ بات نہیں کہہ سکتے۔"

چنگیز خان نے دھمکی دی "اگر تو یہ ذرا سی بات نہیں کہہ سکتا ہے اور اسے ناشائستہ بات کہہ رہا ہے تو اس کے لئے ہمیں خود تیرے ملک میں آنا پڑے گا اور اس سے پہلے ہی تیرے بادشاہ کے آدمی خراج وصول کرنے آگئے تو انہیں شرمندگی کے ساتھ واپس جانا پڑے گا۔"

چینی حیران تھے کہ باغی دشمنوں کا... سالار اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہا ہے۔ اس نے دھمکی دی "خان! شاید تم چینی فوج کی تعداد سے واقف نہیں ہو۔ جب وہ دیوارِ چین سے باہر نکلے گی تو مہینوں نکلتی چلی جائے گی۔ یہ فوج چیونٹیوں کی طرح ہے۔ جس سے تیرا صحرا بھر جائے گا۔ ہمارے پاس منجنیقیں ہیں جنہیں دو سو آدمی چلاتے ہیں' کڑی کمانیں ہیں' جنہیں طاقتور پہلوان ہی چلا سکتے ہیں۔ ہمارے پاس ہتھیاروں کی کثرت ہے۔ تو اپنے دل سے رشوت کا لفظ نکال دے۔ ہمارا بادشاہ تجھے جو کچھ بھیجتا ہے وہ تحائف ہی ہوتے ہیں اور تم لوگ جو ہر سال ہمیں دیتے ہو وہ خراج کہلاتا ہے۔"

چنگیز خان نے یہ ساری تلخ باتیں بڑے تحمل سے سنیں اور برداشت کر گیا اور پھر چینیوں کو سمجھایا "دیکھو! ہم شہریوں کی طرح باتونی نہیں ہوتے ہیں۔"

چینی بدمزگی سے واپس چلے گئے اور اپنے بادشاہ کو چنگیز خان کے عزائم سے آگاہ کیا اور بادشاہ کو بتایا "چنگیز خان نے اونگ خان کو شکست دینے کے بعد اپنا ذہنی توازن کھو دیا ہے اور بڑی بڑی باتیں کرنے لگا ہے۔ وہ شاہی تحائف کو رشوت کہتا ہے اور چینی حکومت کو خراج ادا کرنے سے منکر ہو گیا ہے۔ وہ اپنے مٹھی بھر قبائیلیوں کو دنیا کی عظیم طاقت سمجھتا ہے اور خود کو بوگدو اور چنگیز خان کہلوانے لگا ہے۔"

بادشاہ نے اس میر منشی کو طلب کیا جو خراج کی وصولی کے اندراجات کیا کرتا تھا۔ شمالی صحراؤں میں رہنے والوں کے دفتر (رجسٹر) منگوائے گئے تو معلوم ہوا ۱۲۰۶ء عیسوی سے لے کر ۱۲۱۰ء عیسوی تک ان صحرا نشینوں نے کوئی خراج ادا نہیں کیا۔ بادشاہ بہت ناراض ہوا کہ ایسا کیوں ہوا۔ اتنی غفلت کیوں اختیار کی گئی۔ اس نے حکم دیا "پانچ سالہ خراج فوراً حاصل کیا جائے اور اسے شاہی خزانے میں داخل کیا جائے۔"

جب چینی وفد چنگیز خان سے اپنا پانچ سالہ خراج وصول کرنے چنگیز خان کے سفید گول خیمے میں گیا تو وہاں عجیب منظر دیکھا۔ اس وقت چنگیز خان کے سامنے کچھ مٹی اور چند اینٹیں رکھی ہوئی تھیں اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے مٹی اور اینٹوں کے ماہر اسے کچھ سمجھا رہے تھے۔

چینی وفد کچھ بھی نہ سمجھ سکا کہ چنگیز خان اس وقت کن مسائل میں الجھا ہوا ہے۔ چینی وفد کو دیکھتے ہی چنگیز خان نے پوچھا "اس بار تم تحائف میں ہمارے لئے کیا لائے ہو؟"

چینی وفد نے چنگیز خان کو بتایا "خان نے پچھلے پانچ سال سے خراج ادا نہیں کیا ہم اسی کی وصولی کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔"

چنگیز خان گرم ہو گیا اور کہا "کئی سال پہلے جب تیری حکومت کے آدمی رشوت لے کر آئے تھے تو میں نے اسی وقت خراج کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا۔"

چینی وفد نے پوچھا "کیا ہم شمال میں بسنے والی صحرائی اقوام کو چینی رعایا کی فہرست سے خارج کر دیں؟"

چنگیز خان نے جواب دیا "تو خارج کیا کرے گا' ہم نے چینی حکومت کے اقتدارِ اعلیٰ کو اپنے ذہنوں سے نکال باہر کیا ہے۔"

چینی وفد نے خان کو چینی بادشاہ کے غضب اور عتاب سے خبردار کیا اور کہا "خان کو سمجھنا چاہئے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے اور اس کی قوم کے خلاف اس کے کیا نتائج نکلیں گے۔"

چنگیز خان نے مٹی اور اینٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ دونوں چیزیں دیوارِ چین سے حاصل کی گئی ہیں۔ اس وقت میں ان کی قدامت اور مضبوطی پر غور کر رہا تھا۔ اپنے بادشاہ سے کہہ دینا کہ دیوارِ چین اسے کب تک بچائے گی۔ میں طاقت کے اس طلسم کو بھی توڑ دوں گا۔"

چینی وفد نے نہایت نرم لہجے میں جواب دیا "ہمیں اپنی حکومت کی طرف سے زیادہ سوال و جواب کی اجازت نہیں دی گئی لیکن پھر بھی ہم ذاتی طور پر یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ خان جو کچھ کر رہا ہے وہ اس کی قوم اور خود اس کے لئے بہتر نہیں ہے۔"

چنگیز خان نے کہا "تو یہی بات میری طرف سے اپنے بادشاہ سے کہہ سکتا ہے کہ وہ جو کچھ چاہتا ہے یا کرنے والا ہے وہ اس کے حق میں بہتر نہیں ہو گا۔"

چینی وفد ناکام واپس چلا گیا اور بادشاہ نے اپنے سپہ سالار کو یہ پیغام بھیجا کہ باغی دشمنوں کے سالار کو کچھ زیادہ ہی نشہ چڑھ گیا ہے اگر تاتاری حلیف بننے پر آمادہ ہوں تو انہیں تحائف دے کر دوست بنالیا جائے اور چنگیز خان کو ایسا سبق پڑھایا جائے کہ طاقت کا نشہ ہمیشہ کے لئے ہرن ہو جائے۔

سپہ سالار ان ہدایات کے پاتے ہی جنگی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ تاتاریوں کے پاس آدمی بھیجے گئے اور تحائف بھی لیکن تاتاریوں نے چینی بادشاہ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ ان کے ہاتھوں کئی بار ذلیل ہو چکے تھے۔

چینی بادشاہ کو یہ معلوم کرنا تھا کہ چنگیز خان کے لشکر میں کل

کتنے سپاہی ہیں تو معلوم ہوا کہ ڈھائی لاکھ صحرا نشین چنگیز خان پر ہر وقت جان دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ بظاہر یہ تعداد بہت زیادہ تھی۔

جنوبی چین کے لوگ فرزندِ بحر کہلاتے تھے۔ یہ سالوں سے شمالی چین کے خاندانِ زریں یعنی ین کنگ حکمران کے خلاف چلے آ رہے تھے۔ جنوبی چین کے اس خاندان نے موقع غنیمت دیکھا تو خاندانِ زریں پر حملے کی تیاریاں کرنے لگے اور چنگیز خان سے مدد طلب کرلی۔

چنگیز خان نے مدد دینے کا وعدہ کرلیا۔ اس نے دیوارِ چین کے ساتھ ساتھ اپنے گھوڑے دوڑانے شروع کردیے۔ وہ اس دیوار کی بلندی، چوڑائی، ان کے دروازوں اور برجوں کا حساب لگا رہا تھا۔ اس دیوار کی بلندی زیادہ سے زیادہ پچاس فٹ اور کم سے کم بارہ فٹ تھی۔ چوڑائی اتنی تھی کہ اس پر چھ گھوڑے ایک ساتھ دوڑائے جاسکتے تھے۔

چنگیز خان نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بہت سارے پرچم تیار کروالئے اور یہ پرچم دیوارِ چین کے ہر دروازے کے مقابل کھڑے کردیے گئے۔

دوسری طرف چینی بادشاہ نے برجوں پر تعینات محافظوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ صحرا نشینوں کی نقل و حرکت پر غیر معمولی نظر رکھیں۔

جب ان پہرے داروں نے اپنے بادشاہ کو یہ خبر دی کہ چنگیز خان نے ہر دروازے کے مقابل اپنا پرچم نصب کردیا ہے تو وہ اپنے محافظوں پر گرم ہوگیا۔ بادشاہ یہ پوچھ رہا تھا کہ اس وحشی خان کو اتنی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ دیوارِ چین کے ہر دروازے کے مقابل اپنا پرچم نصب کرگیا۔

یہ کشمکش جاری تھی کہ اچانک چینی بادشاہ کا انتقال ہوگیا اور اس کی جگہ چوڑے سینے والے وائی ونگ نامی شہزادے نے تاج و تخت سنبھالا۔ یہ شہزادہ دراز قامت تھا اور اس کی داڑھی خاصی گھنی اور لمبی تھی اور یہ جس تخت پر بیٹھا تھا اس کی شکل اژدہے جیسی تھی اسی لئے اسے اژدہے والا تخت کہتے تھے۔

مرنے والا بادشاہ اپنے پیچھے جو مسائل کا جنگل چھوڑ گیا تھا ان میں سب سے اہم صحرا نشینوں کی چپقلش تھی۔

نئے بادشاہ نے تخت نشین ہوتے ہی مصوروں کو حکم دیا کہ وہ اس کی تصویریں بنائیں اور شاعروں کے نام فرمان صادر ہوا کہ وہ نئے بادشاہ کی شان میں قصائد لکھیں۔

اس موقع پر نئے بادشاہ کے وزیر نے اس کو یاد دلایا "جناب والا! اس سے بھی اہم کام ہیں جن پر حضور نے ابھی تک کوئی توجہ نہیں دی۔"

وائی ونگ نے حیرت سے پوچھا "ان سے بھی اہم کام؟ اگر تمہارے علم میں ہے تو بتا۔"

وزیر نے جواب دیا "پچھلے پانچ سال سے شمالی صحرا نشینوں نے حکومت کو کوئی خراج نہیں دیا۔ اگر یہ مسئلہ بدستور التوا میں پڑا رہا تو ہماری حکومت کے رعب و دبدبے میں کمی واقع ہوجائے گی۔"

وائی ونگ نے بے پروائی سے ہنستے ہوئے کہا "خراج کی وصولی تیرا کام ہے پھر بھی میری طرف سے چنگیز خان کے نام ایک فرمان جاری کیا جائے کہ وہ پانچ سالہ بقایا خراج ہمارے آدمیوں کو فوراً ادا کردے۔"

چینی وزیر کو یقین نہیں تھا کہ یہ فرمان کارگر ثابت ہوگا۔ اس نے دبے لفظوں میں بادشاہ کو خطرات سے آگاہ کیا "جناب عالی! یہ خراج ہم فرمان سے حاصل نہیں کرسکتے۔ اس کے لئے ہمیں جنگ کرنا ہوگی اور وہ تمام پرچم اکھاڑ پھینکنے ہوں گے جو دیوارِ چین کے سامنے نصب کئے گئے ہیں۔"

نیا بادشاہ اپنے تجربہ کار وزیر سے ناراض ہوگیا اور غصے میں کہا۔ "سلسلۂ جنبانی کے بغیر ایک دم فوجی کارروائی شروع کردینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ پہلے فرمان اور جب اس فرمان سے کام نہ چلے تب ہمیں فوجی کارروائی کرنی ہوگی۔"

نئے بادشاہ وائی ونگ نے جوانی کے نشے میں حکمرانہ لہجے میں کہا "ہوسکتا ہے، تیرا تجربہ زیادہ ہو لیکن میرے اندازے بھی غلط نہیں ہوسکتے۔ خاندانِ زریں کا فرمان ہی کام آتا ہے۔"

اور اسی وقت چنگیز خان کے نام ایک فرمان لکھوایا گیا کہ شمالی صحراؤں میں رہنے والی اقوام کے خان چنگیز خان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس نے پچھلے پانچ سال سے خاندانِ زریں کو خراج ادا نہیں کیا ہے۔ اب یہ خراج فوراً ادا کردیا جائے کیونکہ مزید تساہل

جیت

ایک دولت مند آدمی رات کا کھانا ہمیشہ ہوٹل میں کھاتا تھا اور بیرے کو بہت اچھی ٹپ دیا کرتا تھا۔ ایک شام وہ ہوٹل گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی میز پر دوسرا بیرا خدمت کررہا ہے۔ دولت مند شخص نے دریافت کیا۔ "وہ پرانا بیرا کہاں چلا گیا؟"

"اب میں ہی آپ کی خدمت کروں گا جناب۔" نئے بیرے نے فخریہ جواب دیا۔ "میں نے رات جوئے میں آپ کو اس سے جیت لیا ہے۔"

انعام یافتہ
رزاق شاہد۔ فیصل آباد

کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی۔ یہ خاندانِ زریں کے نئے بادشاہ وائی ونگ کا حکم ہے۔"

جب یہ فرمان چنگیز خان کو پیش کیا گیا تو اصولاً اسے چند قدم چل کے نہایت ادب و احترام سے یہ فرمان حاصل کرنا تھا اور فرمان کے پاتے ہی جنوب کی طرف سات بار جھکنا بھی چاہیے تھا لیکن چنگیز خان نے ایسا نہیں کیا۔ وہ خاموش کھڑا رہا اور فرمان لانے والوں سے پوچھا "اس میں تیرے بادشاہ نے کیا بکواس کی ہے؟"

ایک قاصد نے جواب دیا "خان! آپ ہمارے بادشاہ کی بے عزتی کر رہے ہیں۔ اصولاً یہ فرمان آپ کو کسی مترجم سے پڑھوا کے سننا اور سمجھنا تھا۔"

چنگیز خان نے کہا "میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں ان فضول باتوں میں اپنا وقت ضائع کروں۔ تو خود بتا دے کہ اس فرمان میں کیا لکھا گیا ہے۔"

قاصد نے جواب دیا "ہمارے بادشاہ نے پچھلے پانچ سال کا خراج طلب کیا ہے۔ اگر اس کی ادائیگی میں تاخیر اختیار کی گئی تو آپ کے خلاف طاقت استعمال کی جائے گی اور سابقہ خراج زبردستی وصول کر لیا جائے گا۔"

چنگیز خان نے فرمان پھاڑ کر پھینک دیا اور کہا "اپنے بے وقوف بادشاہ سے کہنا کہ اب میں اسے کبھی بھی خراج ادا نہیں کروں گا۔ تم لوگوں نے مدتوں سے اپنے مہمانوں کے لئے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ اب انہیں کھول دیا جائے کیونکہ میں ملک خطا کی سیر کرنا چاہتا ہوں اور تمہارے بے وقوف بادشاہ کو شرفِ میزبانی بخشنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی مہمان نوازی کے دوران یہ دیکھوں گا کہ وہ بادشاہت کا اہل بھی ہے یا نہیں۔ اگر میں مطمئن ہو گیا تو اسے حکمران رہنے دوں گا ورنہ اس کی جگہ کسی لائق انسان کو حکمران بنا دوں گا۔"

شاہی قاصد یہ جو کچھ سن رہا تھا اس کے لئے عجیب و غریب تھا۔ آخر وہ کون سی طاقت تھی جو چنگیز خان سے یہ ناقابلِ یقین باتیں کہلوا رہی تھی۔

ایک قاصد نے کہا "جو کچھ خان نے فرمایا' اسے زبانی یاد رکھنا مشکل ہے اس لئے بہتر ہو گا کہ میں جس طرح لکھا ہوا یہ فرمان لے کر آیا ہوں اسی طرح خان کی طرف سے لکھا ہوا جواب بھی مل جائے تو بہتر ہو گا۔"

چنگیز خان نے کہا "ٹھیک ہے' اس کا لکھا ہوا جواب بھی تجھے کل تک مل جائے گا۔"

چینی قاصدوں کو عزت و احترام سے ایک خیمے میں ٹھہرا دیا گیا اور اسی رات چنگیز خان نے چند نئے حلیفوں کی موجودگی میں مشورے شروع کر دیے۔ ان میں ایک قبیلہ شیروں جیسی خصلت رکھنے والا قبیلہ کہلاتا تھا اور دوسرا عقابوں والا قبیلہ مشہور تھا۔ یہ قبیلہ ایغوت کہلاتا تھا اور انہیں عقاب پالنے کا بہت شوق تھا۔ ان نئے قبائل نے بھی تموچن کو بوگدو اور چنگیز خان کی حیثیت سے قبول کر لیا تھا۔

چنگیز خان نے ان سب کے سامنے وائی ونگ کا فرمان رکھ دیا اور اس فرمان کا جو اس نے زبانی جواب دیا تھا' اسے بھی بیان کر دیا۔

یہ تمام قبائل دیوارِ چین کے اس پار خاندانِ زریں کی حکومت کو بہت مضبوط سمجھتے تھے اور ان سب کا یہی خیال تھا کہ ابھی اس جھگڑے کو طول نہ دیا جائے کیونکہ صحرا نشین دیوارِ چین کو عبور نہیں کر سکتے اور ان دیواروں سے ٹکرا کر مر جانا عقلمندی نہیں ہے لیکن چنگیز خان بضد تھا کہ اونگ خان کی طرح وہ دیوارِ چین کے اس پار خطا کی حکومت کو بھی برباد کر دے گا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "تم لوگ مشورے تو دے سکتے ہو لیکن میں ان مشوروں کو رد کر سکتا ہوں۔ میں چنگیز خان ہوں' روئے زمین پر انسانوں اور اقوامِ عالم کا آقا۔ میرے حکم کی تم سب کو تعمیل کرنی ہو گی۔"

ایغوت قبیلے کے ایک سردار نے اس کی تائید کی "بے شک! تو چنگیز خان ہے۔ تو ہمیں صرف یہ بتا دے کہ چینی شاہی فرمان کا تو نے کیا جواب دیا ہے۔ وہی جو ہم سب سن چکے ہیں یا کوئی اور؟"

چنگیز خان نے جواب دیا "میرا جواب وہی ہے جو میں دے چکا۔ اب اسے صرف تحریری شکل دینا ہے۔"

اس کے بعد ایک ایغوری عالم کو بلایا گیا۔ چنگیز خان نے ایغوری عالم سے کہا "تو لکھ۔ اے چینی خاندانِ زریں کے نادان بادشاہ! ہمارا علاقہ اب اتنا مستحکم ہو چکا ہے کہ ہم تیرے ملک کی سیاحت کا ارادہ فرما سکتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیا تاج دارِ زریں کی سلطنت اتنی مستحکم ہے کہ ہمارا استقبال فرما سکے۔ ہم ایک ایسے لشکر کے ساتھ آئیں گے جو سمندر کے طوفان کی طرح بپھرا آئے گا۔ اگر تاج دارِ زریں ہمارا دوست بننا چاہتا ہے تو ہم اپنے زیرِ سایہ اسے اپنے علاقے پر حکومت کرتے رہنے کی اجازت دیں گے۔ لیکن اگر وہ جنگ کرنا چاہے گا تو یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ ہم میں سے ایک کو فتح اور ایک کو شکست نصیب نہ ہو جائے۔"

ایغوری عالم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "کیا وجہ ہے کہ جب تک خاندانِ زریں کا بوڑھا بادشاہ زندہ رہا تو نے اس سے کبھی بھی اس قسم کی خط و کتابت نہیں کی؟"

چنگیز خان نے جواب دیا "جب تک وہ زندہ رہا' میں اسے بادشاہ اور خود کو رعایا سمجھتا رہا لیکن اس نئے اور نالائق بادشاہ کو کم از کم میں اپنا بادشاہ نہیں سمجھتا۔"

ایغوری عالم نے کہا "لیکن تو نے خراج تو اسے بھی نہیں دیا۔"

چنگیز خان نے جواب دیا "دراصل میں چینی تحائف کا انتظار کرتا رہا۔ اگر وہ ہمیں تحائف بھیجتا رہتا تو ہم بھی اسے خراج ادا کرتے رہتے۔"

چینی قاصدوں نے جب چنگیز خان کا یہ جواب اپنے بادشاہ کو پہنچایا تو وہ غصے سے پاگل سا ہو گیا اور اپنے سرحدی محافظوں کو حکم دیا کہ چنگیز خان کے پرچم اکھاڑ کر پھینک دیے جائیں اور جو مزاحمت کرے اسے قتل کر دیا جائے۔

تاجروں، چرواہوں اور سیاحوں کی شکل میں چنگیز خان کی فوج میں تجر روانہ کر دیے گئے۔ ان لوگوں نے اپنے نئے بادشاہ کو یہ خبر دی کہ وحشی بے تحاشا تیر بنا رہے ہیں۔ ان کے لوہار دن رات ہتھیار بنانے میں مشغول ہیں۔ ہر طرف سے گھوڑے لائے جا رہے ہیں۔ صحرا نشینوں کا ہر شخص اپنی جگہ مشغول نظر آتا ہے۔

خاندانِ زریں کا نوجوان بادشاہ اس فتنے کو جلد از جلد ختم کر دینا چاہتا تھا۔ اس نے ایک عظیم الشان فوج اس غرض سے باہر بھیج دی کہ چنگیز خان کے تمام پرچم اکھاڑ دیے جائیں اور جو سامنے آئے اسے قتل کر دیا جائے۔

چنگیز خان اس لڑائی میں اپنا وقت یا اپنے آدمی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جب چینی فوج باہر نکلی تو صحرا نشینوں نے معمولی سی مزاحمت کی اور پسپا ہو گئے۔ چینی فوجی چنگیز خانی پرچم اکھاڑ اکھاڑ کر پھینکتے رہے اور جب شام کے وقت مظفر و منصور دیوارِ چین میں داخل ہوئے تو برجوں میں تعینات فوجیوں نے دیکھا کہ چنگیز خان کے سپاہی دوبارہ پرچم نصب کرنے میں مشغول ہیں۔

چنگیز خان کو بتایا گیا تھا کہ چین کا لیاؤ خاندان ایک حصے کا حکمران تھا جسے خاندانِ زریں نے فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا تھا حالانکہ لیاؤ قبیلہ انتہائی سرکش اور طاقتور تھا۔ چینی زبان میں لیاؤ کے معنی لوہے کے ہیں اور یہ خاندان اپنی شجاعت اور پامردی کے لحاظ سے لوہا تھا۔

چنگیز خان نے لیاؤ سرداروں کے پاس اپنا وفد بھیجا اور ان سے کہا "چنگیز خان نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مظلوموں کو ان کا حق دلایا جائے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب مظلوم بھی چنگیز خان کا ساتھ دیں۔ خاندانِ زریں نے بتوں کے علاقے دبا رکھے ہیں۔ اب انہیں یہ دبائے ہوئے علاقے اصل وارثوں کو واپس کرنے ہوں گے۔ تمہیں خاندانِ زریں کے خلاف جنگوں میں چنگیز خان کی مدد کرنی ہو گی تاکہ ان کے علاقے تمہیں واپس دلائے جا سکیں۔"

لیاؤ خاندان نے اس وفد سے وعدہ کیا کہ جب چنگیز خان خاندانِ زریں پر حملہ کرے گا تو یہ لوگ چنگیز خان کی مدد کریں گے۔

دونوں فریقوں نے اس معاہدے پر اپنے اپنے خون سے دستخط کیے اور اس زمانے کے دستور کے مطابق دونوں فریقوں نے اپنے اپنے تیر توڑ ڈالے۔ گویا یہ معاہدہ موت و زندگی کا معاہدہ تھا۔

ادھر سے فارغ ہونے کے بعد چنگیز خان نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور ہراولی دستہ دیوارِ چین کے مغربی بعید ترین حصے میں روانہ کر دیا گیا۔

اس دستے میں تیس ہزار جوان رکھے گئے تھے۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ گرد و غبار اڑاتے ہوئے دیوارِ چین کی طرف بڑھیں۔

چنگیز خان اس گرد و غبار کی آڑ میں ہراولی دستے کے پیچھے پیچھے ایک لاکھ سپاہیوں کو لے کر آگے بڑھا۔ یہاں کے دروازے کے محافظ چوکیدار کو چنگیز خان نے تحائف دے دے کر اپنا دوست بنا لیا تھا۔ اس دوستی کا یہ فائدہ پہنچا کہ چوکیدار نے چنگیز خان کے لئے دروازہ کھول دیا اور ہراولی دستے کے پیچھے پیچھے چنگیز خان بھی اندر داخل ہو گیا۔

چنگیز خان کے لئے یہ دنیا ہی عجیب تھی۔ یہاں اس کے سامنے پختہ سڑکیں تھیں اور ان سڑکوں کا جال بچھا ہوا تھا۔

چنگیز خان نے مقابلے پر آنے والی فوج کو نہایت بے دردی سے کچل کر رکھ دیا اور مشرق میں ین کنگ کی طرف بڑھا۔ لیکن اس کو بہت جلد یہ احساس ہو گیا کہ چینی فوج ٹڈیوں جیسی ہے اور اس کے ڈیڑھ دو لاکھ جنگجو انہیں آسانی سے قتل نہیں کر سکتے۔ جب وہ ایک چینی فوج کو شکست دیتا اور اسے قتل کر چکتا تو اس کے پیچھے سے دوسری چینی فوج نمودار ہو جاتی۔ معلوم ہوا یہ کنگ تھی جو چینی فوج کو متواتر بھیجی جا رہی تھی اور یہیں اسے اس حقیقت کا علم ہوا کہ اس کی دو تین لاکھ فوج چین کا محاصرہ نہیں کر سکتی۔

چینی افواج اس کو خاندانِ زریں کی طرف بڑھنے سے روک رہی تھی۔ لیاؤ قبیلہ بھی اس جنگ میں چنگیز خان کا ساتھ دے رہا تھا۔

چنگیز خان خاندانِ زریں کی طرف بڑھا لیکن یہاں کے پُر پیچ راستے اور سڑکیں اسے بھٹکا رہی تھیں اور خوشگوار موسم بھی اس کا ساتھ چھوڑ رہا تھا۔

جی نویان نے چنگیز خان کو بتایا "میں یہاں کے راستوں سے کسی حد تک واقف ہوں لیکن خاندانِ زریں کے محلات تک پہنچتے پہنچتے یہاں کا موسم بدل چکا ہو گا۔"

چنگیز خان نے سخت لہجے میں کہا "میں مکمل فتح حاصل کئے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ تو مجھے ایسے راستوں پر لے چل جو عام گزر گاہ نہ ہوں اور چینی فوجیں ہمیں تلاش کرتی رہ جائیں۔"

اس کام کے لئے اندرونِ دیوارِ چین کے پہلو میں آباد قبائلی کام آئے۔ ان لوگوں نے رہنمائی کی اور چنگیز خان کو ایسے راستوں سے لے کر آگے بڑھے جو چینی افواج کی گزر گاہوں سے اوجھل تھے۔ اس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ چینی افواج کو اپنے دشمن کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکنا پڑا۔ اس بھٹکنے میں چینی افواج خطرناک دروں اور وادیوں میں پھنس کر رہ گئی اور ان کے بہت سے سپاہی جنگ میں حصہ لئے بغیر ہی تباہ و برباد ہو گئے۔

اس دوران چنگیز خان کے ساتھی اِکا دُکا کمک کے سامنے آتے پر ان پر حملہ آور ہو جاتے اور انہیں ٹھکانے لگا دیتے۔

خاندانِ زریں کا نیا بادشاہ اس وحشت ناک خبر سے بہت زیادہ خوف زدہ تھا کہ اس کی فوج کا بیشتر حصہ کہیں غائب ہو چکا تھا۔ وہ جنگ کئے بغیر ہی فرار ہونے کی تیاریاں کرنے لگا لیکن وزیروں اور مشیروں نے اسے غیرت دلائی کہ اس طرح تو وہ اپنا ملک اور اپنی حکومت چنگیز خان کو تحفے میں دے کر چلا جائے گا۔ نوجوان بادشاہ جاتے جاتے رک گیا۔

جی نویان نے چنگیز خان کو بتایا "ہمارے آدمی چینیوں کو قتل کرتے کرتے تھک چکے ہیں اور یہاں کا موسم بھی بدل رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دیوارِ چین کے سارے دروازے بند کر دیے جائیں اور ہم واپس ہی نہ جا سکیں۔"

چنگیز خان خاموش رہا۔ وہ جی نویان کے مشورے پر غور کر رہا تھا۔ وہ ایک بہت بڑے ملک میں آ کے پھنس گیا تھا۔ اگر واقعی دیوارِ چین کے تمام دروازے بند کر دیے جائیں اور چین کی ٹڈی دل افواج اس کا راستہ روک لیں تو وہ بڑی مصیبت میں پھنس سکتا تھا۔ آخر کار اس نے جی نویان سے کہا "ہم نے خاندانِ زریں کے بادشاہ کو خوف زدہ کر دیا اور چینی افواج ہماری تلاش میں بھٹکتی پھر رہی ہیں۔ اس بدلتے ہوئے موسم میں ہمیں انہی راستوں سے واپس چلا جانا چاہئے جن سے ہم داخل ہوئے تھے۔"

سوبدائی بہادر کو بھی یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ چینی حکومت پر فتح حاصل کرنا آسان کام نہیں ہے اور نہ ہی اس کا محاصرہ کیا جا سکتا تھا۔

آخر چنگیز خان چینیوں اور خاندانِ زریں کو خوف زدہ کر کے اسی دروازے سے باہر نکل گیا جس سے وہ داخل ہوا تھا لیکن اس بار اس نے باہر نکلتے ہی سب سے زیادہ توجہ مخبروں اور جاسوسوں پر دی۔ اس نے دس دس پندرہ پندرہ چاق و چوبند اور مستعد نوجوانوں کو دیوارِ چین کے دروازوں کے سامنے ٹھہرا دیا اور یہ دیوارِ چین کے دروازوں سے نکلنے والوں کو پکڑ پکڑ کے چنگیز خان کے سامنے پہنچانے لگے۔ انہی مخبروں میں سے چند نے چنگیز خان کو بتایا کہ اگر چنگیز خان استقلال سے کام لیتا اور خطرناک موسم بھی وہیں گزار دیتا تو اس کی فتح یقینی تھی کیونکہ نوجوان بادشاہ بھاگنے کی تیاریاں کر چکا تھا۔

سوبدائی بہادر نے مخبروں سے پوچھا "چین کے پاس کل کتنی فوج ہے؟"

ایک مخبر نے جواب دیا "بہت زیادہ۔ تمہارے اندازوں اور اس سے بھی بہت زیادہ۔"

جی نویان نے کہا "اتنی بڑی فوج پر ہم آسانی سے فتح حاصل نہیں کر سکتے۔"

مخبر نے جواب دیا "جب تک آپ چینی اور شہری نظام حکومت کو نہیں سمجھیں گے اس وقت تک چینی افواج کی کثرت آپ کے لئے ہوا بنی رہے گی۔ اگر چینی سپہ سالار مار دیے جائیں یا بادشاہ فرار ہو جائے تو فوج ہمت ہار جاتی ہے اور اس کی اجتماعی قوت بیکار ہو جاتی ہے۔"

چنگیز خان کو اپنی واپسی اور ناکامی کا دکھ نہیں تھا۔ وہ اسے بہترین تجربہ محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنے سرداروں سے کہا "کبھی کبھی ہمیں اپنی شاندار فتح کے لئے عارضی پسپائی بھی اختیار کرنا ہو گی۔ آخر ہم انسانوں کو مسلسل قتل کر کے اپنے اعضا کیوں تھکائیں۔ اب ہم نئے تجربوں اور تدبیروں کے ساتھ چین میں داخل ہوں گے اور خاندانِ زریں کی قوت کا سحر توڑ دیں گے۔"

چنگیز خان کو بطور خاص یہ یاد رہا کہ اگر وہ مزید وقت چین میں گزارتا تو چراگاہوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے گھوڑے

بھوکوں مر جاتے اور خود ان کے لئے غذا ایک مسئلہ بن جاتی۔

○☆○

اب جوجی خان بھی جوان ہو چکا تھا اور بقیہ تین بیٹے بھی اس لائق تھے کہ جنگوں میں باپ کا ہاتھ بٹاتے۔ چغتائی خان، اوغدائی خان اور سب سے چھوٹا تولی خان، یہ تینوں بھی جنگ میں حصہ لینے لگے تھے مگر چنگیز خان محض جوجی خان کو اس لائق سمجھتا تھا کہ وہ چین میں فوج کے ایک حصے کی قیادت کرے۔

جس طرح وہ پہلے چین میں داخل ہوا تھا اسی طرح اس بار بھی داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ جن شہروں کو پہلے فتح کر چکا تھا ان پر دوبارہ چینیوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور ان کی حفاظت کے لئے تازہ دم فوجیں تعینات کر دی گئی ہیں۔

جیتی ہوئی جنگ دوبارہ لڑنی پڑی۔ اس بار چینی بھی پہلے سے زیادہ بڑی افواج کے ساتھ چنگیز خان کے مقابلے پر آئے۔ چین کے شہری بھی اس جنگ میں حصہ لے رہے تھے۔ وہ خاندانِ زریں کے محافظ بن گئے تھے اور اسے اپنا فرض سمجھتے تھے کہ اگر ان کے بادشاہ پر برا وقت آیا ہے تو وہ اس پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔

ابھی یہ جنگ جاری تھی کہ لیاؤ خاندان کے چند قاصد مدد کی درخواست لے کر چنگیز خان کے پاس پہنچے۔ انہیں ساٹھ ہزار چینی فوج نے اپنے محاصرے میں لے رکھا تھا۔ اب لیاؤ خاندان چنگیز خان کو سابقہ معاہدہ یاد دلا رہا تھا۔

چنگیز خان نے جبی نویان سے کہا "ایک تو ہی ہے جو لیاؤ خاندان کی مدد کو پہنچ سکتا ہے حالانکہ میں جانتا ہوں کہ راستے میں تجھے روکنے کی کوششیں کی جائیں گی لیکن تجھے ان ساری رکاوٹوں کو دور کر کے لیاؤ خاندان کی مدد کرنی ہے۔"

جبی نویان اسی وقت فوج لے کر لیاؤ قبیلے کی مدد کو روانہ ہو گیا۔ اور جو چینی فوجیں اس کا راستہ روک رہی تھیں ان پر اس نے اس طرح قابو پایا کہ بہت سے چینی شہریوں اور دیہاتیوں کو قیدی بناتا چلا گیا۔ انہیں اپنی فوج کے آگے آگے رکھتا اور ان کی آڑ میں اپنی فوج کو آگے بڑھاتا چلا گیا۔ چینی فوجی اپنے بھائیوں کو آگے آگے دیکھ کر انہیں رعایت دیتے اور ان پر حملے نہیں کرتے تھے۔ اس طرح جبی نویان لیاؤ کا محاصرہ کرنے والی ساٹھ ہزار فوج کے عقب میں پہنچ گیا اور یہاں اس نے وہی جنگی حکمتِ عملی اختیار کی جس کا بانی چنگیز خان تھا یعنی اپنے چھکڑے، اپنا سامان اور خیموں کو میدانِ جنگ میں چھوڑ کے پسپائی اختیار کی۔

لڑتے لڑتے جبی نویان نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ خطائی یہ سمجھ بیٹھے کہ جبی نویان اور اس کے ساتھی میدان چھوڑ رہے ہیں۔ مکمل فتح اس وقت ہو گی جب جبی نویان اور اس کی فوج چین سے نکل جائے گی۔ خطائی سپہ سالار نے جبی نویان کا تعاقب کیا اور اس نے اپنے آدمی آگے بھیج دیے کہ باہر نکلنے کے دروازے کھول دیے جائیں تاکہ یہ پسپا فوج باہر نکل جائے۔

جبی نویان پیچھے ہٹتا رہا اور یہ پسپائی دو دن تک جاری رہی۔ اس کے چھکڑے لوٹ لئے گئے اور اس کا سامان چینی فوج نے آپس میں بانٹ لیا۔ یہ خطائی فوج لیاؤ خاندان کی طرف سے بے خبر ہو گئی کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ جب چاہے گی، لیاؤ خاندان کو ٹھکانے لگا دے گی۔

کھلنے والے دروازوں کے باہر جوجی خان اپنی فوج لئے پڑا تھا اور وہ دروازے کھلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ دروازوں کے کھلتے ہی جوجی خان اندر داخل ہو گیا اور وہ تعاقب کرنے والی خطائی فوج کے عقب میں پہنچ گیا۔ دوسری طرف جبی نویان بھی پلٹ پڑا۔ اب چینی فوج ان دونوں کے نرغے میں آ چکی تھی۔ لوٹا ہوا سامان واپس مل گیا اور چینی فوج نہایت بے رحمی اور سفاکی سے کاٹ کر رکھ دی گئی اور لیاؤ خاندان چینی فوج کے عتاب سے بچ گیا۔

قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ قسمت نے ایک بار پھر خاندانِ زریں کا ساتھ دیا۔ چنگیز خان زخمی ہو چکا تھا اور اس کا یہ حکم تھا کہ ایک بار پھر پسپائی اختیار کی جائے کیونکہ یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر چنگیز خان کو کچھ ہو گیا تو یہ صحرا نشین نفاق اور انتشار کا شکار ہو جائیں گے۔

منگول اپنے صحراؤں میں واپس گئے۔ زخمی چنگیز خان لیٹے لیٹے ہدایات اور احکامات صادر کر رہا تھا۔ اس نے دل برداشتہ سرداروں کو سمجھایا "کیا تم لوگوں نے چین کی پختہ سڑکیں نہیں دیکھیں۔ وہاں چراگاہوں کی کمی ہے اور سردیوں کے موسم میں ہمارے گھوڑے چارے سے محروم ہو جاتے۔ وہاں مویشیوں کے



بیوی سے تو ٹی وی بہتر ہے
کسی زیادتی پر احتجاج تو نہیں کرتا نا

ریوڑ بھی نظر نہیں آئے اور میں بھی زخمی ہو گیا تھا۔ ان حالات میں ہم کتنے دنوں تک چینیوں سے لڑتے۔ وہ تعداد میں بھی بہت زیادہ ہیں۔ مجھے تو کئی بار ایسا لگا جیسے وہ زمین سے پانی کی طرح ابل ابل کر نکل رہے ہوں۔"

سوبدائی بہادر نے کہا "بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم فتح کے عادی ہو گئے ہیں۔ بظاہر تو ہم یہ جنگ بھی جیت گئے تھے مگر ہمیں جنگی مصلحتوں کی وجہ سے اپنی مرضی سے پسپا ہونا پڑا۔"

چنگیز خان نے جواب دیا "اب تو ہمیں چین کے راستے بھی ازبر ہو گئے ہیں اور ہمیں چینیوں سے لڑنے کے طریقے بھی معلوم ہو گئے۔ تیسری بار ملک خطا ہمارے قبضے میں ہو گا۔"

اس بار اس نے جوجی خان کی تعریف کی اور کہا "آئندہ میں اسی کے ذریعے خاندانِ زریں کا خاتمہ کراؤں گا۔"

چنگیز خان کچھ عرصہ بستر پر پڑا رہا اور قبائلی معالج اس کا علاج کرتے رہے۔ چھوٹے چھوٹے ہراول دستے جاسوسوں اور مخبروں کی تلاش میں اِدھر اُدھر گشت کرتے رہے۔ اسے مزید گھوڑے بھی درکار تھے اور یہ گھوڑے بھی اِدھر اُدھر سے فراہم کئے جا رہے تھے۔

جبی نویان بے چینی سے تیسری جنگ کا انتظار کر رہا تھا۔

ان حالات میں اچانک چنگیز خان نے حکم دیا کہ اس کا خیمہ اب دیوارِ چین کے اس دروازے کے سامنے نصب کیا جائے جہاں سے خاندانِ زریں کا دربار قریب تھا۔ ایک بار پھر چنگیز خان کے پرچم دیوارِ چین کے سامنے نصب کر دیئے گئے۔ جبی نویان اور سوبدائی بہادر کو کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید تیسری جنگ شروع ہونے والی ہے اور جب یہ سوال چنگیز خان سے کیا گیا تو اس نے جواب نفی میں دیا اور کہا "ابھی تیسری جنگ کا وقت نہیں آیا۔"

لیکن ایک وفد خاندانِ زریں کے بادشاہ کے پاس جانے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ چنگیز خان نے اس وفد سے کہا "تم لوگ نوجوان بادشاہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ میں نے دوبار اس کے کئی شہروں کو فتح کیا اور پھر واپس کر دیا۔ اب میں کچھ دنوں کے لئے اپنی وادی میں واپس جا رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ میرے سرداروں اور سپہ سالاروں کی خدمت میں تحائف پیش کرے۔ اسے ان کی صلاحیتوں کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔ میں جب چاہوں گا اس کے ملک میں داخل ہو جاؤں گا۔"

نوجوان چینی بادشاہ نے چنگیز خان کا مطالبہ اپنے مشیروں کے سامنے رکھ دیا اور پوچھا "ہمیں اس کا کیا جواب دینا چاہئے؟"

سمجھ دار چینی مشیر چنگیز خان کی کمزوری سے واقف ہو چکے تھے اور انہیں یہ معلوم تھا کہ چنگیز خان سخت زخمی ہے اور اس طرح وہ اپنے ناکام حملوں سے دل برداشتہ ہونے والے سرداروں کو نفسیاتی طور پر مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے اپنے بادشاہ کو مشورہ دیا۔ "ہمارے پاس افواج کی کوئی کمی نہیں ہے اور چنگیز خان بھکاری کی طرح ہمارے دروازے پر پڑا ہوا تحائف کی بھیک مانگ رہا ہے۔ اس لئے ہمیں باہر نکل کے اس پر حملہ کر دینا چاہئے اور اس طاقت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جانا چاہئے۔ ایسا لگتا ہے کہ اسی طرح ہم اس مشکل سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات پالیں گے۔"

لیکن چینی بادشاہ ان دو جنگوں سے اتنا خوف زدہ ہو چکا تھا کہ اب اس میں تیسری جنگ لڑنے کی ہمت نہیں تھی۔ اس نے چنگیز خان کی درخواست رد نہیں کی اور تحفے کے طور پر پانچ سو جوان، پانچ سو کنیزیں، اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کا ایک ریوڑ، ریشم کے بہت سے تھان اور سونے اور چاندی کے بہت سے ٹکڑے بطور تحفہ روانہ کر دیئے۔

یہ تحائف وصول کرنے کے بعد چنگیز خان نے چینیوں کو حکم دیا "اپنے بادشاہ سے کہنا کہ وہ لیاؤ خاندان کو نہ ستائے۔"

چینیوں نے وعدہ کیا کہ اس کا یہ پیغام بادشاہ کو پہنچا دیا جائے گا لیکن یہ وعدہ نہیں کیا جا سکتا کہ خطا کا بادشاہ لیاؤ خاندان کو معاف کر دے گا یا کوئی سزا دے گا۔

چنگیز خان نے کہا "تب پھر تم اپنے بادشاہ سے یہ بھی کہنا کہ اگر وہ دوستی کے لئے تیار ہے تو اسے شاہی خاندان کی ایک لڑکی شادی کے لئے مجھے بھیجنا ہو گی۔ میں اس شہزادی کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ جیسے ہی آئے گی "اسے میں اپنی بیوی بنا لوں گا۔"

کچھ دنوں بعد چینی بادشاہ کا یہ خط موصول ہوا کہ اس نے لیاؤ خاندان کو معاف کیا اور ایک چینی شہزادی چنگیز خان کو شادی کے لئے تحفتاً بخش دی گئی۔

اب چنگیز خان کے سرداروں کو اپنی دونوں فتحوں کا یقین ہو گیا تھا اور وہ چینی بادشاہ کے تحائف کو خراج سمجھ کے وصول کر چکے تھے۔

چنگیز خان اپنے ساتھ بہت سے چینی قیدی بھی لایا تھا۔ ان سب کو نہایت سفاکی سے دیوار کے سامنے قتل کر دیا گیا اور ان کی لاشیں وہیں چھوڑ کے چنگیز خان اپنی وادی میں واپس چلا گیا۔ بظاہر اس سفاکی کی وجہ کسی کی سمجھ میں نہیں آئی لیکن ان لاشوں نے چینی حکومت کو بے حد خوف زدہ کر دیا تھا۔

چنگیز خان چینی سلطنت کے مکمل خاتمے کے لئے اپنی وادی میں واپس چلا گیا اور ستائے بغیر ہر شخص کو مشغول کر دیا گیا۔ ہتھیار شب و روز تیار ہونے لگے۔ تیر بنانے والے شب و روز تیروں کی تیاری میں لگ گئے۔ اس بار اس کے زخموں نے اسے بہت زیادہ غضب ناک کر دیا تھا۔ اسے خاص چین میں چراگاہوں کی ضرورت تھی اور وہ بہت سے لہلہاتے کھیت دیکھ آیا تھا جنہیں اس کے گھوڑوں اور مویشیوں کے لئے چراگاہ بنانا تھا۔ اس نے چینی دریاؤں میں خوب صورت کشتیاں دیکھی تھیں۔ ان کشتیوں میں چینیوں کو اِدھر اُدھر آتے جاتے دیکھا تھا۔ اور وہ غلطی سے ان کشتیوں کو چینیوں کے سفری مکانات سمجھ بیٹھا تھا۔ وہ حیرت سے

جی نویان اور سوبدائی بہادر سے پوچھتا تھا "جب چینیوں نے اپنے رہنے کے لئے شاندار محلات اور پکے مکانات بنالئے ہیں تو پھر یہ دریاؤں میں تیرتے ہوئے مکانوں میں کیوں رہتے ہیں؟"

جی نویان ان کشتیوں سے واقف تھا۔ اس نے چنگیز خان کو سمجھایا "یہ چینیوں کے سفری مکانات نہیں ہیں بلکہ یہ ان کی آبی گاڑیاں ہیں۔ جس طرح خشکی میں وہ اپنے سفر کے لئے گھوڑے اور گاڑیاں استعمال کرتے ہیں اسی طرح پانی میں یہ کشتیاں ان کے کام آتی ہیں۔ یہ لوگ ان کشتیوں میں رنگ رلیاں بھی مناتے ہیں۔ ان میں بیٹھ کے شراب پیتے ہیں' عیاشیاں کرتے ہیں' شاعری کرتے ہیں' تصویریں بناتے ہیں اور بہت سی قسم کے کام ان ہی کشتیوں میں ہوتے ہیں۔"

چنگیز خان یہ ساری تفصیلات سنتا رہا اور پریشان ہوتا رہا۔ چینیوں کا کوئی کام ایسا نہیں تھا جسے زندگی کے لئے ضروری سمجھا جاتا۔ کشتیوں میں بیٹھ کر عیاشی کرنا' شاعری کرنا' مصوری کرنا یہ سارے کام فضول تھے۔ ان سے انسانی زندگی کے مصائب' دکھوں اور غموں کا مداوا کس طرح ممکن تھا۔

اسی دوران اس نے اپنی وادی کو چھوڑنے کا حکم دیا اور قراقرم میں سکونت اختیار کی۔ یہ اونگ خان کا علاقہ تھا اور چنگیز خان کو پسند آگیا تھا

وہ خود زخمی تھا۔ زخم مندمل ہوتے جارہے تھے' اور وہ اس لئے آرام کرنے پر مجبور تھا کہ تجربہ کار قبائلی بوڑھوں نے اس کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اگر وہ اس زخمی حالت میں گھڑسواری کرتا رہا تو خلاؤں کی بھٹکنے والی بدارواح ان زخموں کے راستے اندر داخل ہوجائیں گی اور چنگیز خان کو بہت پریشان کریں گی۔

اس کی وجہ سے سوبدائی بہادر' جی نویان' یسوتائی' گلدار اور بغورچی جیسے ہروقت حرکت میں رہنے والے بہادر بھی بے کیف زندگیاں گزار رہے تھے

اس نے ان سرداروں کو بلایا اور کہا "اب میری عمر اتنالیس چالیس سال سے تجاوز کرچکی ہے اور ابھی تک بظاہر میں نے کوئی ایسا کارنامہ انجام نہیں دیا جو میرے نام چنگیز خان کے شایانِ شان ہوتا۔ اس لئے تم صحت مند لوگوں کو چاہئے کہ اپنے طور پر بھی کارنامے انجام دو اور چینی حکمران خاندان کو چین سے نہ بیٹھنے دو۔"

ان سرداروں نے باری باری کہا "خان! تو جو خدمات ہمارے سپرد کرے گا ہم انہیں بجالائیں گے۔"

چنگیز خان نے مقولی اور جی نویان کو چینی حکومتوں سے الجھنے کے لئے ملک خطا پہنچنے کا حکم دیا۔ اسے اپنے حلیف لیاؤ خاندان کی بڑی فکر تھی۔ چنگیز خان نے جی نویان اور مقولی سے کہا "تم دونوں اپنے حلیف لیاؤ خاندان کا خاص خیال رکھو گے۔ تم دونوں میں سے ایک لیاؤ کو اپنے ساتھ لے کے خاندانِ زریں کے خلاف جنگ شروع کردے اور دوسرا سردار جی نویان اپنی فوجوں کے ساتھ جنوب میں بڑھتا چلا جائے جہاں منگ خاندان کی حکومت ہے۔ ملک خطا کا خاندانِ زریں منگ خاندان کا گہرا دوست ہے۔"

سوبدائی بہادر کو اپنے بارے میں جاننا تھا کہ اس دوران وہ کیا کرے گا؟ چنگیز خان نے کہا "اور تو سوبدائی بہادر سیاحت کا بڑا شوقین ہے۔ ہم نے خنگان کے جنگلاتی سلسلوں کو تاحدِ نظر پھیلا ہوا دیکھا ہے۔ تاتاری بدمعاش انہی میں کہیں روپوش ہوجاتے ہیں اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ سلسلہ منچوریا تک چلا گیا ہے۔ جب تو ان علاقوں کی چھان بین کرتا ہوا منچوریا تک پہنچ جائے تو منچوریا کے جنوب میں تجھے کوریا نامی ملک ملے گا۔ کچھ دن کوریا کی سیر بھی کرلینا کیونکہ یہ بھی اپنے ہی علاقے ہیں۔ مجھے اور میری نسلوں کو ان پر ہی حکومت کرنی ہے۔"

جوجی خان کو حکم دیا گیا کہ وہ جی نویان اور مقولی کے ساتھ ساتھ رہے اور ان دونوں کی نگرانی میں کام بھی کرے' سیکھے بھی اور تجربات بھی حاصل کرے۔

چغتائی خان' اوغدائی خان اور تولی خان کو حکم ملا کہ یہ تینوں باپ کے ساتھ رہیں کیونکہ انہیں وہ خود تربیت دے گا۔

سوبدائی بہادر خنگان کے جنگلوں میں نکل گیا۔ جی نویان اور مقولی جوجی خان کو لے کر دیوارِ چین کی طرف روانہ ہوگئے۔

یسوتائی اور گلدار کو اپنے نظرانداز کئے جانے کا بڑا دکھ تھا۔ ان دونوں نے چنگیز خان سے کوئی شکایت تو نہیں کی لیکن انہیں جو دکھ تھا وہ ان کے چہروں سے عیاں تھا۔

مردم شناس چنگیز خان نے اعلان کیا "اگر یسوتائی بھی ان کے ساتھ چلا جاتا تو میری دیکھ بھال کون کرتا اور گلدار کو میں نے محض اس لئے روکا ہے کہ یہ ہمارا پرچم بردار ہے۔ جب یہ پرچم اٹھا کے اپنے دشمن کی طرف بڑھتا ہے تو فتح یقینی ہوجاتی ہے۔ میری بیشتر کامیابیاں علم دار کی مرہونِ منت ہیں۔ اس لئے اسے میں اپنے ساتھ رکھوں گا۔"

دونوں کے چہرے کھل اٹھے۔

○☆○

خاندانِ زریں میں خاموش ہلچل مچی ہوئی تھی۔ وائی ونگ چنگیز خان سے اتنا خوف زدہ تھا کہ اس نے شمالی حصے میں رہنے کا خیال ہی دل سے نکال دیا تھا کیونکہ دیوارِ عظیم چینی دیوار اس کی حفاظت کرنے سے قاصر رہ گئی تھی۔ دوسرے درباری بھی خوف زدہ اور دل برداشتہ تھے۔ شاہی خواتین بھی بہت پریشان تھیں۔ ان ساری تفاصیل کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ جنوب کے منگ خاندان کا مہمان بن جانا چاہتا تھا۔ حالانکہ یہ دونوں خاندان ایک دوسرے سے خوش نہیں تھے لیکن قدیم شاہی رسم و رواج کے مطابق وہ ایک دوسرے کو پناہ دینے پر مجبور تھے

بادشاہ وائی ونگ نے جب یہ اعلان کیا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے

جنوب کے منگ خاندان کی مہمانی میں جانا چاہتا ہے تو تجربہ کار مشیروں نے اس کی مخالفت کی اور پوچھا "ملک خطا پر کون حکومت کرے گا' یہ تو بتاتے جایئے۔"

بادشاہ نے جواب دیا "تم لوگ یہاں کی افواج کے سپہ سالار ہو گے اور عمائدین شہر اور عام شہری ہزاروں سال سے شاہی خاندان کی وفاداری کا دم بھرتے چلے آرہے ہیں' یہ لوگ بھی تمہارا ساتھ دیں گے۔"

لیکن کوئی بھی بادشاہ کی تجاویز سے متفق نہ ہوا۔ ان سب کے حوصلے پست تھے اور چنگیز خان کا رعب ہر دل پر طاری تھا۔

مشیروں نے بادشاہ کو سمجھایا "بادشاہ کے بغیر کوئی بھی کسی کو خود سے بڑا سمجھنے پر آمادہ نہ ہو گا۔"

بادشاہ نے اپنے ایک لڑکے کو اژدہے والے تخت پر بٹھا دیا۔ "یہ تمہارا بادشاہ ہے۔ تمہارا بادشاہ اور میرا ولی عہد۔ اب تو تمہاری تشفی ہو جانی چاہئے۔"

یہ ساری ذمے داریاں دوسروں کے حوالے کر کے وہ جنوب کے منگ خاندان میں چلا گیا۔ کچھ عورتیں بھی بادشاہ کے ساتھ چلی گئیں لیکن بیشتر کو محل ہی میں رہنے دیا گیا۔ یہ عورتیں موجودہ ماحول میں بے حد خوف زدہ تھیں۔

عمائدین شہر اور شہری آپس میں حلف اٹھا رہے تھے اور عہد کر رہے تھے کہ بادشاہ جہاں جانا چاہے چلا جائے' شہر کو وہ بچائیں گے۔ خاندانِ زریں کی حفاظت وہ کریں گے۔ انہی میں سے کچھ نے مشورہ دیا "یہاں کا لیاؤ خاندان غداری پر کمربستہ ہے۔ اگر وہ ہمارا ساتھ دیتا تو ہم چنگیز خان کو ناکوں چنے چبوا دیتے۔"

ایک وفد لیاؤ خاندان کے پاس بات کرنے کے لئے بھیجا گیا اور لیاؤ خاندان نے بھی انہیں نہایت صاف جواب دیا اور کہہ دیا کہ وہ چنگیز خان سے غداری نہیں کر سکتے کیونکہ چنگیز خان نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ لیاؤ خاندان کی غصب شدہ زمینیں اور علاقے خاندانِ زریں سے چھین کے انہیں واپس کر دے گا۔

تجربے کار بوڑھے مشیروں نے لیاؤ خاندان کو بتایا "تمہاری قوم کے کچھ بزرگ اور دانا و بینا لوگ شاہی ملازمت میں بھی ہیں' وہ تمہارا ساتھ نہیں دیں گے اور تمہارے مقابلے پر آئیں گے۔ کیا تم لوگ اپنے ان قومیوں کے خلاف جنگ کرو گے؟"

لیاؤ خاندان کی طرف سے ایک ہی جواب تھا "جو ہم سے لڑے گا' ہم اس سے لڑیں گے اور اپنے علاقوں کو آزاد کروا کے رہیں گے۔"

جبی نویان نے اندر داخل ہوتے ہی جنگی کارروائیاں شروع کر دیں اور جب اسے بتایا گیا کہ خاندانِ زریں کا اصل بادشاہ تو شہر چھوڑ کے بھاگ چکا ہے تو اس نے ہنستے ہوئے کہا "ہم بھی یہی چاہتے تھے کیونکہ اب ہمارا کام زیادہ آسان ہو گیا ہے۔"

جنگ کے شروع ہوتے ہی' جبی نویان کو بہت جلد اندازہ ہو گیا کہ چینی تمدن' چینی فکر' چینی سماج اور چینی معاشرہ نہایت مضبوط بنیادوں پر استوار ہے۔ اسے آسانی سے شکست نہیں دی جا سکتی۔ سپاہی اور عام شہری یکساں جوش و خروش سے مقابلہ کئے جا رہے تھے' کوئی پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا۔ اگر ان کا کوئی کمزور پہلو تھا تو صرف یہ کہ ان میں جنگی حکمتِ عملیاں نہیں پائی جاتی تھیں۔ ان کے جذبے اور شوق کو دانائی سے استعمال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بس انہیں لڑنا آتا تھا۔

مقولی جنوب میں بڑھتا چلا گیا۔ وہ منگ خاندان اور خاندانِ زریں کے حاسدانہ جذبوں کو بیدار کرنا چاہتا تھا تاکہ ان دونوں کا اتحاد ختم ہو جائے اور وہ باری باری ایک دوسرے کو ٹھکانے لگا کے شمال جنوب حکومتوں پر قابض ہو جائے۔

جبی نویان نے اپنے آدمی اِدھر اُدھر دوڑا دیئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ مویشیوں کے لئے چراگاہیں تلاش کریں لیکن وہاں چراگاہیں ہوتیں تو نظر آتیں۔ مویشیوں کو لہلہاتی کھڑی فصلوں میں چھوڑ دیا گیا۔

اس کے ساتھ ہی ایک عام حکم دیا گیا کہ فصیلوں کے اندر جو کچی پکی آبادیاں ہیں' انہیں مسمار کر دیا جائے۔ ان کے پتھر اور اینٹیں کہیں دور پھنکوا دیئے جائیں تاکہ بارشوں کے بعد یہاں گھاس نکلنی شروع ہو جائے اور ان کے گھوڑے اور مویشی یہاں سے اپنا چارا حاصل کر سکیں اور چراگاہوں کا مسئلہ حل ہو جائے۔

سرحدی آبادیاں مسمار کر دی گئیں۔ لوگ آوارہ و سرگرداں جنوب کی طرف بھاگ رہے تھے۔ دیواروں کے دروازے اور برجیں ویران ہونے لگے کیونکہ بادشاہ ان سب کو لاوارث چھوڑ گیا تھا اور منگولوں کو باہر نکلنے اور واپس آنے کے لئے کھلے راستے ملنے لگے۔

یہ ساری خبریں قراقرم بھی پہنچتی رہیں اور چنگیز خان صحت مند ہونے کے بعد ملک خطا میں داخل ہونے کی تیاریاں کرنے لگا۔ دو بار کی ہزیمتوں نے چنگیز خان کو خاصا چڑچڑا کر دیا تھا۔ اسے ایک ایغوری عالم نے یہ بھی بتایا تھا کہ یونان کے سکندر نامی شہزادے نے اپنی بتیس سال کی عمر میں دنیا کے بیشتر علاقے فتح کر لئے تھے جبکہ خان کو ابھی تک چین کی تسخیر ہی سے فرصت نہیں ملی۔

چنگیز خان کو اس نوعمر فاتح سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور اس نے پوچھا "کیا یہ نوجوان بھی میری ہی طرح صحراؤں سے تعلق رکھتا تھا؟"

ایغوری عالم نے جواب دیا "نہیں' یہ ایک بادشاہ کا بیٹا تھا اور سکندر کا باپ کبھی کبھی اتنی شراب پی جاتا تھا کہ ایک میز سے دوسری میز تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔"

چنگیز خان نے پوچھا "کیا سکندر بھی شراب پیتا تھا؟"

ایغوری عالم نے جواب دیا "بہت' لیکن کبھی اپنے ہوش و حواس سے باہر نہیں ہو جاتا تھا۔"

چنگیز خان نے پوچھا "سکندر صحراؤں اور خیموں میں رہتا تھا یا محلات میں؟"

ایلغوری عالم نے جواب دیا "وہ یونان کے شہر ایتھنز میں رہتا تھا اور ایتھنز میں عالموں کی کثرت تھی۔ اس کا استاد ارسطو آج تک اپنے علم و دانش کی وجہ سے مشہور ہے۔"

چنگیز خان کو بڑی حیرت تھی کہ سکندر نامی شہزادہ حرکت و عمل کا پیکر کس طرح ہو سکتا ہے۔ آخر اس نے اپنے شہری پڑھے لکھے آدمیوں پر کس طرح حکومت کی جبکہ شہری اور عالم بزدل ہوتے ہیں۔ اسے سکندر کے ذکر سے نفرت ہو گئی اور اس نے کہا "اگر اس کو میری طرح لاوارثی کے عالم میں زندگی بسر کرنی پڑتی اور وہ بے یارومددگار ہر طرف سے اپنے دشمنوں میں گھرا ہوتا اور اسے اپنے باپ کی طرف سے حکومت اور استاد ارسطو کی طرف سے عقل نہ ملی ہوتی' اس کے سامنے کوئی دیوارِ چین ہوتی اور دیوارِ چین کے پیچھے چینیوں کے ٹڈی دل عساکر ہوتے اور اسے ان سب سے تنہا لڑنا پڑتا اور سارے فیصلے خود کرنا پڑتے اور میں اس کے زمانے میں موجود ہوتا تو دیکھتا اور اس سے کہتا کہ اب کارنامے کر کے دکھا۔ میرا اس سے کوئی مقابلہ نہیں۔ وہ اعلیٰ وسائل رکھنے والا شاہی خاندان کا ایک شہزادہ تھا جب کہ میں ان وسائل سے محروم ہوں۔ محض ایک نوعمر نوجوان اور لڑکا تھا اور مجھے میری ماں اولون کے سوا کوئی سرپرست اور مشیر بھی نہیں ملا تھا۔"

ایلغوری عالم نے کہا "اب آپ چین کا قصد فرمائیں اور اس جنگ کو زیادہ طول نہ دیں۔"

چنگیز خان نے ایلغوری عالم کو قید کر دیا کیونکہ اس نے سکندر سے اس کا موازنہ کر کے اپنے حسد کا اظہار کیا تھا۔ اور اس حسد نے اس میں اتنی ہمت پیدا کر دی تھی کہ وہ چنگیز خان کی مرضی کے خلاف مشورے بھی دینے لگا تھا۔

لیکن ایلغوری عالم کی باتوں کا یہ اثر ضرور ہوا کہ وہ حرکت میں آ گیا۔ اس نے قراقرم سے نکل کے دیوارِ چین کے سامنے اپنے خیمے نصب کر دیے اور جبی نویان اور مقولی کے پاس پیغامات بھیجے کہ وجہ بتائی جائے کہ یہ جنگ ابھی تک جاری کیوں ہے؟

مقولی نے زیادہ ہوشیاری دکھائی اور چنگیز خان کو شہر کے اندر آنے کی دعوت دی جب کہ جبی نویان وائی ونگ کا پیچھا کرتا ہوا منگ خاندان تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے منگ خاندان کے بادشاہ کو غیرت دلائی "تو خطا کے اس بادشاہ کو پناہ دے رہا ہے جس نے تجھ سے ہمیشہ دشمنی کی۔"

منگ خاندان نے اس کا مختصر جواب دیا "یہ شاہی خاندانی روایت کے خلاف ہے کہ ہمارا دشمن ہم سے پناہ مانگے اور ہم انکار کریں۔"

مقولی اور جبی نویان دونوں ہی اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ جب تک خطا کی لنگڑی لولی حکومت موجود ہے دوسری حکومتیں اس لولی لنگڑی حکومت کو سہارا دیتی رہیں گی۔

خطا کا ایک سپہ سالار ہمت ہار بیٹھا اور منگولوں سے مل گیا۔ مشیرانِ سلطنت اور عمائدینِ شہر نے فوراً اس کی جگہ وانگ ین کو سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اس سپہ سالار کا تعلق شاہی خاندان سے تھا اور خطا کی حکومت کے لئے اس کے دل میں بڑی عزت تھی لیکن اس نے شاہی محل میں بڑی بدنظمی دیکھی۔ محل کے ملازم اور خدمت گار چوریاں کرنے لگے تھے اور خواجہ سرا لوٹ مار میں لگ گئے تھے۔

اسی دوران محل کی پریشان حال عورتوں نے سابقہ سپہ سالار سے درخواست کی کہ اگر وہ ان کی حفاظت نہیں کر سکتا تو ان خواتین کو جنوب میں منگ خاندان کی حکومت میں بھیج دیا جائے۔

سپہ سالار نے رات کے اندھیرے میں ان خواتین کو چنگیز خان کے آدمیوں کے حوالے کر دیا اور خود کہیں فرار ہو گیا۔

نئے سپہ سالار وانگ ین نے منگولوں سے خوفناک جنگ کی لیکن جبی نویان' مقولی اور جوجی خان نے نہایت حکمتِ عملی سے چینیوں کا محاصرہ کر لیا اور جب چینی سپہ سالار کو فتح کی امید باقی نہیں رہی تو وہ اپنے دوست کے ساتھ شاہی محل بھاگ آیا۔ وہ اس وقت بے حد اداس تھا۔ اس کے دوست نے پوچھا "ابھی تو جنگ جاری تھی پھر تو میدانِ جنگ چھوڑ کے شاہی محل کیوں چلا آیا؟"

سپہ سالار نے جواب دیا "ہم یہ جنگ ہار چکے اور یہ ہماری آخری جنگ تھی۔ کچھ دیر بعد وحشی ہمارے اس محل میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ وہ مجھے گرفتار بھی کر سکتے تھے اور اب بھی وہ مجھے گرفتار کر سکتے ہیں اس لئے میں اپنی جان بچا کر بھاگ آیا۔"

دوست نے دیکھا کہ سپہ سالار ایک خاص محلول تیار کرنے میں مشغول ہے' پوچھا "یہ تو کیا کر رہا ہے؟"

سپہ سالار نے کوئی جواب نہیں دیا اور بدستور محلول تیار کرتا رہا اور جب یہ محلول تیار ہو گیا تو سپہ سالار نے اپنے دوست سے کہا۔ "جناب! آپ کو کچھ دیر کے لئے باہر جانے کی زحمت اٹھانا پڑے گی۔"

دوست اٹھ کر باہر چلا گیا اور چینی سپہ سالار اپنے دامن پر لکھنے لگا "اب فتح کا ہر در بند ہو چکا ہے۔ کچھ دیر میں میدانِ جنگ سے فاتح وحشی اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس محل میں آئیں گے اور چینی سپہ سالار کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے تو بہت مایوس ہوں گے۔ اسی وقت تک میں مر چکا ہوں گا۔ بس یہی ایک فتح میرے اختیار میں تھی جو میں نے حاصل کر لی۔"

اس کے بعد محلول کو بے تامل پی گیا۔

کچھ دیر بعد اس کا دوست اندر داخل ہوا تو دیکھا' سپہ سالار مر چکا ہے۔ دامن پر لکھی ہوئی عبارت پڑھی تو بہت گھبرایا اور وہاں سے فرار ہو جانے کی کوشش کی مگر اس وقت تک مقولی اپنے

توپوں کے ساتھ محل میں داخل ہو چکا تھا۔ اس نے اس سنسان اور ویران محل سے سپہ سالار کے زعمہ دوست کو سپہ سالار سمجھ کر گرفتار کرلیا لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ سپہ سالار تو مر چکا ہے اور گرفتار ہونے والا شخص مرے ہوئے سپہ سالار کا دوست ہے تو اسے چھوڑ دیا۔ اور دامن پر لکھی ہوئی عبارت کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد اسے باعزت طریقے سے دفن کروا دیا۔

جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ گلیوں کوچوں، چوراہوں اور بازاروں میں شہری یہ جنگ اپنے اپنے طور پر لڑنے میں مشغول تھے۔

اسی حالت میں چنگیز خان بھی اپنی فوجوں کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا۔ اس نے ایک لمبی داڑھی والے شخص کو نہایت جوش و خروش سے لڑتے دیکھا۔ ان گلی کوچوں اور بازاروں میں لڑنے والوں کو ابھی تک یہ نہیں معلوم ہوا تھا کہ شاہی خاندان کا سپہ سالار وانگ ین مر چکا ہے۔

چنگیز خان نے اس لمبی داڑھی والے کو دلچسپی سے دیکھا اور اسے حکم دیا "تلوار پھینک دے۔ تو جس کے لئے جنگ لڑ رہا ہے وہ زہر پی کے مر گیا۔ اسے کب کا دفنا بھی دیا گیا۔ اب تو یہ جنگ کس کے لئے لڑ رہا ہے؟"

اس لمبی داڑھی والے کو شبہ ہوا کہ کہیں یہ بات جھوٹ تو نہیں ہے۔ اس نے تلوار پھینک دی اور خود کو چنگیز خان کے حوالے کر دیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "تیری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تیرا تعلق بورتے چنجن نسل سے ہے۔ کھرے یاکا قبیلے کا منگول سردار کہیں تو چنگیز خان تو نہیں ہے؟"

چنگیز خان اس کی ذہانت سے بے حد متاثر ہوا اور کہا "اور تیرے چہرے کے خدوخال بتلا رہے ہیں کہ تیرا تعلق لیاؤ قبیلے سے ہے۔"

اس لمبی داڑھی والے نے جواب دیا "تو نے بھی مجھے صحیح پہچانا۔ میرا تعلق لیاؤ قبیلے سے ہے اور سو سال پہلے ہمارے آباؤ اجداد بھی صحراؤں میں رہتے تھے۔ پھر ہم سب شہر میں رہ بس گئے انہی جیسی بود و باش اختیار کر لی اور خاندانِ زریں کی خدمت کرنے لگے۔"

چنگیز خان نے کہا "لیاؤ خاندان تو میرا حلیف خاندان ہے پھر تجھے ہم سے جنگ نہیں کرنی چاہئے تھی۔"

لمبی داڑھی والے لیاؤ خاندان کے فرد نے کہا "معاہدہ جن لوگوں نے کیا تھا ان پر اس کی پابندی بھی ضروری تھی لیکن اس معاہدے میں وہ لوگ شامل نہیں تھے جو شاہی ملازمت کر رہے تھے۔ جب تک خاندانِ زریں باقی ہے ہم اس کی خدمت کرتے رہیں گے۔"

چنگیز خان نے کہا "لیکن اب تو خاندانِ زریں کی حکومت ختم ہو گئی۔ اب تجھے ہماری خدمت میں آ جانا چاہئے۔ کیونکہ ہمیں تیرے جیسے مخلص اور وفاداروں کی ضرورت ہے۔"

لمبی داڑھی والا لیاؤ آگے بڑھا۔ اپنی تلوار اٹھا کر چنگیز خان کے قدموں میں رکھ دی اور کہا "میں نے ہمیشہ خاندانِ زریں کی خدمت کی ہے اب تیری خدمت کروں گا۔"

چنگیز خان نے اس کی تلوار اٹھا کے اسی کے حوالے کر دی اور کہا "میں نے آج تک اپنے کسی ایسے دشمن کو معاف نہیں کیا جس نے میرے مقابلے پر تلوار چلائی ہو مگر تیری باتیں اچھی لگیں اور میں نے تجھے معاف کر دیا۔"

لمبی داڑھی والے لیاؤ نے کہا "میرا نام لیو چت سائی ہے۔ میں بادشاہ کا مشیر تھا پتا نہیں تجھے مشیروں کی ضرورت ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر تیرے دربار میں بھی مجھے یہی منصب حاصل ہوا تو شاید میں بہت جلد قتل کر دیا جاؤں گا۔"

چنگیز خان نے حیرت سے پوچھا "تو یہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ تو اپنے مشوروں کی وجہ سے قتل کر دیا جائے گا؟"

لیو چت سائی نے جواب دیا "سچے مشورے کڑوے ہوتے ہیں اور تو جاودانی نیلے آسمان کا بھیجا ہوا زمین پر انسانوں کا آقا ہے۔ تجھ کو میرے مشورے اچھے نہیں لگیں گے۔"

چنگیز خان کو ایسا لگا جیسے سکندر سے ارسطو مخاطب ہے۔ اس نے جواب دیا "آقاؤں کو بھی اچھے مشیروں کی ضرورت رہتی ہے تیرے جو مشورے اچھے لگیں گے ان پر عمل کروں گا اور جو برے لگیں گے انہیں سنوں گا بھی نہیں۔"

لیو چت سائی نے برا سا منہ بنایا اور کہنے لگا "خرابی تو یہیں سے شروع ہو گئی۔ مشورے ہمیشہ وہی اچھے لگتے ہیں جو مرضی اور خواہش کے مطابق ہوتے ہیں اور وہ برے لگتے ہیں جو مرضی اور خواہش کے مطابق نہیں ہوتے۔"

چنگیز خان کو ابھی تک جتنے آدمی ملے تھے لیو چت سائی ان سے بالکل مختلف تھا، پوچھا "تب پھر یہ بتا کس قسم کے مشورے ماننا چاہئیں اور کس قسم کے مشورے رد کر دینا چاہئیں؟"

لیو چت سائی نے کہا "میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ سچائی تلخ ہوتی ہے۔ میں تجھ کو جو مشورے دوں گا تو خود بھی ان کے افادی اور مضر پہلوؤں پر غور کرے گا اس کے بعد انہیں قبول یا رد کر دے گا۔"

ہر روز چنگیز خان کی خدمت میں عجیب و غریب قسم کے لوگ لائے جاتے۔ یہ سارے افراد حکومت کے مختلف عہدوں پر فائز تھے۔ ایک ایسا ہی شخص چنگیز خان کے پاس لایا گیا۔ اس کے پاس ایک چھوٹی سی چیز تھی جس کو وہ ان وحشیوں سے چھپاتا پھر رہا تھا۔ منگولوں نے یہ چیز دیکھ لی تھی مگر اس کا مصرف ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ منگولوں کی مجبوری یہ تھی کہ سابقہ حکومت کے وفادار کارندوں کو اس وقت تک قتل نہیں کر سکتے تھے جب تک انہیں چنگیز خان کے سامنے پیش نہ کیا جاتا اور وہ خود انہیں قتل کر دینے کا

حکم نہ دے دیتا۔ جس وقت اس شخص کو چنگیز خان کے سامنے پیش کیا گیا لیوچت سائی چنگیز خان کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔

لیوچت سائی اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور پوچھا "تاتا تنگا! یہ لوگ تجھ کو پکڑ کے یہاں کیوں لے آئے؟"

تاتا تنگا نے جواب دیا "آپ تو جانتے ہیں کہ میں شاہی خاتم بردار ہوں اور مہروں کی حفاظت کتنا مقدس فریضہ ہے، آپ سے بہتر کون سمجھے گا۔"

چنگیز خان نے حیرت سے پوچھا "یہ شخص کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے؟"

لیوچت سائی نے جواب دیا "یہ ایک ایغوری عالم ہے۔ شاہی خاندان کی مہریں اسی کے پاس رہتی تھیں اور یہ شاہی احکام پر مہریں لگا کے یہ قطعی ثبوت فراہم کر دیتا تھا کہ جس کاغذ پر یہ مہر لگی ہوئی ہے وہ بادشاہ کا اصلی فرمان ہے۔"

چنگیز خان کی سمجھ میں ایک بات بھی نہیں آئی تو لیوچت سائی نے اسے سمجھایا "گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر شہروں اور ملکوں کو فتح کرنا نسبتاً آسان ہے لیکن شہروں اور ملکوں کا نظم و نسق چلانا بہت مشکل کام ہے۔ بادشاہ کے بے شمار کارندے مختلف فرائض اور ذمے داریاں سنبھالتے ہیں۔ بادشاہ ان سب پر نظریں رکھتا ہے اسی لئے علم کو بے حد ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کیوں کہ ساری باتیں کتابوں میں لکھ دی جاتی ہیں۔ ایک معمولی کارندے سے لے کر بادشاہ تک کو اپنے اختیارات، فرائض اور ذمے داریوں کا علم رہتا ہے۔ قانون بھی کتابوں میں لکھا رہتا ہے۔ انسانوں کے واقعات اور تجربات بھی کتابوں میں محفوظ رہتے ہیں۔ اگر کسی ان پڑھ حکمران کے سامنے غلط سلط مفاہیم پڑھ کے سنا دیے جائیں تو حکمران اس کے دھوکے میں آجائے گا۔"

چنگیز خان لیوچت سائی کی ساری باتیں غور سے سنتا رہا اور اپنے چہرے سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ لیوچت سائی کی باتوں پر غور کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔

لیوچت سائی نے بہت سے ستاروں کے نام لئے، ان کی چال اور اسرار کا ذکر کیا اور چنگیز خان کو بتایا "میں کوئی نجومی نہیں ہوں لیکن پڑھا لکھا ہونے کی وجہ سے میں اس علم سے بھی واقف ہوں۔"

چنگیز خان نے کہا "لیکن مجھے یہ لوگ پسند نہیں کیونکہ یہ لوگ آرام طلب ہو جاتے ہیں۔ اگر میری قوم آرام طلب ہو گئی تو ملک خطا پر قابض نہ ہو گی اور تو بہت جلد یہ خبر بھی سن لے گا کہ سنگ خاندان کا بھی خاتمہ ہو چکا ہے۔ اسے مغلوں بہادر فتح کرلے گا۔"

لیوچت سائی نے سرد آہ بھری اور کہا "میں نے یہ کب کہا کہ تم لوگ چین فتح نہیں کر سکتے۔ میں تو صرف یہ بتا رہا ہوں کہ شہروں اور ملکوں کو فتح کرنا کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہونا چاہئے کہ جن ملکوں اور شہروں کو تم فتح کرو ان سے خود فائدہ اٹھاؤ اور اپنی رعایا کو بھی فائدے پہنچاؤ۔ محض دشمن بن کے زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔ تم دنیا کو گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر فتح تو کر سکتے ہو مگر گھوڑے کی پیٹھ سے اس پر حکومت نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے تمہیں ایک نہ ایک دن گھوڑے کی پشت سے اترنا ہو گا۔"

چنگیز خان نے ایغوری عالم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بات اس کی ہو رہی تھی اور تو نے دوسری غیر ضروری باتوں میں الجھا دیا۔"

لیوچت سائی نے عرض کیا "میں نے تو پہلے ہی یہ بتا دیا تھا کہ یہ شاہی مہر بردار ہے، آپ کو اس کی بھی ضرورت پیش آئے گی۔"

چنگیز خان نے آہستہ سے کہا "تم دلچسپ باتیں کرتا ہے۔ آخر کار تو نے کسی حد تک علم کی افادیت کا قائل کر دیا۔ میرا خیال ہے، مجھے بھی مہریں بنوانا پڑیں گی اور یہ کام مجھے بھی اسی ایغوری عالم کے سپرد کرنا پڑے گا۔ اس کے پاس بہت زیادہ وقت ہو گا۔ اس وقت میں سے کچھ وقت یہ میرے بچوں کو پڑھانے میں صرف کرے گا۔"

لیوچت سائی بہت خوش تھا کہ اس نے پتھریلی زمین پر جو بیج ڈالے تھے وہ بار آور ہوتے نظر آرہے تھے۔

شاید چنگیز خان لیوچت سائی کی باتوں پر بہت زیادہ غور کرتا رہا تھا۔ چنانچہ اس نے لیوچت سائی سے کہا "ذرا میرے ساتھ سان گروں کی بستی تک چل۔"

لیوچت سائی چنگیز خان کے ساتھ سان گروں میں پہنچ گیا۔ وہاں تلواریں، خنجر، قینچیاں، چھرے اور دوسرا دھار دار اسلحہ سان پر چڑھایا جا رہا تھا۔ ان سے ایک مخصوص آواز پیدا ہو رہی تھی اور ہر طرف چنگاریاں سی اڑ رہی تھیں۔

چنگیز خان نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ دھاروں سے محروم ہتھیار جاہلوں کی عقل جیسے ہوتے ہیں لیکن اگر انہیں علم کی سان پر چڑھا دیا جائے تو یہ بہت کار آمد ہو جاتے ہیں۔"

جہل اور علم کے بارے میں اس ذرا سے تجزیے نے لیوچت سائی کو حیرت میں ڈال دیا اور وہ پھولا نہ سمایا۔ لیوچت سائی بے حد خوش تھا کہ چنگیز خان کی وحشت اور بربریت پر لیوچت سائی کی عقل نے قابو حاصل کر لیا تھا۔ اب وہ ان وحشیوں سے اپنے تمدن کو بچا سکتا تھا۔ اپنے باغات اور کھیتوں کو چراگاہیں بننے سے روک سکتا تھا۔ محلات، عمارات اور مکانات کو کھنڈر بننے سے بچایا جا سکتا تھا۔ وہ چنگیز خان کو لہلہاتے ہوئے کھیتوں کی طرف لے گیا اور اسے بتایا "ان کے خوشوں میں جو اناج پایا جاتا ہے وہ انسانوں کے کام آتا ہے اور اس کا بھوسا مویشی کھاتے ہیں جب کہ چراگاہیں صرف مویشیوں کے کام آتی ہیں۔"

چنگیز خان نے چین کی بہت بڑی آبادی کا ذکر کیا "اس فضول آبادی کا فائدہ۔ اگر اسے کم کر دیا جائے تو ان کے حصے کا اناج اور

کپڑا ہمارے آدمیوں کے کام آئے گا۔"

لیوچیت سائی نے سمجھایا "کہیں ایسا غضب بھی نہ کیجئے گا۔ یہ کھیتی باڑی کے ماہر لوگ ہیں اور ان میں دوسرے، بہت سے ہنرمند بھی ہیں۔ ان کو قتل کر دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ملک کو، کھیتی باڑی کو محروم کر دیا گیا۔ اسی طرح ہنرمندوں کے قتل سے بہت سے ہنر ختم ہو جائیں گے۔"

چنگیز خان بھی اس پہلو پر غور کر کے خوف زدہ ہو گیا حالانکہ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ چالاک لیوچیت سائی اپنے ملک کو تباہی اور بربادی سے بچا رہا ہے، کہنے لگا "مجھے یہاں کی بڑی بڑی عمارتیں اور مکانات بہت برے لگتے ہیں۔ میں انہیں زمین بوس کر دوں گا۔"

لیوچیت سائی نے ایسا کرنے سے بھی روکا اور کہا "یہ لوگ زمانے کے سرد و گرم سے بچ کے نئی نئی چیزیں سوچتے اور عمل میں لاتے ہیں اور اگر انہیں ستایا گیا تو ان کی صلاحیتیں ماند پڑ جائیں گی اور ترقی رک جائے گی۔ اس کا اثر تیری قوم پر بھی پڑے گا۔ نفرتیں بڑھیں گی اور چھوٹی چھوٹی بغاوتیں شروع ہو جائیں گی اور تیرے جانشین کو ہر وقت جنگوں میں مصروف رہنا پڑے گا۔"

اس کے بعد لیوچیت سائی چنگیز خان کو محل کی چھت پر لے گیا اور وہاں سے شہر کا وہ نظارہ کرایا کہ چنگیز خان سحر زدہ سا ہو گیا۔ خوب صورت باغات، لہلہاتے ہوئے کھیت، نہریں اور دریا جن میں مختلف قسم کی کشتیاں تیر رہی تھیں، اونچے نیچے مکانات اور محلات کے مناظر کچھ اور ہی لطف پیدا کر رہے تھے۔ ہر طرف سڑکوں کے جال نظر آ رہے تھے۔ سڑکوں کے کنارے سایہ دار درخت تھے۔ سائے میں بیٹھے ہوئے لوگ بے فکری سے باتیں کر رہے تھے اور سڑکوں پر گھوڑے اپنے سواروں کو لئے دوڑ رہے تھے اور کہیں آہستہ روی سے چل رہے تھے۔

لیوچیت سائی نے چنگیز خان کو سمجھایا "یہاں تک یہ لوگ تین ہزار سالوں کا فاصلہ طے کر کے پہنچے ہیں۔ تو نیلے جاودانی آسمان کا اس زمین پر نمائندہ ہے۔ آسمان نے تو کبھی انہیں تباہ و برباد نہیں کیا۔ تو تو ایسا کام کیوں کرے، جو آسمان نے نہیں کیا۔"

چنگیز خان نے نفرت سے کہا "لیکن مجھے یہ ساری چیزیں اچھی نہیں لگتیں۔ مجھے ان سے نفرت ہے۔ تیرے ملک خطا کو فتح کرنے کے بعد میں اپنی تین دریاؤں کی وادی میں واپس نہیں جاؤں گا۔ مجھے اونگ خان کی وادی پسند آگئی ہے، قراقرم کا علاقہ۔ یعنی کالی ریت کا علاقہ وہی میرا دارالخلافہ ہے اور وہی میرا مستقر ہے۔"

لیوچیت سائی نے جواب دیا "جس طرح آپ کو اپنا وہ علاقہ پسند ہے اسی طرح چینیوں کو اپنا یہ علاقہ پسند ہے۔ اس لئے جو جسے پسند ہے اسے اسی طرح برقرار رہنا چاہئے۔"

چنگیز خان نے لیوچیت سائی کو یاد دلایا "لیکن تیرا تعلق تو لیاؤ تنگ قبیلے سے ہے، جو سو سال پہلے یہاں ایک علاقے کے فاتح بن کے داخل ہوئے تھے۔ لیاؤ تنگ بھی شمالی صحراؤں سے تعلق رکھتے تھے۔ یہاں آ کے وہ شہری ہو گئے اور چینیوں کے رنگ میں ایسے رنگ گئے کہ ان کی شناخت بھی مشکل ہو گئی پھر خاندان زریں نے تم لوگوں کو اپنا محکوم بنا لیا اور اب وہ میری مدد سے دوبارہ اپنے علاقوں کے مالک بن گئے ہیں۔ پھر تو چینیوں کی حمایت میں کیوں بول رہا ہے؟"

لیوچیت سائی نے جواب دیا "چنگیز خان! شاید تجھے ابھی استاد کے مرتبے کا علم نہیں ہے۔ ماں باپ تو صرف پیدا کر دیتے ہیں لیکن انسان کو کارآمد استاد بناتے ہیں۔ چینی میرے استاد ہیں اور ان کا اس طرح احترام کرتا ہوں جس طرح ماں باپ کا کیا جاتا ہے۔"

بظاہر چنگیز خان لیوچیت سائی کے سامنے بے بس ہو گیا تھا۔ وہ یہاں مقولی کے فیصلہ کن جنگی نتائج کا انتظار کر رہا تھا۔ جب اسے یہ بتایا گیا کہ مقولی نے جنوب کے سنگ خاندان کا بھی خاتمہ کر دیا ہے تو اس نے چین کی حکومت مقولی کے حوالے کر دی اور فوج کو حکم دیا۔ "تم لوگ مقولی کا حکم اسی طرح مانو گے جس طرح میرا حکم مانتے رہے ہو۔"

اس کے بعد اپنے اور چینی چھکڑوں پر چین سے لوٹا ہوا سامان لادا گیا اور چنگیز خان قراقرم روانہ ہو گیا لیکن اس سفر میں لیوچیت سائی، تاتا تنگا، راج معمار، ہنرمند اور دوسرے کارآمد لوگ چنگیز خان کے ساتھ تھے۔ لیوچیت سائی نے ان سب کی اہمیت اور ضرورت ثابت کر دی تھی۔

اس موقع پر چینیوں کے کسی بدخواہ نے چنگیز خان کو مشورہ دیا۔ "ابھی چین کا بہت بڑا حصہ فتح ہونے سے باقی رہ گیا ہے اسی لئے اس نامکمل فتح سے حاصل کیا ہو گا۔ جنوبی چین کے بہت سے علاقے آپس میں اتحاد کر کے مقولی کو نکال باہر کریں گے۔"

لیکن لیوچیت سائی نے چنگیز خان کو سمجھایا "آپ یہ غلطی نہ کریں۔ چین بہت بڑا ملک ہے۔ اگر آپ نے پورے چین کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا تو پھر پوری زندگی یہیں صرف ہو جائے گی اور مغربی ممالک آپ کو اپنا آقا نہیں مانیں گے۔"

چنگیز خان نے لیوچیت سائی کے مشورے پر عمل کیا اور بے تحاشا سامان سے لدی ہوئی گاڑیوں کو ہنکاتا ہوا قراقرم روانہ ہو گیا۔

اب جس جگہ کو چنگیز خان نے اپنا مستقل مستقر قرار دیا تھا وہاں دور دور تک کسی درخت کا وجود نہ ملتا تھا لیکن زمین مسطح تھی۔ اس کے حکم سے یہاں خیمے نصب کروئے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے یورتوں کا ایک شہر آباد ہو گیا لیکن ان یورتوں میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا تھا کہ ان سب کی چھتیں سیاہ سمور کی ہوں۔ صرف اس کا اپنا گول یورت نیچے سے اوپر تک سفید تھا۔ اگر کسی بلند جگہ سے اس شہر پر نظر ڈالی جاتی تو چنگیز خان کا خیمہ دور سے شناخت کیا جا سکتا تھا۔

چونکہ چنگیز خان شہری منصوبہ بندی کا کوئی شعور نہیں رکھتا تھا اس لیے یہاں باقاعدہ سڑکوں کا کوئی وجود نہ تھا۔ زمین چنگیز خان کی تھی اور وہ سب چنگیز خان کے خدمت گزار تھے اس لیے جس نے جہاں چاہا اپنا یورت کھڑا کر لیا۔ لیکن ان وحشیوں میں اتنا شعور ضرور پایا جاتا تھا کہ ان میں کون عوامی ہے اور کون خواص۔ عامیوں کے خیمے اپنی وضع قطع کے اعتبار سے مختصر اور معمولی تھے۔ اور خواص کے خیمے زیادہ جگہ گھیرے ہوئے تھے اور وہ اپنی وضع قطع سے بھی غیر معمولی معلوم ہوتے تھے۔ ان یورتوں میں جو چیز عام تھی وہ یہ کہ ان سب کے دروازے، جنوب میں کھلتے تھے۔

یہاں ہر وقت تیز ہواؤں کے غیر معمولی جھکڑ چلتے رہتے تھے جس سے انہیں جھاڑو دینے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

یہاں ایک بہت بڑا اصطبل بھی بنایا گیا تھا جو ہر وقت اعلیٰ نسل کے گھوڑوں سے بھرا رہتا۔

مویشیوں کے لیے باڑے تھے اور ان کی بڑی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ گائے بھینس کا دودھ تو استعمال ہوتا ہی تھا لیکن گدھی یا گھوڑی کے دودھ کی بڑی اہمیت تھی۔ یہ ان کا مرغوب مشروب تھا۔ خود بھی پیتے اور اسی سے مہمانوں کی تواضع کرتے۔

یہاں غلے کا ذخیرہ بھی کیا گیا تھا۔ یہ ذخیرہ انسانوں کے بھی کام آتا اور جانوروں کے بھی۔ لیکن اب انہیں چراگاہوں کی ضرورت تھی۔ لیوچت سائی نے چین کو چراگاہ بننے سے روک دیا تھا۔ اور باتوں ہی باتوں میں جنوبی اور مغربی ممالک کی نشاندہی کر دی تھی۔

لیکن اب چنگیز خان کے سامنے دوسرے بڑے بڑے مسائل بھی تھے۔ اس کی شہرت تاجروں اور سیاحوں کے ذریعے دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ جہاں لاکھوں خیمے ہوں اور ان میں لاکھوں انسان آباد ہوں وہ تاجروں کے لیے بڑی پُرکشش جگہ ہوتی تھی۔ خصوصاً مسلمان تاجر جو افریقہ، مصر، شام اور عراق جیسے بعید ترین علاقوں سے سامانِ تجارت لے کر چلتے تھے اور چین تک پہنچ جاتے تھے۔

یہ تاجر اپنی مستقل بستیاں بھی قائم کرتے تھے۔ یہاں ان کے نمائندے رہتے تھے۔ تاجروں کے بھیس میں مبلغ بھی سرگرم عمل ہو جاتے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ شام کے نسطوری عیسائی بھی ان وحشیوں سے رجوع ہوئے۔ نسطوری پادریوں کا خیال تھا کہ



یہ وحشی سادے کاغذ کی طرح ہیں جس پر کچھ بھی لکھا جاسکتا ہے۔ وہ انہیں عیسائیت پر مائل کرکے مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ کالی ریت کی اس سرزمین پر پہنچے تو لکڑی کے عارضی گرجے بنا ڈالے اور ان گرجوں سے ملحق خانقاہوں میں راہبانہ انداز میں رہنے لگے۔

مسلمانوں نے عارضی مکانات بنائے تو اپنے لیے چند مسجدیں بھی تعمیر کرڈالیں۔ یہ مسجدیں مستقل بنائی گئی تھیں اور ان کی تعمیر میں پتھر استعمال کیے گئے تھے۔

چین اور تبت کے بودھ یہاں پہنچنا شروع ہوگئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان وحشیوں کو بالآخر اپنی وحشت اور بربریت سے تنگ آکے بودھ مذہب اختیار کرنا پڑے گا۔ انہوں نے بھی یہاں عبادت گاہیں تعمیر کیں۔ ان عبادت گاہوں میں ایک پگوڈا بھی تھا۔ اس پگوڈا میں بودھوں کے بقول گرتم بودھ کی بھی کوئی خاص متبرک شے رکھی گئی تھی اور اس کے جانشین نندا کی بھی کوئی یادگار چیز موجود تھی۔

دنیا کے یہ تین بڑے بڑے مذاہب ان وحشیوں کو اپنے اپنے مذہب کی طرف مائل کرنے میں مشغول تھے لیکن خودسر اور چالاک چنگیز خان ان تینوں سے کوئی واسطہ نہ رکھتا تھا کیونکہ اس کے پاس اپنا وضع کردہ مجموعۂ قوانین یاسا موجود تھا اور عیسائیوں، مسلمانوں اور بودھوں کو یہ بتادیا گیا تھا کہ اگر وہ یہاں رہیں گے تو انہیں یاسا کی پابندی کرنا ہوگی کیونکہ چنگیز خان اپنے مجموعۂ قوانین یاسا کو دنیا کے بہترین قوانین سمجھتا تھا۔

اب یہاں مغربی ملکوں کے سفیر اور نمائندے بھی پہنچنے لگے تھے گوکہ انہیں چنگیز خان کے دربار میں باریابی کے مواقع بہت کم ملتے تھے مگر دنیا امید پر قائم ہے کے مصداق وہ اپنا وقت انتظار میں ضائع کردیتے تھے۔

دمشق سے آئے ہوئے ایک تاجر کو بہت جلدی تھی۔ وہ اپنے ساتھ سوتی کپڑے کے بہت سے تھان لایا تھا۔ ان بستیوں میں وہ پہلی بار آیا تھا اور اس نے لوگوں سے یہ سن رکھا تھا کہ چنگیز خان چین کی شمالی اور جنوبی قوتوں کو ختم کرکے وہاں سے بڑی دولت لے کر آیا ہے اور قراقرم میں آباد ہوگیا ہے۔ اس کا اندازہ تھا کہ یہ غیر آباد بنجر وادیوں کے رہنے والے بھولے بھالے سیدھے سادے احمق قسم کے لوگ ہوں گے اور ان سے اپنے مال کی اچھی قیمتیں وصول کی جاسکتی ہیں۔

چنگیز خان نے مغربی سرحدوں پر اپنے فوجی بٹھا رکھے تھے۔ یہ س کی ایک قسم کی چوکی تھی اور اس کے جاسوسی نظام کا ایک حصہ ہی۔ بظاہر یہ لوگ آنے والوں سے ضروری سوال وجواب کرتے تھے اور اس وقت تک انہیں روکے رکھتے تھے جب تک ان کے وی آنے والوں کی خبریں چنگیز خان یا ان سے متعلقہ لوگوں تک میں پہنچادیتے تھے۔ ان آنے والوں کو ان سرحدی چوکیوں پر ہی یہ بتادیا جاتا تھا کہ انہیں سیاہ یورتوں کی اس بستی میں یاسا کے قوانین کی پابندی کرنا پڑے گی۔

جب یہ دمشقی تاجر ایسی ہی ایک چوکی پر پہنچا تو منگولوں نے کپڑے کے تھانوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا لیکن ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ کوئی ایک تھان بھی اس تاجر سے زبردستی چھین لے۔

اس تاجر کے ساتھ اس کے چار ساتھی بھی تھے۔ اور ان تاجروں نے ان منگولوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ان کا کام بن گیا اور چنگیز خان سے ان کی اچھی قیمت مل گئی تو وہ واپسی میں چوکی والوں کو خوش کردیں گے۔

چوکیداروں کے نگراں نے مسلمان تاجروں کو سمجھایا "اگر تم لوگ پہلی بار یہاں آئے ہو تو میری بات یاد رکھنا کہ چنگیز خان سے مول تول مت کرنا۔ وہ چیزیں خریدنے کو اپنی بے عزتی سمجھتا ہے اس لیے تم لوگ یہ سارے تھان چنگیز خان کو تحفے میں پیش کردینا۔ وہ تحفے حاصل کرکے بہت خوش ہوتا ہے۔"

مسلمان تاجر بہت پریشان ہوئے، پوچھا "لیکن ہم لوگ تو تاجر ہیں۔ چیزیں تحفے میں نہیں دیتے۔ کاروبار کرتے ہیں، نفع کماتے ہیں۔ تحفے تحائف تو بادشاہ اور امرا ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔"

منگول نگراں نے ان تاجروں کو سمجھایا "جب تم سارے تھان بطور تحفہ چنگیز خان کو بخش دوگے تو وہ انعام واکرام سے تمہیں نواز دے گا اور یہ انعام واکرام اس نفع سے کہیں زیادہ ہوگا جتنے نفع کا تم اندازہ لگاکے وہاں جارہے ہو۔"

ان تاجروں کو اس چوکی میں ایک ہفتہ قیام کرنا پڑا۔ ایک ہفتے بعد انہیں قراقرم جانے کی اجازت ملی۔

یہ تاجر نہایت بے دلی سے قراقرم پہنچے اور مسلمانوں کی بستی میں انہیں ٹھہرنے کی جگہ مل گئی۔ یہاں دوسرے مسلمان تاجروں نے بھی ان نئے تاجروں کو بتایا کہ چنگیز خان کو کاروبار بالکل پسند نہیں اس لیے یہ سارے تھان اس کی خدمت میں تحفتاً پیش کردیے جائیں۔

تاجروں کو ان ساری خبروں پر بالکل یقین نہ تھا۔ وہ ان وحشیوں پر اعتبار کرنے کو تیار نہ تھے۔ انہیں تو یہ سیاہ سموروں کی بستی لٹیروں کا لشکر نظر آرہا تھا۔ ان لوگوں نے جستجو جاری رکھی۔ وہ سنی سنائی خبروں کی تصدیق کرتے پھر رہے تھے۔ وہ مسجد جاتے تو نمازیوں سے ان خبروں کی تصدیق کرتے اور ہر جگہ سے یہی معلوم ہوتا رہا کہ انہوں نے اب تک جو کچھ سنا ہے وہ بالکل درست ہے۔

ان تاجروں کی آمد کی خبریں چنگیز خان کو ہوچکی تھیں اور اسے حیرت تھی کہ ان تاجروں نے ابھی تک چنگیز خان سے باریابی کی اجازت طلب نہیں کی تھی حالانکہ یہاں جو بھی تاجر آتا تھا، اپنی آمد کی خبر دے کر باریابی کی اجازت ضرور طلب کرتا تھا۔ اور ان تاجروں کو باریابی کے لیے بہت دنوں تک انتظار کرنا ہوتا تھا۔

غیر ملکیوں کی سرائے میں یہ دمشقی تاجر کب تک بیٹھے بیٹھے کھا سکتے تھے۔ وہ تو یہاں آکر پھنس گئے تھے۔ مال واپس لے جانا بھی امرِ محال تھا اور یہاں مستقل قیام بھی ناممکن تھا۔ آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ انہیں یہ سارے تھان چین لے جانا چاہئیں' وہ ان کپڑوں کی بہت اچھی منڈی تھی۔

ان تاجروں نے اپنے اس ارادے کا ذکر دوسروں سے بھی کیا مگر ہر تاجر نے اس منصوبے کی مخالفت کی اور کہا "تمہیں یہاں سے جانے کون دے گا؟ اور اگر تمہیں وہاں جانے کی اجازت دے بھی دی گئی تو چنگیز خان کے آدمی منگولی کو خبردار کردیں گے کہ ان تاجروں سے کچھ بھی نہ خریدا جائے۔"

یہ پانچوں تاجر ان سب باتوں سے اتنے پریشان ہوئے کہ دوسرے تاجروں سے بطورِ خاص پوچھا "ہمارے پاس سرمایہ ختم ہوتا جارہا ہے۔ نوبت فاقوں تک پہنچ جائے گی۔ ہم اپنے تھان چنگیز خان کو تحفے میں پیش کرنے سے رہے اور اگر یہاں سے چین جانے میں کامیاب ہوگئے تو وہاں منگولی خان ہمیں تنگ کرے گا اور ہم واپس بھی نہیں جاسکتے۔ خدا کے لیے ہمیں مشورہ دو کہ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

ایک مسلمان نے دلاسا دیا "تم لوگ اپنے کھانے پینے کی فکر تو کرو نہیں۔ اس کا بندوبست ہوجائے گا اور اپنے تھانوں کو چنگیز خان کی خدمت میں تحفتاً پیش کردو۔ تمہارے سارے مسائل آنِ واحد میں حل ہوجائیں گے۔"

اور اسی شب سے منگولوں کی طرف سے مسلمان تاجروں کو کھانے پینے کا سامان ملنے لگا۔ گویا اب یہ لوگ مسلمانوں کو اپنا مہمان سمجھ رہے تھے یعنی مسلمان تاجر اب ان وحشی منگولوں کے مہمان تھے۔

کئی دن منگولوں کی مہمان نوازی میں گزر گئے اور یہ مسلمان تاجر اسی تذبذب کا شکار رہے کہ اگر انہوں نے اپنے سارے تھان چنگیز خان کو تحفے میں بخش دیے اور انعام واکرام سے محروم رہے تو یہ تاجر تو برباد ہوجائیں گے۔

دوسرے مسلمانوں نے انہیں سمجھایا "تم لوگ کب تک خان کے مہمان رہو گے۔ جو کچھ کرنا ہے جلد از جلد کر ڈالو ورنہ چنگیز خان کے مزاج کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ اگر اس کو تمہاری نیتوں پر شبہ بھی ہوگیا تو تمہیں جان بچانی دشوار ہوجائے گی۔"

یہ مسلمان تاجر قراقرم کے ماحول ہی سے پریشان ہورہے تھے۔ یہ لوگ نسطوری راہبوں سے بھی ملے۔ شامی ہونے کی وجہ سے ان دمشقی تاجروں اور نسطوری راہبوں کی زبان ایک تھی۔

مسلمان تاجروں کو حیرت تھی کہ نسطوری راہبوں کی گزر بسر کس طرح ہوتی ہے؟ یعقوب نامی ایک نسطوری راہب نے مسلمان تاجروں کو بتایا "ہم لوگ یہاں اپنے خرچ پر رہتے ہیں۔ کبھی کبھی خان بھی مدد کردیتا ہے۔"

مسلمان تاجروں نے پوچھا "لیکن تمہارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔ تجارت پیشہ تم نہیں ہو۔ فنِ سپہ گری سے تم ناواقف ہو پھر کس امید پر یہاں بیٹھے ہو؟"

یعقوب راہب نے جواب دیا "یہ وحشی منگول سادہ کاغذ کی طرح ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ انہیں حقیقی خوشیوں سے دوچار کیا جائے۔ اگر خانِ اعظم چنگیز خان یا اس کی بیوی بورتے مسیحی مذہب اختیار کرلیتے ہیں تو کئی لاکھ جنگجو مسیحیت کے پشت پناہ بن جائیں گے۔"

ایک مسلمان تاجر نے نہایت رازداری سے پوچھا "تم میں سے کوئی کبھی چنگیز خان سے ملا بھی ہے یا نہیں؟"

یعقوب راہب نے جواب دیا "میں خود کئی بار مل چکا ہوں۔ وہ بلا کا چالاک اور وحشی ہے۔ اسے ہماری زبان نہیں آتی اور ایک ایغوری ترجمان اس کی مدد کرتا ہے اور میں حیران ہوں کہ کوئی ترجمان بھی اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔"

سلیمان نامی مسلمان تاجر نے حیرت سے کہا "اس کالی ریت کے کالے سموروں والے شہر میں بازار نظر نہیں آتے۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

یعقوب راہب نے جواب دیا "چنگیز خان تجارت کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا اس لیے یہاں جو تاجر آتے ہیں وہ یا تو مسلمان ہوتے ہیں یا عیسائی۔ کبھی کبھی کوئی یہودی بھی آجاتا ہے۔"

سلیمان نے پوچھا "یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ چنگیز خان خریداری سے چڑتا ہے اور ہر شے زبردستی حاصل کرلیتا ہے۔"

یعقوب نے جواب دیا "یہ بھی درست ہے۔ اس وقت چنگیز خان کے خیموں میں جو سامان بھی نظر آئے گا وہ لوگوں کا نذر کردہ ہے۔"

سلیمان نے انتہائی رازداری سے یعقوب راہب سے پوچھا۔ "جناب! آپ کا تعلق بھی شام سے ہے اور ہم دمشق سے آئے ہیں۔ ہم لوگ دمشق سے سوتی کپڑے کے بہت سارے، تھان لے کر آئے ہیں۔ کئی مسلمان دوست مشورہ دیتے ہیں کہ میں سارے تھان چنگیز خان کو تحفے میں دے دوں۔ وہ اس کے عوض ہمیں اتنا انعام واکرام دے دے گا کہ ہم تجارت بھول جائیں گے لیکن مجھے ان باتوں پر یقین نہیں آتا۔"

یعقوب راہب نے ورغلایا "تیرا شبہ بھی درست ہے۔ ان وحشیوں کا کوئی بھروسا نہیں' تحفے وصول کرکے اگر بھول گئے تو تو کیا کرلے گا؟"

سلیمان کی بے چینی اور زیادہ راسخ ہوگئی اور اس نے اسی وقت یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ ایک تھان بھی چنگیز خان کو مفت نہیں دے گا۔ یہیں یعقوب راہب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تجارتی قافلے ملک چین بھی جاتے ہیں اور چین کے شمال مشرقی صوبے منچوریا

بھی۔ سلیمان چاہے تو کسی ایسے ہی قافلے کے ساتھ منگولیا چلا جائے۔

اب یہ بات طے پا گئی تھی کہ سلیمان اور اس کے ساتھیوں کو اپنا ایک تھان بھی چنگیز خان کو تحفے میں نہیں دینا تھا۔

سلیمان نے اپنے منصوبے کا ذکر اپنے ساتھیوں سے کیا اور کہا "ہمیں جیسے ہی موقع ملے گا ہم یہاں سے نکل بھاگیں گے۔"

ان باتوں کے چوتھے دن ارمنی تاجروں کا ایک قافلہ قراقرم کے صحرا میں ٹھہرا۔ اس قافلے میں عیسائی تاجر بھی تھے اور مسلمان تاجر بھی۔

سلیمان نے اس موقع کو غنیمت جانا اور یہاں سے چپکے چپکے فرار ہونے کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔

یہاں جو مسلمان بحیثیت مبلغ مستقل رہتے تھے' انہوں نے سلیمان اور اس کے ساتھیوں کو سمجھایا کہ وہ کوئی ایسی غلطی نہ کریں کہ چنگیز خان مشتعل ہو جائے اور یہ مشورہ دیا کہ وہ چنگیز خان سے ملے بغیر کہیں نہ جائیں۔

سلیمان نے بدرجہٴ مجبوری چنگیز خان سے ملاقات کی درخواست کر دی تو اسے بتایا گیا کہ یہ ملاقات اتنی آسان نہیں۔ اس کے لیے کچھ انتظار کرنا پڑے گا۔ کتنے دن انتظار کرنا پڑے گا؟ اس سوال کا کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

اس انتظار میں دس دن اور گزر گئے اور ارمنی قافلہ آگے روانہ ہو گیا۔ سلیمان اور اس کے ساتھی بھی اس قافلے میں شامل ہو گئے اور قراقرم چھوڑ دیا۔ بیس میل آگے قافلے نے پڑاؤ کیا۔ جب کہ سلیمان اور اس کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ یہ سفر جاری رہنا چاہیے۔ یہ لوگ خود کو غیر محفوظ سمجھ رہے تھے۔

سلیمان نے امیرِ قافلہ سے پوچھا "ہم یہاں کتنی دیر قیام کریں گے؟"

امیرِ قافلہ عیسائی تھا اور اس وقت بہت پریشان نظر آ رہا تھا' کہنے لگا "ہمیں تو رات کے پچھلے پہر سے سفر دوبارہ شروع کر دینا لیکن چنگیز خان کے دو قاصد یہاں پہنچ چکے ہیں اور وہ اپنے ساتھ چنگیز خان کا یہ فرمان لائے ہیں کہ یہ قافلہ تا حکم ثانی یہیں پر پڑاؤ ڈالے رہے گا۔"

سلیمان کا ماتھا ٹھنکا اور اس نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ "لیکن ہم اس حکم کی تعمیل نہیں کریں گے۔ اور یوں بھی ہمارا اس قافلے سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔"

امیرِ قافلہ نے کہا "کیا تو چنگیز خان سے واقف نہیں ہے۔ وہ تم سب کو قتل کروا دے گا کیونکہ یہاں اس کا قانون چلتا ہے۔"

سلیمان نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور ان سب نے یہی رائے دی کہ رات کے پچھلے پہر تک انہیں ضرور رکنا چاہیے اور اس کے بعد وہ کسی بھی وقت چوری چھپے فرار ہو جائیں گے۔

لیکن نصف شب کے بعد ہی سیکڑوں مشعلیں اس قافلے کی طرف بڑھتی نظر آئیں۔ اور آناً فاناً یہ تجارتی قافلہ محصور ہو گیا۔ یہ چنگیز خان کے منگول تھے۔

ایک منگول بہ آوازِ بلند اعلان کرتا پھر رہا تھا کہ دمشق کا مسلمان تاجر سلیمان کہاں ہے؟ ہم سے رابطہ قائم کرے۔

سلیمان نے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن امیرِ قافلہ نے اس کو گرفتار کروا دیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمان تاجروں کا خیمہ محاصرے میں لے لیا گیا۔

یہ منگول اپنے ساتھ خالی چھکڑے بھی لائے تھے جو دو گھنٹے بعد وہاں پہنچ گئے۔

سلیمان اور اس کے ساتھیوں کو رسیوں سے جکڑ دیا گیا اور ان کے تھان چھکڑوں پر رکھ دیئے گئے۔ ارمنی' مسیحی امیرِ قافلہ یہ سمجھ رہا تھا کہ شاید اسے بھی اس کے سامان سمیت گرفتار کر لیا جائے گا لیکن منگولوں نے اس کو اجازت دے دی کہ وہ اپنا سفر جاری رکھ سکتا ہے۔

ایک منگول سلیمان کو ایک نسطوری راہب کے پاس لے گیا جو اس کے ساتھ ہی یہاں تک آیا تھا۔

منگول نے سلیمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نسطوری راہب سے پوچھا "کیا تو اسے پہچانتا ہے؟"

نسطوری راہب نے جواب دیا "خوب اچھی طرح۔ یہ دمشقی تاجر سلیمان ہے اور میں نے اسے کئی بار یعقوب راہب کے پاس دیکھا ہے۔"

منگول نے اپنی تلوار کی نوک سلیمان کے سینے پر رکھ دی اور پوچھا "کیا تیرا نام سلیمان ہے؟"

سلیمان تھر تھر کانپ رہا تھا' جواب دیا "ہاں! میرا ہی نام سلیمان ہے۔ مگر میری غلطی' میرا قصور؟"

منگول نے درشت لہجے میں جواب دیا "تیرا کوئی ایک قصور ہے' قصوروں کی بھرمار ہے۔ تو نے چنگیز خان سے ملنے کی درخواست کی اور ملاقات کئے بغیر ہی فرار ہو گیا اور تو جو کپڑوں کے تھان چنگیز خان کے لیے لایا تھا انہیں خان کی خدمت میں پیش کئے بغیر ہی فرار ہو جانے کی کوشش کی۔ تو نے یعقوب راہب سے چنگیز خان کے خلاف باتیں کیں اور جب تو ہمارا مہمان تھا تو ہماری میزبانی کو ٹھکرا کے چپ چاپ فرار کیوں ہوا؟"

ان پانچوں تاجروں کو صبح سے پہلے ہی ایک خیمے میں قید کر دیا گیا۔ کپڑے کے تھانوں کا کیا حشر ہوا کسی کو کچھ پتا نہ تھا۔

سلیمان کے ساتھی اس سے ناراض تھے کہ یہ ساری مصیبت اسی کی نازل کردہ ہے۔ اور ان سب کا خیال تھا کہ انہیں فوراً ہی چنگیز خان کے روبرو پیش کر دیا جائے گا اور انہیں جو سزا ملنی ہو گی فوراً مل جائے گی لیکن ایک ماہ تک انہیں دونوں وقتوں کا کھانا ملتا رہا اور انہیں چنگیز خان کے سامنے نہیں پیش کیا گیا۔

موت کا انتظار کرتے کرتے یہ پانچوں تاجر تنگ آ گئے تھے۔

ان کے پاس جو منگول دو وقتوں کا کھانا لے کر آتے تھے وہ ان کی زبان نہیں سمجھ سکتے تھے۔ کسی مسلمان مبلغ نے بھی ان سے ملاقات نہیں کی۔

آخر ایک ماہ چار دن بعد ان سے ایک ایغوری عالم ملا اور انہیں ملامت کرتے ہوئے کہا "میں نے تم جیسے بے وقوف تاجر نہیں دیکھے۔ یہ تم نے کیسی حماقتیں کی ہیں کہ چنگیز خان تمہاری شکلیں بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ تم انہی خیموں میں زندگی بھر قید رہو گے اور مر جاؤ گے۔"

سلیمان نے کہا "لیکن مقدمہ تو چلنا چاہیے۔ ہمیں صفائی پیش کرنے کا موقع تو ملنا چاہیے۔"

ایغوری عالم نے جواب دیا "تمہارے جرائم واضح ہیں اور متمدن دنیا کی طرح چنگیز خان کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ ثابت شدہ جرائم کے لیے ثبوت طلب کرے۔"

سلیمان نے روتے ہوئے کہا "تمہارے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔ ہمیں یعقوب راہب نے مشورہ دیا تھا کہ چنگیز خان وحشی ہے۔ وہ تحفے میں سارے تھان قبول کرلے گا اور انعام واکرام کی اس سے توقع نہیں کی جاسکتی۔"

ایغوری عالم نے کہا "اگر یہ بات درست ہے تو یعقوب راہب بھی پکڑا جائے گا۔ ہم تیری یہ درخواست چنگیز خان تک پہنچادیں گے۔"

سلیمان نے اپنے کپڑے کے تھانوں کے بارے میں پوچھا "ہمارے تھانوں کا کیا ہوا؟"

ایغوری عالم ہنسنے لگا اور جواب دیا "اگر تم انہیں تحفے میں پیش کردیتا تو چنگیز خان انہیں شرفِ قبولیت بخشتا لیکن اب انہیں ضبط کرلیا گیا ہے۔"

سلیمان نے ایغوری عالم سے درخواست کی "اگر چاہے تو ہمیں اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع مل جائے گا۔"

ایغوری عالم چلا گیا اور کئی دن بعد سلیمان اور اس کے ساتھیوں کو چنگیز خان کے پاس لے جایا گیا۔

ان پانچوں کو آگ کے دو طرفہ الاؤ کے درمیان سے گزار کے چنگیز خان کے خیمے میں پہنچادیا گیا۔ خیمے کے اندر بالکل شروع میں داہنی اور بائیں جانب بڑی بڑی میزیں رکھی ہوئی تھیں اور ان میزوں پر خشک میوہ رکھا گیا تھا۔

ایغوری عالم نے آگے بڑھ کے ان کا استقبال کیا اور آہستہ سے کہا "اگر بھوکے ہو تو یہ میوہ کھاتے چلو اور پیاسے ہو تو دوسری میزوں پر گھوڑی کا دودھ بھی موجود ہے' پی سکتے ہو۔"

لیکن ان سب کی بھوک پیاس اڑی ہوئی تھی اس لیے نہ تو خشک میوہ کھایا اور نہ گھوڑی کا دودھ پیا۔

اس وقت چنگیز خان بہت مصروف تھا۔ اسے چاروں طرف سے لوگوں نے گھیر رکھا تھا اور ان میں لیوچت سائی اور سوبدائی

بہادر نمایاں نظر آرہے تھے۔

ایلغوری عالم ان پانچوں کو کھڑا کر کے چنگیز خان کے پاس چلا گیا اور نہ جانے وہاں کیا باتیں کرتا رہا۔ پھر پانچوں کے پاس واپس جا کر کہنے لگا "ابھی تمہیں کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔ سوبدائی بہادر منچوریا اور کوریا کو فتح کرنے کے بعد دو سال طویل غیر حاضری کے بعد واپس آیا ہے اور چنگیز خان کو اپنی روداد شجاعت اور داستان فتح مندی سنانے میں مشغول ہے۔ ادھر سے فارغ ہونے کے بعد تم پانچوں سے ملے گا۔ اس دوران اس نے اپنا ایک آدمی یعقوب راہب کو بلانے کے لیے بھیج دیا ہے۔ وہ بھی آجائے گا تو تیرا مقدمہ باقاعدہ چلے گا اور اس کا امکان ہے کہ شاید تمہاری سزاؤں میں تخفیف ہو جائے اور یعقوب راہب سزا پا جائے۔"

ان پانچوں کو اپنی باری کا دیر تک انتظار کرنا پڑا۔

کچھ لوگ چلے گئے لیکن لیوچت سائی اور سوبدائی بہادر وہاں موجود رہے اور یعقوب راہب بھی خیمے میں داخل ہوا۔

ایلغوری عالم ان پانچوں کے پاس پہنچا اور کہا "اس وقت چنگیز خان بہت خوش ہے اور اگر لیوچت سائی نے تم لوگوں کی مدد کر دی تو تمہاری سزاؤں میں تخفیف ضرور ہو جائے گی۔"

ان پانچوں کو چنگیز خان کے روبرو کھڑا کر دیا گیا۔ سلیمان کا خیال تھا کہ چنگیز خان ان کو دیکھتے ہی نفرت اور غصے سے منہ پھیر لے گا لیکن اس میں کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آئی۔ وہ جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ یہیں یعقوب راہب بھی سر جھکائے کھڑا تھا۔

ایلغوری عالم نے اپنی زبان میں کچھ کہنا شروع کر دیا اور کہتے کہتے یعقوب راہب کی طرف بھی دیکھا تو چنگیز خان نے اپنی زبان میں ایلغوری عالم سے کہا "اگر یہ درست ہے کہ یعقوب راہب نے اس کو ورغلایا تھا تو یہ بھی مجرم ہے۔"

ایلغوری عالم نے سلیمان سے کہا "تو کس طرح یقین دلائے گا کہ یعقوب راہب نے تجھے ورغلایا تھا؟"

سلیمان نے کہا "ہم مسلمانوں کے لیے قرآن پاک سے زیادہ مقدس کوئی چیز نہیں اور میں قرآن اٹھا کر قسم کھا سکتا ہوں کہ یعقوب راہب نے مجھے ورغلایا تھا۔"

چنگیز خان نے ایلغوری عالم سے کہا "اس سے پوچھ کہ یہ میرے بارے میں دوسروں سے پوچھ گچھ کیوں کرتا رہتا تھا۔ اس نے اپنے تھان بلا تامل بطور تحفہ میری خدمت میں کیوں نہ پیش کیے؟"

سلیمان نے روتے ہوئے کہا "ہم کاروباری دنیا کے رہنے والے لوگ ہیں اور طول طویل مسافتیں نفع کمانے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں شکوک تھے اور ہمیں اپنی زمین پر نیلے جاودانی آسمان کے اس حقیقی نمائندے کے مزاج اور قانون کا کچھ پتا نہ تھا۔ اگر ہمیں معاف کر دیا جائے گا تو یہ خان اعظم کی مہربانی ہوگی ورنہ ہم یہ سمجھیں گے کہ ہم نے جو غلطیاں کی تھیں، ہمیں اس کی از روئے انصاف سزا مل گئی۔"

ایلغوری عالم نے یعقوب راہب سے پوچھا "تجھ پر اس مسلمان تاجر نے جو الزام لگایا ہے وہ کس حد تک درست ہے؟"

یعقوب راہب مکر گیا "میں نے اس سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی۔"

چنگیز خان نے پوچھا "یہ مسلمان تاجر تیرے پاس کیوں گیا تھا؟"

یعقوب راہب نے جواب دیا "اس نے یہاں کے قاعدے قوانین کے بارے میں چند سوالات کیے تھے اور میں نے اس کو یہ بتا دیا تھا کہ یہاں یاسا کا قانون چلتا ہے۔"

سلیمان نے احتجاج کیا "افسوس کہ یہ تارک الدنیا دنیاداری کی باتیں کر رہا ہے۔"

اب لیوچت سائی نے مداخلت کی اور چنگیز خان کو بتایا "یعقوب راہب جھوٹا ہے کیونکہ یہ نظریں ملا کر بات نہیں کر رہا ہے۔ اور مشتبہ لوگ اسی طرح باتیں کرتے ہیں جب کہ مسلمان تاجر اپنی جان کی پروا کیے بغیر زور زور سے باتیں کر رہا ہے اور سب سے آنکھیں ملا کر یعقوب راہب پر الزام لگا رہا ہے۔"

چنگیز خان نے موضوع ہی بدل دیا اور سوبدائی بہادر سے کہا "جب میں نے تجھ کو منچوریا بھیجا تھا تو اس وقت بھی میں یہ جانتا تھا کہ تجھے شہروں اور ملکوں کی سیاحت پسند ہے۔ تجھے منچوریا بھیجا تھا اور تو نے کوریا بھی فتح کر لیا۔"

اس کے بعد وہ سوبدائی بہادر سے منچوریا اور کوریا کے حالات سنتا رہا اور اس نے پوچھا "کوریا کے مشرق میں کون سا ملک واقع ہے جسے تو آئندہ فتح کرنے جائے گا؟"

سوبدائی بہادر نے جواب دیا "مشرق میں سمندر کا طویل سلسلہ ہے اور جنوب میں جو ملک واقع ہیں ان کے تین طرف سمندر ہے اس لیے وہاں مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔"

لیوچت سائی ڈر رہا تھا کہ کہیں بقیہ چین کی فتوحات کا ذکر نہ شروع ہو جائے اس لیے اس نے سمت ہی بدل دی۔ اور مغربی اور جنوبی ممالک کی باتیں کرنے لگا۔ اس نے روس کا بھی ذکر کیا اور سمرقند اور بخارا کو بھی زیر بحث لایا۔ اس نے خان اعظم کو بتایا کہ مسلمان ممالک دولت مند بھی ہیں اور جنگجو بھی۔

چنگیز خان خاموش رہا۔ اس کے لیے یہ معلومات ناکافی تھیں۔

ایلغوری عالم نے سلیمان اور یعقوب راہب کے بارے میں باتیں کیں اور پوچھا "ان کے لیے کیا حکم ہے؟"

چنگیز خان نے جواب دیا "یعقوب راہب کو بھی قید کر دیا جائے اور مسلمان تاجروں کو ان کے اپنے قید خانے میں پہنچا دیا جائے۔"

سلیمان اور اس کے ساتھی رونے لگے۔ یعقوب راہب بھی پریشان تھا اور جانتا تھا کہ اب اس کی بقیہ زندگی قید خانے میں ہی گزر جائے گی۔

ان کے چلے جانے کے بعد لیو چت سائی نے چنگیز خان سے کہا۔ "یہ جو کچھ ہوا' وہ کوئی بھی صاحب اختیار کر سکتا ہے لیکن گناہ گاروں کو معاف کر دینا' متمدن دنیا میں ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے۔"

چنگیز خان نے لیو چت سائی کو یاد دلایا "یہاں یاسا کے قوانین پر عمل ہوتا ہے' کیا تیری متمدن دنیا ہمارے قوانین پر عمل کرے گی؟ اگر نہیں تو اس دنیا کو مثال بنا کر میرے سامنے پیش مت کر۔"

لیو چت سائی لاجواب ہو گیا۔ مگر وہ ہمت نہیں ہارا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر تناور درختوں کی جڑوں میں مسلسل پانی ڈالا جائے تو ان میں جھکاؤ پیدا کیا جا سکتا ہے۔

سبوتائی بہادر اس مقدمے کو بڑی دلچسپی سے دیکھتا اور سنتا رہا۔ وہ کسی بھی معاملے میں دخل دینا پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس نے پہلی بار لیو چت سائی کو دیکھا کہ چنگیز خان کے معاملات میں دخل دے رہا ہے اور چنگیز خان اسے برداشت کر رہا ہے۔

سبوتائی بہادر نے لیو چت سائی کے بارے میں پوچھا "یہ کون ہے' جو خان کے معاملات میں دخل دے رہا ہے؟"

چنگیز خان نے جواب دیا "یہ لیاؤ تنگ خاندان کا ایک عالم ہے' سو سال پہلے یہ لوگ بھی ہماری طرح اسی صحرا میں کہیں رہتے تھے لیکن پھر یہ چین کے ایک حصے پر حکومت کرنے لگے اور انہی جیسے ہو گئے۔ لیو چت سائی کو عقل و دانائی بہت زیادہ ملی ہے اور میں اس کی قدر کرتا ہوں۔"

کچھ دیر بعد لیو چت سائی نے چنگیز خان سے معافی نامہ حاصل کر لیا۔

سلیمان اور اس کے ساتھیوں کو اس شرط پر معاف کر دیا گیا تھا کہ وہ کچھ عرصہ خان اعظم کی چاکری کریں اور یعقوب راہب کو ناپسندیدہ قرار دے کر وہاں سے نکال دیا گیا۔

اب سلیمان اور اس کے ساتھی کبھی کبھی طلب کر لیے جاتے تھے اور ان سے چنگیز خان مسلم دنیا کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہتا تھا۔ انہی تاجروں نے سمرقند و بخارا اور خوارزم کے بارے میں چنگیز خان کو بہت کچھ بتایا۔ بغداد کے عباسی خلفا بھی زیر بحث آئے تو چنگیز خان کو پہلی بار معلوم ہوا کہ جس طرح وہ جملہ صحرائی قبائل کا خان اعظم ہے اسی طرح اسلامی دنیا میں بغداد کا عباسی خلیفہ ہے۔

O☆O

تبت سے سمرقند تک چنگیز خان کی دھوم تھی لیکن ابھی ایسے طاقتور ترک قبیلے موجود تھے جو چنگیز خان یا کسی اور کی بالادستی ماننے کو تیار نہ تھے۔

تبت اور اس سے ملحقہ شمال مغربی علاقوں کے حکمران ابھی تک چینیوں کے باج گزار رہے تھے اور ان کا حکمران قوشلوک نامی ایک ترک خاندان کا سردار تھا۔ یہ بذات خود بہت طاقتور تھا اور اسے چنگیز خان کی بالادستی سے انکار تھا۔ اسی طرح قرابست قبیلے کا ایک شہزادہ چنگیز خان کو اپنا حکمران ماننے کو تیار نہ تھا۔ وہ چنگیز خان کے خلاف قبائلی جنگوں میں حصہ بھی لے چکا تھا مگر ناکام رہا تھا۔ اس شہزادے نے فیصلہ کیا کہ وہ ترکوں کی اس عظیم سلطنت کو چنگیز خان کی سیادت میں نہیں جانے دے گا۔ اس نے صحرائی لومڑی کی طرح عیاری سے کام لیا اور چنگیز خان کے خلاف قوشلوک خاندان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ اور پھر دغابازی سے اس پوری سلطنت پر قابض ہو گیا اور اپنا لقب قوشلوک اختیار کیا۔

ابھی تک چنگیز خان کو یہ توقع تھی کہ یہ خاندان چین کے بجائے چنگیز خان کو خراج دینا شروع کر دے گا لیکن قوشلوک نے برابری کی بنیاد کو دوستی کی شرط قرار دیا۔ اس کے پاس دلیل یہ تھی کہ وہ خود بھی ایک بہت بڑے علاقے کا حکمران ہے اس لیے وہ چنگیز خان کو اپنے سے بڑا ماننے کو تیار نہیں۔

چنگیز خان نے قوشلوک کی یہ تجویز لیو چت سائی کے سامنے رکھ دی اور پوچھا "بتا اس کا کیا جواب دیں؟"

لیو چت سائی نے جواب دیا "خود کو صرف بڑا کہہ دینا کافی نہیں ہے بلکہ خود کو بڑا ثابت بھی کرنا پڑتا ہے۔"

اس مختصر سے جواب میں اعلان جنگ کی رمق موجود تھی۔ چنگیز خان نے اسی وقت سبوتائی بہادر اور جبی نویان کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا "تم دونوں قوشلوک کے ملک جاؤ اور اس کا سر میرے پاس روانہ کر دو۔"

لیو چت سائی نے اسے یاد دلایا "لیکن ہمیں قوشلوک کے خط کا جواب ضرور بھیجنا چاہیے۔"

چنگیز خان نے چین کے خاندان زرین کے مہردار تاتا تنگا کو طلب کیا اور اس سے درشت لہجے میں پوچھا "تو نے میرے لیے کوئی مہر تیار کی؟"

چالاک تاتا تنگا پہلے ہی سمجھ چکا تھا کہ اسے چنگیز خان نے کیوں طلب کیا ہے' وہ مہر اپنے ساتھ لایا تھا۔ اسے چنگیز خان کے سامنے رکھ دیا اور کہا "یہ رہی آپ کی مہر۔"

چنگیز خان نے یہ مہر لیو چت سائی کو دے دی اور کہا "ذرا اسے پڑھ تو سہی اس میں کیا لکھا ہے؟"

لیو چت سائی نے مہر لے لی اور کہا "اس کی عبارت تو میں نے ہی تیار کی تھی" اور پھر مہر کی عبارت پڑھ کر سنا دی "آسمان پر خدا اور زمین پر خدا کی قوت نوع انسان کے بادشاہ چنگیز خان کی مہر۔"

چنگیز خان اس عبارت سے بہت خوش ہوا' کہنے لگا "بہت اچھی عبارت ہے۔"

یہ مہر ایک کپڑے پر لگا کر قوشلوک کو روانہ کر دی گئی۔ گویا یہ اعلان جنگ تھا کہ چنگیز خان روئے زمین پر کسی اور کو بادشاہ ماننے کو تیار نہ تھا۔

قرب و جوار کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں چنگیز خان کو اپنا آقا تسلیم کر چکی تھیں اور بطور خوشامد بیش قیمت تحائف بھیجنے لگی تھیں اور ان تحائف میں خوب صورت لڑکیاں بڑی اہمیت رکھتی تھیں۔ یہ لڑکیاں چنگیز خان کے سامنے پیش کی جاتیں اور وہ ان میں سے جن کو اپنے لیے پسند کر لیتا انہیں الگ کر دیتا' بقیہ کو اپنے سرداروں میں تقسیم کر دیتا۔

اسی دوران اچانک چنگیز خان کو سلیمان اور اس کے ساتھیوں کا خیال آگیا۔ وہ ان پانچوں سے انتہائی قیمتی معلومات اکٹھی کر چکا تھا۔ اس نے ان پانچوں کو بلوایا اور ابھی یہ پانچوں اس کے سفید یورت میں داخل ہوئے ہی تھے کہ چنگیز خان کے سامنے چند خوب صورت لڑکیاں پیش کی گئیں۔ اس وقت بورتے چنگیز خان کے برابر بیٹھی ہوئی تھی اور لیوچت سائی ہاتھ باندھے سامنے کھڑا تھا۔

بورتے نے ان لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے کہا "خان! تو جتنی لڑکیاں چاہے بیویاں بنا لے لیکن ان میں سے کسی کی اولاد حکمران نہیں بنے گی۔"

چنگیز خان نے جواب دیا "کیا تو نہیں دیکھتی کہ تیرا بیٹا جوجی خان شکاریات کا نگراں اور سردار ہے۔ چغتائی خان یاسا کا محافظ ہے۔ اسے دنیا کی حکومتیں وزیر قانون کہتی ہیں۔ اوغدائی خان میرا مشیر ہے۔ اور تیرا سب سے چھوٹا بیٹا تولی خان جنگوں میں میرے ساتھ ساتھ رہتا ہے گویا وہ وزیر جنگ ہے۔ تولی خان کا بیٹا قبلائی خان چھوٹا ہونے کے باوجود بڑی عقلمندی کی باتیں کرتا ہے۔ یہ ساری تیری اولادیں ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اور بیوی کی اولاد کو کوئی مرتبہ دیا گیا ہو تو بتا۔"

اب بورتے مطمئن ہو چکی تھی اور چنگیز خان اپنے لیے لڑکیوں کا انتخاب کرنے لگا۔

سلیمان بھی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے دو لڑکیوں کو سلیمان پہچانتا تھا۔ یہ غاصب قوشلوک کے آقا کی بیٹیاں تھیں۔ اور وہ انہیں بہت سی چیزیں فروخت کر چکا تھا۔

سلیمان نے لیوچت سائی کو بتایا "میں ایلنا اور ایپنا کو اچھی طرح جانتا ہوں اور اس وقت انہیں یہاں دیکھ کر دکھ ہو رہا ہے۔"

لیوچت سائی نے پوچھا "تم ان دونوں کو کس طرح جانتے ہو؟"

سلیمان نے جواب دیا "یہ دونوں شہزادیاں ہیں اور انہیں غاصب قوشلوک نے یہاں بھیجا ہے۔"

لیوچت سائی نے جب ان دونوں سے پوچھا تو انہوں نے انکار کیا اور اپنا تعلق ایک دوسرے ترک خاندان سے ظاہر کیا۔

لیوچت سائی نے یہ ساری باتیں چنگیز خان کو نہیں بتائیں۔ لیکن چنگیز خان کو اشارتاً یہ ضرور بتایا کہ ان مسلمان تاجروں کو وطن جانے کی اجازت دی جائے۔ یہ ان کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دیتے رہیں گے۔

چنگیز خان نے خوش ہو کر ان کے تحائف کی قیمت سے زیادہ انعام و اکرام دیا اور وعدہ کیا کہ اگر وہ اسلامی دنیا کے بارے میں معلومات بھیجتے رہے تو انہیں آئندہ بھی انعام و اکرام سے نوازا جاتا رہے گا۔

جب یہ تاجر چنگیز خان کے یورت سے نکلنے لگے تو لیوچت سائی نے سلیمان کو مشورہ دیا "تم لوگ دمشق جانے کے بجائے خوارزم جاؤ۔ کیونکہ چنگیز خان عنقریب خوارزم کا رخ کرے گا۔ وہاں کا سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ اسلامی دنیا میں طاقت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ تم لوگ بخارا میں قیام کرو۔ ہمارے آدمی وقتاً فوقتاً تم سے ملتے رہیں گے۔ تم انہیں ان کی مطلوبہ معلومات فراہم کرتے رہو گے اور چنگیز خان تمہیں مستقلاً انعام و اکرام سے نوازتا رہے گا۔"

یہ لالچی تاجر چنگیز خان کا آلۂ کار بن گیا اور دمشق جانے کے بجائے بخارا روانہ ہو گیا۔

چنگیز خان نے ایلنا اور ایپنا کو اپنے لیے پسند کر لیا۔ لیوچت سائی چنگیز خان کو نصیحتیں کرنے کے لیے بے قرار ہو رہا تھا۔

جب بورتے بھی ان لڑکیوں کے ساتھ دوسرے خیمے میں چلی گئی تو چنگیز خان نے لیوچت سائی سے کہا "تو تو بہت عقلمند ہے۔ لیکن جب میں خوب صورت لڑکیوں کو اپنے لیے الگ کرتا ہوں تو تو نے مجھے کبھی بھی یہ مشورہ نہیں دیا کہ اکثر چالاک اور کمزور دشمن لڑکیوں اور عورتوں کے ذریعے فتح حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

لیوچت سائی نے جواب دیا "جس شخص نے دیوارِ چین کو عبور کر لیا ہو اور چین کے دو طاقتور شاہی خاندانوں تن اور سنگ کا خاتمہ کر دیا ہو۔ میرے خیال میں اسے لڑکیوں اور عورتوں کے ذریعے فتح نہیں کیا جا سکتا۔"

چنگیز خان نے کہا "لیکن ایسا ممکن تو ہے۔"

لیوچت سائی نے اسے سمجھایا "تاریخ میں مرقوم ہے کہ جب نوجوان سکندر مقدونی نے ایران کے بادشاہ دارا کو شکست دے دی تو سکندر کے ساتھیوں نے اس کو مشورہ دیا کہ شاہی محل میں داخل ہو جاؤ اور اپنے لیے اپنی پسند کی عورتیں الگ کر لو۔ تو سکندر نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ میں نہیں چاہتا کہ آنے والے مؤرخ میرے بارے میں یہ لکھیں کہ جس سکندر نے ایران کے مردوں کو شکست دے دی تھی اسے شاہی محل کی عورتوں نے فتح کر لیا۔"

چنگیز خان کو ہنسی آگئی اور کہا "لیکن وہ نوعِ انسان کا آقا نہیں تھا۔ مجھے کوئی عورت بھی فتح نہیں کر سکتی۔"



چنگیز خان نے ایلنا اور ایپنا کو خاص عزت بخشی۔ ان کے لیے الگ دو خیمے نصب کیے گئے اور خدمت گار مقرر کیے گئے۔ ایک

خدمت گار کا تعلق چنگیز خان کے قبیلے سے تھا۔ وہی بھوری آنکھیں، اونچا قد اور چوڑا چکلا سینہ۔ اس کا نام دولی خان تھا اور چنگیز خان اس پر بہت بھروسا کرتا تھا۔ یہ نہ صرف خدمت گار بلکہ الینا کے خیمے کا نگراں بھی تھا۔ وہ جس طرح الینا کے خیمے میں آتا جاتا تھا، چغتائی خان اور دوسروں کو اس کی یہ بات گراں گزرتی۔

اس کے برخلاف الینا کے خیمے پر پہرے تو تھے لیکن دولی جیسا کوئی نگراں نہیں تھا۔

چنگیز خان اپنا زیادہ وقت الینا کے خیمے میں گزارتا تھا اور یہیں سے اٹھ کے اپنے دربار میں جا بیٹھتا تھا۔ وہ جبی نویان اور سبدائی بہادر کا منتظر تھا۔ وہ توشلوک کا سر لینے گئے ہوئے تھے۔

رات کے اندھیرے میں چغتائی خان نے الینا کے خیمے کی نگرانی کر رکھی تھی کیونکہ اسے بتایا گیا تھا کہ دولی خان بہت دیر سے خیمے میں گیا ہوا ہے اور باہر نہیں نکلا۔

جب یارائے صبر نہ رہا تو وہ اجازت کے بغیر خیمے میں داخل ہوگیا۔ اندر الینا چند خدمت گار خواتین کے ساتھ گفتگو میں مشغول تھی۔ اس نے گھوم پھر کے دولی خان کو تلاش کیا مگر وہ کہیں نظر نہ آیا۔ اس نے الینا سے پوچھا "دولی خان کب سے غائب ہے؟"

الینا نے جواب دیا "وہ تو یہاں آیا بھی نہیں اور پھر اس کا یہاں کیا کام؟"

چغتائی خان نے کہا "میں اور کچھ تو نہیں جانتا مگر اس کی دلچسپیاں اس خیمے میں بڑھ گئی ہیں۔"

الینا نے کہا "یہ تم لوگوں کا وہم ہے۔ میں خان سے اس کی شکایت کروں گی۔"

لیکن چغتائی خان کو اس کی کوئی پروا نہ تھی۔ وہ چنگیز خان کو تلاش کرتا ہوا اس کے خیمے میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ چنگیز خان اوغدائی خان سے مشورے کر رہا ہے۔ چنگیز خان کو بھی الینا اور دولی خان کے بارے میں شکایات مل چکی تھیں اور وہ اسی سلسلے میں اوغدائی خان سے مشورہ کرنے آیا تھا۔

اوغدائی خان نے کہا "مجھے بھی ان دونوں کے بارے میں بتایا گیا تھا اور میں نے ہی بھائی چغتائی خان کو مشورہ دیا تھا کہ اگر وہ دونوں ناشائستہ حالت میں مل جائیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔"

چنگیز خان نے سختی سے منع کیا "نہیں۔ وہ دونوں قتل نہیں کیے جائیں گے۔ جب شبہات یقین میں تبدیل ہو جائیں تو مجھے ضرور باخبر کیا جائے بلکہ مجھے وہاں لے جایا جائے۔"

چغتائی خان نے کہا "لیکن آپ کی یاسا میں تو اس جرم کی سزا مقرر ہے۔ میں ان دونوں کو قتل کر دوں گا۔"

اوغدائی خان نے چغتائی خان کو سمجھایا "چغتائی خان! تم محض وزیر قانون ہو۔ سزا اس پر عمل درآمد کے لیے ہمیں چنگیز خان سے اجازت لینی ہوگی۔"

چنگیز خان کو پہلے کبھی ایسی پریشانیوں اور الجھنوں سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ ہر کوئی پریشان تھا کہ چنگیز خان اتنا فکرمند کیوں ہے اور یہ شرمناک باتیں چنگیز خان کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔

کئی دن بعد جبی نویان توشلوک کا کٹا ہوا سر لیے ہوئے حاضر دربار ہوا۔ وہ اپنے ساتھ ایک ہزار سفید گھوڑے بھی لایا تھا۔ جبی نویان کو سفید گھوڑے بہت پسند تھے۔ قیدیوں کی بھی ایک بڑی تعداد ساتھ تھی۔

تبت کے سامنے وہ شمالی سلسلہ جو مغرب میں کاشغر تک پھیلا چلا گیا تھا اب پوری طرح چنگیز خان کے قبضے میں آچکا تھا۔

لوٹا ہوا سامان بھی بکثرت ساتھ آیا تھا۔ لیکن سبدائی بہادر غائب تھا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ مفتوحہ علاقوں کے نظم ونسق میں مشغول ہوگیا ہے۔

چنگیز خان کی اداسی کسی قدر دور ہوگئی اور اس نے جبی نویان سے پوچھا "تو نے زمین کے جتنے حصے کو فتح کیا ہے، اب اس کے بعد کتنی زمین باقی ہے جسے مزید فتح کرنا ہے؟"

جبی نویان نے جواب دیا "اب ہمارا مقابلہ مسلمانوں سے ہوگا۔ یہ جنگجو لوگ ہیں اور ہم سے پہلے دنیا کے بیشتر حصوں کو فتح کر چکے ہیں۔"

جبی نویان نے محسوس کیا کہ چنگیز خان افسردہ ہے۔

کچھ دیر بعد چنگیز خان اپنی جگہ سے اٹھا اور جبی نویان اپنے ساتھ جو کچھ لایا تھا اس کا معائنہ کرنے چلا گیا۔ وہ رسیوں سے جکڑے ہوئے قیدیوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور پوچھا "ان میں پڑھے لکھے لوگ کتنے ہیں؟ انہیں الگ کر لیا جائے بقیہ کو علیحدہ رکھا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ان میں سپاہی کتنے ہیں؟"

جبی نویان نے پوچھا "پڑھے لکھے لوگوں سے کوئی خاص کام لینا ہے؟"

چنگیز خان نے جواب دیا "یہ نوع انسانی میں نکمے ترین لوگ ہوتے ہیں۔ عمارتیں یہ نہیں بنا سکتے۔ یورت سازی کا فن انہیں نہیں آتا۔ وزن یہ نہیں اٹھا سکتے، غیر معمولی شمشیر زنی یہ نہیں کر سکتے۔ بس انہیں گھوڑوں کی سائیسی پر لگا دیا جائے۔"

جبی نویان نے چنگیز خان کو نہایت سفید گھوڑوں کے سامنے لے جا کر کھڑا کیا تو چنگیز خان یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ گھوڑے سرتاپا سفید تھے۔ مگر ان سب کی ناکیں سیاہ تھیں۔

اس کا پورا دن اسی مصروفیت میں گزر گیا۔

شام کو توشلوک کے کٹے ہوئے سر کو اس نے ہاتھ سے ادھر ادھر کرتے ہوئے کہا "تو نے سرکشی اختیار کی غداری کی اور ایک عظیم الشان سلطنت کو دھوکے سے غصب کر لیا۔ اب بتا تو نے کیا پایا اور کیا کھویا؟"

جبی نویان نے توشلوک کی بہادری کی تعریفیں کیں اور کہا "یہ تو روئے زمین کے آقا کی اقبال مندی تھی ورنہ یہ کسی اور شخص کے

قابو میں نہیں آتی۔"

چنگیز خان جبی نویان کو جو کچھ بتانا چاہتا تھا اس میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا مگر جب بات ناقابلِ برداشت ہو گئی تو اس نے جبی نویان کو بتایا "اس کالم بے حیا انسان نے دو شہزادیاں کسی اور کی طرف سے میری خدمت میں اس لیے بھیجی تھیں کہ وہ مجھے ذلیل و رسوا کریں یا دھوکے سے مجھے قتل کر دیں یا کسی سے قتل کروا دیں۔"

جبی نویان نے کہا "تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ آپ ان سازشی عناصر کو فوراً قتل کروا دیں۔"

چنگیز خان نے کہا "لیکن جب تک میرے شکوک یقین میں نہیں بدل جاتے میں انہیں کوئی سزا نہیں دوں گا۔"

عارضی طور پر اس فتح کی خوشیاں منائی گئیں۔ چنگیز خان کو خوش کرنے کے لیے مسلمانوں نے مساجد میں نمازِ شکرانہ ادا کیں۔ پگوڈا میں بودھوں نے گھنٹیاں بجوائیں اور چرچ بھی گھنٹیوں کی آوازوں سے گونجنے لگے۔

جبی نویان نے ایک خاص نوجوان کو پیش کیا۔ اس الکوزا نوجوان نے اس جنگ میں بڑی بہادری دکھائی تھی اور جب قوشلوک میدان چھوڑ کے بھاگ رہا تھا تو تنہا الکوزا تھا جس نے قوشلوک کا پیچھا کیا تھا۔ قوشلوک کا گھوڑا دریا میں داخل ہو گیا تو الکوزا نے اپنے گھوڑے سے جست لگا کے قوشلوک کو کمر سے پکڑ کر نیچے گرا لیا تھا اور اس کی گردن کاٹ لی تھی۔ آخر جب یہ کٹی ہوئی گردن جبی نویان کی خدمت میں پیش کی گئی تو جبی نویان نے اس کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھا اور الکوزا سے درخواست کی کہ ان سچائیوں کو راز میں رکھے کیونکہ قوشلوک کا سر کٹنے کی کامیابی کو وہ خود سے وابستہ کرنا چاہتا تھا لیکن الکوزا نے یہ ساری داستان چنگیز خان کو سنا دی۔

چنگیز خان کو جبی نویان کے جھوٹ پر حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی لیکن اس نے جبی نویان سے اس کا کوئی ذکر نہ کیا۔ کیونکہ وہ جبی نویان سے محبت کرتا تھا اور اس کا داخلہ اس کے دربار میں جس طرح ہوا تھا وہ ایک یادگار واقعہ تھا جسے وہ زندگی بھر نہیں بھول سکتا تھا۔

چنگیز خان اپنے اس دور کو حزن و ملال کے دن سمجھ رہا تھا۔ وہ دنیا بھر کے دشمنوں سے لڑ سکتا تھا لیکن دل پر جو گھاؤ لگ رہے تھے اس کا کوئی مداوا نہ تھا۔

ایک رات تقریباً نصف شب کے بعد چغتائی خان بھاگتا ہوا چنگیز خان کے خیمے میں آیا اور کہا "آج میں نے ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہے۔ وہ دونوں ایک ہی خیمے میں ہیں اور انہیں باہر نکلنے سے روک دیا گیا ہے۔"

چنگیز خان نہایت غصے کے عالم میں اٹھا اور چغتائی خان کے ساتھ الینا کے خیمے میں داخل ہوا۔ دونوں اندر موجود تھے مگر الگ الگ۔

چغتائی خان کا خیال تھا کہ چنگیز خان ان دونوں کو اپنے ہاتھوں سے ختم کر دے گا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ چنگیز خان نے غصے میں پوچھا "تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو؟"

دونوں خاموش رہے۔

چغتائی خان نے چنگیز خان کو یاد دلایا "یاسا میں ہے کہ ایسے دونوں اشخاص قتل کر دیئے جائیں۔"

چنگیز خان نے پھر ان دونوں سے سوال کیا "تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو؟"

الینا نے جواب دیا "ہاں۔ یہ مجھے اچھا لگتا ہے۔"

چنگیز خان نے غصے میں کہا "تب پھر تم دونوں یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ میری حکومت کے حدود کے اس پار۔ جہاں میری رسائی نہ ہو۔"

چغتائی خان نے غصے میں کہا "یہ یاسا کے قوانین کی خلاف ورزی ہے۔"

چنگیز خان نے جواب دیا "چغتائی خان! تو نے ان دونوں کو ایک خیمے میں یکجا تو کر دیا ہے لیکن ناشائستہ حالت میں پکڑوانے سے قاصر رہا اور یاسا کے قانون پر اس وقت تک عمل نہیں ہو سکتا جب تک ان دونوں کو ناشائستہ حالت میں پکڑ نہ لیا جاتا۔ محبت کرنا جرم نہیں ہے۔"

ان دونوں کو چنگیز خان کے اس فیصلے پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ دونوں ابھی تک بیٹھے ہوئے تھے۔ چنگیز خان نے سختی سے حکم دیا "کیا تم دونوں نے میرا حکم نہیں سنا۔ تم دونوں اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا فیصلہ بدل جائے اور تم دونوں چغتائی خان کے ہاتھوں قتل کر دیئے جاؤ۔"

چنگیز خان نے ان دونوں کو زادِ راہ بھی دیا۔ دو گھوڑے بھی دیئے اور سونے کے چند ٹکڑے بھی اور ایک ایسا فرمان بھی جس پر چنگیز خان کی مہر لگی ہوئی تھی اور سرحدی عاملوں اور پہرے داروں کو حکم دیا گیا تھا کہ ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے اور یہ جہاں جانا چاہیں ان کو جانے دیا جائے۔

اور یہ دونوں اسی رات قراقرم چھوڑ کے کاشغر کی طرف روانہ ہو گئے۔

○☆○

اس حیرت انگیز واقعے نے قراقرم میں بڑی شہرت حاصل کی لیکن کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ اس پر کسی قسم کا تبصرہ کرتا۔ گوتم بودھ کے پیروکار کہہ رہے تھے "محبت اور معاف کر دینا ایک لافانی جذبہ ہے جو چنگیز خان میں بھی موجود ہے۔ اور انسان کی یہی فطرت ہندوستان کے مہاراجہ اشوک کی طرح ایک دن چنگیز خان کو بھی بودھ مذہب اختیار کرنے پر مجبور کر دے گی۔"

عیسائی مبلغ اور راہب اسے چنگیز خان کا جذبہ عدم تشدد سمجھ

رہے تھے اور ان کا ایمان تھا کہ اگر عقلمندی اور محنت سے کام لیا جائے تو اس جذبے کو پوری شدت سے بیدار کیا جا سکتا ہے۔

اور مسلمان اسے انسانی فطرت کی بو قلمونی اور اعجوبیت سمجھ رہے تھے جو کبھی کبھی انسانوں سے صادر ہوتی ہے اور دنیا کو حیران کر دیتی ہے۔

چنگیز خان کے خاندان میں بھی اس واقعے کا خوب چرچا ہوا۔ لیکن وہ اسے روئے زمین کے آقا کی مہربانی قرار دے رہے تھے۔

لیکن چنگیز خان میں عارضی طور پر یہ تبدیلی دیکھنے میں ضرور آئی۔ وہ کچھ چڑچڑا ہو گیا تھا۔ الینا کی بہن اینا ابھی موجود تھی اور اب اسے اینا پر بھی اعتبار نہیں رہا تھا۔

اس نے یاسا کے محافظ چغتائی خان کو حکم دیا کہ اینا کی بھی اسی طرح نگرانی کی جائے جس طرح الینا کی کی گئی تھی۔

مغربی علاقوں سے خبریں آنی شروع ہو گئی تھیں اور چنگیز خان کے لیے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ وہ قراقرم سے نکل کر اس دنیا کو دیکھے۔

جی نویان کو مسلمانوں کی دنیا دیکھنے کا اشتیاق تھا اور وہ چنگیز خان کے پاس بیٹھ کے منصوبہ بندی کیا کرتا تھا۔ لیکن چنگیز خان کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہتی کہ جی نویان نے الکوزا کے غیر معمولی کارنامے کو اپنی ذات سے منسوب کر کے بڑی غلطی کی ہے۔

لیوچیت سائی بھی یہ چاہتا تھا کہ اسے بھی مسلمانوں کے خلاف جنگی معرکوں میں شریک رکھا جائے۔ وہ بھی اجازت لے کے چنگیز خان کے خاص یورت میں داخل ہوا لیکن اسی لمحے الکوزا بھی وہیں پہنچ گیا۔

جی نویان اس کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر کچھ گھبرا سا گیا اور ترش روئی سے کہا "آپ تو اتنا بڑا آدمی نہیں ہے کہ اس مجلسِ خاص میں بے تکلفی سے گھستا جانا شروع کر دے۔"

الکوزا سے پہلے چنگیز خان بول اٹھا "ہاں تو جب توشلوک بھاگ رہا تھا تو جی نویان تو نے اس کا کس طرح پیچھا کیا تھا اور پھر کس طرح اس کی گردن اتاری تھی؟"

جی نویان اپنی ذات سے منسوب اس جھوٹے واقعے کو الکوزا کے سامنے بیان کرنے سے گھبرایا اور جب وہ بیان نہیں کر سکا تو چنگیز خان نے الکوزا سے کہا "تو بھی تو اس جنگ میں موجود تھا۔ اگر تجھے توشلوک کے قتل کی تفصیل معلوم ہو تو بیان کر۔"

اب جی نویان کی حالت قابلِ رحم تھی۔ الکوزا کو پہلے ہی سے غصہ چڑھا ہوا تھا اور وہ سب کچھ سچ سچ بیان کر دینا چاہتا تھا لیکن کچھ دیر خاموش رہا۔

چنگیز خان نے دونوں ہی سے سختی سے کہا "میں تم دونوں سے ایک سوال کر رہا ہوں اور تم دونوں خاموش جواب کو ٹالنے کی فکر میں ہو۔ آخر بات کیا ہے؟"

اب الکوزا نے زبان کھولی اور کہا "جب میدانِ جنگ سے توشلوک نے اپنے گھوڑے کا رخ موڑا اور راہِ فرار اختیار کی تو میں نے اس کا پیچھا کیا کیونکہ میں اس کی دیر سے نگرانی کر رہا تھا۔ آگے آگے توشلوک تھا اور پیچھے پیچھے میں تھا اور جیسے ہی اس کا گھوڑا دریا میں داخل ہوا' میں نے اس پر چھلانگ لگا دی اور اس کو گھوڑے سے نیچے گرا لیا اور خنجر کے پے در پے کئی وار کر کے اسے زخمی کر دیا پھر اس کا سر الگ کیا اور اسے پوٹلی میں باندھ کے جی نویان کے حوالے کر دیا۔"

جی نویان کا ندامت اور غصے سے برا حال تھا۔

چنگیز خان سر جھکائے صرف سن رہا تھا۔ وہ کسی کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔ پھر اچانک جی نویان کی طرف دیکھا اور دریافت کیا۔ "جی نویان! تو نے تو توشلوک کے بارے میں کچھ اور ہی قصہ سنایا تھا۔"

الکوزا نے فریاد کی "خان! میں آپ کے اردو کا کوئی نامی گرامی شخص نہیں ہوں۔ قسمت مجھ پر مہربان تھی جو یہ غیر معمولی واقعہ پیش آیا اور میں نے ایک بڑا کارنامہ انجام دے دیا۔"

جی نویان نے سر درد کا بہانہ کیا اور جانے کی اجازت چاہی تو چنگیز خان نے اسے روک لیا اور کہا "میرے لیے تم سب عظیم لوگ ہو۔ جو بھی کوئی بڑا کارنامہ انجام دے گا تو بھی کوئی بڑا آدمی بن جائے گا اور تم سب کو ایک دوسرے کی عزت کرنی چاہیے۔ تمہیں اپنے دلوں کو کشادہ رکھنا چاہیے اور ایک دوسرے کی عزت کرنی چاہیے۔"

جی نویان نے شرمندگی سے عرض کیا "بے شک! آپ شامان کو بلائیں اور اس سے پوچھیں کہ جب میں یہ سب کچھ کر رہا تھا تو کیا میرے دل و دماغ میں کوئی بدروح داخل ہو گئی تھی۔ اس نے مجھ سے یہ کہلوا کے مجھے ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا۔"

جی نویان کے کہنے پر شامان کو طلب کر لیا گیا اور شامان نے جی نویان کے سوال کے جواب کے لیے کچھ وقت مانگا جو دے دیا گیا۔

لیکن چنگیز خان کی نظر میں الکوزا کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔

کئی دن بعد شامان نے یہ جواب دیا کہ بدروحیں جی نویان اور الکوزا دونوں میں حلول کر گئی تھیں اور یہ بدروحیں دونوں کو آپس میں لڑوا کے چنگیز خان کو نقصان پہنچانا چاہتی ہیں۔

شامان کے اس جواب نے چنگیز خان کو پریشانی میں ڈال دیا اور وہ بہت فکرمند نظر آنے لگا۔ اس نے شامان سے تخلیے میں پوچھا "کیا یہ بدروحیں اب بھی ان دونوں میں موجود ہیں؟"

شامان نے جواب دیا "جی نویان کے جسم سے بدروح نکل چکی ہے لیکن الکوزا کے جسم میں اب بھی موجود ہے۔"

چنگیز خان نے کہا "توشلوک کے قتل کے سلسلے میں جو واقعات بیان کئے گئے' ان میں سچ کیا ہے اور معلوم کر کہ حقیقتاً توشلوک کو

کس نے قتل کیا تھا؟"

شامان نے کچھ وقت اور مانگا اور تیسرے دن یہ جواب دیا۔ "توشلوک کو الکوزا نے قتل کیا تھا اور اسی کی بدروح الکوزا کو پریشان کئے ہوئے ہے۔ اور آپ کو بھی اس کی طرف سے چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہیے۔"

چنگیز خان الکوزا سے خوف زدہ ہو گیا۔ اور اسے یہ بات کبھی بھی معلوم نہ ہو سکی کہ جبی نویان نے شامان سے یہ بات کہلوانے کی کتنی بھاری قیمت ادا کی تھی۔

اچانک الکوزا کا چنگیز خان کے خیمے میں داخلہ بند کر دیا گیا۔

الکوزا حیران تھا کہ چنگیز خان نے اچانک اس کے خلاف یہ رویۂ کیوں اختیار کیا۔ لیکن اس سوال کا جبی نویان اور شامان کے سوا کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ چنگیز خان نے فی الحال الکوزا کو اپنے دل و دماغ سے نکال باہر کیا تھا۔

اس کرب کی حالت میں وہ کئی ہفتے جلتا رہا اور اب الکوزا کی بھی نگرانی کی جا رہی تھی۔

بخارا سے دمشقی تاجر سلیمان کا مکتوب چنگیز خان کو موصول ہوا۔ اپنے اس مکتوب میں اس نے یہ لکھا تھا "علاؤالدین خوارزم شاہ یہاں کا نہایت جری اور ایک عظیم الشان لشکر کا مالک اور فرمانروا ہے۔ ہماری متمدن دنیا کا یہ دستور ہے کہ کوئی کسی کے ملک پر بلا جواز حملہ نہیں کرتا۔ اس کے لیے جائز اور قابلِ یقین جواز تلاش کئے جاتے ہیں۔ آپ اپنا ایک وفد سلطان علاؤالدین خوارزم کی خدمت میں بھیجیں۔ آپ کا یہ وفد سلطان سے تجارتی امور پر باتیں کرے گا اور برابری کی سطح پر معاملات طے کرنا چاہے گا۔ میں نے علاؤالدین خوارزم شاہ کو آپ کے عجیب و غریب طریقۂ تجارت کے بارے میں بتا دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ قراقرم کوئی ملک نہیں ہے صحرائے گوبی کا ایک حصہ ہے۔ یہ خانہ بدوش خود کو دنیا سے افضل سمجھتے ہیں۔ ان معلومات کے زیرِ اثر جب خان کا وفد یہاں بات کرنے آئے گا تو سلطان خوارزم شاہ ان سب سے بہت بری طرح پیش آئے گا۔ انہیں ذلیل کرے گا اور انہیں دھکے دے کر اپنے دربار سے نکلوا دے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آپ کے قومیوں کو قتل کروا دے۔ آپ کے حملے کے لیے یہ جواز کافی ہو گا۔"

سلیمان کا خیال تھا کہ سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ چنگیز خان سے زیادہ طاقت ور ہے اور جب چنگیز خان ماوراء النہر میں داخل ہو گا تو دونوں کے تصادم میں چنگیز خان مارا جائے گا اور سلیمان اپنی اہانت کا اس طرح بدلہ لینے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس خط کے پڑھتے ہی چنگیز خان نے ایک وفد ترتیب دیا اور اس وفد میں الکوزا کو بھی شامل کر دیا۔ وہ الکوزا کو دور کر دینا چاہتا تھا۔

وہ رات دیر تک الکوزا کے بارے میں سوچتا رہا اور ایک بار پھر شامان کو طلب کر لیا۔ اس نے کہا "تو ایک بار پھر الکوزا کے بارے میں غیب سے حالات معلوم کر اور بتا کہ یہ بدروح اس کے دل و دماغ پر کب تک مسلط رہے گی؟"

شامان کچھ مہلت لے کر چلا گیا اور تین دن بعد بتایا "خان کا اقبال بلند ہو۔ آسمان و زمین کے درمیان خلاؤں کی بد ارواح دباؤ ڈال رہی ہیں کہ توشلوک کی روح کو اس زمین پر زیادہ عرصہ قیام نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ یہ بدروح کسی روز بھی الکوزا کے جسم سے نکل کے خلاؤں کی بد ارواح میں شامل ہو جائے گی۔"

اب چنگیز خان کو کسی حد تک قرار آ گیا اور وہ ہفتوں بعد مطمئن ہو کے اپنے بستر پر گر گیا۔ نیند نے غلبہ کیا اور وہ سو گیا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ الکوزا ایبنا سے باتیں کر رہا ہے اور ایبنا بھی بہت خوش ہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے دونوں ایک دوسرے کو عرصے سے جانتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

ان دونوں نے اچانک اپنے سر پر چنگیز خان کو دیکھا تو گھبرا گئے۔ چنگیز خان غصے میں کہہ رہا تھا "الکوزا! یہ تو نہیں ہے بلکہ توشلوک کی روح تجھ سے یہ سب کچھ کروا رہی ہے۔ لیکن میں اب تجھے مزید شرارتوں کا موقع نہیں دوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے چنگیز خان نے خنجر نکالا اور الکوزا پر وار کیا لیکن الکوزا نے چنگیز خان کی کلائی پکڑلی اور اس بری طرح دبائی کہ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا اور الکوزا خنجر اٹھا کے چنگیز خان پر حملہ آور ہو گیا۔ ایبنا اس لڑائی میں الکوزا کی مدد کر رہی تھی۔

چنگیز خان کی آنکھ کھل گئی اور وہ چلایا "چغتائی کو بلاؤ۔"

کچھ آدمی چغتائی کی تلاش میں نکل گئے پھر چنگیز خان نے دوسرا حکم دیا "پتا لگاؤ، الکوزا کہاں ہے؟"

الکوزا کو تلاش کیا گیا تو اس وقت وہ اپنے خیمے میں سویا ہوا تھا۔ چغتائی خان آ گیا۔ چنگیز خان نے پوچھا "ایبنا کہاں ہے؟"

چغتائی خان نے جواب دیا "اپنے خیمے میں۔"

چنگیز خان نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں پوچھا "یہ ایبنا اور الکوزا کا کیا چکر ہے؟"

چغتائی خان نے جواب دیا "کوئی چکر نہیں۔ الکوزا کا خیمہ ایبنا کے خیمے سے میلوں دوری پر واقع ہے۔"

چنگیز خان نے حکم دیا "ایبنا اور الکوزا کو میرے خیمے میں لایا جائے۔"

اسی وقت چغتائی خان ایبنا کو لینے چلا گیا اور دوسرے کئی منگول الکوزا کو بلانے چلے گئے۔

اپنے ذاتی معاملے میں اس نے لیوچت سائی کو بھی شامل نہیں ہونے دیا اور جبی نویان کو بھی کچھ پتا نہ چل سکا کہ چنگیز خان کے عظیم الشان سفید یورت میں کیا جھگڑے طے پا رہے ہیں۔

الکوزا کو بالکل قیدی کی طرح چنگیز خان کے خیمے میں لایا گیا۔ وہاں ایبنا پہلے سے آئی ہوئی تھی۔

چنگیز خان نے دونوں کو اپنے سامنے بٹھایا اور الکوزا سے پوچھا "تیرا اینا سے کیا چکر ہے؟"

الکوزا نے پہلے کبھی اینا کو دیکھا بھی نہیں تھا' جواب دیا "کون اینا؟ خان کس کی بات کر رہا ہے؟"

چنگیز خان نے اینا سے پوچھا "بول تو الکوزا کو کس طرح جانتی ہے؟"

اینا نے بھی الکوزا جیسا جواب دیا "کون الکوزا۔ میں کسی الکوزا کو نہیں جانتی۔"

چنگیز خان نے افسوس کرتے ہوئے کہا "افسوس کہ الکوزا کو قوشلوک کی بدروح نے اپنے قابو میں کر رکھا ہے۔ اور اینا تو نہیں جانتی کہ جس شخص کا تو ساتھ دے رہی ہے وہ میرا دشمن ہے۔"

چنگیز خان کی یہ باتیں سبھی کے لیے ناقابل فہم تھیں اور کوئی بھی ان کے سوالات و جوابات سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا تھا۔

چنگیز خان نے الکوزا سے شکایت کی "جب میں نے تم دونوں کو ایک جگہ دیکھا اور بڑے غصے میں تجھ پر وار کیا تو تو نے میری کلائی پکڑلی۔ میرے ہاتھ سے خنجر چھوٹ گیا اور پھر تو نے اسی خنجر سے مجھ پر وار کیا اور اینا نے تیری مدد کی۔"

الکوزا اور اینا حیران تھے کہ یہ واقعہ کب پیش آیا اور ان دونوں کو اس کی خبر بھی نہ ہو سکی۔

چغتائی خان بھی حیران تھا کہ اتنا سنگین واقعہ کب پیش آیا اور وہ کیوں بے خبر رہا۔ یکایک چنگیز خان کی آواز گونجی "کیا تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو؟"

الکوزا نے جواب دیا "میں نے تو آج اسے پہلی بار دیکھا ہے پھر میں کس طرح یہ کہوں گا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔"

چنگیز خان نے اینا سے پوچھا "کیا تو اس سے محبت کرتی ہے؟"

اینا نے جواب دیا "میں نے اس شخص کو آج پہلی بار دیکھا ہے پھر اس سے محبت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

چغتائی خان نے چنگیز خان سے پوچھا "خان بابا! میں نے اینا کے خیمے کی دن رات چوکیداری کروائی ہے اور کسی نے بھی الکوزا کو اندر جاتے نہیں دیکھا۔ یہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں کہاں اور کس طرح ہو گیا؟ کچھ ہمیں بھی تو معلوم ہو۔"

چنگیز خان نے غصے میں کہا "الیتا کی طرح اینا کو بھی دفع کرو" اور الکوزا کو حکم دیا "تو اس کو اسی وقت لے کر کسی دوسرے ملک میں چلا جا۔ تو نے قوشلوک کو مارنے کا کارنامہ انجام دیا تھا اسی لیے اینا کو میری طرف سے تحفہ سمجھ کر قبول کرلے اور میرا پیچھا چھوڑ دے۔"

اس فیصلے نے سبھی کو حیران کر رکھا تھا۔ چغتائی خان سوچ رہا تھا کہ یہ خان بابا کو آخر ہو کیا گیا ہے اور اینا پریشان تھی کہ اس کو ایک معمولی آدمی کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

الکوزا مایوس تھا۔ وہ چنگیز خان کے لشکر میں کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دے کر کوئی اونچا عہدہ حاصل کرنے کی فکر میں تھا۔ لیکن اسے تحفے میں اینا بخش دی گئی تھی جو بلاشبہ بہت خوب صورت تھی مگر کسی نئے ملک میں جا کے کوئی مقام حاصل کرنا اور خوش و خرم زندگی گزارنا آسان بات نہیں تھی۔

چنگیز خان نے چغتائی خان کو حکم دیا "ان دونوں کو اتنا سونا دے دیا جائے کہ مدتوں خوش و خرم زندگی بسر کر سکیں۔ دو گھوڑے بھی دے دیئے جائیں اور تمام وہ اشیا بھی جن کا یہ مطالبہ کریں اور جنہیں یہ اپنے ساتھ لے جا سکیں۔"

چغتائی خان تو حکم کا بندہ تھا اور الکوزا اور اینا میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ چنگیز خان سے بحث کرتے۔

جب یہ لوگ خیمے سے باہر نکل گئے تو چنگیز خان نے چغتائی خان کو واپس بلایا اور حکم دیا "ان دونوں کو سخت نگرانی میں رکھا جائے اور جب یہ دونوں یہاں سے روانہ ہوں تو ان کے ساتھ ایک دستہ ان کی نگرانی کرتا رہے اور کاشغر تک چھوڑ کے واپس آجائے۔"

رات کے پچھلے پہر اینا اور الکوزا کو بھی قراقرم بدر کر دیا گیا اور چنگیز خان نے شامان کو ایک بار پھر اپنے خیمے میں طلب کیا اور اس کو اپنے خواب کی تفصیل بتا کے اپنے فیصلے سے مطلع کیا اور کہا۔ "اب تک تو وہ پچیس تیس میل کا سفر بھی کر چکے ہوں گے۔ اب تو بتا کہ الکوزا کیا اب بھی ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے؟"

شامان نے جواب دیا "نہیں۔ اب وہ دونوں کہیں گمنامی میں مر جائیں گے اور قوشلوک کی روح بھی اس کا پیچھا چھوڑ دے گی۔ کیونکہ بدارواحیں خلا میں قوشلوک کا انتظار کر رہی ہیں۔"

شاید اب پہلی بار چنگیز خان کو سکون میسر آیا تھا۔ دشمن کتنا عذاب جان ہوتا ہے' یہ بات اسے قوشلوک کی موت کے بعد معلوم ہوئی تھی۔ اب وہ بہت پُرسکون تھا۔ اور اس سے زیادہ جبی نویان کہ ایک مستقل خطرہ جو اس سے وابستہ ہو گیا تھا شامان کی مدد سے اس کا پیچھا چھٹ گیا تھا۔ اور اب وہ بھی آزاد اور خوش و خرم ادھر ادھر گھوم پھر رہا تھا۔

لیکن چغتائی خان کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا کہ الیتا اور اینا کے ساتھ اس کے باپ نے جو سلوک کیا تھا اس کے پس منظر میں اصل واقعات کیا تھا۔



اب وہ مغربی دنیا کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا۔ اور اب تک جو معلومات اسے حاصل ہوئی تھیں وہ بہت پُرکشش تھیں۔ اسے بتایا گیا تھا کہ جب وہ کاشغر کے اس پار دو دریاؤں کی درمیانی وادی میں داخل ہو گا تو وہاں بڑی بڑی چراگاہیں ملیں گی۔ پہاڑی سلسلے بھی ہوں گے اور میدانی علاقے بھی۔ وہاں کے دریا سال میں ایک بار بھی منجمد نہیں ہوتے مستقل بہتے رہتے ہیں۔ اور وہاں بڑی بڑی درسگاہیں ہیں جہاں انسانوں کو عجیب و غریب علوم

سکھائے جاتے ہیں۔
وہاں کے لوگوں کے لباس میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ علما کا لباس کچھ اور ہوتا ہے اور امرا کا لباس کچھ اور۔ وہاں کے حکمران چینی شاہی خاندانوں کی طرح شاندار محلات میں رہتے ہیں۔ ان کے کمانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور سونے جاگنے کے تواب ہوتے ہیں۔
چنگیز خان میں جستجو تھی اور خواہش بھی کہ وہ ان علاقوں کو دیکھے۔ لیکن قریب ہی شمال میں روس واقع تھا۔ یہاں بھی چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں اور نسلاً امی کی طرح یہ بھی ترک تھے۔ ان علاقوں میں بھی اس کے لیے بڑی کشش تھی اور وہ انہیں بھی اپنے مفتوحہ علاقوں میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کئی محاذوں پر لڑنے کے لیے بہت بڑی فوج درکار تھی اور چنگیز خان نے اس کا یہ حل نکالا کہ وہ پہلے روسی ترک قبائل کو زیر کر کے انہیں فوج میں شامل کرتا چلا جائے۔ اس کے بعد وہ ان سب کی مدد سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو کیونکہ مسلمانوں میں بھی خلیفہ نام کا ایک شخص روئے زمین کا آقا بنا بیٹھا تھا۔ اور یہ آقا کوئی معمولی شخص نہیں ہو سکتا تھا۔
اس دوران چنگیز خان کے لشکر میں یہ افواہ پھیلنی شروع ہو گئی تھی کہ چنگیز خان رحم دل ہو گیا ہے۔ وہ مجرموں کو معاف کر دیتا ہے۔ حالانکہ یہ سب بوگدو کی جبلت کے خلاف تھا۔
چنگیز خان ان چہ میگوئیوں کو سنتا رہا اور خاموش رہا۔
شامان یہ کہتے پھر رہے تھے کہ نیلے جاودانی آسمان نے وقتی طور پر اسے نرم کر دیا ہے ورنہ وہ اب بھی پہلے جیسا ظالم، سفاک اور سخت گیر چنگیز خان ہے۔
اس دوران سوبدائی بہادر بہت سے ترک قبائل کو زیر کر کے واپس آ گیا۔
چنگیز خان نے سوبدائی بہادر کے اعزاز میں دوسرے، بہت سے سرداروں کو بھی اپنے یورت میں جمع کیا۔ بغورچی بھی پیش پیش تھا۔ لیوچت سائی بھی یورت میں ادھر ادھر چلتا پھرتا نظر آ رہا تھا۔ یہاں یسو تائی بھی موجود تھا اور علم دار بھی۔ چغتائی، جوجی خان، اوغدائی اور تولی خان بھی چنگیز خان کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس مجلس میں تجربہ کار بوڑھوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔
کچھ دیر بعد چنگیز خان نے ان سب کو بتایا "ایک زمانہ تھا جب ہم صحرا میں جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تمام صحرائی قبائل ایک دوسرے کے دشمن تھے، آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے پھر نیلے جاودانی آسمان کو ہم پر رحم آ گیا اور اس نے تم لوگوں میں سے مجھے پیدا کر دیا۔ مجھے آسمانی بوگدو کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے اور آسمان ہی سے مجھے چنگیز خان کا خطاب ملا۔ میں نے تم سب کو متحد کیا اور دیوارِ چین کے اس پار پہنچ گیا۔ میں نے بادشاہوں کو ذلیل کیا اور ان کی شہزادیوں کو کنیزیں بنا کے رکھا۔ میں نے تم سب کو مالا مال کر دیا اور طغرل خان جو قراقرم میں اونگ خان بنا بیٹھا تھا اس کی طاقتور حکومت کو خاک میں ملا دیا۔ آج روس کے بہت سے ترک قبائل میرے پاک کے نو دموں والے پرچم تلے جمع ہو چکے ہیں۔ اب میں تم لوگوں کی نظروں میں رحم دل ہو گیا ہوں۔ اس وقت تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو میرے ایک سوال کا جواب دے۔"
لیوچت سائی نے کہا "سوال پوچھیے جواب بھی مل جائے گا۔"
چنگیز خان نے پوچھا "دنیا میں سب سے زیادہ لطف کس بات میں آتا ہے؟"
یہ عجیب سا سوال تھا۔ اس کا جواب ہر شخص کے پاس الگ الگ تھا۔
سوبدائی بہادر نے جواب دیا "شہروں اور ملکوں کو فتح کرو اور ان کی سیاحت کرو۔ مجھے اس میں بڑا مزہ آتا ہے۔"
جبی نویان نے کہا "میں جب کسی علاقے کو فتح کرنے کی نیت سے نکلتا ہوں اور اپنے دشمنوں کو جھوٹے دلاسے دے کر ان کی مار لگاتا ہوں تو مجھے بڑا مزہ آتا ہے۔"
جوجی خان نے کہا "چونکہ خان بابا نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ روس سے دریائے آمو تک کا علاقہ میری تحویل میں رہے گا۔ اس لیے جب میں کسی ایسے علاقے کو فتح کرتا ہوں جو میرے زیرِ تسلط آنے والا ہو تو مجھے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔"
چنگیز خان نے ایک بوڑھے کو بطور خاص مخاطب کیا اور اس سے پوچھا "ان سب میں تو سب سے زیادہ تجربہ کار ہے۔ اس لیے تو بتا کہ تجھے کس بات میں سب سے زیادہ مزہ آتا ہے۔"
بوڑھے سردار نے سوچتے ہوئے جواب دیا "کھلا ہوا میدان ہو، دن خوب روشن ہو اور میری رانوں کے درمیان انتہائی تیز رفتار گھوڑا ہو اور ہاتھ پر شہباز بیٹھا ہو اور میں اس سے خرگوشوں کا شکار کر رہا ہوں۔ اس سے بہتر مشغلہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔"
چنگیز خان کو کسی کا بھی جواب پسند نہ آیا اور وہ مایوسی سے بولا۔ "یہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم میرے انتہائی اہم سوال کا جواب نہ دے سکے۔ اگر کوئی مجھ سے یہ سوال کرتا تو میں جواب دیتا کہ مجھے اپنے دشمنوں کو کچلنے اور انہیں اپنے قدموں میں گرتے دیکھنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ دشمنوں سے گھوڑے چھین لینا۔ انہیں ان کے سامان سے محروم کر دینا۔ ان کی عورتوں کا نالہ و بکا سننا بس یہی چیزیں میرے لیے پُرلطف ہوتی ہیں اور مجھے کسی اور بات میں ان سے زیادہ مزہ نہیں آتا۔"
اس طرح چنگیز خان نے یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ رحم دل ہرگز نہیں ہے۔
اب چنگیز خان کی مصروفیات میں حیرت انگیز تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ وہ اچانک مسلمان تاجروں پر بے حد مہربان ہو گیا تھا اور وہ ان سب سے اسلامی دنیا کی خوشحالی کی داستانیں سنتا رہتا تھا۔ اسے مسلمانوں کے بنائے ہوئے ہتھیار بہت پسند تھے۔ اسے ان ہتھیاروں کو تیار کرنے والے کاریگروں کی ضرورت تھی اور وہ

مسلمان تاجروں سے کہتا تھا کہ وہ ہتھیاروں کے بجائے ہتھیار بنانے والوں کو یہاں لائیں۔

تاجر وعدہ تو کر لیتے تھے مگر یہ کام ان کے بس کا نہیں تھا۔

پھر اس کی دلچسپی علاؤالدین خوارزم شاہ کی طرف مبذول ہو گئی۔ اور وہ اس مسلمان سلطان کے بارے میں بہت سوالات کرتا رہتا۔

مسلمان تاجروں نے بتایا "سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ ترک ہے اور بغداد کا عرب نژاد خلیفہ بھی اس سے خوفزدہ رہتا ہے۔ سلطان کے پاس عظیم الشان فوج ہے اور وہ کسی بھی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکر لے سکتا ہے۔"

چنگیز خان نے پوچھا "اس کے پاس کُل کتنی فوج ہوگی؟"

مسلمان تاجر نے جواب دیا "تقریباً چار لاکھ اور بوقت ضرورت وہ ایران سے مزید طلب کر سکتا ہے۔ شاہ کا تعلق بھی صحرائی ترک قبیلے سے ہے اور شاہ کے آباؤ اجداد ملک شاہ سلجوق کے پیالہ بردار رہ چکے ہیں۔"

چنگیز خان کئی دن تک ان معلومات کی روشنی میں سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کے بارے میں غور کرتا رہا۔ آخر اس نے لیوچت سائی سے مشورہ کیا "سنتا ہوں کہ جہاں صحرائے گوبی ختم ہوتا ہے اور پہاڑی سلسلے شروع ہو جاتے ہیں وہیں کہیں علاؤالدین خوارزم شاہ حکومت کرتا ہے۔ میں اس سے تجارتی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں۔"

لیوچت سائی حیران تھا کہ چنگیز خان اور تجارتی تعلقات۔ وہ سوالیہ نظروں سے چنگیز خان کو دیکھنا چاہتا تھا مگر ہمت جواب دے گئی۔ اس نے پوچھا "آپ سلطان خوارزم شاہ کو کون سی اشیا دیں گے؟ جب کہ سلطان کے پاس دینے کے لیے بہت کچھ ہے۔"

چنگیز خان نے جواب دیا "میں سمور کی ٹوپیاں، چمڑے کی پیٹیاں اور چینی ریشمی کپڑوں کے تھان بھیج سکتا ہوں۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ بڑھاپا میری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ میں اپنی قوم کو تجارت کے راستے پر ڈال دینا چاہتا ہوں۔"

اس جواب نے لیوچت سائی کو اور زیادہ حیرت زدہ کر دیا تھا، پوچھا "مجھے سلطان خوارزم شاہ کو آپ کی طرف سے کیا لکھنا ہے؟"

چنگیز خان نے ٹہل ٹہل کر بولنا شروع کر دیا "لکھ۔ اے سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ! میں تجھے پیغام تہنیت دیتا ہوں۔ میں تیری طاقت اور تیری سلطنت اور وسعت سے آگاہ ہوں اور میں تجھے اپنا عزیز فرزند سمجھتا ہوں مگر اپنی جگہ تجھے بھی یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے چین اور بہت سی ترک قوموں کو فتح کیا ہے میرا ملک سپاہیوں کی خیمہ گاہ ہے۔ یہاں چاندی کی کان ہے اور مجھے نئے علاقوں کی ضرورت نہیں۔ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم دونوں کا برابر کا فائدہ اسی میں ہے کہ میری اور تیری رعایا کے درمیان تجارتی تعلقات بڑھائے جائیں۔"

لیوچت سائی نے محسوس کیا کہ یہ پیغام انتہائی نرم ہے۔ اور اس تجارت سے چنگیز خان کا مقصد کیا ہے۔ بس چنگیز خان کا سلطان کو اپنا فرزند کہہ دینا اور ترکوں پر فتح حاصل کرنا۔ ان میں سبکی کا پہلو پایا جاتا تھا۔

اس خط کے ساتھ چنگیز خان نے سفید اون کے کئی لباس، چاندی کی سلاخیں اور کچھ دوسری چیزیں بطور تحفہ سلطان کو بھیج دیں۔

جب اس مسلمان تاجر نے سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کی خدمت میں خط اور تحفے پیش کیے تو سلطان کو بڑی حیرت ہوئی اور پوچھا "اور یہ جو چین کو فتح کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے اور لکھتا ہے کہ اس نے ترک قوموں کو بھی فتح کیا تو کیا یہ صحیح ہے؟"

مسلمان تاجر نے جواب دیا "اس نے واقعی چین کو فتح کر لیا ہے اور بہت سی ترک قوموں کو زیر کر لیا ہے۔"

سلطان نے کہا "اس کی اور ہماری فوج کا موازنہ کرو اور بتاؤ کہ کون زیادہ طاقتور ہے؟"

مسلمان تاجر نے گول مول جواب دیا "آپ کی فوج سے اس کی فوج کا کیا مقابلہ۔"

سلطان نے اسی قسم کے کئی اور سوالات کیے اور ان کے جوابات سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے تجارت کی کھلی آزادی دے دی اور کہا "اس سے کہو وہ تجارتی تعلقات قائم کرے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

اب صحرانشین منگول تاجروں کی شکل میں آزادی سے سمرقند و بخارا پہنچ سکتے تھے اور یہ سلسلہ سال ڈیڑھ سال چلتا رہا۔

اسی دوران اچانک چنگیز خان کا ذکر بغداد کے عباسی خلیفہ کے سامنے کر دیا گیا۔ ذکر کرنے والے خوشامدی اور سلطان خوارزم شاہ کے مخالف تھے۔ انہوں نے خلیفہ کو باور کرایا کہ اگر کسی طرح امیرالمومنین چنگیز خان کے حلیف بن جائیں تو مغرور علاؤالدین خوارزم شاہ کو راہِ راست پر لایا جا سکتا ہے۔

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ خلیفہ کو ایک اندوہناک خبر پہنچائی گئی۔ امیرالمومنین کے چار معتمد علیہ سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے تھے۔ اس قتل کی خبر بھی خوارزم شاہ نے دی تھی اور خلیفہ کے نام اپنے معذرت نامے میں سلطان نے لکھا تھا کہ امیرالمومنین کے چاروں آدمی جاسوسی کے شبے میں مارے گئے۔ سلطان معذرت خواہ ہے۔ معافی اور دعا کا طالب ہے۔ اگر امیرالمومنین نے معاف نہ کیا اور سلطان کے حق میں دعائے خیر نہ کی تو سلطان کو مجبوراً خلیفہ بدلنا پڑے گا۔

خوشامدیوں نے مشورہ دیا "یہ تو خوارزم شاہ کی بڑی زیادتی ہے۔ اب امیرالمومنین کو چنگیز خان سے فوری رابطہ پیدا کرنے چاہئیں۔"

خلیفہ اس پر آمادہ بھی ہوگیا۔ لیکن خلیفہ کے قاصد کو سلطان خوارزم شاہ کے علاقے سے گزر کر ہی چنگیز خان تک پہنچنا تھا۔

اگر قاصد پکڑا جاتا تو خلیفہ کی خیر نہ تھی۔ آخر کار انتہائی رازداری سے کام لیتے ہوئے قاصد کے سر کو مونڈ دیا گیا اور گنجے سر پر خلیفہ کا خط لکھوایا گیا "عباسی خلیفہ کا خط بنام چنگیز خان" اس خط میں خلیفہ کی طرف سے سلطان خوارزم شاہ کی خود سری اور نافرمانی کی تفصیل لکھی گئی تھی اور چنگیز خان سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ اس ظالم کے پنجے سے خلیفہ کو رہائی دلوائے۔

یہی پیغام قاصد کو رٹوا دیا گیا تھا اور قاصد کو اس وقت تک قید میں رکھا گیا جب تک سر کے بال دوبارہ نہیں نکل آئے۔

اب اسے قراقرم روانہ کردیا گیا۔ راستے میں کئی جگہ اس کی تلاشی لی گئی مگر اس کے پاس سے کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔ اس طرح وہ چنگیز خان کے پاس پہنچ گیا۔ پہلے تو اس نے عباسی خلیفہ کا پیغام زبانی دہرایا۔ اس کے بعد چنگیز خان کو بتایا "میرا سر گنجا کیا جائے اور اس گنجے سر پر خلیفہ کا پیغام اس کی مہر کے ساتھ پڑھ لیا جائے تاکہ آپ لوگوں کو یہ یقین ہوجائے کہ میں جو کچھ زبانی کہہ چکا ہوں وہی تحریری شکل میں میرے سر پر موجود ہے۔"

چنگیز خان نے عرب عالموں سے خلیفہ کا خط پڑھوایا' اس کا مفہوم پوچھا لیکن اس کا کوئی خاص اثر نہیں لیا اور قاصد سے کہا۔ "کیا تیرے خلیفہ کو ابھی تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ میرا سلطان خوارزم شاہ کے ساتھ تجارتی معاہدہ ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے کے تجارتی حلیف بن چکے ہیں' اس لیے ہم خلیفہ کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔"

قاصد کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اس کی عدم موجودگی میں چنگیز خان نے ایک مسلمان تاجر سے پوچھا "میں نے تو یہ سنا تھا کہ مسلمانوں میں عباسی خلیفہ کی وہی حیثیت ہے جو صحرائی قبائل میں میری۔ پھر کیا وجہ ہے کہ خلیفہ مجھ سے مدد کا طالب ہے؟"

مسلمان تاجر نے جواب دیا "خلیفہ قانوناً اور رواجاً سب پر بالادستی رکھتا ہے مگر سلطان علاؤ الدین جیسے خود سر حکمران جب زیادہ طاقتور ہوجاتے ہیں تو خلیفہ کو اپنے اشاروں پر چلاتے ہیں۔"

چنگیز خان نے حقارت سے کہا "نااہل اور نالائق لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں ورنہ کس کی مجال جو چنگیز خان کو اپنی مرضی پر چلائے۔"

اس ذرا سے واقعے نے مسلمانوں کے اندر نااتفاقیوں کا راز فاش کردیا تھا اور اسے خلیفہ کے بجائے سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ زیادہ طاقتور نظر آیا۔

خلیفہ کا قاصد اس لائق نہیں سمجھا گیا کہ چنگیز خان اس کی شایانِ شان پذیرائی کرتا یا اپنے کسی بیٹے کو حکم دیتا کہ وہ قاصد کی شایانِ شان ضیافت کرے۔ قاصد مایوس اور دل گرفتہ بغداد واپس چلا گیا۔

چنگیز خان نے قاصد کے جاتے ہی اپنے منصوبے پر تیزی سے عمل شروع کردیا۔

اب سمرقند و بخارا میں جو تاجر آرہے تھے وہ زیادہ تر چنگیز خان کے جاسوس ہوتے تھے۔ وہ کاشغر اور بدخشاں میں داخل ہوتے ہی اپنا کام شروع کردیتے تھے۔ انہوں نے دو دریاؤں کی اس وادی تک پہنچنے کے لیے کئی راستے معلوم کرلیے تھے اور ان مقامات کا اچھی طرح جائزہ لیا تھا جہاں پہاڑی راستے کسی نالے یا کھنڈے کے سامنے اچانک ختم ہوجاتے تھے اور انہیں کسی پُل کے بغیر عبور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ انہوں نے ان مقامات پر ایسے جنگلات بھی دیکھے تھے جن کے تناور درختوں کو کاٹ کر پُل بنایا جاسکتا تھا۔

راستوں کو ذہنوں میں محفوظ رکھنے میں یہ ماہر تھے۔ ان مخبروں اور جاسوسوں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ صحرائے گوبی کو عبور کرنے کے بعد ان پُر پیچ پہاڑی سلسلوں کو عبور کرنا بہت دشوار کام ہے۔ اور خاص کر ان حالات میں کہ لاکھوں کا لشکر انہیں عبور کررہا ہو۔ سپاہیوں کے پاس گھوڑے' گاڑیاں اور چھکڑے بھی ہوتے تھے ان پر سامان بھی لدا رہتا تھا۔ دیوارِ چین کے بعد یہ پہاڑی سلسلوں کی دیواریں تھیں جو تقریباً ناقابلِ عبور تھیں۔ ان تاجر نما جاسوسوں نے راستوں کی تمام باریکیوں کو اپنے حافظے اور ذہنوں میں محفوظ کرلیا تھا۔

جب یہ لوگ اترار میں داخل ہوئے تو اترار کے قلعے دار نے ان سب کو روک لیا۔ یہ کئی سو تھے اور ان کے پاس سامانِ تجارت بھی نہیں تھا۔ قلعے دار کا نام انیل حق تھا اور یہ نہایت ہوشیار قلعے دار کہلاتا تھا۔

انیل حق نے واقعے کی اطلاع دیتے ہوئے خوارزم شاہ کو لکھا۔ "مجھے تو یہ سب جاسوس معلوم ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے ساتھ تجارتی سامان بھی لے کر نہیں آئے اور پھر یہ کہ جب یہ شاہراہوں کو عبور کرسکتے تھے تو اپنے ساتھ سمور کے کچھ ٹکڑے ہی لے آتے۔ مگر یہ بازاروں میں ہتھیار خریدتے پھر رہے تھے۔ اور روغنِ نفت کے ماہرین کو تلاش کررہے تھے۔ انہی باتوں نے مجھ کو شک و شبے میں ڈال دیا تھا۔"

سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ کو بھی یہی شبہ تھا کہ تجارت کی آڑ میں کوئی اور ہی کام ہورہا ہے۔ اس نے انیل حق کو لکھا "ان سے پوچھا جائے کہ وہ کون ہیں۔ اگر تاجر ہیں تو ان کا سامانِ تجارت کہاں ہے اور انہیں روغنِ نفت کے ماہرین کی تلاش کیوں ہے؟ اگر وہ ان سوالوں کے معقول جواب نہ دے سکیں تو ان سب کو قتل کردیا جائے کیونکہ جاسوس ایک قسم کے ہراول دستے ہوتے ہیں۔"

انیل حق نے ان سب سے بہت سے سوالات کیے اور معقول جواب نہ ملنے پر ان سب کو قتل کردیا گیا۔

یہ خبریں کسی طرح چنگیز خان تک پہنچ گئیں تو اسے غصہ آیا اور

حالتِ غیظ و غضب میں اس نے سلطان خوارزم شاہ کو لکھا "میرے ایک قلعے دار نے میرے تاجروں کو قتل کیا ہے۔ اب تیرا یہ فرض ہے کہ تو اپنے قلعے دار کو میرے حوالے کر دے۔"

علاؤ الدین خوارزم شاہ نے قاصدوں کے سامنے چنگیز خان کا خط جلا دیا اور اسی آگ سے قاصدوں کی داڑھیاں جلا دیں اور قاصدوں کے امیر کو قتل کر دیا۔ یہ داڑھیاں جلوائے ہوئے لوگ چنگیز خان کے پاس پہنچے اور خوارزم شاہ کے ناشائستہ اور ظالمانہ سلوک کی شکایت کی۔

چنگیز خان کچھ دیر بیٹھا سوچتا رہا۔ اس کے بعد اٹھا۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور قوت و اقتدار کی پہاڑی پر چڑھ گیا۔ گھوڑے کو پیچھے ہی چھوڑ دیا گیا۔ کمر سے پیٹی کھولی اور سر سے ٹوپی اتاری اور دعا مانگی۔ "او نیلے جاودانی آسمان! مجھے اتنی طاقت دے کہ میں اپنے دشمن کا سر کچل دوں۔"

وہ کچھ دیر اسی طرح کھڑا رہا اور آسمان کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اسے جیسے سکون آگیا ہو۔ اس نے اعلان کیا "میں نے اپنے دشمن کو برباد کر دیا اور اس کی سلطنت پارہ پارہ ہو گئی۔"

وہ پہاڑی سے اتر کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس وقت بھی پیٹی اس کے کاندھے پر پڑی ہوئی تھی اور ٹوپی ہاتھ میں تھی۔ اس نے اپنے خیمے میں داخل ہونے کے بعد نہایت بھاری آواز میں اعلان کیا "نہ آسمان پر ایک ساتھ دو سورج چمک سکتے ہیں اور نہ زمین پر دو خاقان ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔"

یہ سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔



جنگی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ یہیں ان جنگی تیاریوں کے دوران چنگیز خان کی خدمت میں ایک نوجوان حسین لڑکی پیش کی گئی۔ اس کا نام کولان تھا۔ چین کا ایک ماہر جغرافیہ .... انہی جنگی تیاریوں کے دوران چنگیز خان سے ملا اور اس نے بتایا کہ ایک بار چینی فوج نے بھی انہی راستوں سے سمرقند و بخارا پہنچنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی تھی۔ اس ماہر جغرافیہ کا دعویٰ تھا کہ وہ ان راستوں سے واقف ہے اور رہنمائی کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔ اسی موقع پر کئی ایغوری عالم بھی چنگیز خان سے ملے۔ چنگیز خان کو یہ زبان آتی تھی اور وہ ایغوری عالموں کی بڑی قدر کرتا تھا۔

ایک شامان نے مبارکباد دی "ان خاص اوقات میں حسین عورت کا ملنا، چینی ماہرِ جغرافیہ کی آمد اور ایغوری عالموں کی ملاقات اس بات کی علامت ہیں کہ چنگیز خان جس مقصد سے سفر کرنے والا ہے ان سب میں اسے کامیابی حاصل ہو گی۔"

اس وقت چنگیز خان کے ساتھ جو فوج تھی اس میں جاسوس بھی تھے، انجینئر بھی تھے۔ جغرافیہ داں بھی تھے۔ طبیب بھی تھے۔ شامان بھی تھے اور رو فنِ لغت کے ماہرین بھی۔

اس نے اپنا طویل سفر صحرائے گوبی سے شروع کیا کیونکہ وہ اس جانے بوجھے راستے سے اچھی طرح واقف تھا۔ راستے میں پانی مسئلہ بن سکتا تھا۔ مگر یہ وحشی، اگر پانی نہیں ملتا تھا تو بھینس یا بیل کے سینگ کسی گھوڑی کی پشت میں چبھو دیتے تھے اور اس سے خون چوس لیا کرتے تھے۔

راستے میں جانوروں کے ڈھانچے اور تومین کے پنجر ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔ یہ ڈھانچے اور پنجر ان کے تھے جو سو پچاس سال پہلے اس صحرا کو عبور کرتے ہوئے صحرائی طوفان میں پھنس گئے تھے۔ ریت کے تودے ان کی قبریں بن گئے اور جب دوبارہ کسی طوفان نے ان تودوں کو دوسری جگہ پہنچا دیا تو یہ ڈھانچے اور پنجر سامنے آگئے۔

چنگیز خان کے لشکر پر ان ڈھانچوں کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ نہایت بے نیازی سے ان کے پاس سے گزر گیا۔

کئی دن بعد وہ پہاڑی سلسلے کے سامنے پہنچ گیا۔ اب ان کے لیے دشوار گزار راہیں آگئی تھیں۔ جو مخبر اور جاسوس انہیں پہلے دیکھ گئے تھے وہ آگے بڑھے اور لشکر کی رہنمائی کرنے لگے۔

چنگیز خان کے غیظ و غضب میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس نے علاؤ الدین خوارزم شاہ کو خوفزدہ کرنے کے لیے ایک قاصد آگے روانہ کر دیا جو سلطان کو بتانے جا رہا تھا "تو نے امن اور جنگ میں سے جنگ کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ اب جنگ ہو گی۔ پھر کیا ہو گا، نہ تجھے معلوم ہے اور نہ مجھے۔ یہ تو نیلا جاودانی آسمان ہی بتا سکتا ہے کہ کیا ہو گا؟"

پہاڑی رکاوٹوں نے منگولوں کو بے حد پریشان کیا۔ جب وہ ایک پہاڑی سلسلے سے بخیریت گزر جاتے تھے تو دوسرا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ اور وہ ان سب کا راستہ روک لیتا۔ اسی طرح چھکڑے اور گاڑیاں بھی رک جاتی تھیں۔ ان موقعوں پر ہزاروں سپاہی جنگلوں کی صفائی میں مشغول ہو جاتے اور تناور درختوں کو کاٹ کاٹ کر ان سے عارضی پل بناتے اور ان پر سے چھکڑے اور گاڑیاں گزرتیں۔

چنگیز خان یہ ساری مشکلات دیکھ رہا تھا اور اس کے غصے میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ گول یورتوں میں عورتیں سوار تھیں۔ چنگیز خان کی عورتیں بھی ان چھکڑوں میں سفر کر رہی تھیں۔ جن کا رتبہ سوا تھا انہیں گول سفید یورت دیے گئے تھے۔ بورتے بھی ایسے ہی خیمے میں سفر کر رہی تھی۔

شاید چنگیز خان کو خود بھی یقین نہیں تھا کہ وہ اس جنگ سے زندہ واپس آئے گا۔ اپنے اس شبہے کے عالم میں جوجی خان کو حکم دیا "تم تیس ہزار سپاہیوں کو لے کر الگ ہو جا اور ان راستوں کی معلومات حاصل کر جن پر تجھے حکومت کرنی ہے۔ یہ علاقے میں تیرے لیے فتح کروں گا اور اگر میں دوبارہ قراقرم یا جھیل بیکال تک نہ جا سکوں تو تو اپنے باپ کے مردہ جسم کو جھیل بیکال تک لے جائے

کا کیونکہ صنوبروں کے سائے میں یہ بوڑھا آرام سے رہ سکے گا۔"

جبی نویان کو حکم ملا "جس قدر لشکر لے کر تو جنوبی راستوں سے آگے بڑھ۔ تیرے حافظے میں پیچیدہ راستے خوب محفوظ رہتے ہیں۔"

پھر اچانک خلافِ توقع برف باری ہو گئی۔ اوہام و شکوک چنگیز خان کو یوں بھی تنگ کر رہے تھے "اس غیر متوقع برف باری نے مزید شک و شبے میں ڈال دیا۔ وہ اس سلسلے میں اپنے شامانوں سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ لیو چیت سائی نے اس کے وہم کو محسوس کر لیا اور پوچھا "یہ شامان اس برف باری کے بارے میں خان کو کیا بتائیں گے۔ ان سے بہتر تو میں بتا سکتا ہوں۔"

چنگیز خان نے پوچھا "تو اے، برف باری سے کیا شگون لے گا؟"

لیو چیت سائی نے جواب دیا "آپ کا تعلق ان علاقوں سے ہے جہاں برف باری ہوتی ہی رہتی ہے اور یہاں برف باری کا خاص موسم ہوتا ہے۔ خلافِ موسم برف باری کا یہ مطلب ہے کہ آپ کی آمد کی خوشی میں برف بغرضِ استقبال حاضر ہو گئی ہے۔ یہ روئے زمین کے آقا کا استقبال کر رہی ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ سرد علاقوں کا آقا گرم علاقوں کے حکمرانوں کو زیر کر لے گا۔"

اس وقت وہاں چین کا جغرافیہ داں بھی موجود تھا۔ لیو چیت سائی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تو ان گرم علاقوں کے بارے میں جو کچھ جانتا ہے اپنے آقا کو بتا۔"

چینی جغرافیہ داں نے کہا "ہم چینیوں نے ان دو ہزار میل دور گرم علاقوں کا نام تائیمین رکھا ہے۔ یعنی بہت دور کی دنیا اور چین میں یہ مشہور ہے کہ ایک نہ ایک دن چینی دیواروں کو عبور کرنے والا فاتح اس بہت دور کی دنیا کو بھی فتح کر لے گا۔"

چنگیز خان مطمئن ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ پڑھے لکھے لوگ باتیں بہت اچھی کر لیتے ہیں۔ اس برف باری کے موسم میں اسے اپنے مویشیوں کی بڑی فکر تھی جنہیں وہ اپنی غذا کی خاطر ساتھ لیے پھر رہا تھا۔

اس کے اردو کی تعداد دو لاکھ سے کچھ زیادہ تھی اور بطور غذا کام آنے والے مویشیوں کی تعداد دس لاکھ کے لگ بھگ تھی اس نے چغتائی خان اور تولی خان کو ساتھ لیا اور مویشیوں کو دیکھنے نکل کھڑا ہوا۔ انہیں کمبلوں اور نمدوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا اور مویشیوں کے محافظ اپنی جان سے زیادہ ان کی حفاظت کر رہے تھے۔

عام گزرگاہ بھی یہاں سے کچھ زیادہ دور نہیں تھی جسے تاریخ میں شاہراہِ ریشم کہا جاتا ہے۔

اس شاہراہ سے مسلسل گھنٹیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی بہت بڑا قافلہ اونٹوں کے ساتھ سفر کر رہا ہے۔ اور اونٹوں کے گلے میں لگی ہوئی گھنٹیاں مسلسل شور کر رہی تھیں۔

چنگیز خان نے حکم دیا "قافلے کو لوٹ لیا جائے اور اس کے مویشیوں اور سامانوں پر قبضہ کر لیا جائے۔"

کئی گھنٹے بعد ہزاروں اونٹ، گھوڑے اور سامانِ تجارت چنگیز خان کے پاس پہنچ گیا۔ یہ اونٹ بڑے بڑے بالوں والے تھے اور ان کے گلے میں پڑی گھنٹیاں زنگ آلود تھیں۔

چنگیز خان نے ان زنگ آلود گھنٹیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ شہری بھی اتنے سست اور کاہل ہوتے ہیں۔ میں ان کاہلوں کو شکست دے دوں گا۔"

بہت جلد قرب و جوار میں مشہور ہو گیا کہ شاہراہِ ریشم پر وحشیوں کے غول کے غول دیکھے گئے ہیں اور یہ راستہ غیر محفوظ ہو گیا ہے۔

مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ بالکل بے خبر تھا اور اسے کچھ پتا نہ تھا کہ صحرائی شکاری عقاب اس کی تلاش میں اس کے قریب پہنچ چکے ہیں۔

اگر کبھی دربار میں یہ موضوع زیرِ بحث آیا بھی تو خوشامدی مشیروں نے علاؤ الدین خوارزم شاہ کی شجاعت، فراست، خوش تدبیری اور قائدانہ صلاحیتوں کا کچھ ایسا سماں باندھا کہ وہ چنگیز خان کو ایک کم تر درجے کا محض خانہ بدوش صحرائی سمجھ بیٹھا۔

جب برف باری کا موسم ختم ہوا تو چنگیز خان نے برف پگھلنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ اس کی گاڑیاں اور چھکڑے برف پر سفر کرنے لگے۔ یہاں یہ حساب بھی لگایا گیا کہ وہ اب تک کتنے میل کا سفر کر چکے ہیں۔ ماہر حساب داں یہ ثابت کر رہے تھے کہ وہ بارہ سو میل کا سفر طے کر چکے ہیں۔

چنگیز خان سے پہلے جبی نویان اور جوجی خان اسلامی سرحدوں میں داخل ہو گئے۔

سمور پوشوں کے یہ عجیب و غریب دستے دریائے سیحون کے منبع کے قریب مشرق میں نمودار ہوئے۔ سرحدی محافظوں نے ان کی خبریں علاؤ الدین خوارزم شاہ تک پہنچا دیں۔ اور خوارزم شاہ حقیقتِ حال جاننے کے لیے خود نکل کھڑا ہوا۔

وہ ان علاقوں میں پہنچا جہاں جبی نویان کے ہراولی دستے جنوب سے شمال کی جانب بڑھ رہے تھے اور جوجی خان کے ہراولی دستے شمال سے جنوب میں جبی نویان کے دستوں سے ملنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی عالم میں علاؤ الدین خوارزم شاہ بھی اپنی فوج کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ لیکن ہراول دستوں کو جو تباہی مچانی تھی وہ مچا چکے تھے۔ ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی اور دھواں پھیلا ہوا تھا۔ کھانے پینے کا سامان لٹ گیا تھا اور بستیوں میں ہر طرف لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ علاؤ الدین خوارزم شاہ نے زخمیوں سے پوچھا "تمہارا یہ حال کس نے کیا ہے؟"

ایک زخمی نے جواب دیا "وہ جانوروں کی کھالیں پہنے ہوئے تھے۔ ان کے پاس گھوڑے بھی نہیں تھے۔ وہ ٹٹوؤں پر سوار تھے

انہوں نے ہم پر اچانک حملہ کیا اور ہمارے سنبھلنے سے پہلے ہی وہ قتل و غارت گری کر کے اور لوٹ مار کے بعد گھروں کو آگ لگا کے غائب ہو گئے۔ ہر طرف دھواں اتنا زیادہ تھا کہ ہم یہ بھی نہ دیکھ سکے کہ وہ کدھر گئے۔"

علاؤالدین خوارزم شاہ حیران تھا کہ وہ کدھر گئے۔ انہیں کہاں تلاش کرے اور یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ ان کا بتایا ہوا حلیہ اور وحشیوں کے کارنامے سلطان خوارزم شاہ کو بتا چکے تھے کہ یہ سب کے سب وحشی لوگ تھے۔ وہ ایسی ہی تباہ حال بستیوں میں چھپ کے بیٹھ گیا۔ لیکن دوسرے ہی دن معلوم ہوا کہ وحشیوں نے پچاس میل دور دوسری بستیوں پر حملے کر دیے۔ ان کا سامان لوٹ لیا۔ بستی والوں کو قتل کر دیا اور مکانات کو نذرِ آتش کر کے واپس چلے گئے۔

یہاں بھی دھوئیں سے وہی فائدہ اٹھایا گیا تھا۔ زندہ بچ جانے والے کسی بھی مسلمان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ حملہ آور کدھر سے آئے تھے اور دھوئیں میں کس طرف واپس چلے گئے۔

سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کو جھنجلاہٹ تھی کہ حملہ آور معمولی لوگ نہیں ہیں اور ان پر نظر رکھنا اور ان کا پیچھا کرنا بہت دشوار کام ہے۔

جوجی خان بھی اپنے چھاپوں سے تنگ آ گیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ جب چنگیز خان یہ سنے گا کہ جوجی خان چوری چھپے مسلمانوں پر حملے کرتا رہا اور کہیں کھل کے کسی میدان میں ابھی تک جنگ نہیں کر سکا تو وہ باپ کو کیا جواب دے گا اس لیے اب خوارزم شاہ سے اس کو دوبدو آمنے سامنے جنگ کرنا ہوگی۔

جبی نویان نے جوجی خان کو منع کیا کہ وہ ایسا نہ کرے "ہمیں اپنے اپنے کاموں کی حدود تک ذمے داریاں نبھانی چاہئیں۔"

جوجی خان نے کہا "یہ میرے علاقے ہیں۔ مکمل تسخیر کے بعد انہیں میرے حوالے کر دیا جائے گا۔"

علاؤالدین خوارزم شاہ اپنے اس دشمن کو تلاش کرتا ہوا ان پہاڑی سلسلوں میں داخل ہو گیا جہاں سے دریائے سیحون نکلتا تھا اور یہ جگہ وہی تھا جہاں جوجی خان اپنے لشکر کے ساتھ موجود تھا۔ اور یہیں سے اس کے دستے قتل و غارت گری کرنے خوارزم شاہ کی سرحدی بستیوں میں جایا کرتے تھے۔

جب جوجی خان کو یہ معلوم ہوا کہ علاؤالدین خوارزم شاہ اس کے قریب پہنچ چکا ہے تو اس نے بھی دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس موقع پر جوجی خان کے نائب نے مشورہ دیا "ہمیں اس جنگ میں بھی تولغمہ کی حکمتِ عملی اختیار کرنی چاہیے۔ یعنی انتہائی شدت سے جنگ کا آغاز اور ہمارے عقبی حصے کے سپاہی پیچھے ہٹیں اور چکر لگا کے خوارزم شاہ کے عقب میں پہنچ جائیں۔ جب ہمیں یہ یقین ہو جائے کہ ہمارے سپاہی خوارزم شاہ کے عقب میں پہنچ چکے ہیں تو ہم بھی پیچھے ہٹنا شروع ہو جائیں گویا پسپا ہو گئے ہیں۔ سلطانی فوجیں ہمارا تعاقب کریں گی۔ پھر ہم اچانک مڑ کر ان پر حملہ آور ہو جائیں گے اس طرح سلطانی افواج چکی کے دو پاٹوں کی طرح ہمارے حصار میں آ جائے گی اور سلطان کو فاش شکست ہو جائے گی۔"

جوجی خان نے اس تدبیر کی مخالفت کی اور کہا "اگر میں ایسا کروں گا تو میرا باپ مجھ سے جواب طلب کرے گا اور پوچھے گا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اور اس میں ایک ڈر یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ہمیں پسپا اور شکست خوردہ نہ سمجھ لیا جائے اور میرے سپاہی بھی راہِ فرار اختیار کرنے لگیں۔ میں خوارزم شاہ کا میدانِ جنگ میں آمنے سامنے مقابلہ کروں گا۔"

جوجی خان کا نائب مطمئن نہیں تھا۔ اس نے جوجی خان کو بتلایا "ہمارے مخبروں اور جاسوسوں نے بتایا ہے کہ اس جنگ میں علاؤالدین خوارزم شاہ کا بیٹا جلال الدین خوارزم بھی حصہ لے گا اور ہمیں اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

لیکن جوجی خان نے وہی کیا جس کا اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

صبح ہونے سے پہلے جوجی خان میدان میں آ گیا اور علاؤالدین خوارزم شاہ نے اپنے دشمن کو بہت قریب سے دیکھا۔

پست قامت، سانولی رنگت والے شہزادہ جلال الدین خوارزم شاہ نے اپنے باپ کو اپنی حکمتِ عملی سے آگاہ کیا "اگر ہم کسی طرح جوجی خان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور اسے مار دیں تو یہ جنگ فوری ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ جوجی خان قبل از وقت ہمارے اس علاقے کا حکمران قرار دے دیا گیا ہے۔"

علاؤالدین خوارزم شاہ کو حیرت ہوئی اور پوچھا "تجھے یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں؟"

جلال الدین نے جواب دیا "اپنے مخبروں سے مجھے تو یہاں تک معلوم ہے کہ یہیں کہیں جبی نویان نامی ایک دوسرا منگول سردار اپنی فوج کے ساتھ موجود ہے اور برف پوش پہاڑیوں کے اس پار چنگیز خان اپنے دو لاکھ سپاہیوں کے ساتھ پہنچ چکا ہے۔ اور ان چھوٹی موٹی جھڑپوں کے بعد ہمارا اصل مقابلہ چنگیز خان سے ہوگا۔"

جیسے ہی دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے پر پہنچیں، جوجی خان نے حملے میں پہل کی۔ یاک کا نو دُموں والا پرچم آگے آگے تھا۔

جلال الدین خوارزم شاہ اپنے دستے کے ساتھ آگے بڑھا اور جوجی خان کو تلاش کرنے لگا۔ جنگ چھڑ چکی تھی اور دونوں طرف سے غیر معمولی جوش و خروش کا مظاہرہ ہوا۔ جلال الدین شاہ نے وہی کیا جو اس کا ارادہ تھا۔ صفوں کو چیرتا ہوا جوجی خان تک پہنچ گیا۔ وہاں بھی جوجی خان کے محافظ موجود تھے۔ انہوں نے شہزادے کو روکنا چاہا مگر جلال الدین وار کر گیا۔ جوجی خان زخمی ہو گیا۔ اس کے ایک ساتھی نے جوجی کو نکال لے جانے کی کوشش کی۔ مگر جوجی

خان اسی حال میں خوش رہا اور کہا "ہمیں جنگ کے خاتمے تک یہیں رہنا ہوگا۔"

جوجی خان کی پوری کوشش تھی کہ جلال الدین خوارزم کو گرفتار کرلیا جائے مگر وہ اس میں ناکام رہا۔ دونوں طرف کے آدمی بے دردی اور سفاکی سے قتل کیے جا رہے تھے۔

شام تک دونوں طرف اتنا نقصان ہو چکا تھا کہ دونوں دیکھ دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

اسی رات جوجی خان نے میدان جنگ چھوڑ دیا۔ وہ پیچھے ہٹ چکا تھا اور علاؤ الدین خوارزم شاہ کوئی نتیجہ حاصل کیے بغیر واپس جانے کے لیے تیار تھا لیکن جلال الدین خوارزم شاہ مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔

رات بھر دوسرے دن کی جنگی تیاریوں میں مشغول رہنے کے بعد صبح جلال الدین خوارزم نے میدان میں نکل کر دیکھا تو جوجی خان اپنے لشکر کے ساتھ غائب ہو چکا تھا اور ہر طرف اپنے سپاہیوں کی لاشیں بے گور و کفن چھوڑ گیا تھا۔

جلال الدین خوارزم شاہ نے اپنے آدمیوں کی لاشوں کا حساب نکالا تو معلوم ہوا کہ اسی ہزار سے زائد اس کے اپنے آدمیوں کو بھی قتل کیا جا چکا ہے اور ان کی لاشیں بھی بے گور و کفن بکھری پڑی تھیں۔

سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ پر اس کا بڑا اثر ہوا اور وہ ان وحشیوں کے رعب و دبدبے کا شکار ہو گیا تھا۔ یہ خیال ہی اس کو خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھا کہ اصل لشکر سے ابھی مقابلہ باقی تھا یہ گویا چنگیز خان کا ہراول دستہ تھا۔

O☆O

چنگیز خان کو اسلامی سرحدوں میں داخل ہونے سے پہلے اپنے بچھڑے ہوئے سرداروں اور دستوں کا انتظار کرنا پڑا۔ مخبر اور جاسوس اور پیغام رساں مختلف جگہوں اور شہروں میں چاروں طرف پھیل گئے۔ تاجر بھی چنگیز خان کے لیے یہ خدمت انجام دے رہے تھے۔ جبی نویان کو بھی حکم موصول ہوا کہ وہ فوراً چنگیز خان کے پاس پہنچے اور جوجی خان کو بھی مطلع کر دیا گیا کہ اب تمہارا ادھر ادھر بھٹکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چنگیز خان کی خدمت میں فوراً حاضری دی جائے اور اسی جگہ جھیل بیکال اور اس کے چاروں طرف آباد قبائلی سرداروں نے بھی ملاقاتیں کیں۔ یہ سردار اپنے معمولی جتھوں کے ساتھ چنگیز خان کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے اور بظاہر یہ لوگ اس جنگ میں کوئی حصہ بھی نہیں لے رہے تھے۔

لیو چت سائی سے چینی جغرافیہ داں نے پوچھا "ان سرداروں کی آمد کا مقصد کیا ہے جب انہیں اس جنگ میں حصہ ہی نہیں لینا تھا تو پھر انہیں اتنے دور دراز سفر کی زحمت کیوں دی گئی؟"

لیو چت سائی نے جواب دیا "افسوس کہ تو ملکی سیاست نہیں سمجھتا تو صرف جغرافیہ داں ہے اور جغرافیائی حدود کس طرح بدل جاتی ہیں اور ایک خاندان کی جگہ دوسرا خاندان کس طرح برسرِ اقتدار آجاتا ہے، تجھے ان باتوں کا پتا نہیں۔ یہ میں جانتا ہوں کہ یہ صحرائی سردار جنہیں یہاں طلب کرلیا گیا ہے چنگیز خان کے پیچھے بغاوت کر سکتے تھے۔ اپنی آزاد حکومت کا اعلان کر سکتے تھے۔"

چینی جغرافیہ داں نے کہا "کیا ان صحرائی سرداروں کے دلوں پر چنگیز خان کا رعب طاری نہیں ہے؟"

لیو چت سائی نے جواب دیا "یہ صحرائی سردار لومڑی کی طرح چالاک ہوتے ہیں۔ یہ سوچ سکتے تھے کہ دو ہزار میل دور جنگ کے لیے جانے والا چنگیز خان ناکام بھی ہو سکتا ہے۔ اس ناکامی سے فائدہ اٹھانا ان کے لیے بہت آسان کام ہے۔"

چنگیز خان نے اپنے یورت میں باری باری سبھی کو طلب کیا۔ ان سرداروں کو بھی جنہیں نادیدہ خطرات کے پیشِ نظر طلب کرلیا گیا تھا۔

چنگیز خان نے ان سرداروں کو سمجھایا "ان جنگوں میں تم ہمارے ساتھ رہو تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ دشمن کا کس طرح شکار کیا جاتا ہے۔"

اور یہ سردار جن دشوار گزار راستوں سے گزر کر یہاں پہنچے تھے ان کے پیشِ نظر ان سرداروں کو یقین تھا کہ اگر چنگیز خان کو شکست ہو گئی تو وہ بالکل تباہ و برباد ہو جائے گا اور اقتدار پسند سرداروں کو موقع ملے گا کہ وہ ایک بار پھر قسمت آزمائی کریں۔

ان سرداروں کے بعد جبی نویان کو طلب کیا گیا۔ اس نے بتایا کہ مسلمان طاقت کے نشے میں اتنے مست و بے خود ہو رہے ہیں کہ وہ انہیں خاطر میں ہی نہیں لاتے۔ انہیں اپنی کثرت پہ ناز ہے اور وہ بالکل نہیں جانتے کہ بہترین منصوبہ بندی اور تدبیر اکثر چالیس اقلیت کو اکثریت پر غالب کر دیتی ہیں۔ یہاں غلامی کا رواج ہے اور انسان جانوروں کی طرح بکتے ہیں۔ ان غلاموں سے جانوروں کی طرح کام لیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ مظلوم طبقہ اپنے آقاؤں سے خوش نہیں رہتا۔

چنگیز خان جبی نویان کے تجزیے کو نہایت غور سے سنتا رہا اور جبی نویان بتاتا رہا "یہاں کے بادشاہوں اور حکمرانوں کے دربار میں وہ خوشامدی بڑے بڑے انعامات حاصل کرتے ہیں جو اپنے ممدوح کی مدح سرائی میں حد درجہ مبالغے سے کام لیتے ہیں۔ یہاں انہی لوگوں کی تعریفیں ہوتی ہیں جن کی کوئی حیثیت ہوتی ہے باقی سب کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ یہاں قانون پر سختی سے عمل نہیں کیا جاتا اور جائز کاموں کے لیے بھی رشوتیں دینا پڑتی ہیں۔ بادشاہ اور رعایا کے درمیان اتنا طویل فاصلہ ہوتا ہے جسے طے کرنا ناقابلِ یقین سمجھا جاتا ہے۔"

چنگیز خان نے جبی نویان سے پوچھا "تو نے یہ ساری معلومات کہاں سے حاصل کیں کیا تو مسلمانوں میں رہ بس کے آیا ہے؟"

جبی نویان نے جواب دیا "میری ایک عرب سیاح سے ملاقات

ہو گئی تھی۔ یہ ساری معلومات اسی کی فراہم کردہ ہیں۔"

جبی نویان نے جو کچھ بتایا تھا اس سے چنگیز خان اس نتیجے پر پہنچا کر مسلم حکمران معاشرتی طبقوں میں اتحاد نہیں پیدا ہونے دیتے اور وقت پڑنے پر ان کی یہ عارضی شیرازہ بندی گھاس پھوس کی طرح بکھر جائے گی۔

زخمی جوجی خان کو بھی چنگیز خان کی خدمت میں پیش کیا گیا اور اس سے بھی مسلمانوں کے بارے میں بہت سے سوالات کیے گئے۔ جوجی خان نے بتایا "اب تک میرا جن مسلمانوں سے واسطہ پڑا ہے ان میں پستہ قامت اور سانولی رنگت رکھنے والے شہزادے جلال الدین کا کوئی جواب نہیں۔ وہ زبردست قائدانہ صلاحیتیں رکھتا ہے" جوجی خان نے اپنے زخم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ زخم بھی اسی کا لگایا ہوا ہے۔"

چنگیز خان نے کہا "اگر یہ بات درست ہے تو فوج میں اعلان کر دیا جائے کہ دوران جنگ شہزادہ جلال الدین خوارزم شاہ کو قتل نہ کیا جائے بلکہ اسے گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کیا جائے۔"

چنگیز خان نہایت محتاط ہو گیا تھا اور جنگی منصوبہ بندی میں نہایت تحمل اور فکر سے کام لے رہا تھا۔ اس کا پہلا نشانہ اترار تھا جس کے قلعے دار نے اس کے تاجروں کو قتل کر دیا تھا۔

دوسرا نشانہ علاؤ الدین خوارزم شاہ تھا جس نے چنگیز خان کے میر قاصد کو قتل کروا دیا تھا اور وفد کے بقیہ ارکان کی داڑھیاں جلوا دی تھیں۔

چنگیز خان نے جوجی خان کو پانچ ہزار سواروں کی جمعیت دی اور حکم دیا "مسلمانوں کے خلاف جنگ میں پہل تو نے کی ہے اس لیے تو آگے بڑھ اور باقاعدہ جنگ شروع کر دے۔"

جوجی خان نے آگے بڑھ کے خوقند نامی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں تیمور ملک نامی قلعے دار اس کی حفاظت پر مامور تھا۔ اس کے ساتھ آدمی بھی زیادہ نہیں تھے صرف ایک ہزار سپاہی۔ وہ یہاں سے ایک جزیرے میں منتقل ہو گیا اور جوجی خان کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔

جوجی خان اس چھوٹے سے شہر کی تسخیر کے لیے پورے انتظامات سے آیا تھا۔ پتھر پھینکنے والی اور آگ برسانے والی منجنیقیں بھی اس کے ساتھ تھیں۔ لیکن تیمور ملک نے منگولوں کے ہر حملے کو ناکام کر دیا۔ یہ محاصرہ اتنی دور سے کیا گیا تھا کہ منجنیقوں سے نکلے ہوئے گولے اور آگ شہر تک پہنچتے پہنچتے بیکار ہو جاتے تھے۔ جگہ جگہ پانی کے حوض بنا دیے گئے تھے۔ آگ اس میں بجھ جاتی تھی۔ فصیلوں پر دونوں طرف گیلی ہوئی جھونپڑے نما چھتیں بنائی گئی تھیں۔ ان کے اندر تیر انداز بٹھا دیے گئے تھے۔ ان کی چھتیں گیلی مٹی میں چھپا دی گئی تھیں۔ اس سے ان پر آگ اثر نہیں کرتی تھی۔

تیمور ملک جس جزیرے سے اس کی حفاظت کر رہا تھا کشتیاں نہ ہونے کی وجہ سے جوجی خان کے سپاہی وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔

ایک مہینے تک یہ محاصرہ جاری رہا اور تیمور ملک نے ان کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ آخر جوجی خان کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے آس پاس کی آبادیوں سے بیگار میں آدمیوں کو پکڑنا شروع کر دیا اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ادھر ادھر سے پتھروں کو لا کے پانی میں ڈالنا شروع کر دیں۔ یہ پتھر پانی کی سطح سے بلند سطح تک ڈالے جانے لگے اور پانی میں ایک عارضی سڑک تعمیر ہونے لگی۔

تیمور ملک بھی منگولوں کے اس منصوبے سے آگاہ ہو گیا اور اس نے فوری طور پر کشتیوں کا انتظام کیا۔ سڑک ابھی ادھوری تھی کہ تیمور ملک اپنے آدمیوں سمیت کشتیوں کے ذریعے فرار ہو گیا۔

جوجی خان نے بھی کنارے کنارے اپنے گھوڑوں پر سوار کشتیوں کا تعاقب جاری رکھا۔ دونوں طرف سے تیر اندازی بھی ہو رہی تھی۔ تیمور ملک کے ساتھیوں نے بہت سے تعاقب کرنے والوں کو مار گرایا اور جوجی خان کو اقرار کرنا پڑا کہ اس کا یہ دشمن چینیوں سے مختلف ہے۔ اس کے بہت سے آدمی مارے جا چکے تھے۔ جب اسے اپنی جان بھی خطرے میں نظر آئی تو اس نے واپسی اختیار کی اور تعاقب کرنے والے جتھے کو حکم دیا کہ وہ بدستور پیچھا کرتے رہیں۔

تیمور ملک نے جب یہ دیکھا کہ اس کا پیچھا کرنے والے ہمت نہیں ہار رہے تو اس نے کئی کشتیوں کو راستے میں ہی روک لیا اور ان پر سوار سپاہیوں کو حکم دیا "تم لوگ براہ خشکی گزر جانے کی کوشش کرو۔"

کشتیوں کے رکنے اور ان پر سے آدمیوں کے اترنے کا جوجی خان کے ساتھیوں نے یہ مطلب لیا کہ انہی میں تیمور ملک بھی ہو گا اور ان سب کی توجہ ان اترنے والوں پر مبذول ہو کر رہ گئی تھی اور تیمور ملک اپنی کشتی کو آگے بڑھا لے گیا۔

چند منگولوں نے اس کشتی کا تعاقب بھی جاری رکھا۔

تیمور ملک نے فوراً ہی یہ فیصلہ کیا کہ کشتی کو چھوڑ دینا چاہیے۔ کشتی کو کھینچنے والے کسی وقت بھی تھک سکتے تھے۔

چنانچہ ایک سنسان جگہ کشتی چھوڑ دی گئی اور تیمور ملک نے ایک تیر سے تعاقب کرنے والے منگول کو مار گرایا۔ اس کے گھوڑے پر قبضہ کیا اور آگے روانہ ہو گیا۔ اب صرف دو منگول تھے جو اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ تیمور ملک نے ان کو دھمکی دی۔ "اس وقت بھی میرے پاس دو تیر ہیں۔ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔ میں تم دونوں کو مار کے گرا سکتا ہوں۔"

منگولوں پر کچھ ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ واپس چلے گئے۔

تیمور ملک کی بھی یہ خوش قسمتی تھی کہ آگے اس کی ملاقات شہزادہ جلال الدین خوارزم شاہ سے ہو گئی۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ منگولوں کا منتظر تھا۔

جوچی خان کو جب یہ بتایا گیا کہ تیمور ملک بچ کر نکل گیا تو اسے بڑی حیرت ہوئی۔ جوچی خان نے پہلی بار مسلمانوں کی طاقت کا لوہا مانا تھا۔ سبھی منگولوں میں تیمور ملک کی بہادری، چالاکی اور جنگی مہارت کا چرچا ہو تا رہا۔

جب یہ خبریں چنگیز خان کو پہنچیں تو اس نے اپنے فوجی سپاہیوں کو ایک خاص پیغام بھیجا "یہاں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا اور غرور و تکبر سے ہرگز کام نہ لینا۔ چینیوں کی مثال تمہارے سامنے ہے جنہیں اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا اور دیوار چین کو ناقابلِ عبور سمجھتے تھے پھر اس غرور کا جو انجام ہوا وہ تمہارے سامنے ہے۔"

چنگیز خان کا سب سے چھوٹا بیٹا تولی خان خود کو سب سے زیادہ بہادر اور عقلمند سمجھتا تھا۔ اس نے چنگیز خان سے درخواست کی۔ "یہ مہم میرے سپرد کی جائے۔ مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا کام میں انجام دوں گا۔"

چنگیز خان اپنے ہر بیٹے کی صلاحیتوں سے واقف تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ یہ جنگ ہزاروں میل کے محاذ پر لڑی جائے گی اس لیے اس کے دو بیٹے اپنی فوجوں کے ساتھ علاؤالدین خوارزم شاہ کے تعاقب میں بڑھ گئے جو دریائے جیحون کے شمالی کنارے پر فوجیں لیے کھڑا ہوا تھا۔

چنگیز خان اپنے بیٹوں کے ساتھ شمال سے مغرب کی طرف بڑھتا چلا گیا اور ریگستانی حصے تک پہنچ کر رک گیا اور اب اس کا رخ مشرق کی جانب تھا۔ اس طرح چنگیز خان مغرب سے مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے دونوں بیٹے مشرق سے مغرب کی طرف بڑھ رہے تھے اس طرح علاؤالدین خوارزم شاہ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آچکا تھا۔

علاؤالدین خوارزم شاہ نے جنوبی راستے کھلے رکھے کیونکہ ان راستوں سے سمرقند، تاشقند، بخارا اور ایران سے اس کا رابطہ بحال رہتا تھا اور ان راستوں میں جگہ جگہ کمک بھی رکھی گئی تھی تاکہ بوقتِ ضرورت علاؤالدین خوارزم شاہ کو پہنچائی جاسکے۔

جبی نویان نے دریائے جیحون کے کنارے اپنے سفر کا آغاز کردیا۔ وہ علاؤالدین خوارزم شاہ کو اس کی کمک سے محروم کردینا چاہتا تھا۔ گویا اب علاؤالدین خوارزم شاہ تین سمتوں سے محصور ہوچکا تھا اور یہ سب کچھ اس کی لاعلمی اور بے خبری میں ہو رہا تھا۔ چنگیز خان اسلامی افواج پر ان کی عالم بے خبری میں عقاب کی طرح گرا اور ان کا صفایا کردیا اور علاؤالدین خوارزم شاہ کے فرار کے تمام راستے بند کردیے۔

یہ جنگ ہزاروں میل کے محاذ پر لڑی جارہی تھی اور علاؤالدین خوارزم شاہ نے کوئی ایسا انتظام نہیں کیا تھا کہ چاروں طرف کی خبریں اس کو ملتی رہتیں اور ان کی روشنی میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتا۔

جب جوچی خان اور تولی خان نے اچانک علاؤالدین خوارزم شاہ پر حملہ کرکے اسے شکست دے دی تو علاؤالدین خوارزم شاہ نے جنوب سے کمک طلب کی۔ لیکن اسے جو جواب ملا وہ بہت ہی عبرت انگیز تھا۔ اسے بتایا گیا کہ جنوب کے سارے راستے بند کردیے گئے ہیں اور اب اس کے پاس کسی کمک کا پہنچنا ناممکن ہے۔

علاؤالدین خوارزم شاہ اس یاس انگیز جواب سے اتنا خوفزدہ ہوا کہ جنگ کا منصوبہ ہی ترک کردیا۔ اس نے نہایت خاموشی سے دریائے جیحون کو عبور کیا اور سمرقند کی طرف بڑھا۔ اس نے اپنی فوج کے بہت بڑے حصے کو تاشقند، سمرقند اور بخارا کے تحفظ پر تعینات کردیا اور خود مزید فوج کی فکر میں ایران روانہ ہوگیا۔

اب گویا پورا علاقہ منگولوں کے رحم و کرم پر تھا۔

جبی نویان نے تمام راستوں پر اپنے منگول سپاہی بٹھادیے تھے۔ اب جبی نویان کا ایک ہی کام تھا کہ مسلمان جہاں بھی ملیں انہیں قتل کردیا جائے۔ علاؤالدین خوارزم شاہ تقریباً ہمت ہی ہار چکا تھا۔ لیکن اس جنگ و جدل اور قتل و غارتگری میں طاقتور اور جوان مسلمانوں کو زندہ رہنے کے لیے مجبور کیا گیا تھا۔ منگولوں کو حکم دیا گیا تھا کہ انہیں قتل نہ کیا جائے۔ باربرداری اور منجنیقوں کے کھینچنے کا کام ان سے لیا جائے۔ اپنے سپاہی یہ کام اس لیے نہیں کریں گے کہ تھک جائیں گے۔ انہیں مسلمانوں کے قتلِ عام کے لیے مخصوص کردیا گیا تھا۔

اترار کے قلعے دار کو جب یہ خبر پہنچی کہ صحرائی وحشی تاجروں کے قتل اور قاصدوں کی بے عزتی اور میر قاصد کے قتل کا جواب طلب کرنے اترار کے قریب پہنچ چکے ہیں تو وہ بدحواسی میں قلعہ بند ہوگیا اور منگولوں نے اس قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ وہ انتہائی کوششوں کے باوجود قلعے میں داخل نہیں ہوسکے۔ قلعے والے فصیلوں سے منگولوں پر تیروں کی باڑھ مارتے رہے۔

یہ سب کچھ اتنا اچانک اور ہنگامی طور پر ہوا تھا کہ قلعے دار انلجق علاؤالدین خوارزم شاہ کو اس کی خبریں نہ دے سکا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ بھی بمشکل ان وحشیوں کے شکنجے سے آزادی حاصل کرسکا ہے اور مزید افواج حاصل کرنے ایران جاچکا ہے۔ اگر اس نے ذرا سی ہوشمندی سے کام لیا ہوتا اور اس کا جاسوسی نظام بہتر ہوتا تو وہ جبی نویان کو شکست دے سکتا تھا۔ کیونکہ جبی نویان کے پاس کل بیس ہزار جوان تھے اور سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کے پاس ایک لاکھ سے زائد جنگجو تھے اور اسے جن باتوں نے خوفزدہ کردیا تھا وہ یہ تھیں کہ اسے اپنے چاروں طرف منگول ہی منگول نظر آرہے تھے۔ اس نے دیکھا تھا کہ دریائے جیحون کے منبع کے اوپر جو گلیشیر پائے جاتے تھے ان وحشیوں نے ان گلیشیوں کے راستے سے خوارزم شاہ کے ملک میں داخل ہونا شروع کیا تھا۔ پھر جب اسے چند عرب تاجروں

نے بتایا کہ چنگیز خان مغرب کے ریتیلے میدانوں سے اس کی طرف بڑھ رہا ہے اور جنوب سے یہ خبر پہنچی کہ جبی نویان نامی ایک نہایت عزم و سالار سمرقند و بخارا کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس نے کمک پہنچنے کے سارے راستے بند کر دیے ہیں تو سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ نے اپنی اجتماعی فوجی قوت سے جبی نویان پر حملہ آور ہونے کے بجائے اسے کئی حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ستر ہزار کو سمرقند اور بخارا اور دوسرے کئی قلعوں کو بچانے پر مامور کر دیا گیا۔ بیس ہزار کو اترار کی حفاظت کے لیے چھوڑا گیا اور بقیہ فوج کو اپنے ساتھ لے گیا۔

اگر علاؤ الدین خوارزم شاہ جبی نویان کا مقابلہ کرتا اور اسے شکست دینے میں کامیاب ہو جاتا تو ہزاروں میل کے محاذ پر لڑی جانے والی یہ جنگ چنگیز خان کے لیے لمحۂ فکریہ پیدا کر دیتی۔ لیکن سچی بات تو یہ تھی کہ سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ پر وحشیوں کا رعب طاری ہو گیا اور وہ ہمت ہار چکا تھا۔

انیل حق اترار کا قلعے دار ان واقعات سے بے خبر منگولوں سے دفاعی جنگ لڑ رہا تھا۔ اس لیے پانچ مہینے تک منگولوں کو روکے رکھا اور آخر کار جوجی خان دیواروں کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر یہاں تک سیڑھیاں پہنچائی گئیں۔ رسّوں سے کام لیا گیا اور کمندوں کے ذریعے اوپر تک پہنچنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن انیل حق نے ان کو بہت نقصان پہنچایا اور اوپر سے بھاری پتھروں کی بارش کر دی گئی جس سے جوجی خان کا خاصا نقصان ہوا۔ پھر چاروں طرف سے ایک ساتھ یلغار کر دی گئی اور ایسا لگا جیسے ہر منگول اوپر پہنچنے کی کوششوں میں مشغول ہے اور قلعہ بند مسلمانوں کو یہ یقین ہو گیا کہ اب انہیں روکا نہیں جا سکتا۔ وہ بھی بچاؤ کی ترکیبیں سوچنے لگے۔ اور انیل حق بھی ان سب سے پہلے ہی ایک برج میں روپوش ہو گیا۔

جوجی خان کے سپاہی قلعے میں داخل ہو گئے اور جو بھی مسلمان ملا اسے قتل کر دیا گیا۔

جب قلعے کے سارے لوگ قتل ہو گئے تو جوجی خان نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ قلعے دار انیل حق کو تلاش کیا جائے کیونکہ وہ یہیں کہیں روپوش ہو گا۔ آخر ایک برج کو توڑ کے اس میں سے انیل حق کو برآمد کر لیا گیا۔ لوگ اسے بھی مار دینا چاہتے تھے لیکن جوجی خان نے منع کیا اور کہا "یہ خان بابا کا مجرم ہے۔ اس پر مقدمہ چلے گا اور اسے خان بابا ہی سزا دے گا۔"

کچھ دنوں بعد چنگیز خان بھی اترار کے پاس پہنچ گیا اور اسے جب یہ بتایا گیا کہ قلعے دار انیل حق گرفتار کر لیا گیا ہے تو چنگیز خان نے اس کو اپنے روبرو طلب کیا۔

لیوچت سائی بغورچی اور سوبدائی بہادر کے سامنے انیل حق کو چنگیز خان کے روبرو پیش کر دیا گیا اور جوجی خان نے یہ بھی بتایا کہ یہ شخص بمشکل قابو میں آیا ہے۔

چنگیز خان کچھ دیر انیل حق کو دیکھتا رہا اور دریافت کیا "تم نے میرے تاجروں کو قتل کر دیا تھا۔ آخر کیوں؟"

انیل حق نے جواب دیا۔ "میں صرف ایک قلعے دار ہوں۔ کسی ملک کا بادشاہ یا آمرِ مطلق نہیں ہوں۔ مجھے سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ نے حکم دیا تھا اور میں اس حکم کی تعمیل پر مجبور تھا جس طرح تیرے ملازم تیرے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اسی طرح میں نے اپنے سلطان کے حکم کی تعمیل کر دی۔"

چنگیز خان نے پوچھا "آخر میرے تاجروں کا جرم کیا تھا؟"

انیل حق نے جواب دیا "وہ تاجر نہیں تھے بلکہ جاسوس تھے اور ان کا جرم ثابت ہو گیا تھا۔"

چنگیز خان نے پوچھا "اور میر قاصد کیوں قتل کیا گیا اور بقیہ قاصدوں کی داڑھیاں کیوں جلائی گئیں؟"

انیل حق نے جواب دیا "میر قاصد یہ بھول گیا تھا کہ وہ قاصد ہے۔ اس نے ناشائستہ زبان استعمال کی گالیاں دیں اور نہتا ہونے کے باوجود مجھ پر حملہ آور ہوا۔ پھر جس اشتعال نے اس کو پاگل کر دیا تھا اسی اشتعال نے مجھے مغلوب الغضب کر دیا اور میں نے اس کو قتل کروا دیا۔ اپنے میرِ قاصد کی دیکھا دیکھی دوسرے قاصدوں نے بھی گستاخانہ رویہ اختیار کیا تو ان کی داڑھیاں جلوا دی گئیں۔"

چنگیز خان نے آہستہ سے کہا "میں نے کبھی بھی تاجروں اور قاصدوں کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا۔"

انیل حق نے کہا "خان! زیادہ باتیں نہ بنائیں۔ آپ کے لیے تو مشہور ہے کہ جو تاجر آپ سے لین دین میں بھاؤ تاؤ کرتا ہے آپ اس کا سارا مال ضبط کر لیتے ہیں اور اگر کسی تاجر پر جاسوس ہونے کا شبہ بھی ہوتا ہے تو وہ اپنی جان سے جاتا ہے۔"

چنگیز خان یہ سچائیاں برداشت نہ کر سکا اور حکم دیا "اس گستاخ کے کانوں اور آنکھوں میں چاندی پگھلا کر ڈلوا دی جائے۔"

لیوچت سائی نے دبے لہجے میں اس کی سفارش کی "خانِ معظم! مہذب دنیا میں معاف کر دینے کو ایک اچھا فعل سمجھا جاتا ہے۔ آپ بھی یہاں کے باشندوں سے کچھ ایسا سلوک کریں کہ لوگ آپ کے عاشق اور پرستار ہو جائیں۔"

لیکن چنگیز خان پر اس نصیحت اور مشورے کا کوئی اثر نہ ہوا اور جواب دیا "میں آسمانی قہر ہوں اور میں اس متمدن علاقے کو برباد کرنے آیا ہوں۔"

انیل حق کی آنکھوں اور کانوں میں چاندی پگھلا کر ڈلوا دی گئی۔

چنگیز خان نے ہر طرف اپنے گھوڑ دوڑا دیے تھے کہ سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ کو بچ کے نکلنے نہ دیا جائے۔ اس کی گرفتاری بہت ضروری تھی۔ سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ نے خود تو سمرقند اور بخارا کو چھوڑ دیا تھا مگر اس کے وفادار محافظ دستے وہ کے

خزانے اور حرم کو لے کر ایران روانہ ہو گئے اور یہ بھی چنگی نقصان کا کسی اور منگول سوار کے ہاتھ نہ آئے۔

چنگیز خان کے بیٹے چنگیز خان کے ساتھ جنوب میں تاشقند اور سمرقند کی طرف بڑھے اور انہیں بھی فتح کرتے چلے گئے۔ ان لوگوں نے یہ قاعدہ بنا رکھا تھا کہ جس شہر، آبادی یا قلعے کو فتح کرتے تو سب سے پہلے پوری آبادی کو شہر سے باہر لے جاتے اور ان کی عدم موجودگی میں خوب لوٹ مار کرتے۔ لوٹ مار سے فارغ ہونے کے بعد آبادی کو تین حصوں میں تقسیم کرتے۔ صحت مند اور توانا افراد الگ کیے جاتے کیونکہ ان سے محنت کے کام لیتا تھے۔ ان کے بعد ہنرمندوں کو الگ کیا جاتا، یہ بھی کارآمد لوگ تھے۔ ان دونوں کے علاوہ جو لوگ تھے وہ فضول تھے۔ انہیں قتل کر دیا جاتا تھا۔

چنگیز خان نے یہاں بے پناہ چراگاہیں اور غلے کے ذخائر دیکھے تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس کے حکم دینے سے پہلے ہی وحشیوں نے چراگاہوں میں اپنے مویشی چھوڑ دیے تھے اور غلے کے ذخائر لوٹ لیے تھے۔

ای اثنا میں چنگیز خان کو بخارا کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ اسلامی دنیا کا سب سے زیادہ پر رونق اور خوشحال شہر ہے۔ یہاں کے عالم و فاضل، مدرسے، استاد، مساجد اور مقابر بہت مشہور ہیں اور دنیا بھر کے مسلمان یہاں علم حاصل کرنے آتے ہیں۔ اس لیے چنگیز خان کو اس شہر سے امتیازی سلوک کرنا چاہیے۔

شہری بھی ان منگولوں کے بارے میں ہفتوں سے منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ علما کا کہنا یہ تھا کہ جو سلطان اس شہر کی حفاظت کر سکتا تھا وہ سب کو لاوارث چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ اب اگر شہریوں نے مزاحمت کی تو بلاوجہ مارے جائیں گے اور وحشیوں کے عتاب کا نشانہ بن جائیں گے۔ چنانچہ چنگیز خان جیسے ہی اس شہر کے سامنے پہنچا، علما، مفتیانِ شہر، قاضی، عمائدین اور معززین شہر کی کنجیاں لے کر چنگیز خان کی خدمت میں پہنچ گئے اور جب چنگیز خان کو یہ اطلاع دی گئی کہ مسلمان خود اپنا شہر چنگیز خان کے حوالے کر دینا چاہتے ہیں تو اسے بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے ان سب کو اندر آنے دیا اور ان سب نے شہر کی کنجیاں چنگیز خان کے حوالے کر دیں اور کہا "اب آپ ہمارے بادشاہ ہیں اور ہم سب آپ کی رعایا۔"

چنگیز خان نے حیرت سے پوچھا "کیا یہ لوگ مسلمان ہیں؟"

جواب ملا "ہاں۔ یہ سب مسلمان ہیں۔"

چنگیز خان نے حیرت سے پوچھا "خوقند کا ملک تیمور، سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کا بیٹا جلال الدین اور اترار کا قلعے دار اینل حق کیا یہ لوگ بھی مسلمان تھے جنہوں نے مہینوں میری فوج کو پریشان کیا اور میرے بیٹے جوجی خان کو زخمی کر دیا۔"

لوگوں نے جواب دیا "وہ بھی مسلمان تھے اور یہ بھی مسلمان ہیں۔"

چنگیز خان نے حیرت سے کہا "میں نے تو مسیحی سیاحوں سے بچپن ہی سے یہ سن رکھا تھا کہ مسلمان جنگجو ہوتے ہیں اور انہوں نے تو آدھی دنیا فتح کر ڈالی۔ پھر یہ بخارا کے کیسے مسلمان ہیں جو جنگ کیے بغیر ہی اپنے شہر کی کنجیاں میرے حوالے کیے دے رہے ہیں۔"

لیو چت سائی نے عالموں کی حمایت کی اور چنگیز خان کو سمجھایا۔

"یہ پڑھے لکھے جانے والے لوگ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں ان کا میدان جلد بدل جاتا ہے۔ یہ جنگ و جدل اور خون خرابے کو دنیا کی ترقی میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ یہ انسانوں کو سہولتیں بہم پہنچانے اور زندگی کو آسان تر بنانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ بخارا کے عالموں نے جب یہ دیکھ بھی لیا اور سمجھ بھی لیا کہ یہ حکومت اور معاشرے کا جنگجو حصہ راہ فرار اختیار کر گیا اور حملہ آوروں میں ایسے عالم بھی موجود نہیں جو ان کی امن و صلح کی باتیں سمجھ سکیں تو انہوں نے شہر کو قتل و غارت گری سے بچانے کے لیے شہر کی کنجیاں تیرے حوالے کر دیں۔ اس طرح وہ تجھ سے رحم اور معافی کی التجا کر رہے ہیں۔"

چنگیز خان حیران تھا کہ جس کا مطالبہ بخارا کے عالموں نے کیا بھی نہیں تھا لیو چت سائی اس کا ذکر کر رہا تھا۔

چنگیز خان نے کہا "جو چیز شہر کے عالم اور دوسرے شہری مجھ سے مانگ ہی نہیں رہے ہیں، میں وہ چیز انہیں دے دوں یہ بات ناممکن ہے۔"

چنگیز خان اپنے فوجی دستے کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے علما، قاضی، فقیہ، اساتذہ، معززین اور عمائدین شہر بھی مویشیوں کی طرح ہانک کر شہر کے اندر لے جائے گئے۔

چنگیز خان شہر کی جامع مسجد میں اپنے گھوڑے پر سوار منبر تک چلا گیا۔ اس کے ساتھی بھی اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار مسجد کے صحن میں کھڑے ہو گئے۔

ان کے پیچھے علما اور ان کے ساتھ جو شہری تھے ان سب کو بھی وہیں پہنچا دیا گیا۔

چنگیز خان نے پوچھا "اس وقت جہاں میں کھڑا ہوں یہاں کون رہتا ہے؟"

ایک مسلمان تاجر نے جو ایغوری زبان بھی جانتا تھا، جواب دیا "یہ اللہ کا گھر ہے۔"

چنگیز خان نے کہا "لیکن میں نے تو یہ سن رکھا ہے کہ اللہ کا گھر مکہ میں ہے۔ یہ کیسا اللہ ہے کہ جس کے گھر دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں اور میری معلومات کے مطابق دنیا بھر کے مسلمان اسی مکے والے گھر میں حج کے لیے ہر سال جمع ہوتے ہیں۔"

تاجر نے کہا "یہ بھی درست ہے مگر دنیا بھر کے مسلمان عبادت کے لیے جو مسجدیں بناتے ہیں انہیں بھی اللہ کا گھر کہا جاتا ہے۔"

بخارا کے ایک عالم نے کہا "اس شخص کے سوالات کے جوابات میں دوں گا۔"

چنگیز خان نے جب یہ سنا تو اسی عالم سے کہا "ہم سب کے سحاب پر پوری دنیا میں ایک ہی نیلے آسمان کا سایہ ہے۔ تب پھر ہمیں اسی نیلے جاودانی آسمان کی طاقت کو سب سے بڑی طاقت مان لینا چاہیے۔"

بخارا کے عالم نے آسمان کا مذاق اڑایا اور کہا "تو ایک آسمان کی بات کرتا ہے' ایسے ایسے سات آسمان ہیں اور یہ سبھی اللہ کی مشیت اور ارادوں سے قائم ہیں۔ تمہاری نظر میں ایک چھوٹا سا آسمان ہی سب کچھ ہے۔"

چنگیز خان نے لیو چت سائی سے پوچھا "یہ کیا کہہ رہا ہے کہ یہ ساتوں آسمان اللہ کی مشیت اور ارادوں سے قائم ہیں؟"

لیو چت سائی نے بخارا کے عالم سے پوچھا "اسلام میں اللہ کا کیا تصور ہے؟"

عالم نے جواب دیا "اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے اور اللہ کے سوا ہر شے کو فنا ہے۔ اللہ وہ ہے جو ہمیشہ سے ہے اور جس نے سبھی کو پیدا کیا۔ مگر اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا۔ وہ نہ تو کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ وہ واحد اور یکتا ہے۔"

جب یہ باتیں چنگیز خان کے علم میں لائی گئیں تو اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ وہ زمینوں اور آسمانوں کے ذکر سے پریشان تھا اور کسی ایسی ہستی جو پیدا نہ کی گئی ہو' ایمان لانے سے معذور تھا۔ اس نے کہا "لیکن میں مکے کی عظمت اور وہاں خدا کے گھر کی موجودگی کا قائل نہیں ہو سکتا۔"

پھر کسی کے کہنے سے یا کسی کے ایما پر قرآن پاک کی بے حرمتی کی گئی' کچھ پتا نہیں چلتا۔

مسجد سے نکلنے کے بعد وہ بخارا کے ایک چوک میں گیا جہاں بخارا کے عالم اور فلسفی اپنے طالب علموں کو درس دیا کرتے تھے۔ جو شہری ابھی تک اپنے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے تھے ان کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ اس چوک پر پہنچ جائیں۔

بہت جلد اس چوک میں لوگوں کا ہجوم ہو گیا اور چنگیز خان نے ان سب سے خطاب کیا۔

اس ہجوم میں بہت سے مترجمین بھی جمع کر دیے گئے کہ وہ چنگیز خان کی تقریر کے ترجمے کو شہریوں تک پہنچائیں۔

ایک سید زادہ اس عجیب ہیت کذائی کو دیکھ کر کسی شہری سے پوچھنے لگا "یہ شخص ہے کون؟"

شہری نے جواب دیا "یہ شخص نہیں ہے۔ عذاب الٰہی ہے جو ہم گناہ گاروں پر نازل کیا گیا ہے۔"

یکایک چنگیز خان کی آواز گونجی "شہریو! اپنے قلعے کے دفاتر ہمارے حوالے کر دو۔ مویشیوں کے ریوڑ ہمیں دے دو۔ تمہارے گھروں میں جو دولت چھپا کر رکھی گئی ہے' اسے باہر نکالو اور جو دولت باہر موجود ہے' اسے چھونا بھی نہیں۔ جس طرح پڑی ہے پڑی رہنے دو۔ ہمارے آدمی جب وہاں پہنچیں گے تو خود ہی سمیٹ لیں گے۔ زمینوں' دیواروں' ستونوں اور کنوؤں میں چھپی ہوئی دولت اگر خود ہی نکال دو گے تو بہتر ہے ورنہ ہمارے آدمی تمہیں مزدوروں کی طرح کام سے لگا دیں گے اور یہ دولت برآمد کر لیں گے۔ ہمیں تو ہمیں کی نہیں قلعے' چراگاہ اور دولت کی ضرورت ہے۔ تم کو زندہ رکھنے کا یہ مطلب ہوگا کہ تمہیں رہنے کے لیے مکانات دے دیے جائیں اور زندہ رہنے کے لیے غلہ۔ لیکن میرا یہ فیصلہ ہے کہ جب میں یہاں سے جاؤں گا تو یہاں ایک بھی قلعہ' فصیل بند شہر اور مکان نہیں ہوگا۔ میری منجنیقیں فصیلوں کو گرا دیں گی اور قلعے مسمار کر دیے جائیں گے۔ اپنے مکانات تم خود گراؤ گے۔ پھر یہاں کی ویران زمینوں پر سبزہ اُگے گا اور ہمارے مویشی ان سے شکم سیر ہوا کریں گے۔"

یہ عجیب فرمان تھا اور عجیب خطاب تھا۔ پوری تقریر میں نرمی یا لچک نہیں پائی جاتی تھی۔ رحم' مروت' ہمدردی کہیں نام کو بھی نہیں پائی جاتی تھی۔

منگول گھروں میں گھس گئے اور لوٹ مار شروع کر دی۔ صحن کھدنے لگے۔ ستون توڑ کے گرا دیے گئے۔ کنوؤں میں آدمی اتار دیے گئے اور ہر منگول مال و دولت سے بھری ہوئی گٹھریاں مسلمانوں کے کاندھوں اور سروں پر لاد کر اپنے خیموں میں لے گیا۔ شہر کی فصیلیں گرا دی گئیں۔ مکانات زمیں بوس کر دیے گئے اور بہت جلد پورا شہر ویرانے میں تبدیل ہو گیا۔ صحت مند اور تندرست و توانا شہریوں کو الگ کر لیا گیا اور ہنرمند بھی الگ کیے گئے۔ اس کے بعد بیماروں' بوڑھوں' عورتوں' بچوں اور کمزوروں کی باری آئی۔

چنگیز خان سے پوچھا گیا "ان بیماروں' بوڑھوں' عورتوں اور بچوں سے کیا سلوک کیا جائے؟"

چنگیز خان نے جواب دیا "ان بے کار لوگوں کے لیے غذا کہاں سے آئے گی۔ شہر کے اس فضول طبقے کو قتل کر دیا جائے۔"

ان کا قتل عام شروع ہو گیا۔ عورتوں سے ان کے بچے چھین لیے گئے اور جب وہ روتی اور خوشامد کرتی ہوئی کسی منگول کے قدموں میں گر جاتیں تو کوئی دوسرا منگول کلہاڑی کے پچھلے حصے سے ریڑھ کی ہڈی پر ضرب لگاتا اور اس عورت کو بے کار کر کے آگے بڑھ جاتا۔ بوڑھوں کو کسی تکلف کے بغیر قتل کر دیا گیا۔ بچوں کے پیٹ چاک کر دیے گئے۔ بیماروں سے ٹیلوں کی دوڑ لگوائی گئی اور جب وہ تھک کر بے دم ہو کر گر گئے تو تلوار کے ایک وار سے باری باری ان کا کام تمام کر دیا گیا۔

لیکن چنگیز خان کو عالموں' کاتبوں اور فلسفیوں سے ڈر محسوس ہوا۔ اس کے خیال میں یہ بڑے عجیب لوگ تھے۔ یہ جو باتیں کرتے تھے وہ سمجھ میں نہ آنے کے باوجود بڑی اثر انگیز معلوم ہوتی تھیں۔

اسے صوفیوں کی خانقاہوں میں بھی لے جایا گیا اور یہ لوگ چنگیز خان اور منگولوں سے خوف کھائے بغیر حق اللہ اور اللہ ہو کے

نعرے لگاتے رہے۔ یہ نعرے چنگیز خان کے دل پر اثر کرتے رہے۔ اسے اپنا دل دہلتا اور ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ چنگیز خان کو ایسا لگا جیسے ان نعروں میں کوئی خاص قوت پائی جاتی ہو۔ یہ لوگ موت سے بھی نہیں ڈرتے تھے۔ جب ان صوفیوں کو بتایا گیا کہ مشرق کے بادشاہ نے علاؤالدین خوارزم شاہ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا ہے اور اب یہاں اس کی اولاد حکومت کرے گی تو ایک صوفی نے بے نیازی سے جواب دیا "دوام صرف اللہ کو ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔ اس کی اولاد کے بعد کوئی اور آجائے گا اور یہ کھیل جاری رہے گا۔"

چنگیز خان نے ایک مسلمان مترجم سے پوچھا "یہ کون لوگ ہیں اور یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟"

مسلمان ترجمان نے جواب دیا "یہ لوگ صوفی کہلاتے ہیں۔ انہیں زندگی اور دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ اللہ جو باقی اور لافانی ہے اس پر یقین رکھتے ہیں اور ان پر جو کچھ بیتتی ہے اسے اللہ کی رضا سمجھ کر بخوشی قبول کر لیتے ہیں۔ دنیا دار لوگ ان پر ہنستے ہیں اور انہیں دیوانہ اور مریض سمجھتے ہیں۔"

انسانوں کی یہ عجیب و غریب قسم اس نے پہلی بار دیکھی تھی۔ اپنے شامان گیوک چو کو جو اس وقت بھی اس کے ساتھ ہی تھا، اپنے پاس بلایا اور پوچھا "تو ان لوگوں کو دیکھ اور اپنی شامانی کے زور سے بتا کہ یہ کیسے لوگ ہیں؟"

گیوک چو نے جب ان کے بارے میں ذرا سی معلومات حاصل کر لیں تو ہنس کے کہنے لگا "ان پاگلوں کا تعارف ایک مسلمان کروا رہا ہے اس لیے مجھے مبالغہ معلوم ہوتا ہے ورنہ دنیا میں کون ایسا ہے جو موت سے نہیں ڈرتا۔"

ایک صوفی نے زمین پر لیٹتے ہوئے جواب دیا "موت کوئی ایسی چیز نہیں جس سے انسان ڈرے۔ دیکھو میں کتنی آسانی سے مر رہا ہوں۔"

اور صوفی مر گیا۔

مسلمان ترجمان نے چنگیز خان کو بتایا "ایک روشن ضمیر صوفی تھا۔ وہ شامان کی زبان تو نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن گیوک چو کے دل میں جو کچھ تھا وہ صوفی کے دل میں منتقل ہو گیا اور صوفی نے مر کے بتا دیا کہ موت اس کے لیے کتنی آسان چیز ہے۔"

یہ واقعہ بھی چنگیز خان کے دل پر گہرا اثر کر گیا پھر بھی اس نے صوفیوں کا امتحان لینے کے لیے انہیں ڈرایا دھمکایا اور بقیہ صوفیوں نے بھی اپنی گردنیں منگولوں کی تلواروں کے نیچے رکھ دیں اور کہا "ہم تیری رضا سے خوب واقف ہیں۔ اب وہ رضا ان وحشیوں کی تلواروں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ تیرا کام جان دینا اور لینا ہے۔ جب تو نے ہمیں پیدا کیا تھا تب بھی ہم خوش تھے اور اب جب کہ تو جان واپس لے رہا ہے تب بھی ہم خوش ہیں۔"

چنگیز خان پر گویا جادو سا کر دیا گیا تھا۔ وہ ان سے بھی خوف زدہ ہو گیا تھا۔

اس نے ترجمان کے ذریعے ان صوفیوں سے پوچھا "میں بوڑھا ہوتا جا رہا ہوں۔ مجھ میں پہلے جیسی طاقت باقی نہیں رہی۔ کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی ایسا نسخہ ہے کہ میں ہمیشہ زندہ رہوں؟"

ایک صوفی نے جواب دیا "جو شے پیدا ہوئی ہے وہ نابود بھی ہوگی۔ انسان پیدا ہوتے ہی اپنی سانسوں کے ذریعے زندگی کم کرنے لگتا ہے۔ تو ان سانسوں کو احتیاط سے لے اور ان کی آمد و رفت میں وقفہ پیدا کر تو زیادہ عرصے تک زندہ رہے گا۔ بستر پر تنہا سونے کی عادت ڈال کیونکہ دوئی میں تنفس تیز ہو جاتا ہے۔ مستقل گھڑ سواری، شمشیر زنی اور مال و دولت کی طمع میں مسلسل بھاگتے رہنے کی عادت ترک کر دے تو بہت دن زندہ رہے گا۔ زندگی کا دارومدار دو سانسوں پر ہے، ایک وہ جو اندر جاتی ہے اور دوسری وہ جو خارج ہوتی ہے۔ بس یہی زندگی ہے۔ انسان کی عمر کا شمار ماہ و سال سے مت کر۔ اس کا دارومدار ان دو سانسوں پر ہے۔"

چنگیز خان کی سمجھ میں جو کچھ آیا وہ یہ تھا کہ یہ صوفی لوگ بہت قابل اور لائق ہوتے ہیں۔

وہ بخارا میں صرف دو گھنٹے ٹھہرا اور ان دو گھنٹوں میں اس نے کئی دن کا کام انجام دے دیا تھا۔

بخارا کو چھوڑتے وقت اس نے بخارا میں مقیم منگولوں کو حکم دیا "اس شہر کے عالموں، کاتبوں، نقیبوں، فلسفیوں اور صوفیوں سے کسی قسم کا محصول نہ لیا جائے اور نہ انہیں ستایا جائے۔"

چنگیز خان کو علاؤالدین خوارزم شاہ کی تلاش تھی۔ وہ بخارا سے سمرقند پہنچا۔ یہاں بھی عالموں اور اکابرین شہر نے شہر کی کنجیاں چنگیز خان کے حوالے کر دیں لیکن قلعے داروں نے مزاحمت کی تو منجنیقوں کے ذریعے قلعے میں آگ برسا کے اہلیان قلعہ کو بے بس و مجبور کر دیا گیا۔ چنگیز خان نے حکم دیا "شہر کو برباد کر دیا جائے۔"

یہ کام تولی خان کچھ تو چنگیز خان کے حکم سے اور کچھ اپنی مرضی سے انجام دے رہا تھا۔

جوجی خان بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے تولی خان کو منع کیا "اس شہر کو مت اجاڑا جائے۔ عمارتوں کو نہ گرایا جائے، بازاروں کو نذر آتش نہ کیا جائے۔"

لیکن چھوٹے بھائی تولی خان نے جوجی خان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور کہا "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں ستایا۔ ہماری حکم عدولی کی۔ یہ کسی ہمدردی اور مروت کے مستحق نہیں ہیں۔"

جوجی خان نے سختی سے کہا "لیکن میں اس شہر کو بچاؤں گا۔"

جس وقت دونوں کا یہ مقدمہ چنگیز خان کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت چنگیز خان، سبدائی بہادر اور جبی نویان کو علاؤالدین خوارزم شاہ کے تعاقب میں روانہ کر رہا تھا۔ اس نے ان دونوں کو حکم دیا کہ سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کو زندہ یا مردہ اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

دونوں سردار سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کے تعاقب میں

روانہ ہو گئے۔

اب چنگیز خان نے دونوں بھائیوں سے پوچھا "تم دونوں کیا چاہتے ہو؟"

دونوں نے اپنا اپنا موقف بیان کیا اور تولی خان نے کہا "میں ان آبادیوں کو چراگاہوں میں بدل دوں گا تاکہ جب میں آئندہ یہاں آؤں تو مجھے گھاس اور چارے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔"

پھر چنگیز خان نے جوجی خان کی طرف دیکھا اور کہا "تو اپنے بھائی تولی خان کی باتیں سن رہا ہے' یہ بھی کچھ غلط نہیں کہتا۔ ہمیں ان علاقوں کو چراگاہوں میں بدل دینا چاہیے۔"

جوجی خان نے شکایتاً کہا "لیکن خان بابا! روس اور روس کا یہ جنوبی علاقہ آپ نے مجھے بخش دیا ہے۔ یہاں میں حکومت کروں گا اس لیے ان علاقوں کا نظم و نسق بھی میرے سپرد ہونا چاہیے کسی اور کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں ہے۔"

چنگیز خان خاموش ہو گیا۔ باہر نکل کے تولی خان نے اپنے بھائی چغتائی خان سے کہا "جوجی خان تو مرکیت قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا تو یا کا قبیلے سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر یہ اتنے بڑے حصے کا مالک کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ تو جوجی خان ہے یعنی ہمارا مہمان۔"

یہ باتیں جوجی خان نے بھی سن لیں۔ اسے چنگیز خان سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اپنے تینوں بیٹوں کے مقابلے میں اسے ترجیح دے گا۔ وہ افسردہ اور اداس اپنی ماں بورتے کے پاس گیا اور اس سے شکایتاً کہا "ماں! کیا میں تیرا بیٹا نہیں ہوں اور کیا میں اپنی پیدائش کا ذمے دار ہوں۔"

بورتے نے جوجی خان کو اداس دیکھا تو پریشان ہو گئی اور جب سے اداسی کی ساری داستان معلوم ہو گئی تو وہ فوراً چنگیز خان سے ملی اور اپنے تینوں بیٹوں کو بھی طلب کر لیا۔

جوجی خان ماں کے پاس بیٹھ گیا اور بقیہ تینوں بھائی چنگیز خان کے پاس اپنی ماں کے روبرو بیٹھے۔

بورتے نے انتہائی غصے اور جوش کے عالم میں پوچھا "کیا جوجی میرا بیٹا نہیں ہے؟"

چنگیز خان نے جواب دیا "بالکل تیرا بیٹا ہے۔"

بورتے نے اپنے بیٹوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے یہ سوال اپنے تینوں بیٹوں سے بھی کیا ہے۔"

تینوں نے ایک ساتھ جواب دیا "ہم نے یہ کب کہا کہ جوجی خان آپ کا بیٹا نہیں ہے۔"

بورتے نے نہایت جوش اور اشتعال سے اپنا گریبان چاک کر دیا اور اپنی چھاتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "کیا تم چاروں نے باری باری ان چھاتیوں سے دودھ نہیں پیا؟"

جوجی خان نے آہستہ سے کہا "آپ ہمارے باپ کا ذکر کریں۔"

بورتے نے غصے میں کہا "تیرے باپ کا ذکر تو چنگیز خان کرے گا۔"

چنگیز خان نے اٹھ کے روتے ہوئے جوجی خان کو سینے سے لگا لیا اور اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے کہا "میں نے تجھ کو ہمیشہ اپنا بیٹا سمجھا اس لیے روس اور روس کا جنوبی حصہ تیرے حوالے کر دیا۔ اب تجھ کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تیرے بھائیوں کی دنیاؤں سے الگ تھلگ یہ خطہ تجھے بہت آرام پہنچائے گا۔"

جوجی خان نے اپنی ماں سے کہا "اگر میرا باپ چاہتا تو اپنی اولاد میں سب سے بڑا ہونے کی وجہ سے اپنا ولی عہد مجھے بناتا۔"

چنگیز خان نے یہ ساری باتیں ایک کان سے سنیں اور دوسرے کان سے نکال دیں کیونکہ وہ خاقانی کے لیے اوغدائی خان کا انتخاب کر چکا تھا۔ وہ اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی تینوں بیٹے بھی چلے گئے۔

جوجی خان نے ماں سے شکایتاً کہا "اس کو ضرور کوئی ورغلاتا ہے کیونکہ چنگیز خان آج کل شامانوں کے قبضے میں ہے۔ گیوک چو شامان ہر وقت چنگیز خان کے ساتھ رہتا ہے اور الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتا رہتا ہے۔"

ادھر چنگیز خان گیوک چو پر کم اعتبار کرنے لگا تھا۔ مگر اس وقت بھی چنگیز خان گیوک چو سے باتیں کر رہا تھا اور مسئلہ یہی حکومت کی تقسیم کا تھا۔ اس نے گیوک چو سے پوچھا "میں نے روس اور اس کے جنوب کا یہ حصہ جوجی خان کو دے دیا ہے' اچھا کیا یا برا؟"

گیوک چو تینوں بھائیوں کے زیر اثر تھا' کہنے لگا "آپ مرکیت قبیلے کے جوان کو اتنا بڑا حصہ دے کر اچھا نہیں کر رہے ہیں۔ جوجی خان آپ کا بیٹا بھی تو نہیں ہے۔"

چنگیز خان نے گیوک چو کے پیٹ میں تلوار اتار دی اور غصے میں کہا "وہ میرا بیٹا ہے کیونکہ وہ میری بورتے کا بیٹا ہے۔"

گیوک چو کچھ دیر پھڑکتا رہا اور اس کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔ چنگیز خان نے اس کی لاش ایک کھنڈ میں پھنکوا دی اور جوجی خان کو بلوا کے اعلان کیا "یہ میرا بیٹا ہے کیونکہ یہ بورتے کا بیٹا ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر کوئی بھی آبادی' کوئی بھی شہر نہیں اجاڑا جائے گا لیکن اوغدائی خان میرا جانشین ہو گا کو کہ عمر میں جوجی خان اور چغتائی خان بڑے ہیں لیکن اوغدائی خان عقل' تحمل اور تدبیروں میں اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا ہے۔"

کہتے ہیں اس اعلان کے بعد قتل و غارت گری اور آتش زنی میں کسی قدر کمی واقع ہو گئی تھی۔

اب چنگیز خان کو صرف علاؤالدین خوارزم شاہ کی جستجو تھی۔

جبی نویان اور سوبدائی بہادر بیس ہزار سواروں کے ساتھ اس کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

جبی نویان نے مشرق کا رخ کیا اور سوبدائی بہادر نے مغرب

کل علاؤ الدین خوارزم شاہ بلخ پہنچ چکا تھا اور کچھ دن بلخ میں گزار کے کابل روانہ ہو گیا تھا۔

جبکہ ایجنٹ، تاجر اور مقامی قبائل منگولوں کو سلطان کی نقل و حرکت سے برابر مطلع کر رہے تھے۔ علاؤ الدین خوارزم شاہ کو کابل اور افغانستان کے قبائلیوں پر بھروسا تھا کہ یہ لوگ منگولوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ جب کہ اس کا بیٹا جلال الدین بحیرۂ یورال اور بحیرۂ خزر کے چاروں طرف آباد وحشی ترکوں کی فوج تیار کر رہا تھا۔ ان دونوں باپ بیٹے کا ارادہ یہ تھا کہ دونوں مشرق و مغرب سے چل کے کسی جگہ مل جائیں گے اور منگولوں کے خلاف کارروائی کا آغاز کریں گے۔ لیکن ان دونوں کے درمیان تو چنگیز خان بیٹھ گیا تھا جس سے ان دونوں کا اتحاد ناممکن ہو گیا تھا۔

کابل میں بھی علاؤ الدین خوارزم شاہ کو کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور اس نے بغداد میں پناہ لینے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن مشیروں نے مشورہ دیا۔ "خبردار! ایسا نہ کیجئے گا ورنہ ناراض عباسی خلیفہ یا تو خود آپ کو قتل کروا دے گا یا آپ کو منگولوں کے حوالے کر دے گا۔"

اب علاؤ الدین خوارزم شاہ کے سامنے نہ تو کوئی واضح حل تھی اور نہ کوئی عظیم الشان مقصد۔ اسے ایک ایسا ملک درکار تھا جو اس کو پناہ دے سکے۔ کوئی ایسی گمنام جگہ جہاں وہ روپوش ہو جائے یا کوئی ایسا بعید ترین علاقہ جہاں منگول شہسوار نہ پہنچ سکیں۔

اس کے خزانے جبی نویان کے قبضے میں چلے گئے۔ اور اب اس کے اپنے ساتھی بھی بھاگتے بھاگتے تنگ آ چکے تھے۔ کئی ساتھی بتائے بغیر ہی راہِ فرار اختیار کر گئے تھے۔ جو باقی بچے ان میں سے کسی ایک نے مشورہ دیا۔ منگولوں کے پاس کشتیاں نہیں ہیں اس لیے کسی جزیرے کا رخ کریں۔ وہاں تک منگول نہیں پہنچ سکیں گے۔

علاؤ الدین خوارزم شاہ چھپتا چھپاتا، بچتا بچاتا بحیرۂ خزر کے کنارے پہنچ گیا۔ جبکہ اسے صحرا میں اس کا بیٹا جلال الدین خوارزم شاہ ترکوں کی فوج تیار کر رہا تھا اور یہیں کہیں سوبدائی بہادر بھی علاؤ الدین خوارزم شاہ کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔

علاؤ الدین خوارزم شاہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک کشتی میں بیٹھ گیا جو کسی غیر معروف جزیرے کی طرف جا رہی تھی۔ ابھی یہ کشتی نصف فرلانگ تک پہنچی تھی کہ سوبدائی بہادر بھی وہاں پہنچ گیا۔ اسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کشتی میں علاؤ الدین خوارزم شاہ موجود ہے۔

ان لوگوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے لیکن کشتی تیروں کی زد سے بہت دور جا چکی تھی۔

چند جوانوں نے اپنے گھوڑے سمندر میں اتار دیے اور پھر وہ کبھی واپس نہیں آئے۔

کئی دن کے بعد علاؤ الدین خوارزم شاہ ایک جزیرے پر اتر گیا۔ اس جزیرے میں صرف مچھیرے آباد تھے۔ مچھیروں نے اپنی بستی میں ایک اجنبی کو دیکھا تو سبھی لوگ حیران ہوئے۔ انہیں بہت جلد یہ معلوم ہو گیا کہ یہ غریب الدیار، پائی پائی کا محتاج مفلوک الحال شخص علاؤ الدین خوارزم شاہ ہے۔

علاؤ الدین خوارزم شاہ اتنا تھک چکا تھا اور محتاجی نے اس کو اتنا مایوس اور دل شکستہ کر دیا تھا کہ وہ مچھیروں کا احسان لیے بغیر ہی چل بسا۔ اس کے ساتھیوں نے سلطان کو انہی کپڑوں میں دفن کر دیا جو وہ پہنے ہوئے تھا۔

سوبدائی بہادر اور جبی نویان حالات سے بے خبر اب بھی اس کے تعاقب میں تھے اور اس کو گرفتار کر کے چنگیز خان کی خدمت میں پیش کر دینا چاہتے تھے۔

○☆○

سوبدائی بہادر کو اب بھی یہ یقین نہیں آیا تھا کہ جو کشتی چند مسافروں کو لے کر بحیرۂ خزر میں غائب ہو چکی ہے اس میں علاؤ الدین خوارزم شاہ موجود تھا۔ کیونکہ وہ خوارزم شاہ کو اتنا مجبور، بے بس اور کمزور نہیں سمجھ رہا تھا کہ اس کے ساتھ صرف چند افراد باقی رہ گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ چنگیز خان اس کو خبردار کر چکا تھا کہ علاؤ الدین خوارزم شاہ بحیرۂ یورال اور بحیرۂ خزر کے آس پاس آباد ترکوں کی فوج اپنے بیٹے جلال الدین خوارزم شاہ کی نگرانی میں جمع کر رہا ہے اور علاؤ الدین خوارزم شاہ اپنے بیٹے سے مل کر اورگنج اور اترار کی طرف سے منگولوں پر حملہ آور ہو گا۔

سوبدائی بہادر نے باپ بیٹے کی تلاش میں دونوں سمندروں کے درمیانی حصے کو چھان مارا مگر اسے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔

دوسری طرف چنگیز خان مذکورہ ممکنہ اور متوقع حملے کا خیال کرتے ہوئے دس دس ہزار کے کئی تومان اترار اور اورگنج روانہ کر چکا تھا۔

اسی دوران چنگیز خان کے پاس تیس ہزار ترک آئے اور اپنی خدمات چنگیز خان کو پیش کر دیں۔ یہ وہ ترک تھے جو خوارزم شاہی حکومت سے بیزار تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان وحشی منگولوں کو موجودہ حالات میں شکست دینا ناممکن ہے۔ انہوں نے شہروں کو کھنڈرات میں تبدیل ہوتے دیکھا تھا اور یہ بھی دیکھا تھا کہ یہ منگول کس طرح شہروں اور آبادیوں کو نذرِ آتش کر کے دھوئیں کی آڑ میں آگے بڑھتے ہیں۔ انہیں یہ گر کی بات بھی معلوم ہو گئی تھی کہ منگولوں نے بہت ساری کامیابیاں دہشت پھیلا کر حاصل کی ہیں۔ یہ سپاہی پیشہ ترک سادہ لوحی میں یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اگر وہ اپنی خدمات چنگیز خان کو پیش کر دیں گے تو ان کی بڑی پذیرائی ہو گی اور ان کا مستقبل بھی سنور جائے گا۔

چنگیز خان ان تیس ہزار ترکوں کی آمد سے بہت خوش ہوا اور انہیں اپنی فوج میں داخل کر لیا۔ ان کے لیے الگ خیمے نصب کروا دیے گئے اور انہیں منگولوں جیسی بارہ ہزار وردیاں بھی فراہم کر دی

گئیں۔ یہ ترک کسی بھی میدانِ جنگ میں کودنے کے لیے بے قرار تھے کہ کئی دن بعد رات کو ان کے خیمے جلا دیے گئے اور بھاگنے والے ترکوں کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ ترک قتل کیے جا رہے تھے اور چنگیز خان اعلان کر رہا تھا "کچھ عرصہ پہلے تک یہ لوگ علاؤالدین خوارزم شاہ کے وفادار تھے اور اب انہوں نے مجھ سے پیمانِ وفا باندھ لیا۔ یہ غدار کسی کے بھی دوست نہیں ہو سکتے۔"

چنگیز خان ان ترکوں کو علاؤالدین خوارزم شاہ کی جنگی چال سمجھ رہا تھا۔

جب یہ خبریں جبی نویان اور سبدائی بہادر تک پہنچیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ علاؤالدین خوارزم شاہ کہیں نہ کہیں موجود ضرور ہے اور اپنی منصوبہ بندیوں سے باز نہیں آ رہا ہے۔

وہ آگے بڑھا تو جارجیا والوں نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور یہ بری طرح کچل دیے گئے۔ قفقاز کے جنگجو قبائل سبدائی بہادر کی خبریں پہلے ہی سے سن چکے تھے۔ انہوں نے راستہ روکنے کی کوشش کی مگر انہیں بھی کچل دیا گیا۔ دریائے نیپر کے سامنے اسی ہزار روسی ان کا انتظار کر رہے تھے۔ اب جبی نویان بھی سبدائی بہادر کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ مصلحتاً روپوش ہو گیا اور جب سبدائی بہادر نے اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق پیچھے ہٹنا شروع کیا تو جبی نویان روسیوں کے پیچھے پہنچ گیا۔ اب سبدائی بہادر نے پلٹ کر روسیوں پر حملہ کیا اور پیچھے سے جبی نویان نے مار لگائی تو یہ روسی گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیے گئے۔ یہاں سے بلغاریہ کا رخ کیا اور بلغاریہ سے جینوا پہنچ گئے۔ جینوا میں تاجروں کی بڑی کوٹھیاں تھیں۔ ان کوٹھیوں کو لوٹ لیا گیا۔

اب یہ دونوں علاؤالدین خوارزم شاہ کو بھول چکے تھے اور لوٹ مار میں مشغول ہو گئے تھے۔ اب چنگیز خان ان دونوں سواروں سے دو ہزار میل دور مشرق میں بیٹھا ان کا انتظار کر رہا تھا اور شاید اسے وثوق سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ علاؤالدین خوارزم شاہ بحیرۂ خزر کے ایک جزیرے میں ابدی نیند سو رہا ہے۔

اس نے اپنے دونوں سواروں کو فرمان بھیجا "تم دونوں فوراً واپس آؤ اور مجھ سے ملاقات کرو۔"

اب واپسی میں جبی نویان اور سبدائی بہادر ایک ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ لوٹ کا سامان بھی بہت زیادہ تھا۔ واپسی میں بلغاریہ کو ایک بار پھر لوٹا گیا۔ یہاں انہیں کچھ عرصہ قیام بھی کرنا پڑا۔

سبدائی بہادر کو اس کے ساتھیوں نے ایک پراسرار خبر پہنچائی۔ جبی نویان کے خیمے میں لوگوں کی آمد و رفت زیادہ ہو گئی تھی۔ پادری، مسلمان عالم اور مقامی طبیب بھی جبی نویان کے خیمے میں جمع تھے۔ سبدائی بہادر بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے جبی نویان کو بستر پر دراز دیکھا۔ اسے تیز بخار چڑھا ہوا تھا۔ عالم اور پادری اس کے حق میں دعائیں کر رہے تھے۔ بلغاریہ کے طبیب ناقابلِ اعتبار تھے مگر جبی نویان نے انہیں علاج کا موقع دیا تھا کیونکہ یہ لوگ زیادہ تجربہ کار اور ماہر نظر آ رہے تھے۔ جبی نویان اور سبدائی بہادر کے اپنے طبیب بھی تھے اور یہ جن جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے تھے وہ بلغاریہ میں دستیاب نہیں تھیں۔ ایک بلغاری طبیب نے بتایا کہ کسی زہریلے ہتھیار کے زخم نے یہ مستقل صورت اختیار کر لی ہے۔

سبدائی بہادر نے سب کو خیمے سے باہر نکال دیا اور جبی نویان سے پوچھا "تمہاری یہ حالت کب سے ہے؟"

جبی نویان نے جواب دیا "میں کسی روسی کے زہریلے تیر سے زخمی ہو گیا تھا اور اس وقت تو طبیبوں نے مجھے اچھا کر دیا تھا مگر ایسا لگتا ہے کہ وہ زخم پوری طرح مندمل نہیں ہوا تھا۔"

سبدائی بہادر نے کہا "خان نے ہم دونوں کو طلب کیا ہے پھر کیا تو میرا ساتھ چھوڑ دے گا۔"

جبی نویان نے جواب دیا "میں تو دو ہزار میل کا یہ فاصلہ طے نہیں کر سکتا۔ حالانکہ ابھی میں خان کی اور خدمت کرنا چاہتا تھا۔"

سبدائی بہادر نے اپنے طبیبوں سے اس کا علاج شروع کروا دیا اور طبیبوں کو حکم دیا کہ وہ جبی نویان کو کم از کم چنگیز خان کی خدمت میں پہنچنے کے لائق کر دیں۔

لیکن جبی نویان پر درد کا ایسا دورہ پڑا کہ اس نے تڑپ تڑپ کر اپنی جان دے دی۔

اب سبدائی بہادر تنہا رہ گیا تھا اور اسے ایسا لگا جیسے اس کا ایک بازو کاٹ دیا گیا ہو۔ وہ نہایت تیز رفتاری سے واپس ہوا۔ جبی نویان کی لاش اس کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔

جب وہ سمرقند واپس پہنچا اور چنگیز خان کو جبی نویان کی موت کی خبر دی گئی تو چنگیز خان کو بھی ایک جھٹکا سا لگا۔ اس وقت بھی جغتی خان اور تولی خان چنگیز خان کے پاس نہیں تھے۔ یہ دونوں اترار اور اورگنج کو تباہ و برباد کرنے کے بعد جلال الدین خوارزم شاہ اور اس کے باپ علاؤالدین خوارزم شاہ کا انتظار کر رہے تھے۔

چنگیز خان نے اپنے ان دونوں بیٹوں کی واپسی کا انتظار بھی نہیں کیا اور اپنے اردو کو حکم دیا کہ وہ دل بہلانے کے لیے شکار کھیلنا چاہتا ہے۔

جس وادی میں وہ رہ رہا تھا اس کی گرمی بھی ناقابلِ برداشت ہو گئی تھی۔ جبی نویان کو یہیں دفن کر دیا گیا۔ تدفین سے فراغت پاتے ہی چنگیز خان اپنے اردو کے ساتھ وادی کے جنوب مشرقی حصوں میں چلا گیا۔ اور اسی علاقے کا علاقہ شکار کھیلنے کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ فوج کو حکم دیا گیا کہ وہ اس پورے علاقے کو نصف دائرے میں لے لے۔ اس حکم پر بڑی تیزی سے عمل ہوا۔ ایک شیر کو گھیر لیا گیا۔ اسے چنگیز خان کے سامنے لایا گیا اور چنگیز خان نے تیر مار کر شیر کو زخمی کر دیا۔ یہ پہلا تیر گویا اجازت نامہ تھا کہ اب دوسرے لوگ بھی شکار کھیل سکتے ہیں۔

شکار کے لیے بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ اگر کوئی بھیڑیا اپنے بھٹ میں گھس جاتا تھا تو منگول شکاری کا فرض تھا کہ وہ اس بھیڑیے کو زبردستی بھٹ سے نکالے۔ خرگوشوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا اور ریچھ بھی اگر کسی پہاڑی دراڑ میں چھپ جاتے تو انہیں بھی زبردستی نکالا جاتا اور ایسے لوگ بہت بڑے شکاری تصور کئے جاتے تھے۔ چنگیز خان ان سے بہت خوش ہوتا۔

راتوں کو بالکل ویسا ہی انتظام کیا جاتا جو دشمنوں کے شب خون مارنے سے متعلق ہوتا تھا۔ طلایہ گرد رات بھر پہرا دیتے۔ جگہ جگہ الاؤ روشن کئے جاتے۔ ان لوگوں نے اشاراتی زبان بھی مقرر کر رکھی تھی۔ جب کسی کو کوئی پیغام دیا جاتا تو وہ خاص وضع کردہ الفاظ کا مجموعہ ہوتے۔ اس زبان کو کوئی اور نہیں سمجھ سکتا تھا۔ پہرا دینے والوں پر تووی مقرر کر دیئے جاتے تھے جو ان کی نگرانی کرتے رہتے تھے اور یہ ساری روداد چنگیز خان تک پہنچا دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ شکار کھیلنے میں جو جتنی مستعدی دکھاتا یا سستی سے کام لیتا، چنگیز خان کو اس کی بھی خبر ہوتی۔ اور چنگیز خان مستعدی دکھانے والوں کو انعام و اکرام سے نوازتا اور سستی دکھانے والوں کو عتاب سے نوازتا۔

شکاری جانور بھی گھر جانے کے بعد شکاریوں پر حملہ آور ہو جاتے۔ شیر دھاڑتے رہتے، چیتے اور بھیڑیے مسلسل شور مچاتے۔ بعض جانور بے تحاشا گرد اڑاتے۔ ان تمام جانوروں میں سور کی خصلت بالکل جدا تھی۔ یہ اگر اکیلا بھی ہوتا تو بھاگتے بھاگتے اچانک مڑتا اور حملہ کر دیتا۔ دوسرے جانوروں کے مقابلے میں ان میں اکیلا بھی بہت پایا جاتا تھا اور جب ان کا پورا ریوڑ پیچھا کرنے والوں پر اچانک حملہ آور ہوتا تو چند شکاری بھی کام آ جاتے۔ ان کے تیز نکیلے دانت شکاری کا پیٹ چاک کر دیتے۔

یہ شکار چار مہینے تک کھیلا گیا۔ تولی خان اور جوجی خان نے اس میں اس لیے حصہ نہیں لیا کہ یہ دونوں خوارزم کے بچے کھچے علاقوں کی تسخیر میں مشغول تھے۔ تولی خان کا خیال تھا کہ اس پورے علاقے کو تباہ و برباد کر دیا جائے اور جوجی خان اس کی مخالفت کر رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ پورا علاقہ فتح ہو جانے کے بعد اس کے حوالے کر دیا جائے۔ اگر یہاں کی پوری آبادی ختم کر دی جائے، عمارتیں گرا دی جائیں، مکانات جلا دیے جائیں تو وہ حکومت کس پر کرے گا؟ خالی زمینوں پر!

وہ لیو چت سائی جو چین میں چنگیز خان کی تباہ کاریوں کے مقابلے میں ڈھال بن گیا تھا اب وہ خاموش تھا۔ اسے اسلام یا مسلمانوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ یہاں تک کہ جب چار مہینے تک شکار کھیلا گیا اور جانوروں کی بہت بڑی تعداد کو ہلاک کر دیا گیا تو اسی لیو چت سائی نے چنگیز خان کے بیٹے، پوتے اور دوسرے قریبی رشتے داروں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اب جانوروں پر رحم کیا جائے۔ جب یہ رحم کی درخواست چنگیز خان کی خدمت میں پیش کی گئی تو اس نے یہ درخواست قبول کر لی اور حکم دیا "جانوروں پر رحم کیا جائے۔"

اسی دوران جوجی خان اور تولی خان باپ کی خدمت میں پہنچے اور چنگیز خان کو یہ خوش خبری سنائی کہ علاؤالدین خوارزم شاہ بحیرۂ خزر کے ایک جزیرے میں لاوارث مر گیا اور اس کی موت کی تصدیق ہو چکی ہے۔

اس خبر سے چنگیز خان خوش نہیں ہوا اور اس نے دونوں بیٹوں کو برا بھلا کہا جو باہمی منافرت اور عناد میں مبتلا تھے۔

چنگیز خان نے کہا "میں اسے زندہ گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ جبی نویان اور سوبدائی بہادر کی طرح تم دونوں بھی ناکام رہے کیونکہ تم دونوں آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔"

تولی خان نے جوجی خان کی شکایت کی "یہ کہتا ہے کہ یہ میرے علاقے ہیں اور ان علاقوں میں مزید تباہی و بربادی نہیں ہونی چاہیے۔"

جوجی خان نے تولی خان کی شکایت کی "جہاں خان بابا نہیں ہوتے وہاں تولی خان اس طرح پیش آتا ہے گویا یہ خان بابا ہے۔"

چنگیز خان نے جوجی خان کو سمجھایا "تم مسلمانوں کی قتل و غارت گری پر خوش نہیں ہو حالانکہ میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جو مسلم علاقے ابھی تک ہماری قتل و غارت گری سے محفوظ ہیں انہیں بھی زندہ رہنے کی مزید رعایت نہیں ملنی چاہیے۔"

جوجی خان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا لیکن وہ چنگیز خان سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتا تھا۔

لیو چت سائی نے دونوں بھائیوں کو سمجھایا "دیکھو، جب تک تم سب متفق اور متحد ہو، دشمن تم سے خوف زدہ رہے گا۔ لیکن جس دن انہیں یہ بات معلوم ہو گئی کہ تم آپس کے اختلافات کا شکار ہو تو وہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔"

چنگیز خان نے دونوں کو ملامت کی "تم دونوں کی نااتفاقی کی وجہ سے جلال الدین خوارزم شاہ بچ کر نکل گیا۔"

اس کے بعد دونوں کو سمرقند اور بخارا جانے کا حکم دیا گیا۔ یہ دونوں شہر مسلمانوں کے مرکز تصور کئے جاتے تھے۔

جبی نویان نے علاؤالدین خوارزم شاہ کا پیچھا کرتے ہوئے چنگیز خان کو مشورہ دیا تھا کہ سمرقند اور بخارا کے بعد مسلمانوں کا ایک تیسرا مرکز بھی ہے وہ ہے بلخ اور اس کا نواحی علاقہ۔ اس شہر پر بھی خان کا قبضہ ہونا چاہیے کیونکہ یہیں سے افغانستان اور ہندوستان کے راستے جاتے ہیں۔

چنگیز خان نے بلخ کو بھی فتح کر لیا اور یہاں اپنے ایک سپہ سالار کو بٹھا کر سمرقند چلا گیا۔

جوجی خان نے چنگیز خان کو بتایا "آپ کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی آپ کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

چنگیز خان نے حقارت سے پوچھا "جن کو میں نے اپنے پاؤں کے روند ڈالا، جنہیں بے دریغ قتل کیا گیا اور جن کے مکانات اور

عمارتیں مسمار کردی گئیں' کیا ان کے دماغ اس لائق ہیں کہ میرے بارے میں کوئی رائے قائم کریں۔ کیا ان میں قوتِ گفتار اب بھی موجود ہے کہ میرے بارے میں حرف زنی کریں؟"

جوجی خان نے جواب دیا "وہ آپ کو خدا کا عذاب اور قہرِ خداوندی کہتے ہیں۔"

چنگیز خان نے تولی خان سے پوچھا "اس وقت ہمارے پاس کل کتنے جنگجو ہوں گے؟"

تولی خان نے جواب دیا "تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار۔"

چنگیز خان نے لیوچت سائی سے کہا "تو نے جو افواہیں سنی ہیں' انہیں بھی بیان کردے۔"

لیوچت سائی نے بتایا "لوگوں میں مشہور ہے کہ جلال الدین خوارزم شاہ اسلامی سلطنتوں کو متحد کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اب عالمِ اسلام دس لاکھ کے لشکر سے ہم پر حملہ آور ہو سکتا ہے جبکہ ہمارے پاس کل ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی ہیں۔"

چنگیز خان نے کہا "اب ہم دہشت سے کام نکالیں گے۔ بلخ میں قتلِ عام جاری ہے۔ تولی خان خراسان پر حملہ آور ہو گیا۔ سفاکی اور بربریت کو انتہا تک پہنچا دے گا۔ مسلمانوں میں ہر ممکن ذریعے سے یہ عقیدہ رائج کر دیا جائے کہ ہم قہرِ خداوندی ہیں۔ ہم اللہ کا عذاب ہیں جو عالمِ اسلام پر نازل کیا گیا ہے۔ یہ عقیدہ جتنا رائج ہوتا جائے گا' مسلمان بزدل ہوتے چلے جائیں گے۔ اور ہماری قلت مسلمانوں کی اکثریت کو مغلوب کرتی چلی جائے گی اور یہ افواہیں ہتھیار کا کام کریں گی۔"

سمرقند میں اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں اور جوجی خان خود کو اکیلا محسوس کرتا رہا۔ اس کا دل اپنے تینوں بھائیوں سے بدگمان ہوتا چلا گیا۔

اسی دوران چنگیز خان کو اچانک یہ محسوس ہوا کہ اس کی بینائی میں کچھ فرق آگیا ہے کیونکہ جب اس کے سامنے سے ایک ارخان (سپہ سالار) تغاچار نویان گزرا تو چنگیز خان اسے پہچان نہیں سکا۔ اسے نیشاپور کی تسخیر پر مامور کیا گیا تھا اور چنگیز خان نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ خود بھی عنقریب نیشاپور پہنچ جائے گا۔

جب ارخان چلا گیا تو چنگیز خان نے لیوچت سائی سے کہا "مجھے اتنا بڑا دھوکا کبھی بھی نہیں ہوا ہو گا کہ میں تغاچار نویان کو جبی نویان سمجھ بیٹھا اور میں اس سے پوچھنے والا تھا کہ تو تو مر گیا تھا پھر زندہ کس طرح ہو گیا؟"

لیوچت سائی کچھ دیر غور کرتا رہا۔ اسی دوران یہ خبر دی گئی کہ سوبدائی بہادر ملاقات کرنا چاہتا ہے۔

چنگیز خان نے سوبدائی بہادر کو فوراً طلب کر لیا۔ وہ اپنے ساتھ دوسرے کئی ملکوں کے خزانے اور دوسری بہت سی نادر اشیاء بھی لایا تھا۔

چنگیز خان نے کہا "ابھی میں نے جبی نویان کو اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا جو بعد میں تغاچار نویان نکلا۔"

سوبدائی بہادر نے جواب دیا "ہو سکتا ہے' جبی نویان کی روح آپ کو آخری بار دیکھنے آئی ہو اور بعد میں کہیں خلاؤں میں چلی گئی ہو گی۔"

لیکن لیوچت سائی نے کسی تکلف کے بغیر صاف صاف بتایا۔ "آپ کی بینائی کمزور ہو چکی ہے' اس کا علاج بہت ضروری ہے۔"

سمرقند کے جن اطبا کو ابھی تک قیدی بنا کے رکھا گیا تھا ان میں ہاشم نامی ایک آنکھوں کا معالج بھی تھا۔ لیکن یہ اتنا بدصورت تھا کہ لیوچت سائی اسے چنگیز خان کے سامنے نہیں پیش کر سکتا تھا۔ بڑے بڑے دانت' دانتوں کے درمیان خلا' پچکے ہوئے گال۔ سر چھوٹا اور کسی قدر لمبا' آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور کان بڑے بڑے۔ ناک طوطے کی چونچ کی طرح جھکی ہوئی۔

جب لیوچت سائی نے ہاشم کو یہ بتلایا کہ اسے چنگیز خان کی کمزور بینائی کا علاج کرنا ہے تو ہاشم کو بڑی خوشی ہوئی اور کہا "علاج تو میں کروں گا لیکن اس کے صلے میں چنگیز خان کو مجھے آزادی دینا ہو گی۔"

لیوچت سائی نے ہاشم کی بدصورتی کے پیشِ نظر کہا "لیکن پتا نہیں چنگیز خان تجھ سے علاج کروانا پسند بھی کرے گا یا نہیں؟"

ہاشم نے پوچھا "وہ کیوں؟"

لیوچت سائی نے جواب دیا "مجھے ڈر ہے کہ تجھ کو تیری بدصورتی قتل نہ کروا دے۔"

ہاشم نے اصرار کیا "تو مجھے چنگیز خان کے سامنے پہنچا تو دے اگر وہ مجھے قتل کروا دے گا تو یہ میری قسمت اور اگر مجھے آنکھوں کی بینائی کے لیے زندہ رکھا گیا تو میں ایسا کامیاب علاج کروں گا کہ چنگیز خان میرے وجود کو اپنی خوش قسمتی سمجھے گا۔"

لیوچت سائی نے جب ہاشم کا ذکر چنگیز خان سے کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ اتنا بدصورت ہے کہ شاید چنگیز خان اسے دیکھنا بھی گوارا نہ کرے تو چنگیز خان نے حکم دیا "اسے فوراً پیش کیا جائے۔"

جب لیوچت سائی ہاشم کو چنگیز خان کے پاس لے جا رہا تھا تو راستے میں اس کو سمجھایا "دیکھ ہاشم! بہت زیادہ باتیں مت کرنا۔ کیونکہ موت ہر وقت چنگیز خان کے دربار میں موجود رہتی ہے۔"

ہاشم نے ہنستے ہوئے کہا "میں موت سے نہیں ڈرتا۔ موت تو برحق ہے جو ایک نہ ایک دن آنی ہے۔ تو نے میری جس بدصورتی کا ذکر کیا ہے تو ان وحشیوں میں ایسے بدصورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔"

پہلی ملاقات میں چنگیز خان' ہاشم کی بدصورتی سے بددل ہوا مگر بینائی کی کمزوری اس میں صبر و برداشت کا حوصلہ پیدا کر رہی تھی۔

ہاشم کچھ دیر آنکھوں کا معائنہ کرتا رہا۔ اس کے بعد چند دوائیں تجویز کردیں اور کچھ کے لیے وعدہ کیا "میں چند دوائیں اپنے پاس سے دوں گا' ایک ہفتے کے استعمال کے بعد اگر کچھ فرق محسوس ہو تو بتائیے گا۔"

طبیب ہاشم کو چنگیز خان نے پابند کیا کہ دوائیں فوراً ملنی چاہئیں۔

ایک ہفتے کے علاج کے بعد چنگیز خان کو اپنی بینائی میں افاقہ محسوس ہوا اور وہ اس طبیب کی دل سے عزت کرنے لگا۔ دیکھنے والوں کو حیرت تھی کہ چنگیز خان اس بدصورت طبیب سے اکثر باتیں کرتا رہتا تھا۔

چنگیز خان اندر سے کمزور ہوتا چلا جا رہا تھا اور اسے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ خود تو ملکوں اور شہروں کو فتح کر رہا ہے اور بڑھاپا اسے مغلوب کرتا جا رہا ہے۔ اس نے مسلمان عالموں، مفکروں اور صوفیوں سے بھی اس موضوع پر باتیں کی تھیں لیکن وہ سب مجبور اور لاچار نظر آ رہے تھے۔ ان سب کا ایک ہی جواب تھا کہ بڑھاپے کو روکنا ناممکن ہے۔

اب وہ ہاشم سے پوچھ رہا تھا "جب تو نے اپنی دواؤں سے میری بینائی میں توانائی بخش دی ہے تو بڑھاپے پر بھی انسان کو قابو پالینا چاہیے۔"

ہاشم نے ایک دیمک خوردہ لکڑی چنگیز خان کے سامنے رکھ دی۔ "جس طرح یہ دیمک لکڑی کو چاٹ گئی ہے اسی طرح عمل فرسودگی جوانی کو چاٹ جاتا ہے اور جس طرح اس لکڑی کو سابقہ حالت میں لانا ناممکن ہے اسی طرح بڑھاپے کو جوانی میں بدل دینا ناممکن ہے۔"

چنگیز خان ہاشم کی باتوں پر دیر تک غور کرتا رہا۔ وہ اس کی دلیلوں سے نہ تو مطمئن تھا اور نہ متفق۔ اس نے اسی وقت ایک ایغوری عالم ایقوت کو طلب کیا اور ہاشم سے کہا "یہ ایغوریوں کا سب سے بڑا عالم ہے۔ اور یہ بتاتا ہے کہ چین میں تاؤمت کے عالم اس راز سے واقف ہو گئے ہیں کہ بڑھاپے کو جوانی میں کس طرح بدل دیا جائے۔"

ہاشم نے بڑے وثوق سے کہا "ناممکن۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔" اور پھر ایقوت سے پوچھا "کیا چین میں بوڑھے نہیں ہوتے؟"

ایقوت نے جواب دیا "بوڑھے ہوتے ہیں۔"

ہاشم نے پوچھا "کیا تاؤمت کی لائق فائق اور قابل احترام شخصیتیں بڑھاپے سے محفوظ ہیں۔ کیا ان میں ایک بھی ایسا شخص موجود ہے جو یہ کہے کہ پہلے میں بوڑھا تھا مگر اب جوان ہوں؟"

ایقوت ان سوالوں کے حتمی جواب نہیں دے سکا تو چنگیز خان نے اس کو حکم دیا "تو ایک وفد تاؤمت کے بزرگ رہنما کے پاس روانہ کرا اور اس سے کہہ کہ وہ اپنے ساتھ ایک سب سے تجربہ کار، دانا اور حکیم کو میرے پاس بھیج دے۔ میں اس سے بڑھاپے کا علاج پوچھوں گا۔"

اسی وقت ایک وفد چین روانہ کر دیا گیا اور چنگیز خان نے ہاشم سے کہا "تم لوگ یوں تو بہت کچھ پڑھ لکھ لیتے ہو لیکن بڑھاپے کا علاج معلوم نہیں کر سکے۔ حالانکہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ میں

دواؤں سے کب تک اپنی بینائی کو برقرار رکھوں گا؟"

ہاشم نے تمسخرانہ لہجے میں جواب دیا "جس طرح آپ نے اپنی ضرورت کے پیش نظر مجھ جیسے بدصورت کو گوارا کر لیا ہے اسی طرح بڑھاپے کو بھی گوارا کر لینا چاہیے۔"

چنگیز خان نے ہاشم کو حکم دیا "تو نظروں سے دور ہو جا ورنہ نقصان اٹھا جائے گا۔"

ہاشم تو چنگیز خان کی نظروں سے دور ہو گیا لیکن جس نے بھی ان دونوں کے مکالمے سنے اسے حیرت ہوئی کہ چنگیز خان نے اس بدصورت مسخرے طبیب کو معاف کس طرح کر دیا۔

چنگیز خان نیشاپور گیا تو اپنے ساتھ ہاشم کو بھی لیتا گیا۔

لیوچت سائی کو حیرت تھی کہ اس بدصورت مسخرے طبیب نے چنگیز خان کے مزاج میں اتنا رسوخ کس طرح حاصل کر لیا۔ وہ اسے اپنے لیے خطرہ محسوس کر رہا تھا۔

لیوچت سائی جلال الدین خوارزم شاہ کی جدوجہد اور شجاعت کو بھی منگولوں کے لیے خطرہ سمجھ رہا تھا اور اب ہاشم مسلمانوں کی سفارشیں بھی کرنے لگا تھا۔

لیوچت سائی چنگیز خان کو بار بار یہ باور کرا رہا تھا کہ مسلمان بہت زیادہ طاقتور ہوتے جا رہے ہیں۔ جلال الدین خوارزم شاہ کے آس پاس اس وقت ساٹھ ہزار مسلمان جمع ہو چکے ہیں اور وہ کسی طرح بھی چنگیز خان کی برتری کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھا۔

ان حالات میں چنگیز خان کو نیشاپور کی تسخیر میں دشواری پیش آئی۔

جلال الدین خوارزم شاہ مسلمانوں کے حوصلے بڑھا رہا تھا اور وہ خوف زدہ مسلمانوں کو یہ یقین دلا رہا تھا کہ چنگیز خان نہ تو قہرِ خداوندی ہے اور نہ عذابِ الٰہی۔ وہ محض ایک درندہ ہے اور اس درندے کو سزا دی جا سکتی ہے۔

یہ وہ ڈھارس تھی جو نیشاپور کے مسلمانوں کو چنگیز خان سے مقابلہ کرنے پر آمادہ کر چکی تھی۔ یہاں چنگیز خان کو مشکلات پیش آئیں اور شہر کی تسخیر میں تغاچار نویان بھی کام آ گیا۔ یہ چنگیز خان کا نہایت لائق اور قابلِ اعتبار ارخان تھا۔ جبی نویان کے بعد تغاچار نویان کی موت نے چنگیز خان کو بے حد اداس کر دیا تھا۔ اس کے لائق ارخان آہستہ آہستہ اس کا ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے۔

فوج میں بھی کمی ہوتی جارہی تھی۔ مجبوراً ان کو مقامی لوگوں کو فوج میں ملازمت میں لینا پڑا۔ طاقتور کرد انہیں اچھے لگے۔ ان کو ملازمتیں پیش کی گئیں اور یہ ہنسی خوشی چنگیز خان کی فوج میں شامل ہوتے چلے گئے۔ خاص کر سبوتائی بہادر نے ان سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ وہ مغربی ملکوں کی تسخیر اور لوٹ مار میں مشغول تھا اور کرد اس کی فوج میں شامل ہو چکے تھے۔

لیوچت سائی کی نظریں سارے امور پر لگی ہوئی تھیں اور اس کی خواہش تھی کہ چنگیز خان اپنی بقیہ زندگی مسلم ممالک کی تسخیر اور تباہی و بربادی میں گزار دے۔ وہ چنگیز خان کو بتاتا رہتا تھا کہ وہ اسی طرح ایک ایک اسلامی سلطنت سے نمٹتا رہے اور انہیں متحد ہونے کا موقع نہ دے۔ چنانچہ تولی خان کو خراسان روانہ کردیا گیا اور وہ خود افغانستان کی طرف متوجہ ہوگیا کیونکہ یہاں طاقتور مسلمان قبائل آباد تھے اور یہ بہادری اور شجاعت میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ جلال الدین خوارزم شاہ آخر کار ان ہی کی مدد سے چنگیز خان پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔

چنگیز خان کو بتایا گیا کہ جب تک خراسان پوری طرح فتح نہیں ہوگا، مسلمانوں کو ایک بہترین پناہ گاہ میسر رہے گی۔ یہاں کا ایک قلعہ پہاڑی پر واقع تھا اور صدیوں سے یہ جس خاندان کے تصرف میں تھا وہ تو مسلم تھے۔ قلعے دار کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے درد تھا۔ حالانکہ سمرقند اور بخارا کی تباہی و بربادی کے بعد آس پاس کی اسلامی ریاستیں خوف زدہ ہو گئی تھیں اور وہ کوئی ایسا قدم اٹھانے سے گریزاں تھیں جس سے چنگیز خان غیظ و غضب میں مبتلا ہو جاتا لیکن خراسان کے اس قلعے دار نے اپنے قلعے اور شہر کے دروازے ان تمام مسلمانوں کے لیے کھول دیئے جو تباہ شدہ شہروں سے بچ بچا کر اور بھاگ بھاگ کے یہاں پہنچ رہے تھے۔

چنگیز خان کو کبھی بھی یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ اس کے منگول سپاہی انفرادی طور پر اسلام سے متاثر ہو چکے ہیں اور وہ مسلمان ہونے کے بعد اس کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر اسلامی شہروں اور ملکوں میں پناہ لے رہے ہیں۔ کچھ منگولوں نے خراسان کے اس قلعے میں پناہ لی۔

مسلمان قلعے دار ان کو پناہ دیتے ہوئے ہچکچایا کیونکہ وہ انہیں جاسوس سمجھ رہا تھا مگر جب اسے کسی طرح یہ یقین ہوگیا کہ یہ واقعی مسلمان ہو چکے ہیں تو اس نے انہیں پناہ دی اور ان کی معاشی ذمے داریاں قبول کیں۔

چنگیز خان نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے تولی خان کو خراسان کی تسخیر پر مامور کیا اور اس نے اس قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ اکیس دن تک قلعے کی فصیلوں پر تیروں کی بوچھاڑ کرتا رہا۔ منجنیقوں سے پتھر اور آگ برساتا رہا۔ لیکن وہ قلعے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا۔

یہ خبریں چنگیز خان تک پہنچیں تو اس نے تولی خان کو ایک خفیہ پیغام بھیجا کہ قلعوں کی تسخیر میں صرف مادی طاقت ہی کارآمد نہیں ہوتی اس کے لیے جنگی حیلے اور بہانے بھی بہت ضروری ہیں۔

بدصورت طبیب کو دکھ تھا کہ یہ عذاب کب تک مسلمانوں پر نازل رہے گا۔ وہ چنگیز خان کو سمجھانا چاہتا تھا مگر یہ بھی جانتا تھا کہ سمجھانے میں اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔ اس نے لیوچت سائی کو دیکھا جو چنگیز خان سے بہت قریب تھا مگر وہ بھی چنگیز خان کو کوئی ایسا مشورہ نہیں دیتا تھا جو اس کی مرضی کے خلاف ہو۔

بدصورت اور مسخرے طبیب ہاشم نے لیوچت سائی سے پوچھا۔ "یہ شخص جو مسلمانوں کا مسلسل قتل عام کر رہا ہے اسے کس طرح اس ظلم و بربریت سے روکا جائے؟"

لیوچت سائی نے جواب دیا "افسوس کہ اس وقت چنگیز خان کے آس پاس مسلم ریاستیں ہیں ورنہ اسے کسی اور طرف متوجہ کردیا جاتا اور مسلمان بچ جاتے۔"

ہاشم نے کہا "بہرحال میں اس شخص کو روکنے کی کوشش کروں گا۔ آگے میری اور مسلمانوں کی قسمت۔"

کئی بار ہاشم کے جی میں آئی کہ وہ چنگیز خان کو ایسی دوائیں دے دے جس سے اس کی بینائی بالکل جاتی رہے لیکن وہ اس کے انجام سے خوف زدہ ہوگیا۔ اس کے بعد چنگیز خان اور اس کے بیٹوں کا جذبۂ غیظ و غضب اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا اور پھر جو تباہی نازل ہوگی تو اس سے کچھ بھی نہیں بچے گا۔ پھر بھی اس نے چنگیز خان کو سمجھانے کی کوشش کی "خان اعظم! غلطی سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ نے کی تھی اور سزا آپ تمام مسلمانوں کو دے رہے ہیں' یہ کیسا انصاف ہے؟"

چنگیز خان مشتعل ہوگیا "میں اس وقت تک قتل عام جاری رکھوں گا جب تک مسلمان میرے مجموعہ قوانین یاسا کے مطابق زندگی بسر نہ کرنے لگیں۔"

ہاشم نے آہستہ سے کہا "لیکن یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم اللہ کے قوانین چھوڑ کر کسی انسان کے قوانین کے تحت زندگی بسر کریں۔"

چنگیز خان نے لیوچت سائی سے کہا "اس بدبخت کو سمجھا کہ اگر اس کے علاج سے میری بینائی کو فائدہ نہ پہنچا ہوتا تو آج یہ قتل ہو چکا ہوتا" اور اسی وقت تولی خان کے نام ایک فرمان جاری ہوا۔ "مسلمانوں کا قتل عام انتہائی سفاکی سے ہونا چاہیے۔ میں شہروں کو ویران اور آبادیوں کو بے نام و نشان دیکھنا چاہتا ہوں۔"

لیوچت سائی نے ہاشم کو سمجھایا "تو اپنے کام سے کام رکھ' یہ حکم چلانے والے لوگ کسی کی نہیں مانتے۔ صرف اپنی بات منواتے ہیں۔ تو ایک کامیاب معالج کی حیثیت سے چنگیز خان کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ اس کے سوا وہ تیری کسی اور حیثیت کو کبھی بھی تسلیم نہیں کرے گا۔"

O☆O

قتلی خان نے جب یہ دیکھا کہ اس پہاڑی قلعے کی تسخیر بہت مشکل ہے تو اس نے ایک تیر سے ایک خط قلعے دار کو بھیجا۔ اس نے قلعے دار کو کامیاب دفاع کرنے پر مبارک باد دی تھی اور اس شرط پر محاصرہ اٹھا لینے کی پیش کش کی تھی کہ اگر اسے سوتی کپڑے کے دس ہزار لبادے اور دوسری دستی اشیا اور ساز و سامان تحفے میں پیش کیے جائیں۔

قلعے دار اس پر راضی ہو گیا اور مطلوبہ چیزیں اکٹھا بھی کر لی گئیں لیکن یہ سامان کس طرح قتلی خان تک پہنچایا جائے؟؟ یہ مسئلہ بن گیا۔ آخر کار دو بوڑھے رضامند ہو گئے کہ یہ ساری چیزیں وہ قتلی خان تک پہنچا دیں گے اور جیسا کہ یقین ہے کہ دونوں قتل کر دیے جائیں گے تو اس صورت میں ان دونوں بوڑھوں کے خاندانوں کی کفالت قلعے دار کرے گا۔

قلعے کی فصیلوں سے جائزہ لیا گیا کہ قتلی خان اپنی فوج کو قلعے کے دروازوں کی طرف تو نہیں لا رہا ہے۔

لیکن قتلی خان نے رات کے اندھیرے میں اپنی فوج کا ایک حصہ مرکزی دروازے کے آس پاس چھپا دیا۔ چنانچہ جیسے ہی دونوں بوڑھے سامان لے کر قتلی خان کے پاس پہنچے تو فوراً ہی ان کی ساری چیزیں قبضے میں لے لی گئیں اور دونوں بوڑھوں کو فوراً قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد فوجیں بھی قلعے میں داخل ہو گئیں۔ ہر طرف لوٹ مار مچ گئی۔ قلعے دار شرمندہ تھا کہ وہ قتلی خان کے دھوکے میں آ گیا تھا مگر وہ خود بچ کے نکل گیا۔

مسلمانوں نے ان کا مقابلہ کیا اور اس جنگ میں قتلی خان کے ایک ہزار نامور جانباز کام آئے۔

چند دنوں کے اندر پورے قلعے میں ایک بھی مسلمان زندہ نہیں چھوڑا گیا۔ خوب صورت لڑکیوں اور عورتوں کو چنگیز خان کے پاس بھیج دیا گیا اور چنگیز خان نے قتلی خان کو ہدایت کی کہ وہ خراسان کی تسخیر کے ساتھ ساتھ جلال الدین خوارزم شاہ کا بھی پتا لگائے۔ جب تک یہ شہزادہ زندہ ہے، اس وقت تک ان کی کامیابی نامکمل رہے گی۔

چنگیز خان کو یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ وہ بغداد پر فیصلہ کن ضرب لگائے۔ لیکن اس خبطی شخص نے اس مشورے پر کوئی خاص توجہ نہ دی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بغداد کے دفاع کے لیے لاکھوں مسلمان میدان میں اتر سکتے تھے۔ اور فی الحال چنگیز خان کے پاس سپاہیوں کی کمی ہوتی جا رہی تھی اور آزمودہ کار ارکان بھی کم ہوتے جا رہے تھے۔

وہ بلخ واپس گیا کیونکہ اس کے اعزاء اور قبیلے وہاں مقیم ہوا کرتے تھے۔ اسے یقین تھا کہ جلال الدین خوارزم شاہ سے ملاقات افغانستان کے کسی حصے میں ہو سکتی ہے۔ اسے دوسرے علاقوں کے مقابلے میں بلخ کی آب و ہوا بھی پسند تھی۔ اس نے بلخ اور افغانستان کے درمیانی حصے کو اپنی مستقل اقامت گاہ بنا لیا اور

اپنے سپہ سالاروں اور عارضی کیمپوں پر تعینات عملے کو ہدایات بھجوا دیں کہ چنگیز خان سے یہاں رابطہ قائم کیا جائے۔ وہ نہایت بے چینی سے تاؤ مت کے اس بزرگ کا انتظار کر رہا تھا جو بعض ایلنوریوں کے بقول بڑھاپے کو روکنے پر قادر تھا۔ اس کے اعصاب غیر معمولی انحطاط سے پہلے ہی دوبارہ طاقتور اور توانا ہونا چاہتے تھے۔

اسی جگہ خراسان کی خوب صورت لڑکیاں اور عورتیں چنگیز خان کی خدمت میں پیش کی گئیں۔ جب یہ عورتیں اور لڑکیاں چنگیز خان کے سامنے سے گزاری جا رہی تھیں تو ایک خوب صورت لڑکی بد صورت ہاشم کو پسند آ گئی اور اس نے بالکل غیر ارادی طور پر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر چنگیز خان سے درخواست کر دی "خان اعظم! میں نے آپ سے کبھی کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا لیکن آج اس خوب صورت لڑکی نے مجھے کہیں کا نہ رکھا اور میں آپ سے اس کی درخواست کرتا ہوں۔"

چنگیز خان نے پوچھا "کیا تو اس پر قابو رکھ سکے گا؟ کیا یہ بھی تجھے پسند کرے گی؟"

ہاشم نے جواب دیا "آپ کا کام بخش دینا ہے۔ یہ مجھے پسند کرے گی یا نہیں اور میں اس پر قابو رکھ سکوں گا یا نہیں، یہ بعد کی باتیں ہیں۔"

چنگیز خان نے جواب دیا "میں کتابیں پڑھنے اور لکھنے والوں کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ ان سے فضول بحث کروں۔ تجھ کو یہ لڑکی پسند ہے میں تجھے تحفے کے طور پر اسے بخشتا ہوں۔ اسے لے جا اور اب اس کے سلسلے میں مجھ سے کبھی کوئی اور بات مت کرنا۔"

اب چنگیز خان کو موسم بھی ستانے لگے تھے اور وہ خوب جانتا تھا کہ اس میں یہ حیرت انگیز تبدیلیاں کیوں آ رہی ہیں۔ لفظ بڑھاپے

سے اسے نفرت تھی اور وہ کسی پر یہ ظاہر بھی نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کہ بڑھاپا اسے تنگ کر رہا ہے۔

اب اسے تنہا بیٹھ کر غور کرنے کی عادت پڑتی جا رہی تھی۔ اپنے بڑھاپے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے چاروں بیٹوں کی حالت پر بھی غور کرتا رہا تو اسے کسی قدر مایوسی ہوگی۔ جوجی خان اس سے کٹا کٹا رہتا تھا اور اس کے تینوں بیٹے جوجی خان سے خوش نہیں تھے۔

اس کے بعد چغتائی خان تھا جس سے یاسا کی پابندی اور نفاذ کی ذمے داریاں وابستہ تھیں۔ وہ اس میں مبالغے کی حد تک سخت واقع ہوا تھا۔ چنگیز خان کو اس کی یہ سختی پسند نہیں تھی کیونکہ اس سختی میں مصلحت اندیشی نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی تھی۔

تیسرا بیٹا اوغدائی خان تھا جس میں شجاعت بھی تھی' عقل بھی تھا اور غور و فکر کی عادت بھی تھی۔ اوغدائی خان کو وہ ہر لحاظ سے اپنا جانشین سمجھتا تھا لیکن دو بڑے بیٹوں کی موجودگی میں اوغدائی خان کی نیابت اور جانشینی مسئلہ بنی ہوئی تھی۔

سب سے چھوٹا بیٹا تولی خان تھا جو اس وقت چنگیزی افواج کا سپہ سالار اعلیٰ بنا ہوا تھا۔ بلا کا چالاک' عیار اور شان و شوکت کی نمائش کا خوگر۔ چنگیز خان کو لوگوں نے بتایا تھا کہ تولی خان نے خراسان میں اپنے لیے ایک قیمتی زریں تخت بنوایا ہے۔ اور وہ اس تخت پر بیٹھ کے دربار کرنے لگا ہے۔

چنگیز خان کو شدت سے یہ احساس ہوتا جا رہا تھا کہ اس کے بیٹے شاید اس کی طرح صحرا نشین نہ رہیں۔ خود اس نے اپنی عملی زندگی کا جن مشکل حالات میں آغاز کیا تھا اور جتنے دکھ جھیل کے وہ یہاں تک پہنچا تھا' شاید اس کی اولاد اس پر غور بھی نہ کرے۔ اس بوڑھے شخص نے اپنے بیٹوں کو جس بامِ عروج تک پہنچایا تھا وہ سب فراموش کر دیا جائے گا۔

اب اس میں سوچنے کی عادت کے ساتھ ہی کسی قدر قوتِ برداشت بھی پیدا ہو گئی تھی لیکن اب بھی اسے پسند نہیں تھا کہ کوئی اس کا حکم نہ مانے۔

وہ ان مناظر سے بہت لطف اندوز ہوتا جب اسلامی ملکوں کے خزانے' قیمتی اور نادر اشیا گاڑیوں' اونٹوں اور گدھوں پر لدی ہوئی قراقرم جا رہی ہوتیں۔ وہ اس منظر کو اپنے خیمے سے دیکھتا رہتا اور کبھی کبھی عالم بے خیالی میں لیوچت سائی سے پوچھتا "تاؤمت کا شانگ چو ابھی تک نہیں آیا۔ حالانکہ اس وقت مجھے اس کی سخت ضرورت ہے۔"

لیوچت سائی جواب دیتا "شانگ چو چین کے بعید ترین شہر ہونان میں رہتا ہے۔ وہاں تک پہنچنے ہی میں کئی ماہ لگ جائیں گے۔ اور اگر وہ آنے پر آمادہ ہوا تو اس کے آنے میں بھی کئی ماہ لگ جائیں گے۔"

چنگیز خان نے غصے سے کہا "کیا وہ آنے سے انکار بھی کر سکتا ہے حالانکہ میں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا تھا کہ شانگ چو کو اچھا لباس پہنانا' اچھے اچھے کھانے کھلانا اور اسے حکم دینے کے بجائے درخواست کرنا کہ وہ جلد از جلد مجھ سے ملے اور میری پریشان خاطری دور کرے۔"

ان باتوں کے دوران اچانک چنگیز خان کو خیال آیا کہ بہت سے مسلمان لاشوں کے درمیان چھپ کے اپنی جان بچا لیتے ہوں گے۔ اس نے لیوچت سائی کو حکم دیا "میرے ارخانوں کو حکم دیا جائے کہ وہ لاشوں کے درمیان زندہ لوگوں کو تلاش کر کے انہیں قتل کر دیا کریں۔ اگر ان لاشوں کے آس پاس کوئی دریا ہو تو اس دریا کا رخ بدل کر لاشوں کی سمت کر دیا کریں تاکہ زندہ مسلمان اس میں ڈوب کر مر جائیں۔"

لیوچت سائی نے یہ فرمان جاری تو کر دیا مگر اسے حیرت تھی کہ اس بڑھاپے میں وہ کچھ زیادہ ہی خونخوار ہو گیا ہے۔

اس فرمان کے نفاذ کے بعد اس نے شامانوں کو طلب کر لیا اور ان سے کہا "تم لوگ ہمیشہ سے یہ دعوے کرتے چلے آ رہے ہو کہ تمہاری روحیں خلاؤں میں سفر کر سکتی ہیں اور تمہیں وہ سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے جو دوسرے لوگ نہیں جانتے۔ اب تم میں سے کوئی ایک بات مجھے بتائے کہ میں بڑھاپے پر کس طرح قابو پا سکتا ہوں؟"

صرف ایک شامان نے یہ جواب دیا "کئی دن پہلے میں نے ایک شامان کی روح سے ملاقات کی تھی۔ یہ اپنی وادی کا سب سے بڑا شامان تھا جو بوڑھا ہو کر مر گیا تھا۔ اس کی روح نے مجھے بتایا کہ اگر بڑھاپے پر قابو پانا شامانوں کے بس کی بات ہوتی تو میں بھی نہ مرتا اور روحیں کمزور جسم میں رہنا پسند نہیں کرتیں۔"

چنگیز خان نے سارے شامانوں کو ڈانٹ کر نکال دیا۔ اسی وقت بدقسمتی سے بدصورت ہاشم داخل ہوا اور چنگیز خان سے درخواست کی "وہ لڑکی میری بدصورتی سے نفرت کرتی ہے۔ براہ کرم اسے حکم دیا جائے کہ وہ میرا کہنا مانے اور مجھ سے محبت کرے۔"

چنگیز خان اپنے چھوٹے سے تخت سے اتر کر کھڑا ہو گیا اور ایک منگول کو حکم دیا "جو شخص ایک لڑکی پر اپنا حکم نہ چلا سکے اسے زندہ نہیں رہنا چاہیے۔"

اور اسی وقت چنگیز خان کے حکم سے ہاشم کو قتل کر دیا گیا۔

بد صورت طبیب ہاشم کی زندگی چنگیز خان کے لئے بہت ضروری تھی۔ اس کے باوجود اسے قتل کروا دیا گیا۔ لیو چت سائی نے چنگیز خان کی اس حرکت سے یہ اندازہ لگایا کہ متمدن دنیا میں آنے کے بعد چنگیز خان کی طبیعت میں جو ٹھہراؤ سا آ گیا تھا اور اس ٹھہراؤ نے چنگیز خان میں حالات اور معاملات پر غور کرنے کی جو عادت ڈال دی تھی اس پر وحشت اور بربریت نے ایک بار پھر غلبہ پا لیا۔ یہی وجہ تھی کہ چنگیز خان نے طبیب ہاشم کو قتل کروانے سے پہلے یہ نہیں سوچا کہ اس کی بینائی ہاشم کی مرہون منت ہے۔

اسی جھنجلاہٹ میں اس نے تولی خان کو حکم بھیجا "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ جو کام تیرے سپرد کیا جائے اس کو جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ تو نے ابھی تک جلال الدین خوارزم شاہ کا پتا نہیں لگایا۔ ہم کئی سال سے خوارزم شاہی حدود میں حاکمانہ انداز میں رہ رہے ہیں۔ اس دوران ہم نے اپنا زیادہ وقت علاؤالدین خوارزم شاہ کی تلاش میں ضائع کر دیا اور اس تلاش اور جستجو میں ہم نے کیا پایا اور کیا کھویا تو نے شاید کبھی اس پر غور بھی نہ کیا ہو کیونکہ تو جوان ہے اور تیرے سامنے زندگی کے بہت زیادہ ماہ و سال موجود ہیں لیکن تیرے بوڑھے باپ کے پاس اب زیادہ وقت نہیں ہے۔ مجھے جو کچھ درکار ہے اسے میں بہت جلد حاصل کر لینا چاہتا ہوں۔ افسوس کہ ہم علاؤالدین خوارزم شاہ کو تو نہیں پا سکے۔ اس کے بدلے ہمیں اس کی موت کی خبر مل گئی۔ میں اسے اپنا نقصانِ عظیم سمجھتا ہوں حالانکہ میں اس پر یقین رکھتا ہوں کہ مجھے جو مطلوب ہے وہ مجھے ملنا چاہئے۔ اب میری سب سے بڑی مطلوبہ شے جلال الدین خوارزم شاہ ہے۔ مفتوح اور متوفی علاؤالدین خوارزم شاہ کا بیٹا جسے میرے چاروں بیٹے تلاش نہیں کر سکے۔ میں نے اپنے کسی دشمن کو اتنا موقع کبھی نہیں دیا۔ اگر تم اپنے کسی دشمن پر اتنا وقت ضائع کرو گے تو اپنے بہت سے دشمنوں سے نمٹنے

کے لئے تمہیں کئی زندگیاں درکار ہوں گی۔ اور کئی زندگیاں تمہیں ملنے سے رہیں۔ اپنا کام جلد از جلد ختم کر تاکہ یہ بوڑھا مفتوحہ ممالک کو تم میں تقسیم کردے۔ عذر اور معذرت پڑھے لکھوں کے بہانے ہوتے ہیں۔ میرے پاس ان کی کوئی گنجائش نہیں۔"

تولی خان نے نہایت جوش و خروش اور سرگرمی سے جلال الدین خوارزم شاہ کی تلاش شروع کردی۔ تاجر' سیاح' جو اہے بھی جلال الدین خوارزم شاہ کو تلاش کررہے تھے مگر جلال الدین خوارزم شاہ کا پتا نہیں چل رہا تھا۔

آخر کسی تاجر نے یہ خبردی کہ مرو کے لوگ اپنے شہر کی حفاظت کے سلسلے میں مبالغہ آمیز انداز میں دلچسپی لے رہے ہیں جس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جلال الدین خوارزم شاہ شاید مرو میں موجود ہے۔

تولی خان نے اس مشتبہ اور غیر مصدقہ خبر کو اتنی اہمیت دی کہ فوراً مرو کا محاصرہ کرلیا۔

تولی خان اپنے زریں تخت پر بیٹھ کر احکامات جاری کرتا رہتا تھا۔ چاروں طرف فصیل کے سامنے جو خندقیں تھیں انہیں ریت کے بوروں سے پاٹ دیا گیا اور فصیلوں پر موجود مسلمانوں کو تیروں کی زد میں لے لیا گیا۔

مرو کے شہری بخارا کے لوگوں سے مختلف نہیں تھے۔ یہاں بھی اعلیٰ درجے کے دینی مدرسے موجود تھے اور عالموں کی کثرت تھی۔ اس شہر کو اسلامی دنیا کا لعل کہا جاتا تھا۔ وہ لعل یہاں کے خزانوں میں موجود تھے۔ وہ اندھیرے میں چمکتے تھے۔

محاصرے کی ابتدا میں قلعے دار نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ آخری دم تک ان وحشیوں کا مقابلہ کرے گا لیکن تین ہفتوں کی محصوری نے قلعے دار کے اعصاب کو کمزور کرڈالا اور وہ جنگ سے بچنے کی تدبیریں کرنے لگا۔ اس کام کے لئے اس نے جامع مسجد کے امام کی خدمات حاصل کیں۔ اس کو نہایت قیمتی تحفے تحائف دے کر تولی خان کے پاس بھیج دیا گیا۔ یہ اپنے ساتھ شہر اور قلعے کی کنجیاں بھی لے گیا تھا۔

جب تولی خان کو یہ بتایا گیا کہ شہر کی جامع مسجد کا امام قلعے دار کی طرف سے صلح اور مفاہمت کی گفتگو کرنے آیا ہے اور اپنے ساتھ شہر اور قلعے کی کنجیاں بھی لایا ہے تو تولی خان کو ہنسی آگئی "جب ہمیں شہر اور قلعے کی کنجیاں کسی شرط کے بغیر ہی حاصل ہوگئیں تو صلح اور مفاہمت کی بات کیا ہوگی۔"

امام کو نہایت عزت و احترام سے تولی خان کے پاس پہنچادیا گیا۔

تولی خان اس سے نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا۔ وہ پیش امام کو یہ تاثر دے رہا تھا کہ تولی خان اپنے مہمان اور قاصد سے بہت اچھی طرح پیش آتا ہے اور جو اس سے لڑنا نہیں چاہتے وہ انہیں معاف کردیتا ہے۔

تولی خان نے پیش امام کی اتنی خاطر تواضع کی اور وہ اتنی خوش اخلاقی سے پیش آیا کہ پیش امام کے دل سے منگولوں کا خوف نکل گیا۔

تولی خان ایک ترجمان کے ذریعے پیش امام سے کہہ رہا تھا۔ "ہمارا مسلمانوں سے کوئی جھگڑا نہیں۔ جب مسلمان خود مقابلے پر آجاتے ہیں تو ہمیں بدرجۂ مجبوری جنگ لڑنا پڑتی ہے۔"

پیش امام نے جواب دیا "ہمارا قلعے دار مجیر الملک بھی امن پسند ہے۔ اگر آپ لوگوں نے محاصرے سے قبل صلح اور مفاہمت کی بات کرلی ہوتی تو آپ کو یہ محاصرہ نہ کرنا پڑتا۔"

تولی خان نے کہا "ہمارا تم لوگوں سے کوئی جھگڑا نہیں۔ ہمیں جلال الدین خوارزم شاہ کی تلاش ہے اور مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مرو میں موجود ہے۔ تم لوگ اس کو ہمارے حوالے کردو کیونکہ ہم اسے کسی بھی نہ چھوڑیں گے۔"

پیش امام نے یقین دلایا "جہاں تک میں جانتا ہوں" جلال الدین خوارزم شاہ اس شہر میں نہیں ہے۔ اگر وہ اس شہر یا قلعے میں موجود ہوتا تو آپ سے مفاہمت کی بات ہرگز نہ کی جاتی۔"

تولی خان نے کہا "اگر یہ بات ہے تو ہم دونوں میں کوئی وجۂ مخاصمت نہیں۔ میں اس شہر کو دیکھ کر کہیں اور چلا جاؤں گا۔"

پیش امام نے مزید یقین دلایا "اگر خوارزمی شہر میں ہوتا تو پھر قلعے دار اسی کا تابع ہوتا۔"

تولی خان نے پیش امام سے کہا "اپنے قلعے دار سے کہہ کہ جب ہم دونوں دوستی کے رشتے سے وابستہ ہورہے ہیں تو ہمیں وہ رسم بھی پوری کرنی چاہئے جو ہمیں دوستی کے رشتے میں مضبوطی سے جکڑ دیتی ہے۔"

پھر اس نے پیش امام سے پوچھا "جب تم لوگ کسی کو دوست بناتے ہو تو کیا کرتے ہو؟"

پیش امام نے جواب دیا "ہم ایک دوسرے کی دعوتیں کرتے ہیں اور جب دونوں دوست ایک دوسرے کا کھانا اور نمک کھالیتے ہیں تو دونوں پکے دوست ہوجاتے ہیں۔"

تولی خان نے اس کی رسم دوستی کو پسند کیا اور کہا "ہم بھی یہی کرتے ہیں۔ اب ہم تیرے قلعے دار کی دعوت کریں گے۔ اس دعوت کے بعد تیرا قلعے دار ہماری دعوت کرے گا اور پھر ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست بن جائیں گے۔"

پیش امام کو بھی یہ طریقہ بہت پسند آیا اور اس نے پوچھا "پہلے دعوت کون کرے گا؟"

تولی خان نے جواب دیا "پہلے دعوت میں کروں گا اور قلعے دار کو اپنے دوستوں کے ساتھ میری اس دعوت میں شریک ہونا پڑے گا۔"

پیش امام تولی خان کی باتوں سے مطمئن ہوکر قلعے میں واپس چلا

کیا اور مقتول سپاہیوں نے تیر اندازی بند کر دی۔

پیش امام نے قلعے دار سے تولی خان کی بڑی تعریفیں کیں اور کہا "بظاہر تو تولی خان وحشی اور درندہ معلوم دیتا ہے مگر حقیقتاً وہ دوستی کے رشتے کو خوب سمجھتا ہے۔ اب آپ اس سے جا کر ملاقات کرلیں اور دونوں دوست اپنی اپنی دوستی کے سلسلے میں جو رسوم ادا کرنا چاہیں وہ آپس میں طے کرلیں۔"

قلعے دار مجیر الملک پیش امام کے ساتھ چاندی کے ظروف اور مرصع لبادوں کے بیش بہا تحائف لے کر تولی خان کے پاس پہنچ گیا۔

تولی خان نے بھی اپنے خیمے کے باہر نکل کے قلعے دار مجیر الملک کا استقبال کیا۔

دونوں دوست ہاتھ میں ہاتھ ڈالے خیمے کے اندر چلے گئے۔

قلعے دار کے لئے تولی خان کے تخت کے سامنے کرسی ڈال دی گئی اور قلعے دار اس پر بیٹھ گیا۔

تولی خان کچھ دیر مرحوم سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ کی نادانی اور بزدلی کا ذکر کرتا رہا۔ اس کے بعد جلال الدین خوارزم شاہ کا ذکر چھیڑ گیا اور کہا "مسلمانوں پر ہماری شکل میں جو عذاب نازل ہوا ہے اس کا سبب خوارزم شاہی خاندان ہے۔ اب بھی جلال الدین خوارزم شاہ کی وجہ سے مسلمان برباد ہو رہے ہیں۔ جلال الدین خود تو ذلیل و خوار مارا مارا پھر رہا ہے اور اپنے ساتھ عالم اسلام کو بھی ذلیل و خوار کر رہا ہے۔ اگر تم لوگ اس کو میرے حوالے کردو تو ہم فوراً یہاں سے واپس چلے جائیں گے۔"

مجیر الملک قلعے دار نے جواب دیا "اگر وہ یعنی جلال الدین خوارزم شاہ مرو میں ہوتا تو میں ضرور اسے آپ کے حوالے کر دیتا۔ میں خود بھی خان اعظم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں اور اس وقت چھوٹے خان سے مل کے مجھے یوں لگا جیسے میں نے خان اعظم سے شرف ملاقات حاصل کرلیا ہے۔"

تولی خان نے قلعے دار کے تحائف کے جواب میں سمور کا لباس پیش کیا اور کچھ اس طرح گھل مل گیا جیسے وہ قلعے دار سے برسوں سے واقف ہے۔

کئی دن تک قلعے دار کی دعوتیں ہوتی رہیں اور آخر کار قلعے دار نے عرض کیا "جناب والا! اب آپ میرے ساتھ قلعے میں چل کے دعوتیں اڑائیں گے اور پھر ہم دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست ہو جائیں گے۔"

تولی خان کسی سوچ میں ڈوب گیا اور پوچھا "کیا تو قلعے میں صرف میری دعوت کرے گا یا میرے ساتھیوں کو بھی دعوت میں شرکت کی اجازت ملے گی۔"

قلعے دار نے جواب دیا "ہم مسلمان بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں اور ایل خان (چھوٹے خان) کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ جتنے مہمان چاہیں اپنے ساتھ لائیں۔"

تولی خان ہنسنے لگا اور کہا "تب پھر پہلے میں تیرے دوستوں کی

حاجب بن زرارہ نے ایک بار کسریٰ کے دربار میں حاضری کی اجازت چاہی۔ حاجب نے پوچھا "آپ کون ہیں؟" انہوں نے جواب دیا۔ "میں عرب قوم کا ایک ناچیز شخص ہوں۔"

کچھ دیر بعد حاضری کی اجازت ملی اور وہ کسریٰ کے سامنے پہنچے تو کسریٰ نے کہا۔ "تو کون ہے؟"

انہوں نے کہا "میں عرب قوم کا ایک سردار ہوں۔"

کسریٰ نے بگڑ کر پوچھا "کیا تو نے ہمارے حاجب سے یہ نہیں کہا تھا کہ تو عرب قوم کا ناچیز شخص ہے؟"

انہوں نے کہا "بے شک کہا تھا مگر اس وقت میں بادشاہ کے دروازے پر عام آدمیوں کی طرح کھڑا تھا لیکن جب بادشاہ کے دربار میں پہنچنے کی عزت ملی تو میں عام آدمیوں سے بڑھ گیا اور سردار بن گیا۔"

کسریٰ نے مسکرا کر کہا "زہ۔"

"زہ" فارسی لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں "بہت خوب" جب کسریٰ کسی سے خوش ہو کر زہ کہتا تھا تو انعام کے طور پر اس شخص کا منہ موتیوں سے بھر دیا جاتا تھا۔

دعوت کروں گا۔ جا تو اپنے دوستوں کی فہرست تیار کر کے میرے پاس بھیج دے۔ اس فہرست میں دوستوں کے علاوہ معززین شہر کے نام بھی ہونے چاہئیں۔"

مجیر الملک قلعے دار نے قلعے میں واپس جا کر اپنے دوستوں اور معززین شہر کی ایک فہرست تیار کر ڈالی اور اسے لے کر تولی خان کے پاس پہنچ گیا۔

تولی خان نے اندیشہ ظاہر کیا "جب میں شہر میں داخل ہو جاؤں گا تو میرے ساتھ میرے سپاہی اور فوجی بھی ہوں گے اور نا ممکن ہے کہ یہ وحشی پیادے اور شہسوار لوٹ مار سے باز آئیں جب کہ میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ اس شہر کو لوٹ مار سے محفوظ رکھا جائے گا مگر عملاً یہ ممکن نہیں ہے۔ کہیں نہ کہیں یہ ناخوشگوار واقعہ پیش آسکتا ہے اس لئے تو شہر کے دولت مند لوگوں کی بھی ایک فہرست تیار کردے۔ میں اس فہرست کو اپنے آدمیوں میں تقسیم کروا دوں گا اور ان سب کی میرے سپاہی حفاظت کریں گے۔"

قلعے دار نے شہر کے مال دار لوگوں کی ایک فہرست تیار کرلی۔

ان کی تعداد تقریباً چھ سو تھی اور تولی خان نے ان چھ سو منگول آدمیوں کی بھی دعوت کر دی۔

قلعے دار نے معززین شہر اور متمولین کی فہرست تیار کر کے اپنے نائب کو بھیج دی۔ ان سب کو تولی خان کی ضیافت میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور قلعے دار نے اپنے مراسلے میں تولی خان کے حسن اخلاق کی بڑی تعریفیں کی تھیں۔ شہر اور قلعے کے دروازے کھل گئے اور گھوڑوں پر سوار قطاروں کی شکل میں مرد شہر کے دولت مند اور معزز حضرات تولی خان کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیے۔ ان سب کا شاندار استقبال ہوا اور تولی خان کے حکم سے انہیں ایک بہت بڑے شامیانے کے نیچے پہنچا دیا گیا۔ یہ بڑا شامیانہ انہی مہمانوں کے لئے کھڑا کیا گیا تھا۔ قلعے دار بہت خوش تھا کہ اس نے اپنے شہر اور آدمیوں کو تباہ کاریوں اور بربادیوں سے بچا لیا تھا۔

رات کو ہر طرف مشعلیں روشن ہو گئیں اور نہتے مہمانوں کے سامنے دسترخوان بچھا دیے گئے۔

تولی خان غائب تھا اور مہمانوں کو اس کا بڑی بے چینی سے انتظار تھا۔

کافی دیر بعد تولی خان کئی سو منگولوں کے ساتھ نمودار ہوا اور اس نے معزز شہریوں اور دولت مندوں سے ترجمان کے ذریعے باتیں شروع کر دیں۔ وہ ان سب سے پوچھ رہا تھا "تم لوگ اپنے اجنبی فاتحین کی ضیافت میں شریک ہوئے۔ یہ میرے لئے عزت افزائی کی بات نہیں ہے اور نہ تمہارے لئے اس میں کوئی خوش آئند بات ہے۔ . . . . . ہمیں تو یہاں اناج کی سخت ضرورت ہے اور اس اناج کو تمہیں کھلا کے میں ضائع کرنا پسند نہیں کرتا۔ تمہارے پاس ابھی تھوڑا سا وقت ہے۔ ایک دوسرے سے باتیں کر لو اور گلے لگ لو اس کے بعد یہاں کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔"

قلعے دار، معززین شہر اور دولت مندوں کی عقلیں تولی خان کی باتیں سمجھنے سے قاصر تھیں۔ ہر کوئی خوف زدہ ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہا تھا اور سوالیہ نظروں سے پوچھ رہا تھا کہ یہ تولی خان کیا کہہ رہا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے۔

اچانک دو ہزار منگول رسیوں کے ٹکڑے لے کر مہمانوں کی طرف بڑھے۔ رسیوں کے یہ ٹکڑے پھانسی کے پھندے کی شکل کے تھے۔

تولی خان نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ گویا تعمیلِ حکم کی اجازت دے دی گئی تھی۔

رسیوں کے پھندے مسلمانوں کے گلوں میں پڑ گئے اور طاقتور منگولوں نے رسیوں کی بندش کو سخت کرنا شروع کر دیا۔ آنکھیں ابل کے باہر آ گئیں۔ زبانیں باہر لٹک گئیں اور مزاحمت اور دم گھٹنے کی وجہ سے مسلمانوں کے جسم تڑپنے اور تھرتھرانے لگے۔ اور پھر ذرا سی دیر میں شامیانے کے نیچے اور دسترخوانوں کے اوپر مسلمانوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔

تولی خان نے اپنے ایک شامان سے پوچھا "ان مسلمانوں کی روحیں اس وقت کہاں ہوں گی؟"

شامان نے جواب دیا "آسمان کے نیچے خلاؤں میں ہماری قوم کی روحوں سے دور بہت دور۔ کیونکہ ہماری طاقتور روحیں ان کمزور روحوں کو اپنے قریب برداشت نہیں کریں گی۔"

تولی خان اس سانحے کے فوراً بعد اپنی فوج کو لے کر شہر اور قلعے میں داخل ہو گیا۔ کسی مزاحمت کے بغیر شہر پر قبضہ ہو گیا۔ آبادی کا قتل عام ہوا۔ دولت مندوں کی ہر چیز تولی خان کے قبضے میں چلی گئی۔ تولی خان کے آدمی یہاں جلال الدین خوارزم شاہ کو تلاش کرتے پھر رہے تھے مگر جلال الدین خوارزم اس شہر میں کہیں ہوتا تو ملتا۔

شہر کی گلیاں اور بازار لاشوں سے پٹ گئے اور وہ شہر جو کچھ دیر پہلے آباد اور خوش و خرم تھا اب شہر خموشاں میں بدل گیا تھا۔

فجر سے کچھ پہلے تولی خان کو یہ بتایا گیا کہ ابھی بہت سے مسلمان اس شہر میں زندہ موجود ہیں۔

تولی خان نے پوچھا "اگر ہیں تو کہاں ہیں، وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتے؟"

جواب دیا گیا "وہ کہیں چھپ گئے ہیں۔ یہ خانوں میں، زمین دوز مقاموں میں مسجد اور مقبروں کے میناروں اور گنبدوں میں۔"

تولی خان نے کہا "ان کی تلاش میں وقت نہ ضائع کیا جائے میں نے پیش امام کو اسی وقت کے لئے زندہ رکھا ہے۔"

کچھ دیر بعد پیش امام کو تولی خان کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔

پیش امام کو کچھ پتا نہ تھا کہ اس شہر میں کیا ہنگامے برپا ہیں۔ اس نے شور و غل کی آوازیں تو سنیں مگر اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ آوازیں کیوں اور کہاں سے آ رہی ہیں۔

تولی خان نے پیش امام سے نہایت نرم اور ملائم لہجے میں کہا۔ "صلح و آشتی کا وہ بیج جو تو نے ڈالا تھا اب اس کا پودا نکل آیا ہے۔ اس کی آبیاری بھی تو ہی کرے گا۔ میرے آدمیوں کے ساتھ جا اور اپنی جامع مسجد کے مینارے سے صبح کی اذان دے تاکہ مسلمان فجر کی نماز ادا کریں۔"

جب منگول دستہ پیش امام کو جامع مسجد لے جا رہا تھا تو مشعل کی روشنی میں اس نے جگہ جگہ لوگوں کی لاشیں پڑی دیکھیں۔ ان لاشوں کے پاس کتے اور گیدڑ پہنچ چکے تھے۔

پیش امام کی سمجھ میں بس اتنا آسکا کہ شاید شہریوں کی کہیں کہیں منگولوں سے جھڑپ ہو گئی اور اس میں یہ شہری مارے گئے۔ پیش امام کے لئے یہ اعزاز کافی تھا کہ تولی خان نے اس کو فجر کی اذان دینے کی اجازت دے دی تھی۔

مسجد کے مینارے سے اللہ اکبر اور الصلوٰۃ خیر من النوم کی صدا

بلند ہوئی تو ادھر ادھر چھپے ہوئے مسلمان اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ خون خرابا بند ہوا۔ شہریوں کو امان دے دی گئی اور اب وہ مسجدوں میں جا کے فجر کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

دھوکے باز منگول مساجد کے چاروں طرف چھپ کر کھڑے ہو گئے اور جو بھی مسلمان نماز پڑھنے آیا اسے قتل کر دیا گیا اور اس طرح چھپے ہوئے مسلمانوں کو باہر نکال کے ان کا صفایا کر دیا گیا۔

طلوع آفتاب کے بعد تولی خان شہر' محلوں اور بازاروں کا حال دیکھنے گشت پر نکلا تو جگہ جگہ یہ مناظر دکھائی دیے۔ وہ بے حد خوش تھا کہ چھپے ہوئے مسلمانوں کو باہر لانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور چنگیز خان کو جب یہ معلوم ہو گا کہ تولی خان نے مسلمانوں کے وجود سے مرو شہر کو پاک کر دیا ہے تو وہ بہت خوش ہو گا۔

ابھی تولی خان مرو میں صحیح طور پر فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے مخبروں نے خبر دی کہ ہرات کے دس ہزار مسلمان سپاہی منگولوں سے لڑنے کے لئے تیار ہیں۔

ایسی صورت میں کہ ان منگولوں کی دہشت عام تھی اور مسلمانوں کے دلوں سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کی ہمت رخصت ہو گئی تھی' یہ خبر معنی خیز تھی کہ دس ہزار مسلمان تولی خان سے لڑنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ خبر کے اس پہلو نے تولی خان کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ ہرات میں جلال الدین خوارزم شاہ موجود ہو گا کیونکہ اس کی موجودگی میں ہی مسلمان تولی خان سے لڑنے کا حوصلہ کر سکتے تھے۔

تولی خان نے فوراً ہرات کا رخ کیا لیکن ہرات میں جلال الدین خوارزم شاہ موجود نہیں تھا۔ ہرات کے دس ہزار مسلمان سپاہیوں کو یہ معلوم تھا کہ منگولوں کا مقابلہ کیا جائے یا جنگ کے بغیر ہی ہرات ان کے حوالے کر دیا جائے' دونوں ہی صورتوں میں تولی خان مسلمانوں کو معاف نہیں کرے گا اس لئے منگولوں سے لڑنا ضروری ہو گیا تھا۔ جنگ کی صورت میں کچھ منگولوں کو جہنم رسید تو کر سکتے تھے۔

چنانچہ تولی خان جیسے ہی ہرات کے سامنے پہنچا دس ہزار مسلم سپاہ نے اچانک اس پر حملہ کر دیا۔ اس مقابلے میں منگولوں کی اچھی خاصی تعداد زندگیوں سے محروم ہو گئی۔ یہ ایسی صورتِ حال تھی کہ جس کی تولی خان امید بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بہت جلد اس سپاہ کو گھیرے میں لے لیا اور اس کا صفایا کر دیا گیا لیکن اس جنگ میں منگولوں کی خاصی تعداد ہلاک کر دی گئی تھی اور یہاں تولی خان نے غیظ و غضب کے عالم میں حکم دیا کہ جو مسلمان مزاحمت کریں انہیں قتل کر دیا جائے اور جو مزاحمت نہ کریں انہیں قیدی بنا کے میدان میں یکجا کیا جائے۔

لیکن منگولوں نے بیشتر آبادی کا صفایا کر دیا اور بہت کم مسلمانوں کو رسیوں سے باندھ کر میدان میں ڈال دیا گیا۔ تولی خان کو پچھلی جنگوں میں یہ معلوم ہوا تھا کہ بہت سے مسلمان لاشوں کے بیچ میں لیٹ کے اپنی جانیں بچا لیتے ہیں چنانچہ ہرات میں منگولوں کو یہ حکم دیا گیا کہ تمام لاشوں کی گردنیں کاٹ دی جائیں تاکہ مسلمانوں کے زندہ بچ جانے کا احتمال ہی باقی نہ رہے۔

اس طرح جو مسلمان مردوں کے درمیان زندہ بچ گئے تھے انہیں بھی قتل کر دیا گیا تھا۔

ہرات میں بھی ہنرمندوں' عالموں اور طاقتور جوانوں کو عام شہری آبادی سے الگ کر لیا گیا تھا۔ چنگیز خان کی طرح تولی خان کو بھی طبیبوں کی ضرورت پیش آئی تھی۔ وہ ہرات کے طبیبوں کو عزت دے رہا تھا کیونکہ منگولوں میں کوئی ایسی وبا پھوٹ پڑی تھی کہ وہ مرنے لگے تھے۔

کچھ طبیبوں نے تولی خان کو بتایا "تم لوگ لاشوں کے قریب رہتے ہو اور یہ بے گور و کفن لاشیں سڑتی گلتی اور بیماریاں پھیلاتی رہتی ہیں۔ یہ وبائی بیماری انہی لاشوں سے پھیلتی ہے۔"

تولی خان کی سمجھ میں بات آ گئی اور اس نے گرفتار رسیوں میں جکڑے ہوئے مسلمانوں کو گلا گھونٹ گھونٹ کے فوراً مروا دیا۔ اور پھر وہ جگہ خالی کر دی گئی اور آگے بڑھ گیا۔ مرو اور ہرات کی دولت کو اکٹھا کر کے چنگیز خان کی خدمت میں روانہ کر دیا جو ان دنوں کوہِ ہندوکش کی بلندی پر بیٹھا وہاں کے خوشگوار موسم سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

چنگیز خان خود تو فارغ ہو چکا تھا' جو فتوحات باقی تھیں انہیں اس کے بیٹے اور اس کے ارخان پایۂ تکمیل کو پہنچا رہے تھے۔

سوبدائی بہادر روس کے دور دراز علاقوں میں الجھا ہوا تھا۔ جوچی خان اترار اور ارگنج کے نواح میں اپنا نظم و نسق قائم کر رہا تھا۔

تولی خان ایران اور اس کے مضافات میں جلال الدین خوارزم شاہ کو تلاش کر رہا تھا اور اوغدائی خان چنگیز خان کے پاس تھا اور اپنے باپ سے نظم و نسق کے امور میں تربیت حاصل کر رہا تھا۔

چنگیز خان کے حکم سے ڈاک کا نیا سلسلہ قائم ہوا۔ منگولیا تک ڈاک کی چوکیاں قائم کی گئی تھیں۔ تیس تیس میل کے فاصلے پر چوکیوں کا قیام وجود میں آیا۔ یہاں گھوڑے رکھے جاتے۔ سائیس ہوتے اور ماہر گھڑسوار رکھے جاتے۔ سو سو میل کے فاصلے پر بڑی بڑی چوکیاں قائم کی گئیں۔ یہاں بھی خاصی تعداد میں ہر وقت تازہ دم گھوڑے موجود رہتے۔ سائیس' گھڑسوار' منگول سپاہیوں کا ایک دستہ اور چند منشی ان بڑی چوکیوں میں موجود رہتے۔ ان کا کام یہ ہوتا کہ جب اونٹوں' ٹٹوؤں اور گاڑیوں پر لدا ہوا سامان یہاں پہنچتا تو اس چوکی پر باقاعدہ اندراج ہوتا۔ اندراج کے بعد سامان آگے روانہ کر دیا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ قراقرم پہنچ جاتا۔

جو فرامین ان چوکیوں پر پہنچتے انہیں لے کر تازہ دم شہسوار آگے بڑھ جاتے۔

لیکن کبھی کبھی جب کوئی خاص فرمان روانہ کیا جاتا تو ان شہسواروں کی کمر سے چمڑے کی چوڑی پیٹیاں بندھی ہوتیں۔ ان پیٹیوں میں بہت سی گھنٹیاں بندھی رہتیں جو دورانِ سفر مسلسل بجتی رہتی تھیں۔ ان گھنٹیوں کی آواز سن کر چوکیوں پر موجود گھڑ سوار اپنے سفر کی تیاری میں مشغول ہو جاتے اور یہ بھی گھنٹیوں والی چوڑی چمڑے کی پیٹی کمر سے کس لیتے۔ آنے والا گھڑسوار چنگیز خان کا فرمان اس کے حوالے کر دیتا اور زبانی ہدایات گوش گزار کر دیتا اور یہ تازہ دم گھڑسوار فرمان لے کر آگے روانہ ہو جاتا۔

ڈاک کا یہ نظام چنگیز خان کی دماغی اپج کا نتیجہ تھا۔

چنگیز خان کا بڑھاپا اسے پریشان کر رہا تھا لیکن وہ اس پریشانی کا ذکر کسی سے بھی نہ کرتا تھا اور جب ہر طرف ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد چنگیز خان کو یہ یقین ہو گیا کہ اس کا بڑھاپا اس کو موت کی وادی میں اتار کے ہی دم لے گا تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ کوہ ہندوکش کی اس بلندی پر قورلتائی منعقد کی جائے اور چاروں بیٹوں' ارخانوں اور قبائلی سرداروں کی موجودگی میں اوغدائی خان کی جانشینی کا اعلان کر دیا جائے۔

گھنٹیوں والی چمڑے کی چوڑی پیٹیاں اپنی اپنی کمر سے کسے قاصد ہر طرف روانہ ہو گئے۔ یہ قاصد چوکیوں پر متعین تازہ دم قاصدوں کو فرمان دے کر وہیں رک جاتے اور تازہ دم قاصد آگے روانہ ہو جاتے۔ یہ قاصد قراقرم کے اس پار دریائے کیرولان اور دریائے انگوڈا اور دریائے امور کی وادیوں میں پہنچ گئے۔

کچھ کوہستان خنجان کے گھنے جنگلات کو عبور کر کے منچوریا میں داخل ہو گئے اور کچھ دیوارِ چین کے اس پار چین میں مقولی خان اور اس کے نائبین تک پہنچے۔ ان سب کو کوہ ہندوکش کی بلندی پر پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا۔

سوبدائی بہادر کو شمالی مشرقی روس میں یہ پیغام ملا۔

جوجی خان اترار اور ارگنج کے علاقے کو چھوڑ کے اندرون روس دریائے والگا کے کنارے مستقل سکونت اختیار کئے ہوئے تھا۔ وہ چنگیز خان اور اپنے بھائیوں سے دور رہنے میں اپنی عافیت سمجھتا تھا۔

چونکہ چاروں طرف سے آنے والے سرداروں کو یہاں تک پہنچنے کے لئے کافی وقت درکار تھا اس لئے اس خالی وقت کو کارآمد بنانے کے لئے چنگیز خان نے فیصلہ کیا کہ وہ جلال الدین خوارزم شاہ کے قصے کو ختم کر دے۔ اس کی اطلاعات کے مطابق وہ مسلمانوں کو جہاد کے نام پر متحد کر رہا تھا۔

پہلے اس کا خیال تھا کہ جلال الدین خوارزم شاہ کی سرکوبی کے لئے جوجی خان' چغتائی خان اور تولی خان کافی ثابت ہوں گے لیکن ان تینوں کی پے در پے ناکامیوں کے بعد چنگیز خان کو جلال الدین خوارزم شاہ کے خاتمے کی ذمے داری خود قبول کرنا پڑی۔ چنگیز خان حیران تھا کہ جلال الدین خوارزم شاہ اس کے کسی بیٹے کے قابو میں کیوں نہیں آرہا۔ اس کی نظر میں جلال الدین خوارزم شاہ ایک بے سروسامان' بے وقعت' بے ملک' بے فوج آوارہ گرد شہزادہ تھا۔ اس کی گرفتاری یا قتل اتنا بڑا اور اہم مسئلہ نہیں تھا کہ اس کے لئے کئی سال ضائع کر دیے جائیں۔ بدرجۂ مجبوری اسے یہ مہم بھی اپنے ذمے لینی پڑی۔

چنگیز خان کی اطلاعات کے مطابق جلال الدین خوارزم شاہ کہیں مشرق میں جہاد کے نام پر اسلامی لشکر تیار کر رہا تھا۔

چنگیز خان اپنے ساٹھ ہزار لشکر کے ساتھ جلال الدین خوارزم شاہ کی سرکوبی کے لئے چل پڑا۔ ایک مورخ کی نظر میں جلال الدین خوارزم شاہ کی اہمیت اور عزت میں بہت زیادہ اضافہ اس لئے ہو جاتا ہے کہ چنگیز خان کے بیٹوں کی ناکامی کے بعد اس کو یہ مہم خود اپنے ہاتھ میں لینی پڑی تھی۔

جب چنگیز خان کوہ ہندوکش کی بلندیوں سے نیچے اترا تو راستے میں کوہ بابا کے پہاڑی سلسلوں میں بامیان نامی شہر نے اس کا راستہ روک لیا۔ یہ شہر مسلح تھا اور چنگیز خان سے لڑنے مرنے کے لئے بالکل تیار تھا۔ ان مسلمانوں میں بھی جلال الدین خوارزم شاہ نے روح پھونک دی تھی۔

چنگیز خان نے بامیان کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن محاصرہ کرنے کے دوران جب اسے یہ معلوم ہوا کہ جلال الدین خوارزم شاہ بذاتِ خود اس شہر میں موجود نہیں ہے اور وہ کہیں اور چنگیز خان کے خلاف فوجیں جمع کرنے میں مشغول ہے تو چنگیز خان نے اپنے کئی ارخان جلال الدین خوارزم شاہ کی طرف روانہ کر دیے کہ وہ اس شہزادے کو جہاں پائیں وہیں قتل کر دیں۔

یہ ارخان جلال الدین خوارزم شاہ کی تلاش میں بہت دور تک چلے گئے اور جب ان کی خوارزمی شہزادے سے مڈبھیڑ ہوئی تو ان منگولوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دیا گیا۔

جب یہ ناکام ارخان اپنی شکست اور شکستہ حالی کی خبریں لئے ہوئے چنگیز خان کی خدمت میں واپس پہنچے تو چنگیز خان حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس کے ناقابلِ تسخیر ارخانوں کو شکست بھی ہو سکتی ہے۔ پہلے چنگیز خان کی نظر میں جلال الدین خوارزم شاہ کا جو مقام تھا اب اس مقام میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔

ان ناکام ارخانوں سے چنگیز خان کو جلال الدین خوارزم شاہ کے ٹھکانے کا صحیح صحیح علم ہو گیا تھا گویا اب چنگیز خان خوارزمی شہزادے کے مقابلے پر پہنچ سکتا تھا اور جس شکار کی وہ کئی سال سے تلاش میں تھا اب وہ اس کی زد میں تھا۔

چنگیز خان نے ایک ناکام ارخان کو ڈانٹا اور پوچھا "جب تو شکست اٹھا کے اور منہ چھپا کے میرے پاس آگیا تو اس دوران جلال الدین خوارزم شاہ کسی نامعلوم جگہ نکل جائے گا اور ہم اس کی تلاش میں پھر وقت ضائع کرنا شروع کر دیں گے۔"

ناکام ارخان نے جواب دیا "میرے سپاہی اب بھی جلال

الدین خوارزم شاہ کے آس پاس موجود ہیں اور اس کی نقل و حرکت پر نظریں رکھے ہوئے ہیں اس لئے خوارزمی شہزادہ اب کہیں روپوش نہیں ہو سکتا۔"

چنگیز خان نے پوچھا "لیکن تو اس کے مقابلے میں ناکام کیوں رہا؟"

ناکام ارخان نے جواب دیا "اس وقت جلال الدین خوارزم شاہ کے ساتھ ساٹھ ہزار کا لشکر موجود ہے اور یہ لشکر ترکوں اور افغانوں پر مشتمل ہے۔"

چنگیز خان نے کہا "لیکن مسلمان تو ہمیں قہر الٰہی اور عذاب الٰہی سمجھتے ہیں جس سے ان کے حوصلے پست ہو گئے ہیں اور ان کے دلوں سے ہم سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ رخصت ہو گیا ہے۔ ہمارا ایک منگول سپاہی سو مسلمانوں کو قیدی بنا کر لا سکتا ہے۔"

ارخان نے جواب دیا "لیکن جو مسلمان جلال الدین خوارزم شاہ کے ساتھ ہم سے لڑ رہے ہیں وہ ہم سے جنگ نہیں کر رہے ہیں بلکہ وہ ہمارے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔"

چنگیز خان پہلے بھی لفظ جہاد سن چکا تھا اور وہ لفظ جہاد کا اصل مفہوم جاننا چاہتا تھا اس لئے اس نے ایک مسلمان عالم کو طلب کیا اور اس سے جہاد کا مفہوم دریافت کیا۔

عالم نے چنگیز خان کو سمجھایا "ہم مسلمانوں میں جہاد اس جنگ کو کہتے ہیں جو اللہ کے لئے لڑی جائے اور جو جنگ اللہ کے لئے لڑی جاتی ہے اس میں مسلمان اپنی جان کی پروا نہیں کرتا اور موت سے نہیں ڈرتا کیونکہ جہاد میں اگر مسلمان قتل ہو جائے تو شہید کہلاتا ہے اور اس کا مقام جنت ہوتا ہے۔ شہید کو زندہ جاوید کہا جاتا ہے کیونکہ وہ کبھی نہیں مرتا اور اگر اس جنگ میں مسلمان کامیاب ہوتا ہے تو غازی کہلاتا ہے اسی لئے جہاد مسلمانوں کو موت کے خوف سے بے نیاز کر دیتا ہے۔"

چنگیز خان نے حیرت سے پوچھا "لیکن ابھی تک مسلمانوں نے ہم سے جتنی جنگیں لڑی ہیں ان میں کہیں بھی لفظ جہاد نہیں استعمال کیا گیا۔ لیکن پھر یہ اچانک اس خوارزمی شہزادے کو کیا سوجھی جو ہمارے خلاف اس جنگ کو جہاد کہہ رہا ہے؟"

مسلمان عالم نے جواب دیا "جب تم لوگوں نے علاؤالدین خوارزم شاہ پر حملہ کیا تھا تو وہ جنگ سلطان علاؤالدین کی حکومت کے خلاف تیری فوج کشی تھی اور وہ جنگ حکومت، سلطنت، زمین اور خزانے کے لئے لڑی جا رہی تھی۔ لیکن اس وقت خوارزمی شہزادے کے پاس نہ تو حکومت ہے، نہ کوئی سلطنت، نہ کوئی زمین اور نہ کوئی خزانہ۔ جلال الدین خوارزم شاہ نے مسلمانوں کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ تم لوگ یہاں اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے آئے ہو اس لئے خوارزمی شہزادے نے اس جنگ کو جہاد قرار دے دیا ہے۔"

چنگیز خان کو احساس ہوا کہ واقعی پچھلی جنگوں کے مقابلے میں اس جنگ میں حصہ لینے والے مسلمانوں کے جذبات اور حوصلے کچھ اور ہی ہیں پھر بھی چنگیز خان نے مسلمان عالم کو خوف زدہ کرنے کے لئے کہا "میں تمہارے اللہ کا عذاب اور قہر ہوں۔ تم خود بھی یہی کہتے ہو اس لئے اللہ کے قہر اور عذاب کا تمہارا جہاد کس طرح مقابلہ کرے گا؟"

مسلمان عالم نے جواب دیا "ابھی تک تم لوگ اللہ کا قہر بھی تھے اور عذاب بھی لیکن جیسے ہی جہاد کا آغاز ہو گا تو اللہ کا قہر اور عذاب ٹل جائے گا اور حق و باطل میں معرکہ آرائی شروع ہو جائے گی۔"

چنگیز خان اس جہاد کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتا تھا۔ اس نے پوچھا "مسلمانوں کی فوجی قوت ریزہ ریزہ کر دی گئی ہے۔ مزید اسلامی فوج کہاں سے آئے گی جو مجھ سے جہاد کرے گی؟"

عالم نے جواب دیا "جہاد میں حصہ لینے کے لئے مسلمان کے لئے سپاہی ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس میں ہر مسلمان حصہ لے سکتا ہے گویا پوری اسلامی دنیا مجاہدین کے جہاد میں حصہ لے سکتی ہے۔"

چنگیز خان کے لئے یہ بڑے فکریہ لمحات تھے۔ اس کے کئی نامی گرامی ارخان مر چکے تھے اور منگول سپاہی بھی جنگوں میں ضائع ہو چکے تھے۔ کچھ وباؤں کا شکار ہو کر مر گئے تھے۔ اس کے سپاہیوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی فوجی قوت کئی جگہ تقسیم بھی ہو گئی تھی کچھ سوبدائی بہادر کے ساتھ چلی گئی تھی کچھ جوجی خان اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ کچھ چغتائی خان اور تولی خان کے تصرف میں تھی۔ بقیہ فوج چنگیز خان کے ساتھ تھی۔ ان حالات میں اگر بغدادی خلیفہ جہاد کا اعلان کر دیتا تو اس کے مقابلے میں لاکھوں مسلمان آ سکتے تھے اور اس نے اب تک یہاں جو کچھ حاصل کیا تھا وہ سب کچھ اس سے چھن سکتا تھا اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ جلال الدین خوارزم شاہ سے اس کی آخری جنگ ہو گی اور اس کے بعد وہ یہاں سے واپس چلا جائے گا اور کئی سالوں میں اسے یہاں سے جو کچھ مل گیا تھا، یہی اس کے لئے غنیمت تھا۔

جہاد کا یہ معمولی سا کرشمہ اسے نظر آ گیا تھا کہ جلال الدین خوارزم شاہ نے ناقابل شکست منگولوں کو شکست دے دی تھی۔

اب چنگیز خان نے یہ حکم دیا کہ جن قلعوں اور شہروں کو فتح کیا جائے وہاں ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے تاکہ اس کے مفتوحہ علاقے سے ایک مسلمان بھی جہاد کرنے کے لئے زندہ نہ رہے۔ اس نے کھڑی فصلوں کو جلا دینے اور تباہ و برباد کر دینے کا حکم دیا تاکہ آس پاس کے زندہ بچ جانے والے مسلمان فاقوں سے مر جائیں۔

چنگیز خان کو بامیان شہر کے مسلح مسلمان شہریوں پر اس لئے غصہ آ رہا تھا کہ اگر وہ اس شہر کو فتح کئے بغیر ہی جلال الدین خوارزم شاہ کی تلاش میں نکل جاتا تو یہ مسلح شہری اس پر عقب سے حملہ آور

ہوسکتے تھے۔
بامیان شہر کی سختی سے ناکا بندی کردی گئی لیکن چنگیز خان کو بہت جلد یہ معلوم ہوگیا کہ بامیان شہر کے جنگجو نہایت دانش مندی اور منصوبہ بندی سے اس کے مقابلے پر آئے ہیں۔ یہاں چنگیز خان کو دور دور تک پتھر بھی نہیں ملے جنہیں وہ منجنیقوں میں استعمال کرتا۔ مسلمانوں نے اس علاقے کو پتھروں سے پاک کردیا تھا۔ چراگاہیں اور فصلیں بھی برباد کردی گئی تھیں تاکہ چنگیز خان کے مویشی اپنا پیٹ نہ بھر سکیں۔

مسلمانوں کو معلوم تھا کہ منگول فصیلوں پر چڑھنے کے لئے لکڑی کے برج اور سیڑھیاں استعمال کرتے ہیں۔ ان برجوں اور سیڑھیوں کے لئے روغنِ نفت استعمال کیا گیا۔ مسلمان ... فصیلوں پر سے روغنِ نفت سے جلتے ہوئے تیروں کی بوچھاڑ کردیتے جن سے لکڑی کی سیڑھیوں اور برجوں میں آگ لگ جاتی۔ چنگیز خان نے اس کا توڑ یہ نکالا کہ بہت سے مویشیوں کو ذبح کروایا گیا اور ان کی خون اور پانی میں بھیگی ہوئی کھالیں برجوں اور سیڑھیوں پر منڈھ دی گئیں۔

اب دوسری طرف سے مسلمانوں کے شعلوں کی شکل میں لپکتے ہوئے تیر منگولوں کی طرف آتے تو خون اور پانی کی نمی میں بجھ بجھ جاتے پھر بھی مسلمانوں نے منگولوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا لیکن منگولوں کو یہ زعم اور نشہ تھا کہ ان کی کمان چنگیز خان کے ہاتھ میں ہے اس لئے انہیں شکست نہیں ہوسکتی۔ وہ جان کی پروا کئے بغیر فصیل کے نیچے پہنچ گئے اور پھر سیڑھیوں اور برجوں کے ذریعے اوپر چڑھنے لگے۔

چنگیز خان اپنے ایک پوتے کے ساتھ فصیل کے نیچے پہنچ چکا تھا۔ وہ فصیل کا مرکزی دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوجانے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کا پوتا اپنے دادا کے دل میں جگہ بنانے کے لئے سب سے پہلے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کررہا تھا کہ اچانک اوپر سے ایک پتھر آیا اور چنگیز خان کے پوتے کو کچلتا اور کئی سپاہیوں کو زخمی کرتا ہوا خندق میں جاگرا۔ چنگیز خان کا پوتا موقع پر ہی ہلاک ہوگیا۔ چنگیز خان اپنے پوتے سے بڑی محبت کرتا تھا۔ کچھ دیر تو اسے یقین ہی نہ آیا کہ اس کا پوتا مرچکا ہے مگر یہ حقیقت تھی کہ پوتا مرچکا تھا۔ چنگیز خان نے حکم دیا کہ پوتے کی کچلی ہوئی لاش اس کے خیمے میں پہنچادی جائے۔

لاش خیمے میں پہنچادی گئی اور چنگیز خان نے حالتِ غیظ و غضب میں حکم دیا کہ اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے جب تک فتح نہ حاصل ہوجائے۔

اب خوف ناک حملے کا آغاز ہوچکا تھا اور منگول ہر قیمت پر بامیان شہر میں داخل ہونے کی کوشش کررہے تھے۔ وہ فصیل میں شگاف ڈالنے میں کامیاب ہوگئے اور اس شگاف کو بہت جلد اتنا بڑا کردیا گیا کہ منگول اس سے شہر میں داخل ہوگئے۔

اب مسلمانوں کی ان سے دوبدو جنگ شروع ہوچکی تھی۔
اس دوران منگولوں کی شکست خوردہ فوج کا وہ حصہ جو جلال الدین خوارزم شاہ کی نگرانی کررہا تھا وہ بھی یہاں پہنچ گیا اور اس نے چنگیز خان کو یہ خوش خبری سنائی کہ جلال الدین خوارزم شاہ کی فوج کے افغانی ترک سرداروں سے لڑجھگڑ کر الگ ہوگئے ہیں اور اب خوارزمی شہزادے کے پاس کل تیس ہزار ترک باقی رہ گئے ہیں۔

یہ خبریں کسی طرح بامیان گھرے مسلمان جنگجوؤں کو پہنچادی گئیں جن سے ان کے حوصلے پست ہوگئے اور وہ پیچھے ہٹنے لگے۔
منگولوں نے اس پسپائی سے پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی جارحانہ کارروائی شروع کردی۔ مکانوں اور عمارتوں کو آگ لگانا، منجنیقوں سے مسجدوں کو نشانہ بنانا اور نہایت بے رحمی سے قتلِ عام کرنا شروع کردیا گیا۔

اب جلال الدین خوارزم شاہ بھی آپس کی نااتفاقیوں کا شکار ہوکر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ بامیان شہر منگولوں کے لئے سنگِ راہ تھا اور جب اس پتھر کو راستے سے ہٹادیا گیا اور تیس ہزار افغانوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تو جلال الدین خوارزم شاہ کے پاس پیچھے ہٹنے اور مزید فوج مہیا کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ تیس ہزار ترکوں کی مدد سے اسّی ہزار منگولوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔

مشرق میں ہندوستان تھا جہاں ترک فرماں روا حکومت کررہا تھا اور جلال الدین خوارزم شاہ کو یقین تھا کہ ہندوستان کا مسلمان بادشاہ اس کی مدد ضرور کرے گا اور وہ منگولوں کو شکست دے سکے گا۔ وہ تیزی سے مڑا اور دریائے سندھ کے کنارے پہنچ گیا۔ یہ پہاڑی مقام بامیان سے پانچ دن کی مسافت پر تھا اور خوارزمی شہزادے کے اندازوں کے مطابق وہ اس فاصلے سے فائدہ اٹھا کے دہلی پہنچ سکتا تھا لیکن وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ چنگیز خان اس سے صرف ایک دن کی مسافت کے فاصلے تک پہنچ چکا تھا۔
چنگیز خان نے بامیان شہر کو اس کے حال پر چھوڑا اور جلال الدین خوارزم شاہ کا پیچھا کرتا ہوا اس کے سر پر پہنچ گیا کہ اس کی پوری کوشش یہ تھی کہ جلال الدین خوارزم شاہ دہلی تک نہ پہنچے۔
ایک پہاڑی کے نیچے تمام میدانی راستے بند کردیے گئے۔ ان راستوں پر منگول پہرا دے رہے تھے اور اب یہ دونوں حریف جس جگہ آمنے سامنے کھڑے تھے وہاں صرف ایک راستہ جلال الدین خوارزم شاہ کے لئے اب بھی کھلا ہوا تھا۔ اگر خوارزمی شہزادہ راہِ فرار اختیار کرتا اور مشرق کی سمت اپنا گھوڑا دوڑاتا رہتا تو وہ ایک ایسی چٹان پر پہنچ جاتا جہاں یہ راستہ ختم ہوجاتا تھا۔ اس چٹان کے بیس فٹ نیچے دریائے سندھ بہہ رہا تھا۔ جلال الدین خوارزم شاہ بھی اس محلِ وقوع سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب تک چنگیز خان یہاں نہیں پہنچا تھا، دریائے سندھ کے کنارے کشتیاں موجود تھیں

اور یہ ساحلی حصہ بھی جلال الدین خوارزم شاہ کے قبضے میں تھا اور ترک ان کشتیوں کو پُرامید نظروں سے دیکھتے رہتے تھے۔ ان سب کا یہی خیال تھا کہ اس نازک گھڑی میں جلال الدین خوارزم شاہ ان سب کو بچا کر نکال لے جائے گا لیکن جلال الدین خوارزم شاہ نے جب یہ دیکھا کہ چنگیز خان اس کے سر پر پہنچ ہی چکا ہے اور اس کے ساتھی کشتیوں کی موجودگی کی وجہ سے جنگ کے بجائے راہِ فرار اختیار کرنے کو ترجیح دے رہے ہیں تو اس نے کشتیوں کو جلوا ڈالا اور اپنے ساتھیوں سے کہا "اب ہمارے سامنے دو مطلوب ہیں۔ کامل فتح یا مکمل بربادی۔"

دونوں فریق ایک دوسرے کی طاقت اور کمزوری سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنگیز خان جانتا تھا کہ جلال الدین خوارزم شاہ کا دایاں بازو زیادہ طاقتور ہے جب کہ جلال الدین خوارزم شاہ یہ جانتا تھا کہ چنگیز خان ہمیشہ قلب میں رہتا ہے اور یہ منگولوں کا سب سے زیادہ طاقتور حصہ کہلاتا ہے۔

چنگیز خان نے اپنے ایک ارخان بلانویان کو کئی ہزار منگول دے کر جلال الدین خوارزم شاہ کے بائیں بازو کے عقب میں بھیج دیا کیونکہ اس کا اندازہ تھا کہ جب جلال الدین خوارزم شاہ کے میسرے پر سامنے اور پیچھے سے دباؤ پڑے گا تو وہ اپنے قلب کی طرف بھاگے گا اور میمنہ قلب کے انتشار سے متاثر ہوگا اور اس حالت میں جب سامنے سے چنگیز خان کا بایاں بازو حملہ آور ہوگا تو خوارزمی شہزادے کا طاقتور بازو کمزور پڑ جائے گا۔

جلال الدین خوارزم شاہ یہ جانتا تھا کہ چنگیز خان ہمیشہ قلب میں ہوتا ہے اور یہ اس کا سب سے زیادہ طاقتور حصہ کہلاتا ہے۔ اگر کسی طرح چنگیز خان کو قتل کردیا جائے تو منگول ہمت ہار جائیں گے اور انہیں شکست دینا آسان ہو جائے گا۔

چنانچہ آمنے سامنے فوجیں کھڑی ہوگئیں اور پھر جیسے ہی خوارزمی شہزادے کی نظر چنگیز خان کے قلب پر گئی تو اس کی نظریں چنگیز خان کو تلاش کرنے لگیں۔ وہ دور سامنے دکھائی دے رہا تھا اور یہ چنگیز خان خوارزمی شہزادے کا پہلا اور آخری ہدف تھا جبکہ چنگیز خان سمیت کوئی بھی منگول یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی بھی شکست خوردہ مسلمان چنگیز خان کی طرف نظر اٹھانے کی بھی ہمت کر سکتا ہے۔

منگول ارخان بلانویان انتہائی لمبا چکر کاٹ کے ترکوں کے بائیں بازو کے پیچھے پہنچ گیا اور پھر جیسے ہی نقارے پر چوٹ پڑی اور جنگ کا اعلان ہوا، جلال الدین خوارزم شاہ اپنے گھوڑے کو بھگاتا ہوا منگولوں کے قلب میں داخل ہوگیا اور جاتے ہی چنگیز خان پر بھرپور وار کردیا۔ چنگیز خان اس سے پہلے ہی اپنے گھوڑے سے کود کر دوسرے گھوڑے پر سوار ہوگیا اور قلب میں کہیں غائب ہوگیا۔ چنگیز خان کا گھوڑا مارا گیا۔

چنگیز خان کی زندگی میں پہلی بار کسی نے اس پر براہِ راست حملے کی ہمت کی تھی۔

اس حملے نے چنگیز خان کے دل پر خوارزمی شہزادے کی جرأت اور بہادری کا نقش قائم کردیا۔ اس نے ابھی تک شہزادے کے بارے میں صرف سنا تھا اب اس کی تصدیق بھی ہوگئی تھی۔

جلال الدین خوارزم شاہ چنگیز خان کے بجائے اس کے گھوڑے کا کام تمام کرکے اپنی جگہ واپس چلا گیا۔

اب شہزادے کا بایاں بازو کمزور پڑنے لگا کیونکہ اس پر آگے اور پیچھے سے ایک ساتھ حملہ ہوگیا تھا اور یہ کمزور حصہ خوارزمی شہزادے کے قلب کی طرف پسپا ہوا۔ قلب نے میمنے کی طرف ہٹنا شروع کردیا جس سے شہزادے کا میمنہ بھی خاصا متاثر ہوا۔

دوپہر تک جلال الدین خوارزم شاہ کی فوج کا ہر حصہ بری طرح متاثر ہو چکا تھا۔

چنگیز خان اپنی تدبیروں میں کامیاب ہو چکا تھا اور اس افراتفری میں منگولوں نے ترکوں کا اس حد تک صفایا کردیا کہ جلال الدین خوارزم شاہ کے آس پاس کل سات سو سپاہی زندہ بچے۔ اس بساطِ جنگ پر خوارزمی شہزادے کو شکست ہوئی اور چنگیز خان کامیاب ہوا تھا۔ اس نے اس حال میں خوارزمی شہزادے کو پیغام بھیجا "ہم نے تجھے تین اطراف سے گھیر لیا ہے چوتھی سمت چٹان کے بیس فٹ نیچے دریائے سندھ بہہ رہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تو خود کو میرے حوالے کردے۔ میں تیری قدر کروں گا، تیری خوش تدبیری اور بہادری کی داد دوں گا۔"

خوارزمی شہزادے نے چنگیز خان کو یاد دلایا "تو جھوٹا ہے کیونکہ جن مسلمان قلعے داروں نے تجھ پر بھروسا کیا اور اپنے شہر اور قلعے کی کنجیاں تیرے حوالے کردیں، تو نے اپنے وعدے کا پاس کئے بغیر ان کو قتل کروادیا پھر میں تجھ پر کس طرح بھروسا کرسکتا ہوں۔"

چنگیز خان نے جواب میں کہلوایا "شہزادے! جان بچانے کے سارے راستے بند ہو چکے ہیں۔ پہاڑی چٹان کا آخری حصہ تجھے کوئی پناہ نہیں دے سکتا کیونکہ اس کے نیچے دریائے سندھ بہہ رہا ہے اور یہ دریا تجھے پناہ دینے سے رہا۔"

جلال الدین خوارزم شاہ نے کہا "ہمتِ مردانہ مجھے راستہ دے گی اور میں فوج اکٹھا کر کے ایک بار پھر تیرے مقابلے پر آؤں گا۔ جس طرح تو میرے باپ علاؤالدین خوارزم شاہ کو گرفتار نہیں کرسکا اسی طرح تو مجھے بھی کبھی نہیں پکڑ سکے گا۔"

یہ کہتے ہوئے جلال الدین خوارزم شاہ نے گھوڑے سمیت دریائے سندھ میں چھلانگ لگادی اور چنگیز خان کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ جلال الدین خوارزم شاہ کا گھوڑا تیرتا ہوا دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔

چنگیز خان اور اس کے ساتھی کچھ دیر کھڑے شہزادے کو گھوڑے پر سوار دوسرے کنارے کی طرف جاتے دیکھتے رہے۔ وہ سب حیرت زدہ تھے۔

چنگیز خان نے بے ساختہ تحسین و آفرین کے چند الفاظ ادا کئے۔
"وہ باپ خوش قسمت ہے۔ جس کا بیٹا اتنا بہادر ہے۔"

جس ارخان بلانویان نے خوارزمی شہزادے کے بائیں بازو پر عقب سے حملہ کیا تھا اس نے چنگیز خان سے اجازت طلب کی کہ دریائے سندھ کو پار کر کے شہزادے کا پیچھا کیا جائے۔

لیکن جب دریا کے اس پار پہنچ کے شہزادے کو تلاش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ شہزادہ غائب ہو چکا ہے۔ چنگیز خان کا خیال تھا کہ وہ کسی قافلے میں شامل ہو کے نکل گیا۔

چنگیز خان نے ملتان سے لاہور تک تباہی مچا دی لیکن بہت جلد اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ اگر وہ سطح مرتفع کے اس گرم علاقے میں کچھ عرصے رہ گئے تو ہندوستانی فوج انہیں شکست دے یا نہ دے مگر یہاں کا گرم موسم انہیں ضرور شکست دے دے گا۔

بلانویان نے یہاں کی گرمی سے عاجز آکر عرض کیا "خان! یہاں سے جلد از جلد نکل چلیں کیونکہ یہاں کی گرمی انسانوں کو ہلاک کر دیتی ہے اور یہاں کا پانی بھی نہ تو تازہ ہے اور نہ صاف۔"

چنگیز خان بھی اس حقیقت سے واقف تھا مگر وہ مزاحمت کے تمام ممکنہ کرداروں کو ختم کر دینے کا قائل تھا اور جب تک یہ خوارزمی شہزادہ زندہ تھا، چنگیز خان کے لئے جنگ ناگزیر تھی۔ یہاں اسے یہ خطرہ بھی درپیش تھا کہ اگر وہ اپنی فوج کے ساتھ دہلی کی طرف بڑھا تو اس کا عقب غیر محفوظ ہے اور شمال سے جنوب تک کا ایک وسیع علاقہ اس کے دشمنوں کے لئے بہترین میدان قرار پائے گا اور وہ خود اپنے ایرانی اور ماوراالنہری منگول دستوں سے کٹ جائے گا۔ مستقبل کا کوئی پتا نہ تھا کہ دہلی میں اسے کتنی بڑی فوج کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور اس دوران اگر یہاں کے گرم موسم نے اس کی فوج پر اثر انداز ہونا شروع کر دیا اور اس کے سپاہی کسی مقامی وبائی مرض میں مبتلا ہو کر مرنے لگے تو اس کی یہاں سے واپسی ناممکن ہو جائے گی اور اس نے اب تک یہاں جو کچھ حاصل کیا تھا اس کی تباہی کے بعد اس کا برقرار رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ شیرازہ بکھر جائے گا اور اس کے جو بیٹے ابھی تک اس کی وجہ سے متحد تھے اس کے بعد آپس میں برسرپیکار ہو جائیں گے اور پھر پتا نہیں ان میں سے کسی کو اپنے وطن واپس جانا نصیب بھی ہو گا یا نہیں۔

یہ فکریں تھیں جو اسے دہلی کی طرف جانے سے روک رہی تھیں۔

دوسرے یہ کہ اس نے دریائے سیحون کے مخرج پر تمام سرداروں اور بیٹوں کو جمع ہو جانے کا حکم دے دیا تھا اور وہاں لوگ پہنچنے لگیں گے۔

یہ قرولتائی اس لئے بہت ضروری تھی کہ اس میں وہ اپنی حکومت کو اپنی اولاد میں تقسیم کر دینا چاہتا تھا اور اپنے بیٹے اوغدائی خان کو اپنا جانشین مقرر کر دینا چاہتا تھا۔ وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا ورنہ اس کے سامنے اس کے اپنے مفتوحہ علاقوں کی جغرافیائی حدود کی تفصیلات تھیں۔ یہ کام وہ چینی ماہر جغرافیہ داں، مسلم علما اور لیوچت سائی کی مدد سے انجام دینا چاہتا تھا۔

ہندوستان میں رہتے ہوئے اسے یہ احساس ہوا کہ یہاں مسلمان متحد ہو کے اس کی واپسی کا راستہ روک سکتے ہیں۔ اس کے لئے اس نے دہشت گردی کا سہارا لیا۔ وہ جدھر سے گزرا اپنے پیچھے جلتے ہوئے شہروں اور لاشوں کا انبار چھوڑتا گیا اور یہ علامتیں اس کے دشمنوں کا حوصلہ پست کر دینے کے لئے کافی تھیں۔

لیکن اپنی اس اندرونی ٹوٹ پھوٹ اور خلفشار کا اظہار اس نے اپنے کسی ارخان یا کسی سردار پر نہیں کیا۔

واپس جاتے ہوئے اس نے ارخانوں کو بتایا "ہم یہاں کی گرمی میں ست پڑ جائیں گے جس سے ہماری یورش و یلغار کی صلاحیتیں متاثر ہوں گی اور مقامی مسلمان جو یہاں کے موسم کے عادی ہیں، ہمیں تنگ کرنا شروع کر دیں گے۔ اس کے علاوہ ہم نے سالوں سے اپنے وطن کو بھی نہیں دیکھا۔ وہ ہمارا انتظار کر رہا ہو گا۔

وہ مسلمان قیدی جنہیں صحت مند اور توانا ہونے کی وجہ سے اپنی جنگی ضروریات کے پیش نظر زندہ رکھ چھوڑا ہے وہ بھی بیکار ہم پر بوجھ بنے ہوئے ہیں اور ہمیں ان کے پیٹ بھرنے کے لئے اپنا اناج ضائع کرنا پڑ رہا ہے۔ اب ان کا قصہ بھی ختم ہونا چاہئے۔"

واپسی میں اس نے پشاور تک تباہ کاری مچا دی۔

اس کے ارخانوں کو واپسی میں یہ حیرت ضرور تھی کہ چنگیز خان اپنی طبیعت کے خلاف اپنے بہت بڑے دشمن جلال الدین خوارزم شاہ کو زندہ چھوڑ کے واپس جا رہا تھا اور انہیں چنگیز خان کی کسی بات سے یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ اب اس پر بڑھاپا پوری شدت سے وارد ہوتا جا رہا تھا۔ یہ بڑھاپا اس کی قوت اور اس کی توانائی کو اس حد تک چاٹ چکا تھا کہ اب اس کی سوچ بھی اس کا شکار ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے وہ فولادی اعصاب جو برفانی طوفانوں کا مقابلہ کر سکتے تھے اب گرمی میں برف کی طرح پگھلنے لگے تھے۔ اس کا حافظہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ رہا تھا۔ پہلے وہ اپنے ارخانوں اور دوسرے فوجی سرداروں کی شکلوں کو دیکھتے ہی ان کے ناموں سے پہچان لیتا تھا لیکن اب اسے انہیں پہچاننے میں دشواری پیش آتی تھی۔ اگر کسی کا نام ذہن میں ہوتا تھا تو اس کی شکل حافظے سے نکل جاتی تھی اور اگر کسی کا چہرہ سامنے ہوتا تو اس کا نام حافظے سے ماؤف ہو جاتا۔ یہ اندرونی خلفشار تھا جو اسے بہت پریشان کر رہا تھا۔

مجبوری اور مجبوری سے زیادہ گھٹن اس بات کی تھی کہ وہ اپنی اس کیفیت کا اظہار کسی کے سامنے نہیں کر سکتا تھا۔

واپسی میں جب وہ میدانی علاقوں سے گزر کے کوہستانی سلسلوں میں داخل ہوا تو ایک جگہ اس پر کسی سور نے حملہ کر دیا اور چنگیز خان اس کو مارنے کی جگہ اپنے بچاؤ کی فکر کرتا رہا۔ دوسرے منگولوں نے سور کا کام تمام کر دیا مگر چنگیز خان اتنا زخمی ہو چکا تھا کہ وہ اپنے مستقر پر پہنچنے کے بعد بھی تقریباً ساٹھ دن تک بستر پر پڑا رہا

اور بستر پر پڑے پڑے وہ اپنی جملہ اعصابی اور جسمانی کمزوریوں کا جائزہ بھی لیتا رہا۔ وہ اپنے دل میں اعتراف کر رہا تھا کہ اگر اس کی بینائی کمزور نہ ہوتی تو وہ سور کو اس کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی دیکھ لیتا اور اگر اس کے اعصاب میں پہلی جیسی قوت اور چستی ہوتی تو وہ خود ہی سور کا کام تمام کر دیتا۔

اب وہ اپنے بستر پر پڑے پڑے اپنی تباہ کاریوں اور خون ریزیوں کا جائزہ لیتا رہتا۔ اس نے یہ سب کچھ کیوں کیا اور اس نے جو کچھ کیا وہ صحیح تھا یا غلط۔ وہ اپنے آپ سے یہ سوال بھی کرتا رہتا کہ اس نے جو کچھ کیا ہے اسے کس طرح یاد رکھا جائے گا اور دنیا اس کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گی۔

طبیب اس کے لئے سب سے زیادہ اہم تھے جو اسے دوا کی صورت میں صحت و توانائی دیتے تھے۔

ابھی تک ہوتان شہر کا شانگ چو نہیں آیا تھا جو اسے بڑھاپے سے نجات دلا سکتا تھا۔ حالانکہ اسے یہ یقین نہیں تھا لیکن جو لوگ تاؤ مت کے اس مذہبی پیشوا سے واقف تھے ان کا دعویٰ تھا کہ شانگ چو خلاؤں کی ارواح سے باتیں کرتا ہے۔ اس کی آسمان تک رسائی ہے اور اسے معلوم ہے کہ بڑھاپے پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے حالانکہ جن لوگوں نے شانگ چو کے بارے میں یہ خبریں دی تھیں ان میں سے کسی ایک نے یہ بھی بتایا تھا کہ جب وہ ہوتان شہر میں شانگ چو سے ملا تھا تو وہ بوڑھا تھا اور چنگیز خان یہ سوچ سوچ کر حیران ہو رہا تھا کہ اگر شانگ چو کے پاس کوئی ایسا نسخہ ہے جو بڑھاپے کو جوانی میں تبدیل کر سکتا ہے تو وہ خود کیوں بوڑھا ہوا۔

اب اسے تنہائی سے وحشت ہونے لگی تھی مگر ہر وقت اس کے پاس کوئی رہ بھی نہیں سکتا تھا۔

کبھی کبھی جب اس کی مزاج پرسی کے لئے لوگ آتے تو ان میں بعض مسلمان علما بھی شامل ہوتے۔ بظاہر یہ عالم چنگیز خان کے پاس مشوروں کے لئے رکھے گئے تھے لیکن حقیقتاً یہ مبلغ تھے جو بالواسطہ طور پر منگولوں میں اسلام پھیلا رہے تھے۔

نسطوری پادری بھی یہی کام کر رہے تھے اور چین اور تبت کے بودھ مت کے پیرو بھی یہی کام انجام دے رہے تھے۔

چنگیز خان فرصت کے اوقات میں ان سب سے مختلف قسم کے سوالات کرتا رہتا تھا۔ اس کو سب سے زیادہ بودھ مذہب اور عیسائیت سے نفرت تھی کیونکہ یہ لوگ آدمی کی جرات اور شجاعت کے دشمن تھے۔ ان کی عدم تشدد کی تعلیم غیر فطری تھی۔ وہ ان دونوں سے پوچھتا رہتا تھا کہ اگر کوئی فاتح ان کے ملک میں داخل ہو تو کیا وہ اس سے جنگ کئے بغیر ہی اپنا ملک اس کے حوالے کر دیں گے؟

وہ خوب جانتا تھا کہ سودائی بہادر نے جن سیکی مملکتوں کو فتح کیا تھا وہاں ایک شہر بھی عدم تشدد کی تعلیم کے مطابق بطور تحفہ نہیں دیا گیا تھا۔ اسے ہر جگہ، ہر شہر اور ہر ملک میں ایک سخت جنگ لڑنا پڑی تھی۔ اسے اوائل عمری سے اسلامی تعلیمات پسند تھیں۔ یہ لوگ جنگ کے مخالف نہیں تھے اور ان کا مذہب انہیں جنگ کی اجازت دیتا تھا۔ اسے مسلمانوں کی مرکزیت بھی پسند تھی۔ جس طرح دور دور تک پھیلے ہوئے منگول قراقرم اور دریائے کیرولان کی وادی کو اپنا مرکز سمجھتے تھے اور اسے چھوڑنے یا نظرانداز کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اسی طرح مسلمانوں کا مرکز مکہ اور کعبۃ اللہ تھا۔ دنیا بھر کے مسلمان اپنے اس مرکز سے روگردانی نہیں کر سکتے تھے۔

اس بستر علالت پر اسے مسلمانوں کا لفظ جہاد یاد آیا۔

اس کوہسار میں جس کی وسعت سات میل بتائی جاتی ہے لوگوں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔

چنگیز خان کا خیمہ سفید نمدے کا تھا۔ اس کے عقب میں شامیانے لگائے گئے۔ یہاں جو طویل و عریض خیمہ تیار کیا گیا تھا اس کے نیچے دو ہزار آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ چنگیز خان کے خیمے کے سامنے ایک چبوترا تیار کیا گیا تھا۔ اس چبوترے کے درمیان میں چنگیز خان کا اپنا پرچم نصب تھا۔ اس بلند و بالا بانس کے اوپری سرے پر یاک کی نو دُمیں لٹک رہی تھیں۔ چبوترے کے چاروں طرف جو پرچم نصب تھے وہ مفتوحہ قوموں اور حکومتوں کے پرچم تھے جن کو دیکھ اور گن کر یہ بتایا جا سکتا تھا کہ چنگیز خان نے کتنے ملکوں اور قوموں کو شکست دی ہے۔

جب کوئی کسی دور دراز علاقے سے یہاں پہنچتا تو اس کی اطلاع چنگیز خان کو کر دی جاتی۔ آنے والا خود بھی حاضری دیتا اور اپنے تحائف کی تفصیل بتاتا۔

مقولی خان ابھی تک نہیں پہنچا تھا لیکن جب اس کا نائب قیمتی تحائف سے لدا پھندا یہاں پہنچا تو چنگیز خان کو ایک نئے صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ نائب کے بقول مقولی خان سخت بیمار تھا اور اپنی اسی بیماری کی وجہ سے وہ قوریلتائی میں شریک نہیں ہو سکا تھا۔ یہ بری خبر بھی سننے میں آئی کہ مقولی خان کی بیماری کی وجہ سے چین کے مفتوحہ علاقوں پر منگولوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی ہے اور چینی کسی نہ کسی طرح منگولوں کی حکومت کا جوا اتار پھینکنا چاہتے ہیں۔

چین سے آنے والوں کا لباس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ریشمی استروں کے اندر روئی بھرے ہوئے موٹے موٹے اور پھولے پھولے لباس پہنے ہوئے تھے، سروں پر اونچی اونچی قدیم وضع کی چینی ٹوپیاں تھیں۔ انہیں اس وضع میں چنگیز خان نے دیکھا تو اسے کچھ اور تکلیف پہنچی کہ اس کے منگول بہت جلد اپنی وضع قطع ترک کر کے چینیوں کے رنگ میں رنگ گئے تھے۔

تبت سے بھی یہاں کچھ لوگ پہنچے تھے۔ شاید ان کو گھڑ سواری نہیں آتی تھی۔ ان کی گاڑیوں کو یاک کھینچ رہے تھے جو بیل کی قسم سے تعلق رکھتے تھے اور یہ تبت کے سوا کہیں اور نہیں پائے جاتے تھے۔

خراسان سے تولی خان بھی پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ بڑی نادر اشیا تھیں اور گھوڑوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ انہیں رکھنے کے لئے ایک دوسری جگہ تلاش کی گئی۔

چغتائی خان بھی جنوبی روس کے سرد علاقوں سے یہاں پہنچا۔ اس کے پاس بھی دشمنوں سے چھینا ہوا بہت سارا مال و اسباب تھا اور یہ بھی اپنے ساتھ بہت سے گھوڑے لایا تھا۔

جو شخص جوجی خان کے پاس بھیجا گیا تھا وہ دریائے والگا کے کنارے سے تھا واپس آگیا اور چنگیز خان کو خبر دی کہ جوجی خان بیماری کی وجہ سے اس قرولتائی میں شریک نہیں ہو سکے گا۔

چنگیز خان انکار سننے کا عادی نہ تھا اور اسے یہ یقین نہیں تھا کہ جوجی خان واقعی بیمار ہے۔ اس نے دریائے والگا کے کنارے سے واپس آنے والے قاصد سے پوچھا "جوجی خان کو کون سی بیماری لاحق ہو گئی اور جب تو وہاں سے واپس چلا تو جوجی خان کیا کر رہا تھا؟"

قاصد نے جواب دیا "یہ بات مجھے جوجی خان نے خود بتائی تھی کہ وہ بیمار ہے اور جب وہ مجھے یہ بتا رہا تھا اسی وقت وہ شکار کھیلنے بھی جا رہا تھا۔"

یہ انکشاف بہت خطرناک تھا جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ جوجی خان اس قرولتائی میں شریک نہیں ہونا چاہتا اور بیماری کا عذر صریحاً جھوٹ تھا۔

جسے بھی جوجی خان کے اس واقعے کا علم ہوا وہ لرزہ براندام ہو گیا۔ کیا چنگیز خان کی مفتوحہ حدود میں کوئی ایسا شخص بھی موجود ہے جو اس کا حکم نہ مانے جب کہ جوجی خان نے یہی کیا تھا اور بظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ فوراً ہی تولی خان یا چغتائی خان کو ایک عظیم لشکر دے کر جوجی خان کے پاس بھیج دیا جائے گا اور جوجی خان کو پابہ جولاں چنگیز خان کے روبرو پیش کر دیا جائے گا۔

لیکن چنگیز خان نے حیرت انگیز طور پر سکوت اختیار کیا اور اوغدائی خان سے پوچھا "یہ سوبدائی بہادر کہاں رہ گیا جو ابھی تک یہاں نہیں پہنچا؟"

چنگیز خان کو اس عالم میں بھی بڑھاپے کا احساس بہت تنگ کر رہا تھا اور اسے سب سے زیادہ ندامت کے شانگ چو کا انتظار تھا مگر اس کا ابھی تک کوئی پتا نہ تھا۔

وہ اوغدائی خان سے بار بار پوچھتا تھا "کیا شانگ چو یہاں نہ آنے کی ہمت کر سکتا ہے؟"

اوغدائی خان نے جواب دیا "اس کی مجال نہیں کہ وہ آنے سے انکار کر دے۔"

کچھ دیر بعد چنگیز خان نے لیوچت سائی کو بلوایا اور سبھی کو باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ جب تخلیہ ہو گیا تو چنگیز خان نے لیوچت سائی سے پوچھا "سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کا وہ تخت کہاں ہے جس پر وہ بیٹھ کر حکومت کیا کرتا تھا؟"

لیوچت سائی نے جواب دیا "اس شامیانے کے نیچے جہاں قرولتائی منعقد ہو گی۔ جس حصے کو آپ کے لئے مختص کیا گیا ہے وہاں شاہی تخت رکھ دیا گیا ہے۔ آپ اسی تخت پر بیٹھ کر قرولتائی سے خطاب کریں گے۔"

چنگیز خان نے پوچھا "اور اس کا تاج اور عصا کہاں ہیں؟"

لیوچت سائی نے جواب دیا "یہ دونوں چیزیں بھی اسی تخت پر رکھ دی گئی ہیں اور یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ تاج اور عصا استعمال کریں یا نہیں۔"

چنگیز خان، شانگ چو کا شکوہ کرنے لگا کہ وہ ابھی تک نہیں آیا تھا حالانکہ مقولی خان کے آدمی آ چکے تھے۔

لیوچت سائی نے جواب دیا "شانگ چو کا شہر ہونان مقولی خان سے بھی دور دراز علاقے میں ہے۔ شانگ چو کتنا ہی بڑا پیشوا کیوں نہ ہو جیسے ہی آپ کا حکم ملے گا' دوڑا چلا آئے گا۔"

اس وقت لیوچت سائی کو ایسا لگا جیسے وہ چنگیز خان کو بے بس سا محسوس کر رہا ہے۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ لیوچت سائی اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ چنگیز خان کوئی موضوع چھیڑے تو لیوچت سائی بات شروع کرے۔

کچھ دیر بعد چنگیز خان نے پوچھا "سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کی ماں گرفتار کر لی گئی تھی' اس وقت وہ بوڑھی عورت کہاں ہے؟"

لیوچت سائی نے جواب دیا "وہ زندہ ہے اور یہ طے کیا گیا ہے کہ قرولتائی میں اس کو رسیوں سے جکڑ کر آپ کے تخت کے سامنے بٹھا دیا جائے گا حالانکہ اس کے بڑھاپے اور اس کے غموں کے پیش نظر اسے کچھ رعایت ملنی چاہئے۔"

چنگیز خان نے کہا "میں تیری ہر بات نہیں مان سکتا۔ تو نے ایک بار مجھے یہ مشورہ دیا تھا کہ میں نے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر جن ملکوں کو فتح کیا ہے ان پر گھوڑے کی پشت سے حکومت نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے مجھے گھوڑے کی پشت سے اترنا پڑے گا لیکن میں نے تیری یہ بات نہیں مانی تھی۔"

لیوچت سائی نے اعتراف کیا "بے شک میں نے آپ کو یہ مشورہ دیا تھا اور میرا یہ مشورہ غلط نہیں تھا۔"

چنگیز خان نے کہا "فی الحال تو میں گھوڑے سے اتر چکا ہوں لیکن تیرے مشورے سے نہیں بلکہ میرا بڑھاپا مجھے پسپا کرتا جا رہا ہے۔ اگر میں گھوڑے پر بیٹھ کر اپنے دشمنوں اور نافرمانوں کی خبر لینا چاہوں تو مجھے یقین نہیں کہ میں صحیح سمت میں سفر کر بھی سکوں گا یا نہیں۔ گھوڑا میرے ہاتھوں کی جنبش پر چلتا ہے اور میرے ہاتھوں کی جنبش میری بینائی کی تابع ہے لیکن میں اپنی بینائی پر بھروسا نہیں کر سکتا اسی لئے میں اپنے مفتوحہ ملکوں کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں۔"

لیوچت سائی نے کہا "آپ نے اب تک جو کارنامے انجام دیے ہیں اگر آپ چاہیں تو اپنے اس رعب اور دبدبے کی ساکھ سے بہت کام لے سکتے ہیں۔"

چنگیز خان نے کہا "اس وقت میری مثال اس بوڑھے شیر جیسی ہے۔ جس کے دانت اور نکیلے ناخن جھڑ چکے ہیں۔ وہ ایک حد تک رعب اور دبدبے سے کام چلا سکتا ہے ہمیشہ نہیں۔"

اچانک چند نووارد چینی یہ خبر لے کر آئے کہ تاؤمت کے پیشوا شانگ چو کی سواری ایک کھڈ کے سامنے رک گئی ہے کیونکہ وہاں کوئی پل نہیں ہے اور کسی پل کے بغیر شانگ چو کی سواری اس کھڈ کو نہیں عبور کر سکتی۔

چنگیز خان بے چینی سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور تولی خان کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مذکورہ کھڈ پر فوراً ایک پل تعمیر کروائے اور شانگ چو کو نہایت عزت و احترام سے اس کے پاس لے آئے۔

نہایت ہنگامی بنیادوں پر پل کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا اور جب پل تیار ہو گیا تو شانگ چو اپنی گاڑی پر سوار ہو کر چنگیز خان کی خدمت میں پہنچ گیا۔

چنگیز خان نے بوڑھے شانگ چو کو دیکھا تو اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ اس نے سوچا' جب یہ شخص اپنے بڑھاپے کو نہیں دور کر سکا تو میرے بڑھاپے کا کیا علاج کرے گا۔

لیوچت سائی نے پوچھا "آخر تجھ کو یہاں پہنچنے میں اتنی دیر کیوں لگی؟"

شانگ چو نے جواب دیا "ایک تو بڑھاپا' دوسرے طویل مسافت' تیسرے ناہموار راستے پھر بھی میں بہت جلد یہاں پہنچا ہوں۔"

چنگیز خان نے پوچھا "تجھ کو میرے آدمیوں نے اچھے اچھے کھانے تو کھلائے ہوں گے؟"

شانگ چو نے اعتراف کیا "بہت اچھے اچھے کھانے کھلائے۔"

چنگیز خان نے پھر سوال کیا "میرے آدمیوں نے تجھ کو اچھے اچھے کپڑے بھی دیے ہوں گے؟"

شانگ چو نے اپنے کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ لباس جو میں نے پہن رکھا ہے تیرا ہی عطا کردہ ہے۔"

شانگ چو نے چنگیز خان سے پوچھا "مجھے تو تیرے بارے میں یہ بتایا گیا تھا کہ تو زیادہ تر گھوڑے کی پشت پر رہتا ہے لیکن میں تجھ کو آرام کرتے دیکھ رہا ہوں۔"

لیوچت سائی نے چنگیز خان کی طرف سے جواب دیا۔ "ہندوستان سے واپس آتے ہوئے ایک سور نے اچانک حملہ کر دیا اور اس کے دانت ایسے چبھے کہ زخم مندمل ہونے کا نام نہیں لیتے۔"

شانگ چو نے کہا "بڑھاپے میں زخم بھی جلدی مندمل نہیں ہوتے اور دوائیں بھی زیادہ کارگر نہیں ہوتیں۔"

چنگیز خان شانگ چو کی زبان سے بھی وہی باتیں سن رہا تھا جو عموماً دوسرے لوگ کرتے رہتے تھے۔

لیوچت سائی نے کہا "تاؤمت کے پیرووں نے تیرے بارے میں یہ مبالغہ آمیز باتیں مشہور کر رکھی ہیں کہ تو خلائی روحوں سے باتیں کر سکتا ہے اور انہی روحوں سے تجھے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ انسان کو بڑھاپے پر کس طرح قابو پانا چاہیے؟"

چنگیز خان کی پوری توجہ ان دونوں کی باتوں کی طرف تھی اور یہ باتیں اسے مایوس کرتی جا رہی تھیں۔

آخر بے چینی سے خود بھی بول اٹھا "اگر تجھ کو بڑھاپے پر قابو پانے کے راز معلوم ہوں تو انہیں فوراً ظاہر کر دے کیونکہ میں اپنے بڑھاپے سے عاجز آ چکا ہوں۔"

شانگ چو نے اعتراف کیا "بے شک! میرا خلائی ارواح سے تعلق ہے لیکن یہ ارواح فطرتاً آزادی پسند ہوتی ہیں۔ جب تک جسم طاقتور رہتا ہے یہ پوری شدت اور جوش و خروش سے سرگرم عمل رہتی ہیں لیکن جب عمل فرسودگی جسم کو چاٹ جاتا ہے تو جسم کے کمزور پنجرے سے روح نکلنے کے لئے بے قرار ہوتی ہے اور کسی بھی انسان نے آج تک بڑھاپے کا کوئی علاج نہیں دریافت کیا۔ انسانی دماغ روح کا تابع ہوتا ہے اور روح کی مثال قیدی جیسی ہوتی ہے۔ قیدی روح بوڑھے دماغ سے تعاون نہیں کرتی اور پھر جیسے ہی جسم کمزور ہو جاتا ہے تو روح اس قید خانے سے نکل بھاگتی ہے۔"

اگر چنگیز خان کو یہ معلوم ہوتا کہ شانگ چو بھی دوسرے علما کی طرح روایتی باتیں کرے گا اور اس کی باتوں سے بھی بے بسی ظاہر ہو گی تو وہ اس شخص کو کبھی بھی نہ بلواتا۔

چنگیز خان نے پوچھا "جب تک میں صحت مند اور طاقتور رہا مجھ پر کسی جانور نے کبھی کوئی حملہ نہیں کیا مگر بڑھاپے میں ایک سور نے مجھے اتنا زخمی کر دیا کہ ساٹھ دن سے زیادہ ہو گئے اور میں اب بھی اس لائق نہیں ہوں کہ گھڑسواری کروں۔"

شانگ چو نے مصلحت اندیشی اختیار کی اور جواب دیا "تو نے بلاوجہ قتل عام کر کے بہت سی روحوں کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ اگر تو بوگدو نہ ہوتا تو تیری دشمن روحیں سور کے ذریعے تیرا کام تمام کروا دیتیں۔"

چنگیز خان ہنسنے لگا اور شانگ چو کو اجازت دی کہ اس وقت چنگیز خان اس کی ہر بات سننے کے لئے تیار ہے۔

اسی دوران چنگیز خان کو اطلاع دی گئی کہ سوبدائی بہادر بھی آ چکا ہے اور اپنے ساتھ جوجی خان کو بھی لایا ہے۔

اس خبر نے چنگیز خان کو بہت خوش کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ سوبدائی بہادر اور جوجی خان کو اسی وقت اس کی خدمت میں پیش کیا جائے۔

یہ دونوں اپنے ساتھ مغربی ملکوں کی اسی لڑکیاں بھی لائے

تھے۔ یہ لڑکیاں بھی اسی وقت چنگیز خان کی خدمت میں پیش کر دی گئیں۔

شانگ چو رنگ برنگے لباسوں میں ملبوس ان لڑکیوں کو کراہت سے دیکھ رہا تھا۔

سوبدائی بہادر نے کہا "ان میں کی جو لڑکیاں خان کو پسند ہیں انہیں الگ کر لیا جائے اور بقیہ کو بیٹوں اور ارخانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔"

شانگ چو نے پوری توجہ چنگیز خان کی طرف لگا دی۔

چنگیز خان نے ایک ایک لڑکی کو اپنے پاس بلایا' انہیں غور سے دیکھا اور ساتھ ہی ان کے جسم بھی ٹٹولتا رہا اور آخر میں حکم دیا۔ "یہ ساری لڑکیاں میرے لئے رکھی جائیں۔"

ان لڑکیوں کو چنگیز خان کے ایک خیمے میں پہنچا دیا گیا۔

جوجی خان مجرموں کی طرح سر جھکائے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

سوبدائی بہادر نے کہا "جب میں واپس آ رہا تھا تو میں نے سوچا کہ جوجی خان کو بھی اپنے ساتھ لیتا چلوں اور اسے اپنے ساتھ لے آیا۔"

چنگیز خان نے کہا "ہر کوئی یہ جانتا ہے کہ میں حکم عدولی پسند نہیں کرتا اور جب قاصد نے یہ بتایا تھا کہ تو بیماری کی حالت میں شکار کھیلنے جا رہا تھا تو میں تجھ کو گرفتار کرنے کے لئے تولی خان کو بھیج سکتا تھا لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ میری زندگی ہی میں تم آپس میں لڑنے لگو۔"

جوجی خان نے سر جھکا دیا اور کہا "خان کو معلوم ہے کہ میرے تینوں بھائی مجھے اپنا بھائی نہیں مانتے اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی طرح مجھے بھی اولوس کا سردار مقرر کیا جائے حالانکہ میں خود کو ہمیشہ خان اور بورتے کا بیٹا سمجھتا رہا ہوں۔ جب ان تینوں کو اولوس کا سردار مقرر کر دیا جائے گا اور میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا تو وہ مجھ پر کیوں اعتراض کریں۔"

چنگیز خان کو بھی جوجی خان کے دکھ کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے جواب دیا "جب مجھے کوئی اعتراض نہیں تو میرے بیٹوں کو اعتراض کیوں ہو گا۔"

جوجی خان نے کہا "میں اوغدائی خان کو آپ کا جانشین تسلیم کرتا ہوں اس لئے مجھے قرولتائی میں شریک ہونے پر مجبور نہ کیا جائے۔"

کچھ دیر چنگیز خان جوجی خان کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا اور جب بات سمجھ میں آ گئی تو اس نے جوجی خان کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔

سوبدائی بہادر بھی چنگیز خان کے اس فیصلے سے متفق تھا۔ اس نے کہا "جب دل سے کسی حقیقت کو تسلیم نہ کیا جائے تو جوجی خان کا ان کی نظروں سے اوجھل رہنا ہی بہتر ہے۔"

جوجی خان چند روز اس وادی میں شکار کھیلتا رہا کیونکہ یہاں مرغابیوں کی کثرت تھی اور پھر کسی کو کچھ بتائے بغیر ہی دریائے والگا کے کنارے واپس چلا گیا۔

شانگ چو کی اب وہ اہمیت نہیں رہ گئی تھی مگر آہستہ آہستہ عالموں کی باتوں نے چنگیز خان کو فتح کر لیا تھا۔ شانگ چو کی باتوں نے بھی چنگیز خان کو متاثر کیا تھا اور اس نے شانگ چو کے بارے میں لیو چت سائی سے کہا تھا "اس کو عزت و احترام سے رکھا جائے گو کہ اس نے ہمیں کچھ بھی نہیں دیا لیکن دوسرے عالموں کی طرح باتیں کرنے کا ڈھنگ اسے بھی آتا ہے اس لئے اس کی توقیر ہونی چاہئے۔"

شانگ چو یہ باتیں سن رہا تھا۔ وہ چنگیز خان کو کسی طور ہزیمت تو نہیں دے سکتا تھا لیکن وہ ایسی باتیں ضرور کر سکتا تھا جن سے شانگ چو معلم اور چنگیز خان متعلم معلوم ہو۔

شانگ چو نے پوچھا "یہ رنگ برنگی جوان لڑکیوں کی فوج تیری کیا خدمت کرے گی؟"

چنگیز خان نے جواب دیا "یہ میری خدمت کے لئے نہیں بلکہ میری جنسی اور نفسانی بھوک مٹانے کے لئے لائی گئی ہیں۔"

شانگ چو نے نہایت دلیری سے جواب دیا "بستر پر تنہا لیٹنے کی عادت ڈال ورنہ یہ رنگ برنگی لڑکیاں دیمک کی طرح تیری رہی سہی طاقت بھی چاٹ جائیں گی۔ اگر تو کچھ دن اور زندہ رہنا چاہتا ہے تو لڑکیوں سے دوری اختیار کر۔"

چنگیز خان کو یہ نصیحتیں بری تو لگ رہی تھیں مگر یہ باتیں اس کی سمجھ میں آتی جا رہی تھیں کہ اس کی صحت اور توانائی کو انہی لڑکیوں نے ضائع کیا تھا۔ اب اس نے لیو چت سائی سے شکایت کی "عورتوں اور لڑکیوں کے حوالے سے شانگ چو جس قسم کی باتیں کر رہا ہے تو نے کبھی نہیں کیں آخر کیوں؟"

لیو چت سائی نے جواب دیا "معلوم باتوں کا ذکر کر کے میں اپنے لفظوں کی قدر و قیمت نہیں کھونا چاہتا۔ سچ بتائیں کیا یہ باتیں آپ کو نہیں معلوم تھیں؟"

چنگیز خان لاجواب ہو گیا اور حکم دیا "تولی خان کا بیٹا قبلائی خان ابھی صرف نو سال کا ہے۔ وہ بھی اچھی اچھی باتیں کر لیتا ہے۔ اس کو عالموں کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ بہت زیادہ عقلمند ہو جائے۔"

شانگ چو کو جب بھی موقع ملتا' اپنے تاؤ مت کی باتیں کرتا رہتا اور اسی سے چنگیز خان کو یہ معلوم ہوا کہ چینی زبان میں تاؤ راستے کو کہتے ہیں۔ تاؤ مت گویا ایک ایسا راستہ تھا جس پر چل کے انسان کامیاب اور سرخرو ہو سکتے تھے۔

لیکن چنگیز خان کو کسی بھی ایسے مذہب سے کوئی دلچسپی نہ تھی جو صرف باتوں کی حد تک محدود ہو۔ وہ زندگی بھر مسلسل اور مستقل حرکت میں رہا اس لئے اس کو وہی مذہب متاثر کر سکتا تھا جو

انسانوں کو مستقل متحرک رکھنے کا دعویدار ہو۔

تاؤمت میں ہتھیاروں کا بھی کوئی وجود نہ تھا اور یہ بات کہ یہ مذہب اپنے پیشوا کو آسمان تک پہنچا دیتا ہے اور خلائی ارواح سے ہمکلام کروا سکتا ہے تو اس کے خیال میں یہ ساری باتیں رسمی اور بے بنیاد تھیں۔

OOO

اب چنگیز خان کبھی تولی خان کو بلوا لیتا اور اس سے اس کی فتوحات کے قصے سنتا رہتا۔ کبھی چغتائی خان جنوبی روس کے سرد علاقوں کی داستانیں سناتا رہتا۔ اوغدائی خان کا کام یہ تھا کہ وہاں بیٹھ کے چنگیز خان کی طرح ان سب کی باتیں سنتا اور انہیں یہ بتاتا کہ کس نے کہاں پر کیا غلطی کی اور دراصل اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔ یہ چنگیز خان بنا ہوا تھا کیونکہ چنگیز خان نے اوغدائی خان کو اپنا جانشین قرار دیا تھا۔ ابھی قرولتائی کا انتظار باقی تھا اور اسی قرولتائی میں اوغدائی خان کی جانشینی کا اعلان ہونا تھا۔ ویسے سبھی یہ جانتے تھے کہ اوغدائی خان چنگیز خان کا جانشین ہے۔

اوغدائی خان نے شانگ چو کے بارے میں جب یہ سنا کہ یہ شخص فلک رسیدہ ہے اور خلائی ارواح سے باتیں کرتا ہے تو وہ بھی شانگ چو میں دلچسپی لینے لگا۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ شانگ چو کے پاس ایسے نسخے موجود ہیں جن کے استعمال سے انسان لمبی عمر حاصل کر سکتا ہے۔ اوغدائی خان کو امید پیدا ہو گئی کہ اس کا بوڑھا باپ چنگیز خان ابھی سالوں زندہ رہے گا اور شاید دوبارہ جوان ہو جائے۔

اوغدائی خان بھی شانگ چو کو اپنے یورت میں لے جاتا اور اس سے ان نسخوں کا مطالبہ کرتا جن کے اجزائے ترکیبی بوڑھے کو جوان بنا سکتے تھے۔

اس سلسلے میں شانگ چو کو جو کچھ کہنا تھا وہ چنگیز خان سے کہہ چکا تھا۔ شانگ چو لفظوں کی حرمت کا قائل تھا اور کہی ہوئی بات کو دوبارہ دہرانا پسند نہیں کرتا تھا۔ تاؤمت کا پیرو ہونے کے باوجود اسے کنفیوشس کا یہ قول بہت پسند تھا کہ ہمیشہ الفاظ کا صحیح استعمال کرو اور شانگ چو کا بھی یہی خیال تھا کہ جس دن انسان اپنے دل و دماغ سے لفظوں کے صحیح استعمال سے واقف ہو جائے گا اور اس پر عمل شروع کر دے گا تو اس دنیا کا نقشہ ہی بدل جائے گا۔

شانگ چو بہت زیادہ بولنے سے بھی پرہیز کرتا تھا۔ اس نے اوغدائی خان سے کہا "جب میں تیرے باپ سے بات کیا کروں تو تجھے وہاں موجود ہونا چاہئے تاکہ کہی ہوئی باتیں مجھے دوبارہ نہ کہنا پڑیں۔"

ان باتوں پر اوغدائی خان کو غصہ تو بہت آتا تھا مگر وہ یہ بات جانتا تھا کہ چنگیز خان شانگ چو کی بڑی عزت کرتا ہے۔

اوغدائی خان نے شانگ چو کا مذاق اڑایا اور کہا "تو خود بھی بوڑھا ہو چکا ہے پھر میرے باپ کو کس طرح جوان کرے گا؟"

شانگ چو نے پوچھا "اچھا یہ بتا کہ اس وقت میری کیا عمر ہو گی؟"

اوغدائی خان نے جواب دیا "تقریباً پچاس پچپن سال۔"

شانگ چو ہنسنے لگا اور کہا "پچاس پچپن سال کا تو تیرا باپ ہو گا جس کے جسم کا ہر ہر عضو تیزی سے انحطاط پذیر ہے۔ میں تیرے باپ سے تقریباً چالیس سال بڑا ہوں اور اس وقت میں سو سال سے صرف دس سال کم ہوں۔"

اوغدائی خان کو یقین نہیں آیا۔ اس نے کہا "لیکن مجھے تو تو صرف پچاس پچپن سال کا لگتا ہے۔"

شانگ چو نے کہا "بے شک! میں نے چونکہ سیدھا راستہ اختیار کر رکھا ہے اس لئے جادۂ حیات کی تھکان کم محسوس کر رہا ہوں جب کہ تم لوگ زندگی کے ٹیڑھے میڑھے راستے پر چل کر بہت جلد تھک جاتے ہو اور بڑھاپا تمہیں قبل از وقت اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔"

اوغدائی خان کو اس کی باتوں سے الجھن ہو رہی تھی۔ جادۂ حیات' سیدھا راستہ' ٹیڑھی میڑھی راہیں' قبل از وقت بڑھاپا۔ یہ ساری باتیں اس کے لئے ناقابل فہم تھیں اور اگر اوغدائی خان ان موضوعات پر شانگ چو سے بحث کرنا چاہتا تو اس بحث کے لئے اوغدائی خان کے پاس نہ تو معلومات تھیں اور نہ اتنے بہت سارے الفاظ۔ آخر عاجز آکر اس نے پوچھا "تو جس سیدھے راستے کی بات کرتا ہے' آخر وہ ہے کیا؟ اگر میں وہ سیدھا راستہ اختیار کرنا چاہوں تو کیا اختیار کر سکتا ہوں؟"

شانگ چو نے دو ٹوک جواب دیا "نہیں! تم لوگ سیدھے راستے پر اس لئے نہیں چل سکتے کہ تم پیچیدہ راستوں پر چلنے کے عادی ہو گئے ہو۔ برا مت سوچو' برا نہ چاہو' برے کام مت کرو' بری راہیں نہ اختیار کرو' بروں کی صحبتوں سے بچو' برا رزق نہ کھاؤ۔ کیا تم میری باتوں کا مطلب سمجھ رہے ہو؟"

اوغدائی خان شانگ چو کی یہ بات بھی نہ سمجھ سکا۔ اس نے پوچھا "میں جس طور پر اپنی زندگی گزار رہا ہوں کیا وہ سیدھا راستہ نہیں ہے؟"

شانگ چو نے جواب دیا "تم لوگوں نے بلاوجہ انسانوں کا قتل عام کیا۔ آج تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارا اپنا نہیں ہے۔ لوگوں سے زبردستی چھینا ہوا ہے۔ تم مال و دولت کے لالچ میں ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہو۔ کبھی تم جنوب میں نظر آتے ہو کبھی شمال میں۔ کبھی مشرق میں تو کبھی مغرب میں۔ لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی عادتوں نے تم کو درندوں کی صف میں بٹھا دیا ہے۔ اب یہاں سے تمہاری واپسی بہت مشکل ہے اس لئے اگر میں تمہیں سیدھے راستے پر چلنا سکھانا بھی چاہوں تو نہیں سکھا سکتا۔"

شانگ چو اوغدائی خان سے گفتگو میں جو الفاظ استعمال کر رہا تھا وہ اسے قتل کروا سکتے تھے مگر جس شخص کی چنگیز خان عزت کر رہا

ہو' اوغدائی خان اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا اور اوغدائی خان یہ محسوس کر رہا تھا کہ شانگ چو اس کو سیدھے سادے انسان میں تبدیل کرنا چاہتا ہے جو طاقتور انسانوں کی مار کھانے کے لئے پیدا کیا گیا ہو۔ وہ شانگ چو کا کچھ بگاڑ تو نہ سکتا تھا مگر مزاج اور طبیعت کا شر اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ شانگ چو کو ستائے۔ اس نے شانگ چو کو اچھے اچھے کھانے کھلائے اور کہا "مجھے تیری باتیں بہت اچھی لگیں اور میں بہت خوش ہوا' بتا کہ میں تجھ کو کس طرح خوش کر سکتا ہوں؟"

شانگ چو نے جواب دیا "مجھ سے کم سے کم باتیں کر اور اگر تو یہ سمجھے کہ میری باتیں سودمند ہیں تو ان پر عمل کر اور اس طریقہ زندگی کو ہمیشہ برقرار رکھ۔ اس سے میں خوش ہو جاؤں گا۔"

اوغدائی خان کے لئے یہ ساری باتیں فضول تھیں۔ وہ ان پر عمل نہیں کر سکتا تھا اس لئے شانگ چو کو خوش کرنے کا ایک نیا طریقہ سوچا۔ اس نے خوب صورت رقاصائیں طلب کیں۔ سازندے بلوائے اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے رقص و موسیقی سے شانگ چو کو خوش کردیں۔

مزامیر حرکت میں آئے۔ ان سے سُر پھوٹنے لگے اور رقاصاؤں نے رقص شروع کردیا اور بہت جلد یہ محفل ساز و آواز کی مستیوں میں ڈوب گئی۔

شانگ چو نے ایک گاؤ تکیہ بغل میں دبالیا' دوسرا تکیہ پشت سے لگا ہوا تھا۔ شانگ چو نے بغل میں دبے گاؤ تکیے پر اپنا سر ٹیک دیا' کچھ دیر ادھ کھلی آنکھوں سے رقص دیکھتا رہا پھر اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ خراٹے لینے لگا گویا رقص و موسیقی سے شانگ چو کو خوش نہیں کیا جاسکا۔

کچھ دیر بعد اوغدائی خان نے جب یہ دیکھا کہ شانگ چو سو رہا ہے تو اس نے راگ رنگ کی یہ محفل اجاڑ دی اور شانگ چو کی بیداری کا انتظار کرنے لگا۔

جب وہ بیدار ہوا اور ماحول کو پُرسکون دیکھا تو پوچھا "کیا ہوا' یہ ناچ گانا بند کیوں کردیا گیا؟"

اوغدائی خان نے جواب دیا "تو خراٹے جو لے رہا تھا اس لئے یہ سلسلہ موقوف ہوا۔"

شانگ چو نے بے زاری سے کہا "اب میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ جہاں بیٹھا تھا وہیں لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر بعد دوبارہ خراٹے لینے لگا۔

اوغدائی خان نے ایک حسین لڑکی اس کے پہلو میں لٹادی اور اسے حکم دیا "اس سے ملوث ہونے کی کوشش کر تاکہ میں یہ دیکھوں کہ یہ جو بڑی بڑی باتیں کرتا ہے ان پر کس حد تک قادر ہے۔"

وہاں بالکل تخلیہ ہو گیا اور سب کے جاتے ہی لڑکی نے شانگ چو سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔

شانگ چو اچانک بیدار ہو گیا اور اپنے پہلو میں ایک خوب صورت لڑکی کو دیکھ کر پوچھا "تو یہاں کیا کر رہی ہے؟"

لڑکی نے جواب دیا "میں نے سنا ہے کہ تو پارسائی کی بڑی بڑی باتیں کرتا رہتا ہے حالانکہ پارسائی ایک فضول سی شے ہے اور میں نارسائی کو پارسائی سمجھتی ہوں۔"

شانگ چو کو ہنسی آگئی۔ اس نے جواب دیا "تو بالکل صحیح کہتی ہے۔ اس وقت میں نوے سال کا ہوں اور میری نارسائی پارسائی بنی ہوئی ہے میرے جذبات ٹھنڈے پڑ چکے ہیں اور میں اس گرمی سے محروم ہو چکا ہوں جو مجھے شباب کی طرف جانے کی ترغیب دیا کرتی تھی۔"

رقاصہ نے کہا "میں اگر چاہوں تو میں تیرے جذباتِ خفتہ کو بیدار کر سکتی ہوں' کوشش کر اور مجھ سے لطف اندوز ہو۔"

شانگ چو نے کہا "کیا تو نے کبھی کوئی ایسا آلہ یا اوزار دیکھا ہے جسے برسہا برس سے استعمال نہ کیا گیا ہو اور اس پر زنگ لگ گیا ہو۔"

رقاصہ نے جواب دیا "میں نے زنگ خوردہ بہت سی چیزیں دیکھی ہیں۔"

شانگ چو نے کہا "تو مجھے بھی تو ایک زنگ خوردہ شے سمجھ لے۔ تو مجھ سے ملوث ہو کر خود تو بدمزہ ہو جائے گی لیکن مجھے بھی وہ کیف و سرور کسی حال میں نہ دے سکے گی جو میری پارسائی کا دشمن ہو سکتا ہے۔"

شانگ چو رقاصہ سے نصیحت آمیز باتیں کرنے لگا مگر اس نے رقاصہ کو برا نہیں کہا اور نہ اس کی چھیڑ چھاڑ کی مذمت کی۔

رقاصہ اس نوے سالہ بزرگ شخصیت سے متاثر ہو گئی۔ اس نے جذباتی لہجے میں پوچھا "میں آپ جیسی کس طرح بن سکتی ہوں؟"

شانگ چو نے جواب دیا "تو ان وحشیوں کے ہاتھ میں تیر کمان کی طرح ہے اور بے جان تیر کمان کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا کہ اپنی مرضی سے کوئی کام کرلے۔ اوغدائی خان جب چاہے گا اپنے تیر کو ترکش میں ڈال لے گا اور جب چاہے گا ترکش سے نکال کر کمان میں جوڑ کر چلادے گا۔ اپنے نصیب پر صبر کر اور جب موقع ملے تو دنیا کی بھیڑ بھاڑ میں کہیں اس طرح گم ہو جا کہ یہ وحشی درندے تجھے دوبارہ نہ پاسکیں۔"

شانگ چو کی یہ باتیں عام ہوئیں تو چنگیز خان کو شکایت پیدا ہوگئی۔ اس نے شانگ چو کو طلب کرلیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ یہاں اس قسم کی باتیں نہ کرے جو صحرائی جبلت کے خلاف ہوں۔

شانگ چو نے پوچھا "یہ صحرائی جبلت کیا ہوتی ہے؟ میں انسانی جبلت کی بات کرتا ہوں۔"

چنگیز خان نے پوچھا "اگر میں تیرے ہاتھ میں اختیار دے دوں

اور تجھے گھوڑا مہیا کردیا جائے اور تجھے دس بیس ہزار کے لشکر میں شامل کردیا جائے تو کیا تو ملکوں کی فتوحات کا کام نہیں انجام دے گا؟ اور جنگلوں میں ہماری طرح انسانوں کا شکار نہیں کھیلے گا؟"

شانگ چو نے جواب دیا "یہی بات میں تجھ سے کہہ سکتا ہوں میں بذات خود اور تاؤمت کا کوئی بھی پیرو ہتھیار نہیں اٹھاتا۔ لوگوں کو قتل نہیں کرتا۔ شہروں کو آگ نہیں لگاتا۔ کیا یہ سب انسانی جبلت نہیں ہے؟ اگر پوری دنیا تیری بات تسلیم کرلے اور تم لوگوں کی طرح زندہ رہنا شروع کردے تو دنیا کی ترقی رک جائے۔ نہ کوئی شہر ہو' نہ کپڑے' نہ ظروف' نہ دنیا کی دوسری ضروری چیزیں' پوری دنیا جنگل میں تبدیل ہوجائے۔ اناج کی فصلوں کی جگہ چراگاہیں ہوں اور انسان بہت جلد دنیا بھر کے جانوروں کو چٹ کرجائے۔ انسانی جبلت یہ نہیں ہے جو تم لوگ کرتے ہو بلکہ انسانی جبلت وہ ہے جو ہم کرتے ہیں۔"

شانگ چو کی ان دلیرانہ باتوں سے حاضرین ڈر گئے۔ لیوچت سائی کا بھی یہ خیال تھا کہ اب شانگ چو قتل کردیا جائے گا لیکن بڑھاپے کی ٹھنڈک وحشیانہ جبلت کو کسی حد تک سرد کرچکی تھی۔

چنگیز خان شانگ چو کی باتوں پر کچھ دیر غور کرتا رہا اور پھر آہستہ آہستہ کہنے لگا "شانگ چو! میں نے تجھے جس غرض سے بلایا تھا وہ غرض پوری نہیں ہوئی اور تو نے مجھے نصیحتیں کرنا شروع کردیں۔ ہم نے جس ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں وہاں زندہ رہنے کے لئے بڑی محنت کرنا پڑتی تھی۔ ہمارے لئے غذا بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ دوسرے قبائل ہمارے منہ کا نوالہ ہم سے زبردستی چھین لے جاتے تھے اور پھر یہی کام ہمیں کرنا پڑتا تھا۔ ہمارے ہاں کھیت نہیں تھے اور ہتھیار اور گھوڑے ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ ان کی پشت پر بیٹھ کر ہم اپنے دشمنوں اور جنگلی جانوروں کا یکساں پیچھا کرتے تھے تب کہیں ہمیں عافیت اور غذا میسر آتی تھی۔ گھوڑی کے بچوں کے دودھ میں ہم ساجھے دار ہوتے تھے۔ کبھی کبھی شہروں کو لوٹنے کے بعد جو سامان ہاتھ آتا تھا ان میں اناج بھی ہوتا تھا۔ ہماری کتنی ہی نسلیں اسی طرح زندہ رہیں اور مرتی رہیں۔ ہم نے برفانی طوفانوں کا بھی مقابلہ کیا اور پھر جاودانی نیلے آسمان نے مجھے روئے زمین کے انسانوں کا آقا بنا کر بھیجا۔ اب تو یہ چاہتا ہے کہ یہ آقا رعایا بن جائے تو یہ ناممکن ہے۔ انسانی جبلت وہی ہے جو ہم سے ظاہر ہورہی ہے۔ تیری نام نہاد بیان کردہ انسانی جبلت کاہل انسانوں کی جبلت ہے۔ تم لوگ آرام پسند ہو اور اپنی آرام پسندی اور تن آسانی کو انسانی جبلت کہتے ہو۔"

لیوچت سائی کو اندیشہ تھا کہ اگر یہ بحث یوں ہی جاری رہی تو شانگ چو مارا جائے گا۔ اس نے چنگیز خان کا ساتھ دیا اور کہا۔ "طاقت ہی سب کچھ ہے چاہے وہ طاقت جسمانی ہو یا دماغی۔ چنگیز خان نے خود کو روئے زمین کا آقا کہا تو اپنی طاقت سے یہ ثابت بھی کردیا جب کہ تو جو کچھ کہہ رہا ہے اسے ثابت نہیں کرسکتا۔"

چنگیز خان نے آہستہ سے کہا "کچھ بھی سہی شانگ چو دوسرے شہروں کے مقابلے میں باتیں بہت اچھی کرلیتا ہے۔ بوڑھوں کے لئے یہ باتیں اچھی ہیں مگر جوانوں کے لئے خطرناک اور ناقابل عمل ہیں۔"

شانگ چو نے جب سوچا کہ وہ بوڑھے وحشی کو قائل نہیں کرسکتا تو اس نے خان کو خوش کرنے کے لئے کہا "مجھے آسمانی روحوں نے بتایا ہے کہ اگر تو روئے زمین کا آقا نہ ہوتا تو جنگلی سؤر تجھے ہلاک کرسکتا تھا۔ تیری حفاظت تو روحیں کرتی ہیں۔"

جب سبھی لوگ دریائے سیحون کے منبع جھیل کے کنارے پہنچ گئے اور چنگیز خان بھی چلنے پھرنے کے لائق ہوگیا تو ایک دن وہ سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ کے تخت پر جا بیٹھا۔ اس کے ہاتھ میں سلطان کا شاہی عصا تھا اور سلطان کا تاج اس کے قدموں میں رکھا ہوا تھا۔

اس کے تین بیٹے اس کے سامنے موجود تھے جب کہ جوجی خان دریائے والگا کے کنارے واپس جاچکا تھا۔

شامیانے کے نیچے دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے سردار اور باج گزار موجود تھے لیکن ان میں جلال الدین خوارزم شاہ کی کمی تھی اور یہ حقیقت ہے کہ اس وقت چنگیز خان کو وہ بہت یاد آرہا تھا۔ وہ اپنی کامیابیوں کا جائزہ لیتا رہا اور اسے یہ یاد آیا کہ اس نے اپنی کامیابیوں اور کامرانیوں کے دوران جو بھی خواہش کی وہ پوری ہوئی مگر ایک یہ خواہش کہ جلال الدین خوارزم شاہ زندہ یا مردہ اس کے سامنے ہو' پوری نہ ہوسکی۔ وہ سوچتا تھا' کیا نیلے جاودانی آسمان سے طاقتور ہستی بھی کوئی موجود ہے جو جلال الدین خوارزم شاہ کی مسلسل حفاظت کرتی رہی۔

اسی دوران چنگیز خان کے سامنے ایک بوڑھی عورت کو پیش کیا گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ تمنوں سے چور یہ بوڑھی عورت چنگیز خان کے سامنے لائی گئی۔

چنگیز خان نے پوچھا "یہ کون ہے اور اسے یہاں اس طرح کیوں لایا گیا ہے؟"

ایک منگول نے جواب دیا "یہ علاؤ الدین خوارزم شاہ کی ماں ہے۔"

سلطان کی قیدی ماں نے چنگیز خان کو اپنے بیٹے کے تخت پر بیٹھے اور اس کے عصا کو ہاتھ میں لئے دیکھا اور پھر اس کی نظر قدموں میں پڑے ہوئے تاج کی طرف گئی تو اس نے نہایت دلیری سے کہا "تو اب بھی سلطان نہیں بھیڑیا لگ رہا ہے۔"

چنگیز خان نے ایک مسلمان مترجم سے پوچھا "یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

مسلمان مترجم چاہتا تھا کہ غلط مفہوم بتائے لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہاں کئی اور مترجم بھی موجود ہیں جو صحیح مفہوم بیان کریں گے اور پھر اس بوڑھی عورت کے ساتھ یہ مترجم بھی مارا

جائے گا۔

چنگیز خان نے متذبذب مترجم سے کہا "تو بتاتا کیوں نہیں کہ یہ بوڑھی عورت کیا کہہ رہی ہے؟"

مترجم نے جواب دیا "یہ بدقسمت بوڑھی عورت کہہ رہی ہے کہ خان سلطان کے تخت پر بیٹھنے اور سلطانی عصا ہاتھ میں لینے کے باوجود سلطان نہیں، بھیڑیا لگ رہا ہے۔"

تولی خان اس عورت کو قتل کر دینا چاہتا تھا مگر چنگیز خان نے اسے روک دیا اور مسلمان مترجم سے کہا "اس بوڑھی عورت سے کہہ کہ اس کا پوتا جلال الدین خوارزم شاہ قتل ہونے سے بچ گیا ہے اور میں اس بہادر شہزادے کا مداح ہوں۔ یہ اگر اپنے پوتے کو تلاش کر سکے تو اس کے پاس چلی جائے۔ اس کے بندھے ہوئے ہاتھ کھول دیے جائیں۔"

مرحوم سلطان کی بوڑھی ماں ان کے درمیان بیٹھی قرولتائی کی کارروائی دیکھتی رہی۔

چنگیز خان نے بلند آواز میں کہنا شروع کیا "میری آواز کہاں تک پہنچے گی میں نہیں جانتا لیکن جو مجھ سے دور ہیں، قریب آجائیں اور میری باتوں کو دھیان سے سنیں۔"

ہجوم میں ذرا سی ہلچل ہوئی اور کچھ لوگ سمٹ کر چنگیز خان کے قریب ہو گئے۔

چنگیز خان نے اوغدائی خان کو آواز دی "تو کہاں ہے؟ میرے پاس آجا۔"

اوغدائی خان چنگیز خان کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ چنگیز خان نے مڑ کے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور تخت پر اپنے پاس بٹھالیا اور پھر اعلان کیا۔

"یہ میرا جانشین ہے، تم لوگ میری ہی طرح اس کی اطاعت کرنا۔"

شامیانے کے نیچے بیٹھے ہوئے سبھی لوگ اپنے نئے خاقان کو پرشوق نظروں سے دیکھ رہے تھے جب کہ اوغدائی خان اپنے بڑے بھائی چغتائی خان کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے اپنے باپ سے پوچھا "بھائی چغتائی خان تو مجھ سے بڑے ہیں پھر میں انہیں کس طرح حکم دوں گا؟"

چنگیز خان نے کہا "جوجی خان تو چغتائی خان سے بھی بڑا ہے لیکن اسے تو تیری خاقانی پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔"

چغتائی خان نے آگے بڑھ کر اوغدائی خان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا "آج سے تو میرا خاقان ہے اور میں تیرا چاکر ہوں۔"

پھر تولی خان نے بھی یہی کیا اور جوجی خان کے خلاف بولنا شروع کیا "اس کی رگوں میں مرکیت قبیلے کا خون ہے۔ وہ ہمارا خاقان کس طرح بن سکتا تھا۔"

یہیں قریب ہی ان کی ماں بورتے بھی موجود تھی۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی چنگیز خان کے پاس جا بیٹھی اور کہا "جوجی خان کے جسم میں بھی میرا خون دوڑ رہا ہے۔ وہ میرا بیٹا ہے اس لئے تم تینوں کا بڑا بھائی ہے۔"

چنگیز خان نے ان سب کو سمجھایا "میں پہلے بھی کئی بار تمہیں یہ سمجھا چکا ہوں کہ جوجی خان تمہارا بھائی ہے۔ میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ اپنے خون کو نقصان پہنچانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنا چولہا ٹھنڈا کر لیا جائے۔"

تینوں بھائی خاموش تو ہو گئے مگر وہ دل سے جوجی خان کو اپنا بھائی تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔

چنگیز خان اس نزاعی مسئلے سے بچنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے اپنی فتوحات کا ذکر چھیڑ دیا اور حاضرین کو بتایا "ہم نے یہ جو کچھ حاصل کیا ہے سب کے اتحاد اور سب کی کوششوں کے بدلے حاصل کیا ہے۔ جس روز یہ اتحاد ختم ہو گا، ہماری یہ فتوحات بھی ہم سے چھن جائیں گی۔"

حاضرین یہ جاننا چاہتے تھے کہ چنگیز خان اب کن ملکوں کی تسخیر کا ارادہ رکھتا ہے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ سمرقند، بخارا اور ایران کے جنوب میں کئی ایسے ملک موجود ہیں جو فتح ہونے سے باقی رہ گئے ہیں۔

چند افریقی تاجروں سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ افریقہ میں بہت ملک ہیں۔ اسی طرح سوبدائی بہادر سے یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ مغربی ملکوں میں جہاں تک پہنچا ہے اس سے آگے بھی بہت سے ملک غیر مفتوحہ موجود ہیں۔

لیکن چنگیز خان کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اس کی فتوحات نامکمل تھیں اور زندگی کا سورج افق کے پار جھکتا ہی چلا جا رہا تھا۔ اس نے پوچھا "مقولی خان کیوں نہیں آیا اور اس کا بھیجا ہوا نائب کہاں ہے؟"

مقولی خان کے نائب کو چنگیز خان کے سامنے کھڑا کر دیا گیا اور اس نے بتایا "مقولی خان سخت بیمار ہے اور منگ خاندان نے دوبارہ سر اٹھانا شروع کر دیا ہے۔"

چنگیز خان نے پوچھا "کیا مقولی خان بھی بوڑھا ہو گیا ہے؟"

مقولی خان کے نائب نے جواب دیا "بوڑھا بھی ہو گیا ہے اور بیماریاں بھی لاحق ہو گئی ہیں۔ بینائی بھی صحیح کام نہیں کر رہی اسی لئے اقتدار پر اس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی ہے۔"

چنگیز خان نے افسوس کرتے ہوئے کہا "اس قرولتائی سے پہلے میری خواہش تھی کہ میں کچھ دنوں کے لئے قراقرم میں ٹھہروں اس کے بعد دریائے کیرولان کی طرف چلا جاؤں۔ وہاں میں نے ہوش سنبھالا اور وہیں سے میں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ وہ بڑی پیاری زمین ہے۔ وہیں برخان کھدن ہے۔ قوت و اقتدار کی یہ پہاڑیاں میرے لئے ہمیشہ بہت اہم رہی ہیں۔ وہیں صنوبر کا گھنا جنگل ہے جو مجھ بوڑھے کی آخری آرام گاہ بن سکتا ہے۔ میں وہیں جانا چاہتا تھا مگر اب میں پہلے چین جاؤں گا اور منگ خاندان کو ان کے سر اٹھانے کی سزا دوں گا۔"

جب وہ یہ سب کچھ کہہ رہا تھا تو تبت کے ایک لامہ نے چنگیز

خان کو بتایا "تبت کے قریب ہی ہیا نامی حکومت ہے جہاں بڑی بڑی طاقتیں جمع ہو رہی ہیں۔ جو چینی اپنی کھوئی ہوئی حکومت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ بھی یہاں جمع ہو رہے ہیں۔ خان سے ناراض ترک قبائل نے بھی ہیا کی حکومت کے ساتھ مل کے خان کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ یہاں کئی عظیم الشان ناقابل تسخیر قلعے بھی ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ ہیا کی متحدہ افواج خان کو آگے نہیں بڑھنے دے گی۔"

چنگیز خان نے تولی خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے تجھے اپنے اردو کا سپہ سالار اعظم بنایا ہے۔ یہ لشکر کشی بھی تجھی کو کرنا ہے۔ مجھے بتا کہ بوڑھے کو دریائے کیرولان کی طرف جانا چاہئے یا ہیا کے متحدہ باغیوں کی طرف۔"

تولی خان نے جواب دیا "جب تک روئے زمین کا آقا ہم میں موجود ہے ہم اسی کے حکم پر چلتے رہیں گے۔"

چنگیز خان نے کہا "تو اس قرولتائی کے بعد ہمیں ہیا کی متحدہ باغی قوتوں کو کچلنا ہو گا۔ اس کے بعد منگولی خان کے چمن کی خبر لینا ہے اور پھر اگر بڑھاپے نے موقع دیا تو دریائے کیرولان کی زمینوں میں چلیں گے۔"

اسی جگہ چنگیز خان نے اعلان کیا "جوجی خان روس سے سمرقند و بخارا تک حکومت کرے گا۔ چغتائی خان صحرائے گوبی کے چاروں طرف سرد علاقوں کا حکمران ہو گا اور یاسا کے قوانین پر عمل کرائے گا۔ تولی خان پورے اردو کا سپہ سالارِ اعظم رہے گا اور اوغدائی خان میرے بعد خاقانِ اعظم ہو گا۔ تم سب اس کی اسی طرح اطاعت کرو گے جس طرح میری کرتے رہے ہو۔"

اس اعلان کے بعد چنگیز خان نے جشن منانے کا اعلان کیا اور اس جشن کے لئے تیس دن مقرر کئے گئے۔

تولی خان نے ان قیدیوں کی طرف اشارہ کیا جو صحت مند اور جوان تھے اور منجنیقوں کے لئے پتھر اٹھا اٹھا کر لایا کرتے تھے۔ منجنیقوں کو کھینچتے تھے اور انہیں چلاتے تھے لیکن ان علاقوں میں مکمل فتوحات حاصل کرنے کے بعد اب ان کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی اور بیکار جوانوں کا یہ جم غفیر ان کے لئے مصیبت بنا ہوا تھا۔ لہٰذا اس میں بھی یہ ان کے شریک تھے۔

تولی خان نے چنگیز خان سے ان کا ذکر کیا اور پوچھا "ان کا کیا کیا جائے؟"

چنگیز خان نے بھی سوال کیا "جب کوئی چیز اپنی افادیت کھو دیتی ہے تو اس کا کیا کیا جاتا ہے؟"

تولی خان نے جواب دیا "اسے ضائع کر دیا جاتا ہے۔"

چنگیز خان نے فوراً جواب دیا "تو انہیں بھی ضائع کر دو۔"

تولی خان نے اجازت حاصل کرتے ہی اپنا وقت نہیں ضائع کیا۔ ان سب کو پہاڑی کھڈوں کے پاس لے جا کر قتل کر دیا گیا۔ ان کے بہہ گئے کھڈوں میں پتھروں اور چٹانوں سے ادھر ادھر ٹکراتے اور گہرائی میں اترتے جا رہے تھے اور ان کے دھڑ کھڈوں میں کہیں کہیں تو چٹانوں پہ رک گئے تھے اور کہیں کسی طرح لٹک رہے تھے اور کہیں گہرائیوں میں غائب ہو گئے تھے۔

یہ مسئلہ بھی نصف دن میں انجام پا گیا اور تولی خان نے ایک بڑے درد سر سے نجات حاصل کر لی۔

ایک ارخان کو حکم دیا گیا کہ مرحوم سلطان کی ماں کو تاجروں کے کسی قافلے کے حوالے کر دیا جائے جو اسے بلخ اور بدخشاں کے آس پاس کہیں چھوڑ دے۔ اس طرح شاید وہ اپنے پوتے جلال الدین خوارزم شاہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے۔

منگولوں نے جس طرح جشن منایا شانگ چو اسے نفرت و حقارت سے دیکھتا رہا۔ لیو چت سائی کو شانگ چو کی عقل و دانش پر حیرت تھی۔ اس نے شانگ چو کو تخلیے میں سمجھایا "ہم دونوں یا ہم جیسے ہزاروں انسان بھی ان کی فطرت نہیں بدل سکتے اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے ملک اور شہریوں کو ان سے بچا لیں۔ میں نے اب تک یہی کیا ہے۔"

شانگ چو کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی اور اس نے جلنا کڑھنا چھوڑ دیا۔ وہ خود تو اس جشن میں شامل نہ ہوا مگر کسی کی مذمت بھی نہیں کی۔

وہ منگولوں کے درمیان اپنی خوشی سے نہیں رہ رہا تھا کیونکہ واپسی اس کے اختیار اور بس کی بات نہیں تھی۔

ایک ماہ کے جشن کے بعد چنگیز خان کے حکم سے منگولوں نے واپسی کا سفر اختیار کیا۔

وہ جلال الدین خوارزم شاہ کا پیچھا کرنے کے دوران چند ایسے راستوں سے واقف ہو گیا تھا جو اسے بہت جلد قراقرم پہنچا سکتے تھے۔ اسے بتایا گیا تھا کہ وہ گلگت اور بلتستان کے راستے جلد از جلد قراقرم پہنچ سکتا ہے کیونکہ بظاہر گلگت سے قراقرم بہت قریب تھا۔ اس نے یہ بھی سنا تھا کہ زمانۂ قدیم میں فاہیان نامی ایک چینی سیاح گوتم بدھ کی جنم بھومی کی زیارت کرنے اسی راستے سے ہندوستان میں داخل ہوا تھا لیکن جب اس نے اس راستے کا جائزہ لیا تو اسے بہت جلد یہ اندازہ ہو گیا کہ اس راستے سے کوئی بے سروسامان تو ممکن ہے سفر کرلے اور منزلِ مقصود پر پہنچ جائے لیکن چنگیز خان یا کوئی دوسرا فاتح اپنے لشکر اور فوجی ساز و سامان کے ساتھ ان پہاڑی سلسلوں کو عبور نہیں کر سکتا۔ اگر بے جا دلیری اور حوصلہ مندی سے کام لیا جائے گا تو مکمل تباہی و بربادی یقینی تھی۔

یہ وہی راستہ ہے جو دورِ حاضر میں پاکستان اور چین کے اشتراک سے بنایا گیا اور شاہراہِ ریشم کہلایا اور اس راستے سے ہم چین کے صوبے سنکیانگ میں داخل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ چنگیز خان نے واپسی کے لئے پرانا راستہ اختیار کیا۔ اس کے اردو کا خیال تھا کہ چنگیز خان واپسی میں کچھ دن قراقرم میں قیام کرے گا لیکن اس نے قراقرم کو اپنے بائیں جانب چھوڑتے

ہوئے براہ راست تبت کا رخ کیا جس کے شمال میں ہیا نامی حکومت قائم تھی اور چنگیز خان کے دشمنوں نے ایک اتحاد قائم کر کے چنگیز خان کی بربادی کا منصوبہ بنایا تھا۔

یہ خطرناک سرزمین تھی اور جب وہ اس علاقے میں داخل ہوا تو یہاں ہر طرف برف جمی ہوئی تھی یہاں تک کہ دریا کی سطح بھی پانی کے جم جانے کی وجہ سے بہت سخت ہو گئی تھی اور اس پر گھوڑے پھسل رہے تھے۔ یہاں ایک خطرہ اور پایا جاتا تھا کہ اگر دریا کے کسی حصے پر منجمد پانی کمزور ہوا تو گھڑ سوار اس میں کہیں غائب ہو سکتا تھا۔ یہ دلدلی علاقہ بھی تھا۔

ہیا کی متحدہ فوجیں اسی بات سے مطمئن تھیں کہ وہ ان یخ بستہ راہوں کی وجہ سے محفوظ ہیں کیونکہ منگولوں کو ہیا کی متحدہ افواج تک پہنچنے کے لئے ان برفیلے راستوں کو عبور کرنا پڑتا۔

لیکن چنگیز خان پہلے راستوں کا جائزہ لیتا رہا۔ سرد موسم کی شدت کا اندازہ کیا اور کئی بار دریا کی منجمد سطح پر اپنے گھوڑے کو دوڑا اور بھگا کے دیکھا اور جب اسے یہ یقین ہو گیا کہ ان منجمد راستوں کو عبور کیا جا سکتا ہے تو اس نے اپنے دشمن پر فیصلہ کن ضرب لگانے کا ارادہ کر لیا۔

تولی خان کی تیز و طرار نظریں یہ محسوس کر رہی تھیں کہ چنگیز خان اب جو کارنامہ انجام دینے کی فکر میں ہے "اس کا بڑھاپا اس کے لئے رکاوٹ بن جائے گا۔ بظاہر چنگیز خان اپنی اندرونی کیفیات کا کسی پر اظہار نہیں کر رہا تھا لیکن تولی خان کی تیز نظریں جو کچھ دیکھ اور محسوس کر رہی تھیں ان سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ اب چنگیز خان کو موسم ستانے لگے ہیں۔ برف کی چمک بھی چنگیز خان کی بینائی کو اذیت پہنچا رہی تھی اور وہ اپنے گرد و پیش میں جو کچھ دیکھتا چندھی نظروں سے دیکھتا۔

تولی خان نے مشورہ دیا "ہیا کا موسم بہت خراب ہے۔ بہتر ہو گا کہ فی الحال اس مہم کو ترک کیا جائے اور پہلے چین کے منگ خاندان سے نمٹ لیا جائے۔"

چنگیز خان نے جواب دیا "تولی خان! تو نے یہ مشورہ مجھے کیوں دیا۔ میں نے تو می دنیا کسی کے مشورے سے فتح نہیں کی۔ کیا تو بھی مجھے بوڑھا ہو جانے کی وجہ سے بیکار سمجھتا ہے۔"

تولی خان ڈر گیا۔ اس نے کہا "یہ بات نہیں ہے بلکہ اس جنگ میں نقصانات کا احتمال زیادہ ہے۔ اگر ہم منگ خاندان کی تسخیر کے بعد ادھر آئیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔"

چنگیز خان ادھ کھلی آنکھوں سے تولی خان کو کچھ دیر دیکھتا رہا پھر پوچھا "کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ منگ خاندان کی شکست کے بعد جب میں دوبارہ ادھر سے گزروں گا تو اس لائق باقی رہوں گا کہ ہیا کی مضبوط متحدہ فوج کو پارہ پارہ کروں اور یوں بھی اب یہ بوڑھا آرام کرنا چاہتا ہے۔ میرے اعصاب مجھے آرام کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔"

تولی خان نے مزید کچھ کہے سنے بغیر اپنی فوج کو حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا اور یہ لوگ یخ بستہ دریاؤں اور برفیلے راستوں کو عبور کرتے ہوئے ہیا کی افواج پر حملہ آور ہو گئے۔

چنگیز خان نے اس جنگ میں عملاً وہ حصہ نہیں لیا جو وہ لیا کرتا تھا۔ وہ اپنے خیمے میں واپس گیا اور وہاں سے اس جنگ کا نظارہ کرنے لگا۔

اس کے منگول سپاہی تولی خان کی سرکردگی میں سر دھڑ کی بازی لگائے ہیا کی متحدہ افواج کو پیچھے دھکیل دینے میں مشغول تھے۔

دشمن کی متحدہ افواج بھی جان توڑ کوشش کر رہی تھی کہ منگولوں کو پیچھے دھکیل دے لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ چنگیز خان عملاً اس جنگ میں حصہ نہیں لے رہا ہے اور وہ اپنے خیمے سے جنگ کا نظارہ کر رہا ہے تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ چنگیز خان اس جنگ کو معمولی حیثیت دے رہا ہے اور شاید وہ اپنے خیالوں میں یہ جنگ جیت چکا ہے۔ اس سوچ سے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔

ہیا کا حکمران چیخ چیخ کر پیچھے ہٹنے والوں کو منع کر رہا تھا کہ کوئی پیچھے نہ ہٹے لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ منگول انہیں چاروں طرف سے محصور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو ان کی ہمت جواب دے گئی اور سب سے پہلے ترکوں نے راہ فرار اختیار کی۔

ہیا کا حکمران بھی ہمت ہار بیٹھا اور قلعہ خالی کر کے کسی دوسرے دور دراز قلعے میں منتقل ہو گیا۔

چنگیز خان نے اپنے خیمے سے حکم صادر کیا "بھاگنے والوں کا پیچھا کر کے قتل کیا جائے تاکہ یہ آئندہ متحد نہ ہو سکیں۔"

اس فرمان پر سختی سے عمل کیا گیا اور بھاگنے والوں کا اس طرح پیچھا کیا گیا جس طرح منگول جنگلوں میں اپنے شکار کا پیچھا کیا کرتے تھے۔ ان کی گرفتاری سے منگولوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تھا اس لئے جو جہاں ملا اسے وہیں قتل کر دیا گیا اور منگولوں کے اپنے اندازے کے مطابق اس جنگ میں تین لاکھ دشمن قتل کئے گئے۔

فتح حاصل کرنے کے بعد چنگیز خان نے ہیا کے قلعے کا جائزہ لیا۔ بظاہر وہ قلعے کی ہر شے کو بغور دیکھ رہا تھا مگر حقیقتاً اسے کوئی چیز صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہر شے دھندلی سی دکھائی دے رہی تھی۔ ہر طرف دھواں سا چھایا ہوا تھا جو سامنے کی اشیا اور آنکھوں کے درمیان حائل تھا۔ وہ تولی خان کے ساتھ قلعے کے بالائی حصوں میں بھی گیا اور بلندی سے چاروں طرف کی فضا دیکھنا چاہی۔ اس نے آہستہ سے تولی خان سے پوچھا "یہاں برف باری ہو رہی ہے یا کہر چھائی ہوئی ہے۔"

تولی خان نے آہستہ سے جواب دیا تاکہ کوئی دوسرا نہ سن سکے۔ "یہاں نہ تو برف باری ہو رہی ہے اور نہ کہر چھائی ہوئی ہے، فضا بالکل صاف ہے۔"

چنگیز خان نے ہاشم طبیب کو یاد کیا "میں نے اس کو ناحق قتل

کروادیا۔ وہ میرے لئے بہت مفید انسان تھا۔"

تولی خان بھی سمجھ رہا تھا کہ اب اس کے باپ چنگیز خان میں پہلے جیسی باتیں نہیں ہیں۔ اس نے دوسرے بوڑھوں کو بھی دیکھا تھا لیکن چنگیز خان کا بڑھاپا کسی اور ہی وضع کا تھا۔

چنگیز خان کی پوری کوشش یہ تھی کہ وہ اپنے سارے کام حسبِ معمول انجام دیتا رہے اور اسی لئے اس نے مفتوحہ علاقے کے ہر حصے کا جائزہ لیا تھا۔

اسی دوران ہیا کے حکمران کا ایک خط اسے موصول ہوا۔ اس نے چنگیز خان کو لکھا تھا "میں نے تجھ سے جنگ کر کے غلطی کی۔ میرے حلیفوں نے مجھے اس پر آمادہ کیا تھا اور اب میں اپنی سابقہ غلطیوں پر نادم ہوں اور معافی کا طلب گار ہوں۔ اگر مجھے معافی مل جائے تو آئندہ میری نسلیں تیری وفادار رہیں گی۔"

چنگیز خان نے تولی خان سے پوچھا "اگر یہ خط تجھے لکھا گیا ہوتا تو تُو اس کا کیا جواب دیتا؟"

تولی خان نے جواب دیا "میں اس کا یہی جواب دیتا کہ فوراً اس قلعے کا رخ کرتا جہاں وہ اس وقت پناہ گزیں ہے اور میں اس سے اس کا وہ ٹھکانا بھی چھین لیتا۔"

چنگیز خان نے جواب دیا "نہیں، تیرا جواب تو درست ہے لیکن تیرا طریقہ کار غلط ہے۔"

چنگیز خان نے اوغدائی خان کو بھی طلب کیا اور ان دونوں کے سامنے ہیا کے حکمران کو جواب لکھوایا "میں نے تجھے معاف کیا۔ جس طرح تو دوستی کا خواہاں ہے اسی طرح میں بھی تیری دوستی کا طلب گار ہوں اور خبردار! آئندہ جنگ کی کوشش نہ کرنا۔ جس دوستی کا ذکر کیا ہے اس پر ہمیشہ قائم رہنا۔"

اس کے بعد خط کا جواب لکھنے والے کو وہاں سے ہٹا دیا گیا اور چنگیز خان نے تولی خان کو ہدایت کی "ہیا کے حکمران نے مجھے اس منجمد ماحول میں آنے اور جنگ کرنے پر مجبور کیا۔ میں اسے معاف نہیں کر سکتا اب یہ تیرا کام ہے کہ تو ہیا کے حکمران کا پیچھا کرے اور اس کو نیست و نابود کر دے۔"

ہیا کے حکمران کو چنگیز خان کا پیغام بھجوا دیا گیا۔

تولی خان کے لئے یہ حکم عجیب و غریب تھا اور یہ حکم اسے جاں بلب بوڑھے کی وصیت معلوم دے رہا تھا۔

کئی دن بعد اس نے تولی خان کو بلوایا اور اسے نیا حکم دیا "جب ہیا کے حکمران کا خاتمہ ہو جائے تو چین کا رخ کیا جائے۔ مقولی خان مر چکا ہے اور منگ خاندان دوبارہ برسرِ اقتدار آنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ منگ خاندان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا جائے۔ چین پر تیری اولاد حکومت کرے گی۔"

اب اسے شانگ چو یاد آیا۔ اس نے حکم دیا "اس بوڑھے کو حاضر کیا جائے۔"

شانگ چو یہاں کے موسم سے تنگ آیا ہوا تھا اور ہوتان واپس جانا چاہتا تھا۔ وہ چنگیز خان کی خدمت میں پہنچا اور دیکھتے ہی یہ اندازہ لگا لیا کہ کوئی نادیدہ اور نامعلوم بیماری اس بوڑھے کا کام تمام کر چکی ہے۔

چنگیز خان نے شانگ چو کو دیکھا مگر اسے پہچان نہیں سکا۔

لیو چت سائی نے چنگیز خان کو آگاہ کیا "شانگ چو حاضر ہے اور یہاں کا موسم اسے بہت پریشان کر رہا ہے۔"

چنگیز خان نے آہستہ سے کہا "موسم تو مجھے بھی پریشان کر رہا ہے۔ افسوس کہ میرے جسم کی ہر وہ قوت میرا ساتھ چھوڑ رہی ہے جس پر مجھے مکمل اختیار حاصل ہوتا تھا۔"

اس نے شانگ چو سے پوچھا "انسان کتنی عمر لے کر آتا ہے؟"

شانگ چو نے جواب دیا "یہ طے شدہ امر ہے کہ انسان اگر احتیاط کرے تو کئی سو سال تک زندہ رہ سکتا ہے اور اگر احتیاط نہ کرے تو ساٹھ ستر سال گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

چنگیز خان نے پوچھا "کئی سو سال جینے کے لئے انسان کو کیا کرنا چاہئے؟"

شانگ چو نے جواب دیا "غصے سے بچنا چاہئے۔ خون ریزی سے پرہیز کرنا چاہئے۔ حتی الامکان غموں سے دور رہنا چاہئے۔ بہت زیادہ کھانے اور پینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کم سونا چاہئے اور تنہا سونے کی عادت ڈالنا چاہئے۔ خواہشات اور حرص و آز جو انسان کو بلاوجہ دوڑاتی بھگاتی رہتی ہیں ان سے پیچھا چھڑا لینا چاہئے۔"

چنگیز خان ساری باتیں غور سے سنتا رہا پھر کہا "یہ ناممکن ہے اگر دنیا کے سبھی انسان تیری طرح سوچنے کے پابند کر دیے جائیں تو شاید انسان صدیوں زندہ رہنے کے قابل ہو جائے۔ لیکن اس دنیا میں ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں۔ میرے جیسے بھی جو ہر عمر کے انسان کو قتل کر دینے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ تو نے وہ طریقہ تو بتایا ہی نہیں کہ کوئی انسان قتل ہونے سے کس طرح بچے؟"

شانگ چو نے جواب دیا "قتل تو وہ ہوتے ہیں جو قتل کرتے ہیں۔ جن کے پاس دولت اور حکومت ہوتی ہے وہ ہتھیاروں سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور جو دوسرے لوگ اس دولت اور حکومت کو زبردستی ہتھیانا چاہتے ہیں وہ ہتھیاروں سے حملہ آور ہوتے ہیں جب کہ میرے جیسے انسانوں کے پاس تیرے جیسے انسانوں کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ نہ میں قتل کروں گا اور نہ قتل کیا جاؤں گا۔"

چنگیز خان کو جھنجلاہٹ تھی کہ شانگ چو باتوں میں اس سے کہیں بھی ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ آخر اس نے شانگ چو کو لاجواب کر دینے کی کوشش کی اور پوچھا "اچھا اگر میں نے تیری باتوں پر عمل کیا ہوتا تو کتنے دن زندہ رہتا؟"

شانگ چو نے جواب دیا "کم از کم ڈیڑھ سو سال تک تو ضرور

زندہ رہتا۔"

چنگیز خان نے پوچھا "بڑھاپے کے بغیر؟"

شانگ چو نے جواب دیا "نہیں' بڑھاپا تو ہر حال میں آتا ہے یک چیز جو نئی ہوتی ہے وہ پرانی ضرور ہو جاتی ہے۔ ہم کسی شے کو بھی ہمیشہ نئی رکھنے پر قدرت نہیں رکھتے۔"

چنگیز خان نے بطورِ خاص عورتوں کا بھی ذکر کیا "تو ہمیں عورتوں سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے جب کہ دنیا کی سب سے بڑی لذت اسی میں ہے۔ اس لذت سے محروم رہ کر زندہ رہنے کا مفہوم میری سمجھ میں نہیں آتا اور جب یہ طے پا گیا کہ کسی بھی انسان کو بڑھاپے اور موت سے مفر نہیں تو پھر ان لازمی اور قطعی چیزوں کی خاطر دنیا کی لذتوں سے کیوں منہ موڑا جائے۔"

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ چنگیز خان کو خبر دی گئی کہ روس کے دریائے والگا کے کنارے سے کچھ لوگ کوئی اہم خبر لے کر آئے ہیں۔

چنگیز خان نے انہیں اندر طلب کر لیا اور یہیں اپنے تینوں بیٹوں کو بھی بلوا لیا۔ وہ کچھ کچھ سمجھ گیا تھا کہ یہ اہم خبر کیا ہو سکتی ہے۔

ان سب کی موجودگی میں چنگیز خان نے قاصدوں سے پوچھا "ہاں! اب بتاؤ کہ تم کیا خاص خبر لے کر آئے ہو؟"

یہ کل پانچ قاصد تھے اور ان میں سے صرف ایک نے زبان کھولی "جوجی خان کا چند روزہ علالت کے بعد انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹے باتو خان نے اپنے باپ کی حکومت سنبھال لی ہے۔"

اس خبر کا چنگیز خان پر اتنا شدید اثر ہوا کہ شاید وہ پہلی بار اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔

جب وہ افغانستان میں بامیان شہر کی تسخیر میں مشغول تھا تو اچانک اس کا پوتا ایک پتھر سے پھسل کر ہلاک ہو گیا تھا اور اس نے اس موقع پر مرنے والے پوتے کے باپ چغتائی خان سے کہا تھا۔ "خبردار! غم مت کرنا' رونا مت کیونکہ روتے ہوئے مرد اچھے نہیں لگتے۔"

آج جوجی خان کی موت کی خبر اس کو رونے پر مجبور کر رہی تھی۔ سینے کے اندر غموں کے بادل امنڈ رہے تھے اور وہ خود چغتائی خان کے سامنے آنسو نہیں بہا سکتا تھا۔ اس نے پوری قوتِ ارادی سے کام لیتے ہوئے اپنے بیٹوں سے کہا "موت تو آتی ہی رہتی ہے۔ اس سے کون بچا ہے اور کون بچے گا۔ رہ گئی یہ بات کہ مرد روتے ہوئے اچھے نہیں لگتے تو میں نہ تو خود رونا پسند کرتا ہوں اور نہ کسی اور کو روتے دیکھ سکتا ہوں۔"

کچھ دیر بعد سبھی کو رخصت کر دیا گیا یہاں تک کہ شانگ چو اور لیو چت سائی سے بھی یہی کہا گیا کہ وہ باہر چلے جائیں اور اسے تنہا چھوڑ دیں۔

کو ستائی اور کہا "بورتے! آج مجھے اپنی اس غلطی کا احساس ہو رہا ہے کہ میں نے اس کا نام جوجی رکھا تھا۔ جوجی مہمان کو کہتے ہیں اور آج وہ مہمان ہمیں چھوڑ کے چلا گیا۔"

چنگیز خان کو صاف دکھائی تو نہیں دے رہا تھا لیکن بورتے کی دبی دبی سسکیوں سے اس نے اندازہ لگایا کہ وہ رو رہی ہے۔

بورتے نے اپنے تینوں بیٹوں کی شکایت کی "مجھے اپنی تینوں اولاد پر غصہ آ رہا ہے جو ہمیشہ یہ کہہ کر جوجی کا دل دکھاتے رہے کہ اس کی رگوں میں مرکیت کا خون ہے حالانکہ جوجی کی رگوں میں اس کی ماں بورتے کا بھی خون تھا۔ وہ تنہائی کا احساس لئے دنیا سے رخصت ہوا۔ شاید وہ بھی تجھ کو اپنا باپ نہیں سمجھتا تھا اور میں تیری وجہ سے اس کو چھوڑ کر تیرے تینوں بیٹوں کے قریب رہی۔ وہ ہم میں مہمانوں کی طرح رہا اور دریائے والگا کے کنارے مہمان کی طرح رخصت ہو گیا۔"

چنگیز خان نے اس کو منع کیا "ایسی باتیں مت کر۔ میں نے اسے ہمیشہ اپنا بیٹا سمجھا اور اسے روس سے ایران کی سرحد تک حکومت بخش دی۔ میں اسے اپنا جانشین بھی بنا سکتا تھا مگر صرف اس کی وجہ سے چغتائی خان کو بھی اس کے حق سے محروم کر دیا اور اوغدائی خان کو اپنا جانشین بنا دیا۔"

بورتے آہستہ آہستہ روتی رہی۔

جوجی خان کا سوگ کئی ہفتے منایا گیا لیکن اس سوگ میں تینوں بھائی شریک نہیں ہوئے۔

چنگیز خان اپنے بڑھاپے کی وجہ سے یہ محسوس تو نہ کر سکا لیکن اسے اندازہ تھا کہ اس کے تینوں بیٹے جوجی خان کی موت سے غمزدہ نہیں ہیں۔

تینوں بیٹے چنگیز خان کے آئندہ منصوبے کے منتظر تھے لیکن چنگیز خان مزید آگے جانے کے لئے تیار نہ تھا۔

شانگ چو نے ہوبان جانے کی اجازت چاہی تو اسے اجازت دے دی گئی۔ اس موقع پر چنگیز خان نے شانگ چو سے پوچھا "تیرے کتنے شاگرد ہیں جو مختلف شہروں میں رہتے ہیں اور تیری ہی طرح باتیں کر کے اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں۔"

شانگ چو نے اپنے حافظے پر زور دے کر اپنے شاگردوں کی فہرست تیار کی۔ اس فہرست میں ان کے نام اور پتے لکھ دیے گئے تھے۔

چنگیز خان نے ان سب کو محصولات سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ اپنے اس فرمان پر اپنی مہر لگائی اور شانگ چو کے حوالے کر دی۔

شانگ چو کے چلے جانے کے بعد لیو چت سائی نے پوچھا "خان کو یہ آدمی کیسا لگا؟"

چنگیز خان نے جواب دیا "میرے لئے تو یہ بالکل بیکار تھا۔

اس تنہائی میں بورتے کو بلوایا گیا۔ چنگیز خان نے یہ خبر بورتے ... لیکن وہ کہتا ہے کہ اس کا آسمان میں عمل دخل ہے بطور علاقہ کی بھنگی

ہوئی اور واح اس سے ہمکلام ہوتی ہیں اور مجھے یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ اس نے اپنی پہلی ملاقات میں ہی ہم پر یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ میری خوشی پر میرے پاس نہیں آیا بلکہ اسے آسمان سے حکم ہوا تھا کہ وہ مجھ سے ملاقات کرے۔"

لیوچت سائی نے ہوہان والوں کے لئے بھی سفارش کی "خان کو ہوہان کے عام شہریوں کے لئے بھی یہ فرمان جاری کر دینا چاہئے کہ جو شہری لڑنا نہیں چاہتے انہیں قتل نہ کیا جائے کیونکہ شہریوں کے قتل عام سے ہمارے بہت سے کام رک جائیں گے مثلاً وہ ہمارے لئے غلہ اگاتے ہیں' ہمارے لئے کپاس تیار کرتے ہیں' کپاس سے کپڑا تیار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہنرمند بہت کچھ تیار کرتے ہیں۔ شہری کتابیں لکھتے ہیں۔ ان کتابوں سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان سے ہم حکومت کا نظم و نسق چلانے کے لائق ہو جاتے ہیں۔"

چنگیز خان نے جواب دیا "میں چینیوں کو کچھ رعایتیں اس لئے دوں گا کہ وہ نظم و نسق کے معاملے میں میری مدد کرتے رہے ہیں مگر میں جنوبی چین کے ساتھ حکمرانوں کو کسی قسم کی رعایت نہیں دے سکتا کیونکہ یہ لوگ منگولی خان کے خلاف شرارتیں کرتے رہے ہیں۔"

سبدائی بہادر کو حکم دیا گیا "تم فوراً جنوبی چین روانہ ہو جاؤ۔"
اور سبدائی بہادر حکم ملتے ہی چین روانہ ہو گیا۔

اس وقت چنگیز خان کے ذہنی انتشار کا یہ حال تھا کہ اس نے فوراً ہی چین روانہ ہونے کا حکم جاری کر دیا۔ وہ چین کے منگ خاندان کو اپنی موجودگی میں برباد ہوتے دیکھنا چاہتا تھا اور اسی وقت ہیا کے حکمران کو دوسرا فرمان روانہ کیا گیا تھا کہ اس کا قلعہ خالی کر دیا گیا ہے اب وہ چنگیز خان سے دریائے زرد کے کنارے ملاقات کرے اور دوستی کا ہاتھ ملانے کے بعد اپنے قلعے میں واپس چلا جائے۔

اور اسی عالم میں وہ چین روانہ ہو گیا۔

اب وہ اپنا ہر کام جلدی جلدی نمٹا رہا تھا۔ اب اس نے لوگوں سے ملنا جلنا بھی کم کر دیا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ آنے جانے والے لوگ اس کی ابتر حالت سے واقف ہو جائیں۔ اس کے بیٹے اتنے مصروف تھے کہ انہیں اپنے باپ کی صحیح حالت کا علم بھی نہ ہو سکا۔

وہ ہیا کے دلدلی علاقوں سے گزر کر چین میں داخل ہو گیا اور دریائے زرد کے کنارے پہنچ کر اپنے خیمے نصب کروا دیئے۔

تولی خان آگے بڑھنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سبدائی بہادر کے ساتھ مل کے جنوبی چین کے کھوئے ہوئے علاقوں کو دوبارہ حاصل کرے اور منگ خاندان کو بالکل تباہ و برباد کر دے۔

لیکن چنگیز خان اب اور آگے جانے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس نے کہا "ہم پہلے ہیا کے حکمران کو یہاں بلا رہے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ پہلے اس سے ملاقات کر لی جائے۔"

تولی خان نے پوچھا "کیا ہیا کے حکمران سے ہمیں واقعی دوستی کرنی ہے؟"

چنگیز خان نے جواب دیا "نہیں' ہرگز نہیں۔ پتا نہیں وہ کب تک ادھر آئے اور میری اس سے ملاقات ہو گی بھی یا نہیں۔ لیکن یہ سارا علاقہ میں نے تیرے حوالے کیا۔ ہیا سے لے کر چین تک تیری حکومت ہو گی۔ چغتائی خان شمالی برفانی علاقوں پر حکومت کرے گا۔ جوجی خان کی اولاد روس سے ایران کی سرحدوں تک حکمران رہے گی اور اوغدائی خان قراقرم میں رہے گا اور وہیں سے خاقانی کرے گا۔"

چنگیز خان کی ان باتوں سے تولی خان کو یہ شبہ بھی نہ گزرا کہ اس کا باپ لاتعلق سا ہوتا جا رہا ہے اور اس قسم کی وصیتیں کیوں کر رہا ہے جن میں کوئی عزم' کوئی حوصلہ اور استقلال نہیں پایا جاتا اور جس میں چنگیز خان کی نفی پائی جاتی تھی۔

تولی خان چنگیز خان کی اچانک خاموشی سے یہ سمجھا کہ شاید وہ کچھ سوچ رہا ہے لیکن حقیقتاً اس پر غشی طاری ہو چکی تھی لیکن کچھ دیر بعد جیسے ہی ہوش آیا اس نے تولی خان کو حکم دیا "ہیا کے حکمران کو ہرگز معاف نہ کیا جائے۔ میں زندہ رہوں یا مر جاؤں' میری موت کی خبر کو اس وقت تک چھپایا جائے جب تک ہیا کے حکمران کا خاتمہ نہ کر دیا جائے۔"

تولی خان کو کچھ کچھ احساس ہوا کہ چنگیز خان کی حالت درست نہیں ہے۔ اس نے کہا "ہیا کے معاملے کو ختم کرنے کے بعد ہمیں اپنی آبائی زمینوں میں واپس چلا جانا چاہئے۔"

چنگیز خان نے کہا "ٹھیک ہے۔ تو نے پہاڑی پر صنوبر کا جنگل تو دیکھا ہے' مجھے ہمیشہ وہ جگہ بہت پسند ہے۔ مجھ بوڑھے کے لئے اس سے زیادہ آرام دہ جگہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ وہاں کے مناظر میرے تصور میں ہیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد بھی میں انہیں تصور میں ہی دیکھتا رہوں گا کیونکہ میری آنکھوں کے سامنے دھند اور کہر کا دبیز سلسلہ پھیل چکا ہے اور میرے بڑھاپے نے مجھے سب سے زیادہ نقصان یہی پہنچایا ہے کہ میں دیکھی ہوئی دنیا کو اب بھی نہیں دیکھ سکوں گا۔"

تولی خان کچھ دن رہ کر غائب ہو گیا اور اسی دوران سبدائی بہادر کا ایک قاصد یہ خبر لے کر آیا کہ جنوبی چین کا بیشتر حصہ فتح کر لیا گیا۔

چنگیز خان نے کسی خاص خوشی کا اظہار نہیں کیا اور کہا "مجھے زیادہ خوشی اس وقت ہوتی جب میں اس فتح میں خود شریک ہوتا لیکن خیر سبدائی بہادر سے کہنا کہ اپنا کام جلد ختم کرے اور میرے پاس آ جائے۔"

لیوچت سائی تنہا وہ شخص تھا جو یہ سمجھ چکا تھا کہ چنگیز خان مسلسل بیماریوں کا نہیں دنوں بلکہ ساعتوں کا مہمان ہے۔ اس موقع

پر اس نے ایک بار پھر عام چینیوں کے لئے معافی کی درخواست کی۔ "خان کی اولاد کو چین پر حکومت کرنی ہے۔ حکمران کو رعایا کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ رعایا اس کی اولاد کی طرح ہوتی ہے۔ کیا دنیا میں کسی ایسے بادشاہ کی مثال ملے گی جس نے ویران زمینوں پر حکومت کی ہو؟"

چنگیز خان نے آہستہ سے کہا "میں تیرا مطلب سمجھ رہا ہوں اور میں پہلے ہی چینی شہریوں کو معافی دے چکا ہوں لیکن جو لوگ تلوار اٹھائیں گے انہیں معاف نہیں کیا جائے گا۔"

لیوچت سائی نے عرض کیا "میں فرمان تیار کرتا ہوں اور اس فرمان میں خان کی طرف سے یہ لکھ دیا جائے گا کہ جو تلوار اٹھائے گا مارا جائے گا اور نہتے شہریوں کو معافی دی گئی۔"

جب یہ فرمان تیار ہوا تو چنگیز خان نے اس میں اپنی طرف سے یہ اضافہ کروایا "میری اولاد چین پر حکومت کرے گی اور لیوچت سائی ان کا وزیر ہوگا۔ سلطنت کے سارے کام لیوچت سائی کے مشورے سے انجام پائیں گے اور اسے یہ اختیار ہوگا کہ جسے قتل کئے جانے کا حکم دیا گیا ہو لیوچت سائی اسے بھی معافی دینے کا مجاز ہوگا۔"

اس فرمان پر چنگیز خان کی مہر ثبت کردی گئی اور چنگیز خان نے لیوچت سائی کو ہدایت کی "تیرا بھی یہ فرض ہے کہ تو میری اولاد کی دیانت داری اور وفاداری سے خدمت کرتا رہے۔"

کسی نے چنگیز خان کو بتایا کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر صنوبر کا جنگل موجود ہے۔

چنگیز خان کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ اسے صنوبر کے درختوں سے عشق سا تھا مگر افسوس کہ وہ انہیں دیکھ نہیں سکتا تھا مگر پھر بھی وہ ہمت کرکے گھوڑے کی پشت پر بیٹھ گیا اور جب اسے یہ خیال آیا کہ اب اسے دوسروں کی رہنمائی میں ان کے پیچھے پیچھے چلنا ہوگا تو وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور کسی اور دن جانے کا وعدہ کرکے بمشکل اپنے خیمے کے اندر داخل ہوا اور حکم دیا "تولی خان کو فوراً بلوایا جائے۔"

اردو کے لوگ تولی خان کی تلاش میں نکل گئے اور کئی گھنٹے بعد اس کو اپنے ساتھ لے آئے۔

تولی خان تنہا خیمے میں داخل ہوا اور چنگیز خان کو سمور میں لپٹا ہوا کچھ اس طرح بیٹھے دیکھا جیسے اسے سردی لگ رہی ہو اور وہ جسم کو سکوڑے سمٹائے سردی پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔

تولی خان اپنے باپ کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا اور پوچھا۔ "میرے لئے کیا حکم ہے؟"

چنگیز خان نے تولی خان کا دھندلا دھندلا سا عکس دیکھا اور کہا۔ "میں اپنی اس کیفیت کو ایک عرصے سے چھپا رہا ہوں۔ میں اپنا علاج بھی کروا سکتا تھا مگر جب شانگ چونے یہ غلط رائے دی کہ بڑھاپے پر قابو نہیں پایا جا سکتا تو میں نے بڑھاپے کا علاج کروانے اور دوائیں کھانے سے گریز کیا۔ اب اس وقت میں تجھ کو یہ بتا رہا ہوں کہ میرا وقت پورا ہو چکا۔ میری روح بڑھاپے کے اس پنجرے سے نکلنے کے لئے بے قرار ہو رہی ہے۔"

تولی خان اداس ہوگیا۔ اسے یہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا ناقابل شکست باپ واقعی اس کا ساتھ چھوڑ کر جا رہا ہے۔

کچھ دیر بعد چنگیز خان کی آواز پھر سنائی دی "چینی کہتے ہیں کہ میں جس سال پیدا ہوا تھا وہ ان کے حساب سے سؤر کا سال تھا۔ کیا تجھے معلوم ہے یہ کون سا سال ہے؟"

تولی خان نے کہا "عیسائیوں کے اعتبار سے یہ سال ۱۲۲۷ء کا ہے اور چینیوں کے حساب سے یہ چوہے کا سال ہے۔"

چنگیز خان نے آہستہ سے کہا "بہت خوب، میرے بڑھاپے نے مجھے چوہے جیسا کر دیا ہے۔"

کچھ دیر دونوں ہی خاموش رہے۔ تولی خان یہ جاننا چاہتا تھا کہ اسے چنگیز خان نے کیوں بلایا ہے۔ کیا صرف یہ بتانے کے لئے کہ وہ اب زیادہ دن زندہ نہیں رہے گا لیکن کچھ دیر بعد چنگیز خان نے اسے ہدایت کی "تو کچھ دن میرے ساتھ رہ۔ ابھی تک ہیا کا حکمران بھی نہیں پہنچا۔ اگر میں مر جاؤں تو مجھے اس وقت تک یہیں رکھا جائے جب تک ہیا کا حکمران یہاں نہ آ جائے۔ میری موت کی خبر کو چھپایا جائے کیونکہ میری موت کی خبر دشمنوں کے حوصلے بلند کر دے گی۔"

تولی خان نے اپنے باپ کی ہدایت پر اس کے پاس ہی قیام اختیار کیا۔ بورتے بھی چنگیز خان کے قریب ہی رہنے لگی اور دوسرے سرداروں کو منع کر دیا گیا کہ وہ فی الحال چنگیز خان کے خیمے سے دور رہیں۔

لیوچت سائی کو بھی کہیں بعد میں یہ معلوم ہوا کہ چنگیز خان بار بار جن عوارض کو بڑھاپا کہہ رہا تھا ان میں سے ایک مرض گٹھیا بھی تھا جو اسے پریشان کر رہا تھا۔ اس کی سوجی ہوئی انگلیاں اس کی نشان دہی کر رہی تھیں اور جوڑوں سے جو ٹیسیں اٹھ رہی تھیں ان پر چنگیز خان نے آخری لمحوں تک قابو رکھا۔ یہ بیماری منگولوں میں عام تھی اسی لئے وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے لیکن چنگیز خان یہ ضرور محسوس کرتا رہتا تھا کہ کوئی شے اس کے دل کو مسلسل چاٹ رہی ہے۔ اگر وہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ گٹھیا کا مرض ہڈیوں کو کاٹتا ہے اور دل کو چاٹتا ہے۔

پھر ایک دن بورتے نے چنگیز خان کی طرف سے تولی خان کو یہ حکم بھیجا کہ وہ فوراً اپنے باپ سے ملے اور اس کے تازہ احکامات سنے۔

جب تولی خان اکیلا چنگیز خان کے خیمے میں داخل ہوا تو خلاف توقع چنگیز خان کو لیٹے ہوئے دیکھا۔ وہ سمور میں لپٹا ہوا چت لیٹا تھا۔ اس کی آنکھیں نیم وا تھیں گویا ابھی اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

بورتے کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے کہا "تیرا باپ

زمین پر خاقانی کر کے آسمان میں واپس چلا گیا اور اس نے مجھے بتایا ہے کہ جب تو یاک کی نو دموں والا پرچم لے کر دشمن پر حملہ آور ہو گا تو اس وقت تیرے باپ کی روح اس پرچم میں موجود ہو گی اور تو بدستور ملکوں کو فتح کرتا چلا جائے گا۔"

تولی خان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا باپ چنگیز خان اتنی آسانی سے مر جائے گا۔ اس نے اس خبر کو راز میں رکھا اور چند قابل اعتماد سرداروں کو حکم دیا کہ وہ وقفے وقفے سے چنگیز خان کے خیمے میں آتے جاتے رہیں تاکہ دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہو کہ چنگیز خان اپنے سرداروں کو احکامات دینے میں مشغول ہے۔

تولی خان کو ہیا کے حکمران کا انتظار تھا جو اطلاعات کے مطابق اپنی پناہ گاہ سے نکل کر اپنے خاص لشکر کے ساتھ چنگیز خان سے دوستی کا ہاتھ ملانے آ رہا تھا۔ کسی وجہ سے اسے پہنچنے میں دیر ہو گئی تھی۔

اور جب ہیا کا حکمران اپنے چیدہ چیدہ سرداروں اور مخصوص مختصر لشکر کے ساتھ نمودار ہوا تو تولی خان نے اس کا والہانہ انداز میں استقبال کیا۔

ہیا کا حکمران گھوڑے سے اتر پڑا اور تولی خان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔

تولی خان نے سرد مہری سے ہاتھ ملا تو لیا مگر معذرت کرتے ہوئے کہا "جب تک میرا باپ موجود ہے اصولاً مجھے ہاتھ نہیں ملانا چاہئے۔ تو خان اعظم کا مہمان ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تیری شایان شان تیرا استقبال کروں۔ اپنے خیموں میں معزز مہمانوں کی طرح اتاروں۔ تیری شاندار ضیافتیں کروں۔ ان ضیافتوں میں خان اعظم بھی شریک ہو گا اور وہیں تم دونوں ہاتھ ملا کے پیمان دوستی باندھو گے۔"

ان مہمانوں کے لئے پہلے سے ہی خیمے تیار رکھے گئے تھے اور ایک طویل و عریض شامیانے کے نیچے ان کے لئے ضیافت کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ اردو کے دوسرے کئی سردار بھی ہیا کے حکمران سے ملنے اور پیمان دوستی کی پیشگی مبارکباد دینے پہنچ گئے۔

یہاں ہیا کا حکمران ندامت محسوس کر رہا تھا کہ اس نے ایسے شفیق خان اعظم سے دشمنی کیوں مول لی۔

کئی دن بعد رات کو انہیں شامیانے کے نیچے بٹھایا گیا۔ یہ ضیافت تھی جس میں چنگیز خان ہیا کے حکمران سے دوستی کا ہاتھ ملانے آ رہا تھا۔

مہمانوں کے ہتھیار ان کے خیموں میں رکھوا دیے گئے اور... فی الحال تولی خان خدمت میزبانی انجام دے رہا تھا۔

مشعلوں کی روشنی میں ضیافت کا منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ مہمانوں کے سامنے کھانے کی قابیں رکھ دی گئی تھیں جنہیں وہ بڑے بڑے تشت میں نکال کے کھانے والے تھے لیکن ہیا کے حکمران کو چنگیز خان کا انتظار تھا کیونکہ اس کی خواہش تھی کہ کھانے سے پہلے پیمان وفا باندھا جائے۔ دونوں ہاتھ ملائیں اور چنگیز خان کھانے کا اشارہ کرے تو وہ سب کھانا شروع کریں۔

منگول اپنے مہمانوں کے پیچھے مئودب کھڑے ہوئے تھے اور تولی خان چنگیز خان کے خیمے کی طرف سے چلتا ہوا مہمانوں کے سامنے پہنچا اور اعلان کیا "تم لوگ کھانا شروع کرو، خان اعظم کھانے کے بعد آئے گا اور تم سب کو شرف دست بوسی بخشے گا۔"

مہمانوں نے دیگوں اور قابوں سے کھانا نکال کر کھانا شروع کر دیا اور تولی خان نے مہمانوں کے پیچھے کھڑے ہو کر سر کی خفیف سی جنبش سے کوئی حکم دیا اور چشم زدن میں مہمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔

یہ کام اتنے ضابطے اور طریقے سے انجام دیا گیا تھا کہ کوئی بھی مہمان اپنے بچاؤ کے لئے ذرا سی بھی مزاحمت نہ کر سکا۔ ہیا کا حکمران اپنے سرداروں اور اپنے مخصوص لشکر کے ساتھ نہایت آسانی سے قتل کر دیا گیا۔ یہ فرمان خوں ریزی چنگیز خان نے اپنی زندگی کی آخری ساعتوں میں جاری کیا تھا اور جس طرح وہ ہمیشہ قتل و خوں ریزی سے لطف اندوز ہوتا رہا تھا اسی طرح اس نے مرنے سے پہلے ہیا کے حکمران اور اس کے لشکر کو قتل کر دینے کا فرمان جاری کر کے لطف و لذت حاصل کر لی تھی۔

چنانچہ مرنے سے پہلے جو طمانیت اور سکون اس کے چہرے پر تھا وہ مرنے کے بعد بھی اس کے چہرے پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔

تولی خان نے مقتولوں کی لاشیں دریائے زرد میں پھنکوا دیں۔

اب تولی خان اور اردو کے چین میں رکے رہنے کا بظاہر کوئی جواز نہ تھا چنانچہ فیصلہ ہوا کہ چنگیز خان کی لاش کو دریائے کیرولان کی وادی میں لے جایا جائے جہاں وہ پیدا ہوا تھا، جہاں اس نے زندہ رہنے کی جدوجہد کی تھی۔ اور جہاں سے اس نے اونگ خان کی قوت کا خاتمہ کر دیا تھا اور دیوار چین کی دوسری طرف شہروں میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

چنگیز خان کو اپنی وادی بہت پسند تھی۔ یہیں جھیل بیکال کے قریب صنوبر کے درختوں کی بہتات تھی اور انہی جنگلوں میں ایک بہت بڑا درخت تھا جو چنگیز خان کو بہت عزیز تھا۔ اس نے اکثر اس درخت کا ذکر کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ بوڑھے کی آرام گاہ کے لئے اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ یہی فیصلہ ہوا کہ چنگیز خان کو اس کی پسندیدہ جگہ لے جایا جائے اور وہیں آخری رسوم ادا کی جائیں۔

اس کی موت کی خبر کو مخفی رکھا گیا اور اس کی لاش کو ایک گاڑی میں ڈال کے واپسی کا سفر اختیار کیا گیا۔ چنگیز خان کا خالی گھوڑا گاڑی کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور کسی میں بھی اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اس گھوڑے پر بیٹھتا۔ وہ جس آبادی سے گزر رہے تھے اسے حیرت تھی کہ یہ اردو چپ چاپ واپس کیوں جا رہا ہے حالانکہ چنگیز خان کے تابوت کو جس گاڑی پر رکھا گیا تھا وہ اردو کے بیچ میں

تھا لیکن راستے کی بستیوں کے لوگوں نے منگولوں کے اترے ہوئے چہرے اور خوف زدہ شکلیں دیکھ کر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ان وحشیوں میں کوئی خاص سانحہ رونما ہو گیا ہے۔

بعض منگول رو رہے تھے۔ حالانکہ ان کی سنگدلی اور شقاوت اتنی مشہور تھی کہ ان کے رونے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

تولی خان نے جب یہ محسوس کیا کہ گزرگاہ کی بستیوں کے لوگ انہیں شک و شبے کی نظر سے دیکھ رہے ہیں اور شاید انہیں یہ اندازہ بھی ہو گیا ہے کہ چنگیز خان مر چکا ہے تو اس نے حکم دیا کہ پوری بستیوں کو قتل کر دیا جائے، مکانات کو جلا دیا جائے کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ چنگیز خان کی موت کی خبر مشہور ہو جائے۔

دیکھتے ہی دیکھتے پوری آبادی نابود ہو گئی۔

اس کے بعد یہ ہدایت کر دی گئی کہ راستے میں جو بھی ملے اسے قتل کر دیا جائے۔ ایسا لگتا تھا کہ چنگیز خان کی روح تولی خان، اس کے دونوں بھائیوں اور منگول سواروں کے دل و دماغ پر مسلط ہو گئی ہے اور انہیں انسانوں کے قتل و غارت گری کے احکامات دے رہی ہے۔

دریائے کیرولان کی وادی میں داخل ہونے سے پہلے ہزاروں انسان قتل کر دیے گئے اور بستیوں کو جلا کر کھنڈر بنا دیا گیا۔

دریائے کیرولان کے کنارے سفید اور بھورے یورتوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جو میلوں دور سے نظر آنے لگتا تھا۔

یہاں پہنچ کر کھڑکھڑاتی ہوئی گاڑی رک گئی۔ اس کھڑکھڑاتی گاڑی میں چنگیز خان کی لاش رکھی ہوئی تھی۔

ایک سفید بالوں والا بوڑھا ترخان چنگیز خان کی لاش کی طرف بڑھا اور روتے ہوئے کہا "اے روئے زمین کے آقا! اٹھ اور دیکھ کہ اس وقت تو اس سرزمین پر ہے جسے تو دوبارہ دیکھنے کی تمنا کیا کرتا تھا۔ ان خیموں کو دیکھ جو آج شاہانہ انداز میں سر اٹھائے کھڑے ہیں حالانکہ جب تو یہاں سے نکلا تھا تو یہاں کی حالت ابتر تھی۔ یہاں کے دریا اور خاص کر دریائے کیرولان سالوں سے تیرا انتظار کر رہا تھا۔ ہم جو ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، تو نے ہمیں بتایا تھا کہ اتحاد میں طاقت ہے اور تو نے ہم سب کو متحد کر دیا۔

"کبھی تو شہباز کی طرح جھپٹا کرتا تھا لیکن اس وقت تو ایک ایسی گاڑی میں بے سدھ پڑا ہوا ہے جو راستے بھر کھڑکھڑاتی اور کھڑکھڑاتی رہی۔

"تو نے ہزاروں قبائل کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا مگر آج حیرت ہے کہ ایک چھوٹی سی گاڑی نے تیرا بوجھ کس طرح اٹھا لیا ہے۔

"اے میرے خان! کسی کو بھی یہ یقین نہیں آتا کہ تو اپنی بیویوں، بچوں اور اپنی قوم کو چھوڑ کر اتنی دور چلا گیا ہے جہاں سے تیری واپسی ناممکن ہے۔

"اے میرے خان! ابھی تو ہماری سواری کیا کرتا تھا۔ عقاب کی طرح جھپٹتا تھا اور عظیم الشان قوتوں کو خاک میں ملا دیتا تھا لیکن اب جو میں تجھے خاموش گاڑی میں پڑا دیکھتا ہوں تو مجھے یقین نہیں آتا کہ تو کس طرح خاموش اور بے سدھ پڑا ہے۔

"اے میرے خان! یہ لوگ پوچھتے پھر رہے ہیں کہ تیری روح کہاں چلی گئی کیونکہ جو لوگ ہتھیاروں سے قتل کئے جاتے ہیں ان کے لئے کہا جاتا ہے کہ انہیں آسمان کی ضرب نے ہلاک کر دیا اور ان کی روحیں خلاؤں میں بھٹکتی رہتی ہیں لیکن تو کسی تلوار سے ہلاک نہیں ہوا اور نہ ہی تیرے جسم سے خون بہا اس لئے کہ تو نیلے جاودانی آسمان کا زمین پر مظہر اور نمائندہ تھا اور مجھے یقین ہے کہ تیری روح خلاؤں کی ارواح سے الگ تھلگ تیرے جسم کے آس پاس موجود ہو گی اور ہمیں روتا ہوا دیکھ رہی ہو گی۔"

بوڑھے ترخان کو روتے اور بین کرتے دیکھ کر دوسروں نے بھی رونا اور بین کرنا شروع کر دیا۔

تولی خان نے اپنے دونوں بھائیوں کے ساتھ بیٹھ کر یلو چت سائی سے کہا "تمام متعدد ملکوں کو خبر بھیج دی جائے کہ چنگیز خان کا انتقال ہو چکا ہے اور عنقریب قوریلتائی منعقد ہو گی۔ جس میں نیا خاقان اپنا منصب سنبھالے گا۔"

یلو چت سائی نے ایغوری علما کی مدد سے یہ خبریں چاروں طرف بھجوا دیں۔

اب چنگیز خان کا تابوت گاڑی سے نکال کے بورتے کے خیمے میں پہنچا دیا گیا اور بورتے پابند ہو گئی کہ وہ اس وقت تک اپنے خیمے میں ہی رہے جب تک چنگیز خان کا تابوت خیمے میں موجود تھا۔

سرداروں کی عورتیں ایک قطار کی شکل میں کھڑی ہو گئیں اور باری باری بورتے کے خیمے کے اندر جا کر چنگیز خان کا دیدار کرتی رہیں۔

دوسرے دن یہ تابوت دوسری بیوی کے خیمے میں پہنچا دیا گیا اور وہاں بھی وہی سب کچھ ہوتا رہا جو بورتے کے خیمے میں ہو چکا تھا۔

تیسرے دن تیسری بیوی کا خیمہ تابوت کی وجہ سے آباد ہو گیا۔

چوتھے دن سب سے چھوٹی ملکہ کولان کے خیمے میں تابوت پہنچا دیا گیا۔ یہاں بھی وہی سب کچھ ہوا جو تینوں بیویوں کے خیمے میں ہو چکا تھا۔

بھی لوگ چنگیز خان کی آخری رسوم کی ادائیگی میں مشغول تھے۔ یوہان گوت کا بیکی بلوا لیا گیا تھا۔ اس کا قبیلہ کنڈرا میں آباد تھا اور اس کے لئے مشہور تھا کہ خلائی روحیں اس سے باتیں کرتی ہیں۔ چنگیز خان بھی اپنی زندگی میں بیکی کی بڑی عزت کیا کرتا تھا اور کئی معتبر لوگوں نے یہ بیان دیا تھا کہ چنگیز خان نے اپنی زندگی ہی میں یہ ہدایت کر دی تھی کہ یوہان گوت کا بیکی اس کی آخری رسوم ادا کرے گا۔

تلی خان' اوغدائی خان اور چغتائی خان بیگی کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے پیش آرہے تھے۔

اس نفسا نفسی کے عالم میں اگر کوئی اپنے ہوش و حواس میں تھا تو وہ سیورا تغلنی بیگی تھی۔ یہ لونگ خان کی بیٹی اور تلی خان کی بیوی تھی۔ اس کی دو اولادیں بہت زیادہ مشہور ہوئیں۔ ایک کا نام ہلاکو خان اور دوسرے کا نام تبلائی خان تھا۔ اس بیدار مغز عورت کو مرنے والے چنگیز خان سے بڑی شکایات تھیں۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ چنگیز خان کی فتوحات میں تلی خان کا بڑا ہاتھ تھا۔ چاروں بھائیوں میں سے اگر تلی خان کو نکال دیا جاتا تو فتوحات کے معاملے میں بقیہ تینوں بھائیوں کی کارکردگی برائے نام رہ جاتی۔

جب اوغدائی خان کو چنگیز خان نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا تو سیورا تغلنی بیگی نے چنگیز خان کے اس فیصلے سے اختلاف کیا تھا۔ اس وقت اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ چنگیز خان کے فیصلے کے خلاف آواز بلند کرتی لیکن وہ اپنے اس جذبے کو زندہ رکھے ہوئے تھی اور اب وقت آگیا تھا کہ وہ اس کا اظہار کرے۔

اسے ایک ایسے آدمی کی تلاش تھی جو اسے صحیح مشورہ دے اور اس کا ہمدم و ہم راز بن جائے۔ اس کی دوررس نظروں نے اپنا شخص تلاش کرلیا تھا۔ لیوچیت سائی ایک عرصے سے اس کی نظر میں تھا۔

چنانچہ جب اس نے یہ دیکھا کہ سبھی لوگ مرنے والے کی طرف متوجہ ہیں تو اس نے لیوچیت سائی کو طلب کیا اور اس سے چنگیز خان کی مدح سرائی شروع کردی اور آخر میں کہا "میں تیرے اس عاقلانہ مشورے کو کبھی نہیں بھولوں گی جب تو نے چنگیز خان کو نہایت دلیری سے متنبہ کیا تھا کہ جن ملکوں کو وہ گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر فتح کررہا ہے ان پر حکومت کرنے کے لئے اسے گھوڑے کی پشت سے نیچے آنا پڑے گا اور یہ کہ اگر تمام انسانوں کو قتل کردیا جائے تو کیا وہ خالی زمینوں پر حکومت کرے گا اور شاید تو نے ہی چنگیز خان کو یہ بات بتائی تھی کہ اگر کسانوں کو مار دیا جائے تو چنگیز خان اور اس کی نسلوں کے لئے غلہ کون اگائے گا۔ اگر ہنرمندوں کو قتل کردیا جائے تو خان اور اس کی اولاد کے لئے کپڑے کون بنے گا۔ ہتھیار کون تیار کرے گا۔ سنجنیقیں کیسے بنیں گی۔ اگر تاجروں کو مار دیا جائے تو چنگیز خان کے لئے دولت کون پیدا کرے گا۔ تیری یہ نصیحتیں کام کرگئیں اور چنگیز خان نرم ہوتا چلا گیا۔"

لیوچیت سائی یہ ساری باتیں کسی قدر بے توجہی سے سنتا رہا کیونکہ وہ اس طولانی تمہید کی غرض و غایت جاننا چاہتا تھا۔ وہ مطلب کی بات جاننا چاہتا تھا۔

جب وہ یہ سب کہہ چکی تو لیوچیت سائی نے کہا "میں ہر حال میں جو مناسب سمجھتا تھا اور جو حقائق تھے انہیں بیان کرتا رہا اور اب میں سخت الجھن میں ہوں کہ میں یہ مشورے کسے دوں گا؟ پہلے ایک شخص تھا جو ہم سب کا آقا تھا اور میں پورے وثوق سے حق بیان کر کے مطمئن ہو جاتا تھا مگر اب میں کس کے سامنے حق بیان کروں گا اور اس کا نفاذ کس طرح ہو گا۔ چنگیز تلی خان جنگی امور کا ماہر ہے اور اسے اپنے انہی معاملات میں مشورے درکار ہوں گے۔ اوغدائی خان متحمل مزاج' کھانے پینے کا شوقین' ہنس مکھ اور کسی قدر اعتدال پسند ہے لیکن پتا نہیں کل اس کی کیا حیثیت ہوگی اور اس کو مجھ سے کس قسم کے مشورے درکار ہوں گے۔ رہ گیا چغتائی خان تو اس کے مزاج میں بڑی سختی ہے۔ کسی بھی قسم کی تبدیلی اسے ناگوار گزرتی ہے اور یہ ڈر بھی پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں یہ شخص جانشینی کے لئے اپنا نام نہ پیش کردے کیونکہ یہ اپنے تینوں بھائیوں میں سب سے بڑا ہے جب کہ چنگیز خان نے اوغدائی خان کو اپنا جانشین مقرر کردیا ہے۔"

سیورا تغلنی بیگی نے احتجاج کیا "جب چنگیز خان نے اپنی جانشینی کے لئے چھوٹے بڑے کی قید ختم کردی تھی تو اسے میرے شوہر تلی خان کو اپنا جانشین مقرر کرنا تھا۔ اس معاملے میں مرنے والے نے میرے شوہر کے ساتھ بڑی زیادتی کی۔"

لیوچیت سائی گھبرا گیا۔ یہ بڑی باغیانہ بات تھی جو تلی خان کی بیوی کہہ رہی تھی۔ اس نے سمجھایا "جو بات چنگیز خان نے کہہ دی اسے بدلا نہیں جاسکتا۔ اگر تلی خان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو اس کا ازالہ ممکن ہے۔"

سیورا تغلنی نے پوچھا "وہ کس طرح؟"

لیوچیت سائی نے جواب دیا "تو ایک بیدار مغز عورت ہے اس لئے میں تجھے جو مشورہ دوں گا وہ تیری سمجھ میں آجائے گا جب کہ یہاں کا کوئی اور شخص میری بات نہیں سمجھ سکے گا۔"

دونوں میں دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں مگر کوئی اور شخص اس میں مداخلت نہیں کرسکا۔

آخرکار دونوں میں یہ طے پایا کہ بقیہ باتیں کسی اور وقت ہو جائیں گی اور یہ کہ ان دونوں کو جو باتیں کرنی ہیں ان پر خوب اچھی طرح پہلے غور کرلیا جائے۔

بابر یومان گوت کا بیگی تلی خان کے ساتھ صنوبر کے جنگل میں جاچکا تھا اور وہاں یہ لوگ اس بڑے درخت کو تلاش کررہے تھے جو چنگیز خان کو بہت پسند تھا اور جس کے سائے میں وہ اپنے مدفن کا اشارہ کرچکا تھا۔

قرب و جوار کے قبائلی سرداروں کی آمد شروع ہوچکی تھی اور فی الحال جو رسوم ادا کی جارہی تھیں اور چنگیز خان کے متعلقین جن امور میں الجھے ہوئے تھے وہاں لیوچیت سائی کی ضرورت کم پیش آتی تھی اور اس موقع سے تلی خان کی بیوی پورا فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ وہ یہ فیصلہ کرچکی تھی کہ اسے کم از کم تبلائی خان کو تعلیم دلوانا ہے۔ چنگیز خان اپنی زندگی میں کئی بار تبلائی خان کے بارے میں کہہ چکا تھا کہ یہ بچہ بڑی عقل کی باتیں کرتا ہے اور چنگیز خان کی اسی بات نے سیورا تغلنی بیگی کو یہ یقین دلادیا تھا کہ تبلائی خان

پڑھ لکھ کے اس لائق ہو سکتا ہے کہ اپنے دوسرے عزیزوں اور رشتے داروں میں نمایاں مقام حاصل کر لے۔ اسے یہ یقین تھا کہ جس طرح لیوچت سائی اور دوسرے کئی عالم آہستہ آہستہ اپنے علم کے ذریعے چنگیز خان کے مزاج میں رسوخ حاصل کرتے رہے ہیں اسی طرح اس کا بیٹا قبلائی خان پڑھ لکھ جانے کے بعد ان وحشیوں پر برتری حاصل کر لے گا۔

لیکن وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ اس سے پہلے اس کے شوہر تولی خان کو چنگیز خان کا جانشین مقرر کر دیا جائے اور اس کام میں اس کی مدد لیوچت سائی کر سکتا تھا۔ جب کہ لیوچت سائی جانشینی کے مسئلے میں کسی قسم کی مداخلت بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ عالم خوب جانتا تھا کہ اگر اس نے تولی خان کی بیوی کے کہنے پر اس معاملے میں ذرا سا بھی دخل دیا تو اس کی ساکھ بہت متاثر ہو گی۔ خود تولی خان بھی یہ پسند نہیں کرے گا کہ اوغدائی خان کی جگہ اسے چنگیز خان کا جانشین مقرر کیا جائے۔

اب وہ ارادتاً تولی خان کی بیوی سے بچ رہا تھا اور اس کے سامنے جانے سے کتراتا تھا۔ اسے یہ خدشہ بھی تھا کہ اگر وہ سیورا قلتنی بیگی کے پاس مسلسل آتا جاتا رہا تو لوگ بلاوجہ شک و شبے میں مبتلا ہو جائیں گے چنانچہ کئی بار بلانے کے باوجود وہ تولی خان کی بیوی کے پاس نہیں گیا۔

جب قبائل چنگیز خان کا دیدار کرنے آ جا رہے تھے تو تولی خان کی بیوی نے لیوچت سائی کو ایک منگول خاتون کے ذریعے حکماً بلوا بھیجا۔

لیوچت سائی کو یاد تھا کہ چنگیز خان نے مرتے وقت اس کو یہ ہدایت کی تھی کہ اس کی اولاد کی وفاداری سے خدمت کرنا اور اب سیورا قلتنی بیگی جس طرح سر اٹھا رہی تھی اس سے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ تینوں بھائیوں میں کوئی ہنگامہ اٹھ کھڑا ہو گا جب کہ لیوچت سائی ان تینوں کو متحد رکھنا چاہتا تھا کیونکہ ان تینوں کے اتحاد و اتفاق میں اس کا بھلا تھا۔ چین کا بھلا تھا' دنیا کی بیشتر آبادیوں کا بھلا تھا لیکن اگر ان تینوں میں جھگڑا ہوتا اور جنگ و جدل کا آغاز ہو جاتا تو اس آگ میں بہتوں کے جل جانے کا امکان تھا اور جس جگہ یہ فساد برپا ہونے والا تھا اس سے چین بے حد قریب تھا۔ وہ چین کو نہ صرف ان وحشیوں سے بچانا چاہتا تھا بلکہ ان کے ذریعے اپنے ملک و قوم کو ترقی دینا چاہتا تھا۔

جب سے سیورا قلتنی بیگی نے قبلائی خان کے بارے میں کچھ باتیں کی تھیں' اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر اس بیدار مغز عورت کو قابو میں رکھا جائے تو وہ کئی بڑے مفید مطلب کام انجام دے سکے گی۔

لیوچت سائی نے تیرہ سالہ قبلائی خان کو تلاش کیا اور پھر اسے لے کر سیورا قلتنی بیگی کے پاس پہنچا اور اپنے طلب کیے جانے کی وجہ دریافت کی۔

سیورا قلتنی بیگی نے لیوچت سائی کو سمجھایا "خانِ اعظم کی تدفین سے پہلے ہم دونوں بہت باتیں کر سکتے ہیں لیکن اس کے بعد ہر طرف سے قبائلی سردار اور حکمران جمع ہونا شروع ہو جائیں گے اور میں تم سے وہ باتیں نہیں کر سکوں گی جو اس وقت کرنا چاہتی ہوں۔"

لیوچت سائی نے اس کو سمجھایا "ہم دونوں کو احتیاط کرنی چاہئے۔ خان کے تینوں بیٹے غصے اور اشتعال میں بے قابو ہو جاتے ہیں۔ تو مجھے کئی بار بلوا چکی ہے۔ کیا تولی خان یہ باتیں پسند کرے گا؟"

سیورا قلتنی بیگی نے جواب دیا "میں تولی خان سے نہیں ڈرتی کیونکہ جو میں کر رہی ہوں یا جو چاہتی ہوں اس میں تولی خان اور میرے بیٹوں کا فائدہ ہے۔"

لیوچت سائی نے پوچھا "تو کیا چاہتی ہے؟"

سیورا قلتنی بیگی نے جواب دیا "تو میرے بیٹے قبلائی خان کو خود پڑھا یا لائق استادوں سے پڑھوانا شروع کر دے۔"

لیوچت سائی نے پوچھا "اس سے تجھے کیا فائدہ پہنچے گا؟"

سیورا قلتنی بیگی نے جواب دیا "عالموں کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ میں چاہتی ہوں' چین پر میری اولاد حکومت کرے۔ قبلائی خان کو اتنا زیادہ پڑھا دے کہ وہ اپنے علم کے ذریعے چین پر کامیابی سے حکومت کر سکے۔ میں خون خرابا پسند کرتی ہوں مگر یہ بھی نہیں چاہتی کہ چین کی عام آبادی قتل کر دی جائے۔"

سیورا قلتنی بیگی کے ان خیالات سے لیوچت سائی بے حد خوش ہوا اور اس نے وعدہ کیا کہ وہ قبلائی خان کو پڑھا لکھا کر بہت قابل کر دے گا اور کوشش کرے گا کہ قبلائی خان کو چین کا حکمران بنا دیا جائے۔

سیورا قلتنی بیگی نے خوشی کا اظہار کیا اور اس کا چہرہ تمتما اٹھا۔ وہ کہنے لگی "تب پھر یہ کام فوراً شروع ہو جانا چاہئے اور خانِ اعظم کی تدفین کے بعد جب قرولتائی منعقد ہو تو تجھے یہ کوشش کرنی ہو گی کہ تولی خان کو خاقانِ اعظم بنا دیا جائے کیونکہ چنگیز خان نے جو فتوحات حاصل کی ہیں ان میں میرے شوہر تولی خان کا بڑا ہاتھ ہے۔"

لیوچت سائی نے جواب دیا "تیری یہ دوسری خواہش پوری نہیں ہو سکتی اور نہ میں تیری اس میں کوئی مدد کر سکتا ہوں۔"

سیورا قلتنی بیگی نے لالچ دیا "اگر تولی خان کو خاقان بنا دیا جائے تو میں تجھے مالا مال کر دوں گی اور چینی عوام کو بہت فائدے پہنچاؤں گی۔"

لیوچت سائی نے اس کو مشورہ دیا "میں یہ کام اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک تینوں بھائی اس پر اتفاق نہ کر لیں کہ وہ تولی خان کو بحیثیت خاقان قبول کر لیں گے۔"

سیورا قلتنی بیگی بڑی ہمت والی عورت تھی۔ وہ کہنے لگی "اگر

یہ بات ہے تو میں خاقانی کے لئے تولی خان کو آمادہ کرلوں گی۔"
لیوچت سائی خاموش ہوگیا مگر وہ یہ جانتا تھا کہ سیورا قلنی بیگی تولی خان کو خاقانی کے لئے آمادہ نہیں کر سکے گی۔
دونوں میں بات یہیں پر ختم ہوگئی۔
لیوچت سائی جب باہر آیا تو تولی خان نے اسے طلب کیا۔ اس وقت وہ اپنے دونوں بھائیوں کے پاس بیٹھا ہوا اپنے باپ کی تدفین کے سلسلے میں باتیں کر رہا تھا۔ یوریان گوت کا بیکی بھی وہاں موجود تھا اور یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ اس وقت چنگیز خان کی روح کہاں ہوگی اور بیکی ان تینوں کو عالمانہ انداز میں بتا رہا تھا "چنگیز خان کی روح اس کے جسم کے قریب ہی موجود ہے۔ جب تم لوگ اپنا پاک کا نوڑموں والا پرچم لے کر کسی ملک کو فتح کرنے نکلو گے تو چنگیز خان کی روح اس پرچم میں حلول کر جایا کرے گی اور تمہیں فتح مندی سے ہمکنار کیا کرے گی۔"
لیوچت سائی ان سب کی باتیں سنتا رہا۔ آخر میں اس نے پوچھا "آخر ہم کب تک خان اعظم کے خالی جسم کو زیارت گاہ بنائے رکھیں گے۔ اب اس کی آخری رسوم ادا ہو جانا چاہئیں۔"
بیکی نے ان سب کو بتایا "اس درخت کو تلاش کرلیا گیا ہے جسے خانِ اعظم بہت پسند کرتا تھا۔ اس درخت کے نیچے قبر کھودی جارہی ہے اور میں نے اس قبر کو روایت کے مطابق شمالاً جنوباً کھودنے کا حکم دیا ہے۔"
اوغدائی خان نے پوچھا "بیکی! ذرا آنکھیں بند کرکے یہ تو بتا کہ میرے باپ کی روح بھی اپنے خالی جسم کو تلاش کرے گی اور اس میں دوبارہ داخل ہو سکتی ہے یا نہیں؟"
بیکی نے جواب دیا "تیرے اس سوال کا جواب میرے پاس پہلے سے موجود ہے۔ خان کی روح اپنے خالی جسم میں کسی وقت بھی داخل ہو سکتی ہے اور اگر داخل نہیں بھی ہوگی تو اسے خلاؤں میں خوب صورت لڑکیوں کی ضرورت محسوس ہوگی اس لئے مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ خانِ اعظم کے لیے کم از کم چالیس خوب صورت لڑکیاں عالم بالا کو روانہ کر دی جائیں۔ رہ گیا چنگیز خان کا گھوڑا تو اب اس پر کوئی اور سواری نہیں کر سکتا۔ اسے ہلاک کرکے دوسرے چالیس سفید گھوڑوں کے ساتھ قریب ہی دفن کر دیا جائے۔"
تولی خان نے پوچھا "یہ گھوڑے وہاں خانِ اعظم کے کس کام آئیں گے؟"
بیکی نے جواب دیا "چنگیز خان کی روح عظیم تھی اور عظیم رہے گی۔ وہ جہاں کہیں بھی ہو اسے لڑکیوں کے ساتھ ساتھ گھوڑوں کی بھی ضرورت پیش آئے گی اور یہ گھوڑے وہاں اس کے کام آئیں گے۔"
لیوچت سائی ان سب کی باتیں سنتا رہا اور اس میں کسی قسم کا دخل دینا مناسب نہ سمجھا مگر اسے ان لڑکیوں پر افسوس تھا جو چنگیز خان کے ساتھ دفن کی جانے والی تھیں۔

یہ لوگ چنگیز خان کی لاش کو گاڑی میں ڈال کے صنوبر کے بڑے درخت کے نیچے لے گئے۔ وہاں قبائلیوں کا اتنا بڑا ہجوم تھا جیسے صنوبر کے جنگل میں اور اس کے باہر کوئی بہت بڑا شہر آباد ہوگیا ہو۔ بہتوں کو اب بھی یہ یقین نہ تھا کہ چنگیز خان ان سے جدا ہوگیا ہے اور یہ لوگ آپس میں یہی پوچھتے پھر رہے تھے کہ کیا چنگیز خان کا واقعی انتقال ہو چکا ہے۔ جب وہ آپس میں اس قسم کی باتیں کرتے تھے تو بہت ملول نظر آتے تھے۔
اسی ہجوم میں تولی خان لیوچت سائی کو خانِ اعظم کی کھدی ہوئی قبر کے پاس لے گیا۔ وہاں بیکی بھی موجود تھا۔
تولی خان نے شمالاً جنوباً کھدی ہوئی قبر دیکھی اور لیوچت سائی کو بھی دکھائی۔
بیکی نے ان دونوں کو بتایا "رات کے پچھلے پہر میں نے خان اعظم کی روح سے رابطہ قائم کیا تھا۔ اس نے مجھے ہدایت کی ہے کہ اس کے جسم کو قبر میں لٹایا نہ جائے بلکہ اس طرح بٹھادیا جائے کہ اس کا چہرہ جنوب میں رہے۔"
لیوچت سائی بہت فکرمند ہوگیا کیونکہ جنوب سے مراد اس کا ملک چین تھا اور بیکی کی ان باتوں سے شرارت کی بو آرہی تھی۔
لیوچت سائی نے پوچھا "تو نے خانِ اعظم سے یہ نہیں پوچھا کہ اس نے جنوب کی طرف رخ کرکے بٹھانے کی نصیحت کیوں کی؟"
بیکی نے جواب دیا "میں نے پوچھا تھا۔ اس کی روح نے بتایا کہ چینیوں نے مقولی خان کو تنگ کیا اور جب وہ مرگیا تو سنگ خاندان نے بہت سے علاقوں کو دوبارہ چھین لیا۔ اب خانِ اعظم کی ہدایت پر سوبدائی بہادر اس کی دوبارہ تسخیر پر مامور کردیا گیا ہے۔ چنگیز خان نے یہ بھی بتایا کہ پورے چین پر اس کی نسل حکومت کرے گی اسی لئے وہ اپنی قبر میں بیٹھ کر چین کے سرسبز و شاداب علاقوں پر نظر رکھے گا۔"
کچھ دیر بعد چغتائی خان کی موجودگی اور نگرانی میں تدفین کی رسوم ادا کی جانے لگیں۔ یہ رسمیں بیکی ادا کروا رہا تھا۔ چالیس لڑکیوں اور گھوڑوں کو بھی قبر کے قریب ہی بہت بڑا گڑھا کھود کے دفن کردیا گیا اور چنگیز خان کا گھوڑا نہ صرف ذبح کیا گیا بلکہ اس کی ہڈیاں جلا کے خاص چنگیز خان کی قبر میں ڈال دی گئیں۔
لیوچت سائی نے قبر میں اتر کے دیکھا چنگیز خان کی ادھ کھلی آنکھیں جنوب کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ اس نے نہایت ہوشیاری سے نظریں بچاکے دونوں آنکھوں کو بند کردیا اور باہر نکل آیا۔
قبر کو بند کرنے سے پہلے پتھر کی سلوں سے ڈھانپ دیا گیا اور پھر اس پر مٹی ڈال دی گئی۔
اب اس ہجوم میں سب سے زیادہ معتبر اور لائق تعظیم شخص بیکی تھا کیونکہ اس نے چنگیز خان کی روح سے ملاقات کرلی تھی اور ایسی راز کی بات بتادی تھی جو کسی اور طرح ان کو نہیں معلوم ہو سکتی تھی یعنی چین کے سرسبز و شاداب علاقوں پر چنگیز خان کی نظر

پیش رہے گی۔

لیوچت سائی نے اس ہجوم میں چلتے پھرتے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ان تینوں بھائیوں کو خوش رکھ کے انہیں اپنا احسان مند بنائے گا" قبلائی خان کو چینی زبان کی تعلیم دے گا اور چین سے محبت کرنے کا درس دیتا رہے گا۔ فی الحال سیورا قلتنی بیگی اس کے قابو میں تھی۔ اب اسی کے ذریعے اور خود اپنے طور پر بھی تولی خان کے دل و دماغ پر قابض رہنے کی کوشش کرے گا اور اپنے اس مقصد کے لئے پہل اس اعلان سے کردی "اب ہمیں ان آخری رسوم کی ادائیگی کے فوراً بعد قراقرم روانہ ہو جانا چاہئے کیونکہ چنگیز خان نے اسے اپنا مستقل مستقر قرار دیا ہے۔ وہیں نیا خاقان اپنا منصب سنبھالے گا اور وہیں سے دنیا کی تسخیر کا عمل دوبارہ جاری کیا جائے گا۔"

لیوچت سائی جانتا تھا کہ دریائے کیرولان کی وادی قراقرم کی نسبت چین سے زیادہ قریب ہے اور اگر ان وحشی منگولوں کو مسلمانوں کے باقی ماندہ ملکوں کی تسخیر میں مشغول کیا جائے تو اس کا ملک چین محفوظ ہو جائے گا جب کہ سیورا قلتنی بیگی کی سوچ اس سے مختلف تھی۔ اسے قبائلی دستور کا علم تھا کہ بڑے بھائیوں کو قبائلی دستور کے مطابق بہت کچھ مل جاتا تھا۔ حکومت' دولت' فوج' مویشی' ساتھی اور ان کے بعد جو کچھ بچ جاتا تھا وہ چھوٹے بھائی کو ملتا تھا۔ الاؤ کی آگ کو مستقل روشن رکھنا سب سے چھوٹے بیٹے کی ذمے داری ہوتی تھی گویا قبائلی روایات کا محافظ اور امین سب سے چھوٹا بیٹا ہوتا تھا اور اسے اوچی گین کہا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے سیورا قلتنی بیگی کا شوہر تولی خان منگولوں کا اوچی گین تھا۔

سیورا قلتنی بیگی اپنے شوہر کی حیثیت اوچی گین سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی اور جب اس موضوع پر لیوچت سائی سے گفتگو ہوئی تو اس نے تولی خان کی بیوی کو سمجھایا "ابھی قوریلتائی کے انعقاد میں وقت لگے گا۔ ہو سکتا ہے کہ پورے دو سال لگ جائیں اور تو خود بھی یہ جانتی ہے کہ ہم سب دریائے کیرولان کی اس وادی میں وقتی طور پر جمع ہوئے ہیں۔ روس اور ایشیائے کوچک جیسے دور دراز علاقوں سے آنے والے مہمانوں کو سالوں لگ جائیں گے اور یہ سب قراقرم میں اکٹھا ہوں گے۔ ابھی سوچنے کے لئے بہت وقت پڑا ہے اس لئے فی الحال تو قبلائی خان کی تعلیم و تربیت پر توجہ دے۔ میں بھی کوئی راستہ نکالوں گا۔"

چنگیز خان کی تدفین کے بعد سرداروں اور نویانوں نے قراقرم کا رخ کیا لیکن اب ان میں خاقان کے انتخاب پر باتیں ہونے لگی تھیں اور خاقانی کے لئے اوغدائی خان اور چغتائی خان میں تنازعے کا امکان تھا۔ تولی خان کی حیثیت اب بھی مستحکم تھی۔ وہ اردوئے معلیٰ کا سپہ سالار اعلیٰ تھا۔ پوری فوج اس کے تابع فرمان تھی۔ یہ فوج چین میں کارروائی کر رہی تھی اور یہی فوج مسلمانوں کے باقی ماندہ ملکوں میں کارروائی کر سکتی تھی۔ لیوچت سائی نے تولی خان کی اسی حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سیورا قلتنی بیگی کا قرب اختیار کیا تھا۔ تولی خان جب چاہتا سبودائی بہادر کو چین سے واپس بلا سکتا تھا۔

چنگیز خان کا خیمہ اب بورتے کے قبضے میں تھا لیکن خاقان کی مسند خالی تھی۔ تینوں بھائی اس خیمے میں ماں کے پاس بیٹھتے اور زبردست اتحاد کا مظاہرہ کرتے۔

بورتے بھی یہی چاہتی تھی کہ ان تینوں میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔ جوجی خان کی موت کا گھاؤ ابھی مندمل نہیں ہوا تھا مگر اسے یہ اطمینان ضرور ہو گیا تھا کہ اس کا جو بیٹا سب سے زیادہ متنازعہ تھا وہ مر چکا تھا۔

بورتے اپنے تینوں بیٹوں کی موجودگی میں لیوچت سائی کو بلوا لیتی اور یہ لوگ اس چینی مفکر کی موجودگی میں اس قسم کی باتیں شروع کر دیتے جو کسی بھی وقت تنازعے کی شکل اختیار کر سکتی تھیں۔ ایک ایسے ہی موقع پر بورتے نے لیوچت سائی سے پوچھا "تو جانتا ہے کہ خان نے اوغدائی خان کو اپنا جانشین کیوں مقرر کیا تھا؟"

لیوچت سائی نے جواب دیا "مرنے والا اپنے بیٹوں کی طبیعتوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ تولی خان اپنی فوج کا ہردلعزیز سپہ سالار ہے۔ اس کا زیادہ وقت جنگی میدانوں میں گزرتا ہے اس لئے اس کو خاقانی کا اہل نہیں سمجھا گیا۔ نہ گیا چغتائی خان جو اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا ہے اور اپنے باپ کی جانشینی کا پورا پورا حق رکھتا ہے مگر یہ سخت مزاج ہے اور اس کی سخت مزاجی کسی بھی وقت کوئی ہنگامہ کھڑا کر سکتی ہے جب کہ چنگیز خان کا خیال تھا کہ خاقان ایک ایسے شخص کو ہونا چاہئے جو متحمل مزاج ہو۔ جو خوش مزاج اور ہنس مکھ ہو اور جسے اپنوں پر غصہ نہ آتا ہو۔ یہ ساری خوبیاں اوغدائی خان میں موجود ہیں اس لئے اس نے اپنی زندگی ہی میں اوغدائی خان کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔"

اوغدائی خان نے کہا "مجھے تو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں جوجی خان کو خاقان نہ بنا دیا جائے۔ اگر میرا باپ یہ غلطی کرتا تو میں اس کی مخالفت کرتا کیونکہ وہ ہم میں سے نہیں تھا۔"

بورتے نے کہا "تیرا باپ چنگیز خان جوجی سے بہت محبت کرتا تھا اور اس نے ایک دن بھی اپنی کسی بات سے یہ تاثر نہیں ظاہر ہونے دیا کہ جوجی خان اس کا اس لئے بیٹا نہیں ہے کہ اس کی رگوں میں مرکیت کا خون دوڑ رہا ہے۔ کیا تم لوگوں نے چنگیز خان کے چہرے کو اس وقت غور سے نہیں دیکھا تھا جب اسے جوجی خان کی موت کی خبر پہنچائی گئی تھی؟ میں جانتی ہوں کہ اس سانحے نے اس کو توڑ پھوڑ کے رکھ دیا تھا اور اس موقع پر جب اس نے تخلیے کا حکم دیا تھا تو اس کا صریح مطلب یہ تھا کہ وہ اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو دوسروں سے چھپانا چاہتا تھا۔ وہ جوجی خان سے بہت محبت کرتا تھا پھر جب اس نے اوغدائی خان کو اپنا جانشین مقرر کیا تو اس میں یہ مصلحت بھی پوشیدہ تھی کہ خاقان کے انتخاب میں اگر جوجی خان کو نظرانداز کیا گیا تھا تو چغتائی خان کو بھی اس سے محروم کر دیا گیا۔"

لیوچت سائی نے محسوس کیا کہ بورتے کی آواز اس کے حلق میں پھنس گئی تھی۔ وہ بہت غمزدہ تھی۔ شاید اس وقت وہ جوجی خان اور چنگیز خان کی موت کے صدموں کو ایک ساتھ اور یکساں محسوس کر رہی تھی۔

اس غمزدہ ماحول میں سیورا قلغنی بیگی بھی داخل ہو گئی۔

بورتے کو ضبط و برداشت سے کام لینا پڑا اور اس نے فوراً ہی موضوع بدل دیا۔ اس نے سیورا قلغنی بیگی سے پوچھا "تیرا بیٹا تبلائی خان لیوچت سائی سے تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ آخر کیوں؟"

سیورا قلغنی بیگی نے جواب دیا "ہاں! یہ سچ ہے کیونکہ آنے والا زمانہ پڑھے لکھوں کا ہے۔ میں اپنے بیٹے کو پڑھا لکھا کر عالم بناؤں گی تاکہ وہ عالموں اور جاہلوں پر یکساں حکومت کر سکے۔"

بورتے نے آہستہ سے کہا "پھر بھی یہ اپنے باپ تولی خان کا ہم پلہ نہیں بن سکے گا۔"

اوغدائی خان نے تبلائی خان کی تعریفیں کیں "خان مرنے سے پہلے تبلائی خان کی عقلمندی کی تعریفیں کیا کرتا تھا حالانکہ جب تبلائی خان نو سال کا تھا تو خان نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔"

چغتائی خان نے کہا "لیکن یہ بات بھی طے ہے کہ حکومت کرنے کے لئے جس سختی، ظلم و سفاکی کی ضرورت ہوتی ہے، پڑھے لکھے لوگ اس سے محروم ہوتے ہیں۔"

سیورا قلغنی بیگی نے غصے میں پوچھا "ہزاروں سال سے جو پڑھے لکھے چینی بادشاہ حکومت کر رہے تھے وہ تو ظالم اور سفاک نہیں تھے پھر وہ کس طرح حکومتیں کر گئے؟"

چغتائی خان نے طنزاً پوچھا "پھر ان پڑھے لکھے بادشاہوں کو کس نے خاک میں ملا دیا؟"

سیورا قلغنی بیگی نے جواب دیا "ملکوں اور حکومتوں کو فتح کرنے کے لئے جس بے رحمی، سفاکی اور ظلم کی ضرورت ہوتی ہے حکومت کرنے کے لئے ان کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کیا ہم میں سے کوئی بھی دعوے سے یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم چینی بادشاہوں کی طرح ہزاروں سال حکومت کر سکیں گے۔"

اوغدائی خان ہنس پڑا تھا۔ وہ کہنے لگا "باتیں تو تبلائی خان کی طرح سیورا قلغنی بیگی بھی بہت اچھی کر لیتی ہے۔"

تنک مزاج تولی خان نے لیوچت سائی سے پوچھا "یہ سب جو باتیں کر رہے ہیں ان میں سچی بات کیا ہے؟"

چالاک اور خردمند لیوچت سائی نے جواب دیا "خان نے مرنے سے پہلے تبلائی خان کی تعریفیں کی تھیں کہ یہ بڑی عقل کی باتیں کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خان بھی عقل کو بڑی اہمیت دیتا تھا لیکن ساتھ ہی سختی، ظلم و سفاکی کو بھی ضروری سمجھتا تھا کیونکہ یہی وہ اوصاف تھے جن سے اس نے معلوم دنیا کے بیشتر علاقے فتح کر ڈالے مگر جب میں نے خان کو سمجھایا تھا کہ ان مفتوحہ علاقوں پر حکومت کرنے کے لئے اس کو گھوڑے کی پشت سے اترنا پڑے گا تو میری یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی اور وہ عقل کی اہمیت سے آگاہ ہونے لگا تھا۔ پھر وہ علم کا بھی معترف ہوتا چلا گیا۔"

لیکن چغتائی خان لیوچت سائی کی یہ باتیں ماننے کو تیار نہ تھا۔ وہ اپنی بات پر اڑا رہا اور غصے میں یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا "تم لوگ جو چاہو کرو لیکن میں اور میری اولادیں بتا دیں گی کہ علم اور عقل کس طرح سختی، ظلم اور سفاکی کے ماتحت رہتی ہیں۔"

چغتائی خان کے چلے جانے کے بعد سیورا قلغنی بیگی نے سب کے سامنے جلال الدین خوارزم شاہ کا ذکر کیا "وہ پڑھا لکھا عقلمند شہزادہ آج تک سختی، ظلم اور سفاکی کے قابو میں نہیں آیا۔ خان اس کی گرفتاری اور موت کی حسرت لئے دنیا سے رخصت ہو گیا۔"

تولی خان نے بیوی کو ڈانٹا "اس قسم کی باتیں مت کر جن سے میرے باپ کی ہتک کا پہلو نکلتا ہو۔"

بورتے بھی ناراض ہو کر چلی گئی لیکن اوغدائی خان سیورا قلغنی بیگی کا ساتھ دے رہا تھا "تو نے صحیح فیصلہ کیا اور مجھے یہ یقین ہے کہ تو نے جس کام کی پہل کی ہے آخرکار میری قوم اسے اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔"

لیوچت سائی نے بھی تولی خان کو سمجھایا "دیکھ تولی خان! میں نہ تو ظالم ہوں نہ سفاک لیکن میری جن باتوں نے مرنے والے خان کو سب سے زیادہ متاثر کیا ان کا تعلق عقل و علم سے تھا۔ مجھے تو تیرا یہ بیٹا تبلائی خان دنیا کا ایک بہت بڑا حکمران نظر آ رہا ہے۔"

تولی خان نے چنگیز خان کی پیروی میں اپنے بیٹے تبلائی خان کی بڑائی کا دل میں اعتراف کیا اور سیورا قلغنی بیگی سے کہا "تو اونگ خان کی بھتیجی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اونگ خان بھی بڑا عقلمند تھا۔"

اب اس خالی خیمے میں بیٹھ کر وہ کیا کرتے سبھی نکل کر اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔

O☆O

چنگیز خان کی تدفین کے بعد بھی لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ ان کی مہمان نوازی ہوتی اور پھر انہیں بتایا جاتا کہ سبھی کو قراقرم پہنچنا ہے کیونکہ خان نے قراقرم کو اپنا مستقل مستقر قرار دیا تھا۔

یوریان گوت کا بیکی اپنے وطن واپس جانے کی فکر میں تھا لیکن لیوچت سائی نے اسے روک لیا اور کہا "جب تک خاقان کا انتخاب نہ ہو جائے تو اپنے وطن واپس نہیں جائے گا۔ اس وقت ہم سب کو تیری ضرورت ہے۔"

• ایک بار پھر کیرولان کی وادی اجڑنے لگی لیکن بیکی کے قبیلے یوریان گوت کو یہیں آباد ہو جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ تینوں بھائی یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے باپ چنگیز خان کے مدفن کا دشمنوں کو علم ہو جائے۔ ان تینوں بھائیوں نے یوریان گوت کو حکم دیا "تمہیں فوجی خدمات سے آزاد کیا گیا۔ اب تم لوگ خان کے مدفن کے آس پاس آباد ہو جاؤ اور کسی کو بھی خان کی قبر کے پاس مت جانے دو۔"

یوریان گوت میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ تینوں بھائیوں کا یہ حکم نہ مانتے لیکن وہ قید و بند کے عادی نہیں تھے اس لئے پوچھا "ہمیں کب تک اس مدفن کی حفاظت کرنا ہوگی؟"

اوغدائی خان نے جواب دیا "جب تک دشمنوں کا اندیشہ باقی ہے۔"

تولی خان نے کہا "نہیں بلکہ جب تک صنوبر کے چھوٹے چھوٹے درخت قد آور نہ ہو جائیں اور یہ قد آور درخت خان کے مدفن کو اپنے دامن میں اس طرح نہ چھپالیں کہ یہ مدفن لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے، تم سب کو یہیں رہنا ہوگا۔"

بیکی کو اپنے قبیلے کے اس طرح پابند و قید ہو جانے کا دکھ تھا مگر وہ ان کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن آہستہ آہستہ اس نے اپنے قبیلے کے لئے بہت زیادہ مراعات حاصل کر لیں۔

بیکی تولی خان کے ساتھ قراقرم روانہ ہو گیا لیکن اس سفر کے دوران تولی خان سے زیادہ بیکی کو لیوچت سائی کی صحبت میسر آئی۔ یہ شخص اپنی عاقلانہ باتوں سے بیکی کو بھی متاثر کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ دونوں میں دوران سفر بہت سی باتیں ہوئیں اور بیکی نے یہ خطرہ ظاہر کیا "مجھے اندیشہ ہے کہ خاقان کے انتخاب کے وقت چغتائی خان ضرور جھگڑا کرے گا۔"

لیوچت سائی نے بھی تصدیق کی "اوغدائی خان کی نرم مزاجی اور خوش اخلاقی اس کے اپنے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی کیونکہ وہ اپنے بڑے بھائی چغتائی خان کی بڑی عزت کرتا ہے اور پھر وہ جیسے ہی پیچھے ہٹے گا، چغتائی خان خاقانی پر قبضہ کر لے گا۔"

بیکی نے کہا "لیکن تولی خان ایسا نہیں ہونے دے گا۔"

لیوچت سائی نے کہا "اور جب تولی خان یہ نہیں ہونے دے گا تو ان میں آپس میں تلواریں میان سے باہر آجائیں گی اور خانہ جنگی کا آغاز ہو جائے گا۔"

یہ دونوں اسی قسم کی باتیں کرتے ہوئے قراقرم کی طرف بڑھتے رہے۔

لیوچت سائی کو اب یہ یقین ہو گیا تھا کہ پراسرار قوتوں کا حامل بیکی خاقانی کے انتخاب میں بہت اچھا مددگار ثابت ہوگا۔

اسی سفر کے دوران انہیں کئی جگہ پڑاؤ بھی کرنا پڑا اور جب بھی قافلہ رکتا، سیورا قتنی بیگی لیوچت سائی سے مل لیتی۔ اس کی اب بھی درپردہ یہی کوشش تھی کہ تولی خان کو خاقان بنا دیا جائے۔

لیوچت سائی نے اس کو سمجھایا "تو اس قسم کی باتیں مت کر کیونکہ تیری سب سے زیادہ مخالفت تولی خان کرے گا اور ہم لوگ تولی خان کی مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

سیورا قتنی بیگی نے مختلف ذرائع سے یہ سن رکھا تھا کہ آج کل لیوچت سائی کے پراسرار بیکی سے بہت اچھے تعلقات ہیں۔ اگر یہ دونوں آپس میں ایکا کر لیں اور تولی خان کا ساتھ دیں تو خاقانی اس کے شوہر کو مل جائے گی۔

اس نے لیوچت سائی سے پوچھا "کیا یہ درست ہے کہ بیکی تیرا بہت گہرا دوست ہو گیا ہے؟"

لیو چت سائی نے جواب دیا "میری کسی سے بھی کوئی دشمنی نہیں، سبھی میرے دوست ہیں۔ بیکی بھی میرا دوست ہے۔"

سیورا قلتنی بیگی نے اس کو سمجھایا "تب پھر یہ کام بہت آسان ہے۔ تم دونوں جوڑ توڑ کر کے میرے شوہر کو خاقان بنوا سکتے ہو۔"

لیو چت سائی نے برا سا منہ بنایا اور کہا "جو کام تولی خان کو پسند نہیں وہ ہم دونوں کس طرح کر سکتے ہیں۔ پہلے تو خاقانی کے لئے تولی خان کو آمادہ کر۔ جب وہ آمادہ ہو جائے اور ہم دونوں کے سامنے یہ اقرار کر لے کہ وہ خاقانی کو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو ہم دونوں اس کے لئے کام شروع کر دیں گے۔"

جب وہ اپنے بائیں طرف نمکین جھیلوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے تو اچانک یہ لشکر رک گیا اور دریافتِ حال پر پتا چلا کہ قرولتائی میں شرکت کے لئے شمال سے کچھ قبائل آ رہے ہیں۔ یہ لوگ ان کے انتظار میں یہاں رک گئے تھے۔ یہاں ہوا میں بڑی رطوبت تھی اور شمال سے آنے والی ہوائیں جسم کو چیچپا کر رہی تھیں۔

تحمل مزاج سیورا قلتنی بیگی میں ان دنوں بہت زیادہ عجلت آ گئی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ وہ جو کچھ چاہتی ہے اسے فوراً مل جائے چنانچہ اس کا شوہر تولی خان جیسے ہی خیمے میں داخل ہوا سیورا قلتنی بیگی نے اپنی باتیں شروع کر دیں۔ اس نے تولی خان سے پوچھا "جب خاقانی جوجی خان کا حق تھی تو خان نے جوجی خان کا حق اوغدائی خان کو کیوں دے دیا؟"

تولی خان نے غصے میں کہا "جوجی خان بورتیجین نہیں تھا، وہ مرکیت تھا پھر وہ کس طرح خاقانی کا حقدار تھا۔"

سیورا قلتنی بیگی نے پینترا بدلا "چغتائی خان تو بورتیجین ہے پھر اس پر اوغدائی خان کو کیوں ترجیح دی گئی؟"

تولی خان نے اپنی بیوی کو ڈانٹا "دیکھ! تو وہ بات مت کر جو میرے باپ چنگیز خان کو ناپسند تھی۔"

سیورا قلتنی بیگی نے غصے میں کہا "میں دیکھ رہی ہوں کہ بڑے بڑے شہر اور ملک تیری نگرانی میں فتح ہوئے اور چنگیز خان بھی سب سے زیادہ تجھ ہی کو اہل سمجھتا تھا کہ جس سمت تو فوج لے کر جائے گا ناکام واپس نہیں آئے گا۔ اب بھی یہی حال ہے کہ ہم میں خان تو موجود نہیں ہے لیکن فوج تجھ پر جان چھڑکتی ہے پھر تو خاقان کیوں نہیں بن جاتا؟"

تولی خان نے نہایت برہمی کے عالم میں بیوی کو سمجھایا "دیکھ! تو اس جھگڑے میں مت پڑ۔ میرے باپ نے اوغدائی خان کو اپنا جانشین مقرر کر دیا، ہمارے لئے بس یہی کافی ہے۔"

سیورا قلتنی بیگی کھڑی ہوئی اور زور زور سے پاؤں پٹخنے لگی "لیکن میں خان کے اس فیصلے کو نہیں مانوں گی۔ میں اپنے بچوں کے مستقبل کو تباہ نہیں کروں گی، تجھے ہر حال میں خاقان بننا ہو گا۔"

تولی خان بھی غصے میں کھڑا ہو گیا اور سیورا قلتنی بیگی کو ڈانٹتے ہوئے کہا "بے وقوف عورت! تو میری بات کیوں نہیں سمجھتی۔ اگر میرے باپ چنگیز خان نے بھائی اوغدائی خان کی خاقانی کے سلسلے میں کوئی مبہم حکم دیا ہوتا تو میں تیری باتوں پر ضرور غور کرتا اور اپنی خاقانی کے لئے کوشش کرتا لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جس روز بھائی اوغدائی خان کی خاقانی کا میرے باپ نے فیصلہ کیا تھا تو اس نے تیروں کا ترکش منگوا کے باری باری ہم سب کو دیا تھا اور کہا تھا کہ تیروں کے اس گچھے کو توڑو۔ ہم سب نے اپنے اپنے طور پر اس گچھے کو توڑنے کی کوشش کی تھی اور ناکام رہے تھے۔ اس پر چنگیز خان نے کہا تھا کہ جب تک تم سب تیروں کے اس گچھے کی طرح متحد رہو گے، تمہاری حکومت قائم رہے گی لیکن جس دن تم الگ الگ ہو جاؤ گے، تمہاری حکومت بھی غائب ہو جائے گی۔ میں اپنے باپ کی اس نصیحت کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا۔"

اس مضبوط دلیل نے سیورا قلتنی بیگی کو کچھ دیر کے لئے خاموش کر دیا لیکن وہ قائل نہ ہوئی۔ کچھ دیر بعد اس نے حقارت سے کہا "میں زندوں کے بارے میں سوچ رہی ہوں اور تو مردوں کی باتیں کر رہا ہے۔ خان مر چکا ہے اس لئے اس کا بار بار ذکر نہیں ہونا چاہئے۔"

تولی خان کو غصہ تو بے حد آیا لیکن سیورا قلتنی بیگی کی یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ اب اسے زندوں کی بات کرنی چاہئے۔ مرنے والا تو مر گیا اب اس کا کیا ذکر لیکن اسی لمحے تولی خان کو یاد آیا کہ چنگیز خان کہا کرتا تھا "میرے بچو! میں نے تمہیں زمین کے ایک بہت بڑے حصے کا مالک بنا دیا ہے۔ میرے بعد تم عیش کرو گے۔ تمہیں اچھے کھانے میسر آئیں گے۔ تمہارے خزانے سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے بھرے رہیں گے۔ قیمتی لباس پہنو گے۔ دنیا کی حسین ترین عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ داد عیش دو گے اور تم سب اس شخص کو بھول جاؤ گے جس کی وجہ سے تمہیں یہ سب میسر آیا۔"

تولی خان نے اپنی بیوی کو منع کیا "آئندہ تو کوئی ایسی بات نہیں کرے گی جس سے میرے باپ چنگیز خان کی سولدو (روح) کو دکھ پہنچے۔"

سیورا قلتنی بیگی کی ان کوششوں کا خاندان میں ذکر ہونے لگا تو

اوغدائی خان کی بیوی تورا کینہ نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ اس کا تعلق مرکیت قبیلے سے تھا۔ اس نے سیورا قلتنی بیگی سے کہا "تم لوگوں نے جوجی خان کو صرف اس لئے خاقان نہیں بننے دیا کہ وہ مرکیت تھا لیکن تمہیں یہ نہیں معلوم کہ تم لوگ مرکیت کو پیچھے نہیں رکھ سکتے۔ اوغدائی خان خاقان بن گیا تو میں مرکیت کی طرف سے تم سب پر حکومت کروں گی۔"

سیورا قطنی بیگی کو بھی ان تند و تیز کلمات پر غصہ آگیا۔ وہ کہنے لگی "تو چغتائی کا مطلب بھی جانتی ہے؟" بولی۔

تورا کینہ نے جواب دیا "خوب جانتی ہوں۔ جنگلی گھوڑے کو کہتے ہیں۔"

سیورا قطنی بیگی نے کہا "یہ جنگلی گھوڑا چنگیز خان کا سب سے بڑا بیٹا ہے۔ یہ خاقان بن سکتا ہے اور تیرے شوہر کی خاقانی دیوانے کا خواب بن کر رہ جائے گی۔"

تورا کینہ نے کہا "تیرا شوہر تولی خان ابھی تک خود کو پہچان نہیں سکا حالانکہ تولی کا مطلب ہی آئینہ ہے۔ تو اپنے شوہر سے کہہ کہ وہ اپنے اس آئینے میں ہر روز اپنی شکل دیکھ لیا کرے۔ وہ اپنے تینوں بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہے اس لئے کبھی خاقان نہیں بن سکتا۔"

بیویوں کی یہ لفظی جنگ باقاعدہ تیغ و تفنگ کی جنگ کی شکل اختیار کر سکتی تھی لیکن اوغدائی خان اور تولی خان نے اپنی اپنی بیویوں کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا کہ وہ آئندہ آپس میں اس قسم کی باتیں نہیں کریں گی۔

سردیاں شروع ہو گئیں اور مزید مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ چین سے سوبدائی بہادر بھی آگیا تھا۔ منگولیا سے تینوں بھائیوں کا چچا قسار بھی آگیا۔ روس سے جوجی خان کا بڑا بیٹا باتو خان پہنچ چکا تھا۔

ان سب کے پہنچنے کے بعد قرولتائی کے لئے ایک طویل و عریض شامیانہ نصب کیا گیا۔ اس شامیانے کے نیچے مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام ہوا۔ یہیں وہ مسند بھی بچھی ہوئی تھی جس پر نئے خاقان کو بیٹھنا تھا لیکن فی الحال اس مسند پر بیٹھنے کے لئے کوئی تیار نہ تھا۔ یوریان گوت کا بیکی اب بھی یہاں موجود تھا اور وہ یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح خاقان کا انتخاب عمل میں آجائے تو وہ چنگیز خان کے مدفن کے آس پاس آباد اپنے قبیلے میں واپس چلا جائے۔

بیکی کی کوشش یہ تھی کہ اوغدائی خان خاقان کی خالی مسند پر بیٹھ جائے لیکن اوغدائی خان نے یہ کہہ کر اس پر بیٹھنے سے انکار کر دیا تھا کہ چچا قسار اور بھائی چغتائی خان کی موجودگی میں وہ کس طرح اس مسند پر بیٹھ سکتا ہے۔

سبھی لوگ اوغدائی خان پر دباؤ ڈال رہے تھے لیکن وہ کسی کی بھی بات ماننے کو تیار نہ تھا۔

اس تذبذب اور شک و شبے میں چالیس دن گزر گئے اور یہ مسئلہ اپنی جگہ رہا۔

آخر چالاک بیکی نے لیوچت سائی سے ایک ملاقات کی اور پوچھا "آخر یہ مسئلہ کس طرح طے ہوگا؟"

لیوچت سائی نے جواب دیا "اگر تو میرا ساتھ دے تو یہ مسئلہ کل ہی حل ہو جائے گا۔"

بیکی نے جواب دیا "میں تیار ہوں۔"

وہ دونوں کچھ دیر لائحہ عمل طے کرتے رہے اور منصوبے کے مطابق دوسرے دن جب سبھی لوگ شامیانے کے نیچے بیٹھ گئے تو اوغدائی خان پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ خاقان کی مسند پر بیٹھ جائے مگر اوغدائی خان نے پھر انکار کر دیا۔

بیکی لیوچت سائی سے دور بیٹھا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور لیوچت سائی کے قریب جا کر پوچھا "کیا یہ درست ہے کہ تو علم نجوم سے بھی واقف ہے؟"

لیوچت سائی نے جواب دیا "میں اس علم پر خاصا عبور رکھتا ہوں۔"

بیکی نے کہا "تب پھر حساب لگا کر بتا کہ خاقان بننے کے لئے بہترین وقت کون سا ہے؟"

لیوچت سائی زائچہ تیار کرنے لگا۔ بیکی، قسار، سوبدائی بہادر اور تینوں بھائیوں کو ایک طرف لے گیا اور ان سے کہا "آج لیوچت سائی کے علم نجوم پر دسترس کا بھرم بھی کھل جائے گا کیونکہ کل رات میری ملاقات چنگیز خان کی روح سے ہوئی تھی اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ خاقان اوغدائی خان کو بنایا جائے اور کل جس گھڑی اوغدائی خان کو خاقان کی مسند پر بٹھایا جائے گا وہ خوش قسمتی کی آخری گھڑی ہوگی۔ اگر کل کا دن بھی شک و شبے میں گزر گیا تو پھر کبھی بھی کوئی خاقان نہیں بن سکے گا اور ہمارا زوال شروع ہو جائے گا۔ اب اگر لیوچت سائی کا علم نجوم بھی ہماری اس بات کی تصدیق کر دے گا تو پھر اوغدائی خان کو خاقان بننا ہی پڑے گا۔"

اس مشورے کے بعد یہ سب لیوچت سائی کے پاس پہنچے اور پوچھا "زائچہ بن گیا؟"

لیوچت سائی نے جواب دیا "زائچہ تیار ہے اور اس زائچے کی رو سے اوغدائی خان خاقان بنے گا اور یہ ساعتیں خاقان کے لئے خوش قسمتی کی ساعتیں ہیں اور یہ خوش قسمت ساعتیں پھر کبھی واپس نہیں آئیں گی۔"

بیکی نے اوغدائی خان کو بازو سے پکڑا اور خاقان کی مسند کے قریب لے گیا۔ لیوچت سائی نے اس کی مدد کی اور دونوں نے اوغدائی خان کو خاقانی کی مسند پر بٹھا دیا۔

سامنے چغتائی خان کھڑا ہوا تھا۔ لیوچت سائی اس کے پاس گیا اور اس سے آہستہ سے کہا "تو موجودہ خاقان کا بڑا بھائی ہے مگر اس وقت تو اس کی رعایا ہے۔ آگے بڑھ اور سب سے پہلے اپنے خاقان کو سجدہ کر۔"

کچھ تامل کے بعد چغتائی خان نے اوغدائی خان کو سجدہ کیا اور پھر باری باری ہر کوئی سجدے میں گر گیا۔

تورا کینہ خوش تھی کہ اب بور جیجن نسل کے اوغدائی خان کے ساتھ مرکت قبیلے کی تورا کینہ بھی حکومت کرے گی۔

سیورا قطنی بیگی کی امیدیں خاک میں مل گئی تھیں لیکن وہ اب بھی مایوس نہیں تھی کیونکہ تبلائی خان تعلیم حاصل کر رہا تھا گویا چین اس کا منتظر تھا۔

کئی دن بعد نئے خاقان نے احکامات جاری کرنے شروع کردیے اور لیوچت سائی اپنی منصوبہ سازیوں میں مصروف ہوگیا۔

سوبدائی بہادر نے تولی خان کی موجودگی میں چین کے ایک ایسے شہر کا ذکر کیا جو فتح کیا جا چکا تھا مگر قوبلائی میں شرکت کی وجہ سے شہر کی پندرہ لاکھ سرکش آبادی قتل ہونے سے بچ گئی تھی۔ اب اصولاً سوبدائی بہادر کو نئے خاقان سے اس قتل عام کی اجازت حاصل کرنی تھی۔ جب یہ مسئلہ اوغدائی خان کے سامنے رکھا گیا تو لیوچت سائی نے نہایت جرات سے کام لیا اور سوبدائی بہادر کی مخالفت میں کھڑا ہوگیا۔ اس نے نہایت دلیری سے خاقان کی نئی پالیسی کا اعلان کیا۔ یہ پالیسی خود اس نے تیار کی تھی۔

لیوچت سائی نے سوبدائی بہادر کی طرف دیکھتے ہوئے اوغدائی خان سے کہا "چنگیز خان نے غیر ضروری قتل عام کو اس لئے جائز قرار دیا تھا کہ وہ اقوام عالم کو دہشت زدہ کرکے اپنا رعب قائم کرنا چاہتا تھا لیکن اب رعب قائم کرنے کا دور ختم ہوگیا اس لئے غیر ضروری قتل عام کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔"

سوبدائی بہادر نے اس چینی حکیم کی اس جرات کو بے جا مداخلت قرار دیا اور کہا "میں ان پندرہ لاکھ سرکشوں کو ضرور قتل کروں گا۔"

لیوچت سائی نے سوبدائی بہادر سے پوچھا "تو انہیں بار بار سرکش کیوں کہتا ہے؟"

سوبدائی بہادر نے کہا "یہ لوگ میری مزاحمت کر رہے تھے اور انہوں نے کئی ماہ تک مجھے روکے رکھا۔"

لیوچت سائی نے کہا "مگر یہی وہ لوگ ہیں جو تیرے لئے غلہ پیدا کرتے ہیں، کپڑے بنتے ہیں، لوہے کے ہتھیار بناتے ہیں، کارآمد اوزار تیار کرتے ہیں۔ ان میں بہت سے وہ لوگ ہوں گے جو جاہلوں کو تعلیم دیتے ہیں اور سرکاری حساب کتاب رکھتے ہیں۔ جب یہ سب قتل کردیے جائیں گے تو ان کا کام کون کرے گا۔ تو کرے گا یا یہ منگول کریں گے؟"

اوغدائی خان نے کہا "خان نے مرتے وقت نصیحت کی تھی کہ میں لیوچت سائی کے مشورے پر عمل کرتا رہوں اور یہ وفاداری اور دیانتداری سے ہماری خدمت کرتا رہے گا۔ میں اپنے باپ چنگیز خان کی وصیت پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔"

سوبدائی بہادر مایوس ہوگیا اور اس نے تولی خان کی طرف دیکھا۔ تولی خان نے کہا "ہمیں خاقان کا حکم تو ماننا ہی پڑے گا ورنہ ہم سب منتشر ہوجائیں گے اور ہماری حکومت غائب ہوجائے گی۔"

سوبدائی بہادر مایوس ہوگیا اور نئے خاقان نے لیوچت سائی کے مشورے پر حکم جاری کیا "غیر ضروری قتل و غارت گری بند کر دی جائے، مدرسے کھولے جائیں، پڑھے لکھے لوگوں کو سرکاری ملازمتوں پر فائز کیا جائے تاکہ وہ حکومت کے جمع خرچ کا حساب کتاب رکھ سکیں۔ جلال الدین خوارزم شاہ کا پتا لگایا جائے اور اس کو گرفتار کرکے سزا دی جائے تاکہ چنگیز خان کی روح کو سکون میسر ہو۔ حکومت کی حدود کو وسعت دی جائے۔ نئے شہر اور نئے ملک فتح کئے جائیں۔ چین اور دریائے کیرولان کا علاقہ تولی خان کے تصرف میں رہے گا۔"

نئے نئے مدرسے کھلنے لگے اور اردو بالیغ (اردو دربار، قراقرم کا نیا نام) میں بھی بہت سے مدرسے کھل گئے اور منگول بچے تعلیم حاصل کرنے لگے۔

کچھ عرصے بعد تولی خان شراب و شباب کی نذر ہوگیا اور اس کی اولاد چین سے بغداد تک حکومت کرنے لگی۔

چین پر تبلائی خان حکومت کرنے لگا اور اس نے بدھ مذہب اختیار کرلیا۔

سیورا قطنی بیگی کا دوسرا بیٹا ہلاکو خان بغداد میں خلافت عباسیہ کو ختم کرنے میں کامیاب ہوگیا اور بہت سے مسلم علاقے فتح کرلئے لیکن بعد میں اس کی اولاد کو اسلام نے فتح کرلیا اور تبریز کے ایل خان (چھوٹے خان) مسلمان ہوگئے۔

روس میں جوچی خان کا پوتا برکائی خان مسلمان ہوگیا اور منگول سمٹتے سمٹتے قراقرم اور مغلستان تک محدود ہوگئے۔

جلال الدین خوارزم شاہ کبھی بھی ان کے قابو میں نہ آیا۔ کہتے ہیں کہ جلال الدین خوارزم شاہ کو اس کے ساتھیوں نے دھوکے سے قتل کردیا تھا اور یہ شہزادہ آوارہ گردی کی حالت میں اس دنیا سے ناکام و نامراد رخصت ہوا اور ٹھیک سو سال بعد تاتاریوں میں تیمور لنگ پیدا ہوا اور جس کام کو چنگیز خان نے ۱۲۰۶ء میں شروع کیا تھا تیمور لنگ نے اسے ۱۴۰۵ء تک خاک میں ملا دیا اور خود بھی اس دنیا سے رخصت ہوا۔ اب دنیا بھر کے مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ گھوڑے اور تلوار کی مدد سے دنیا کے بیشتر حصے کو فتح کرنے والے یہ دو آخری سورما تھے اسی لئے تاریخ عالم میں یہ دونوں بے مثل و بے نظیر فاتح قرار پائے۔

تاریخی کہانی کے پس منظر کے ماخذ

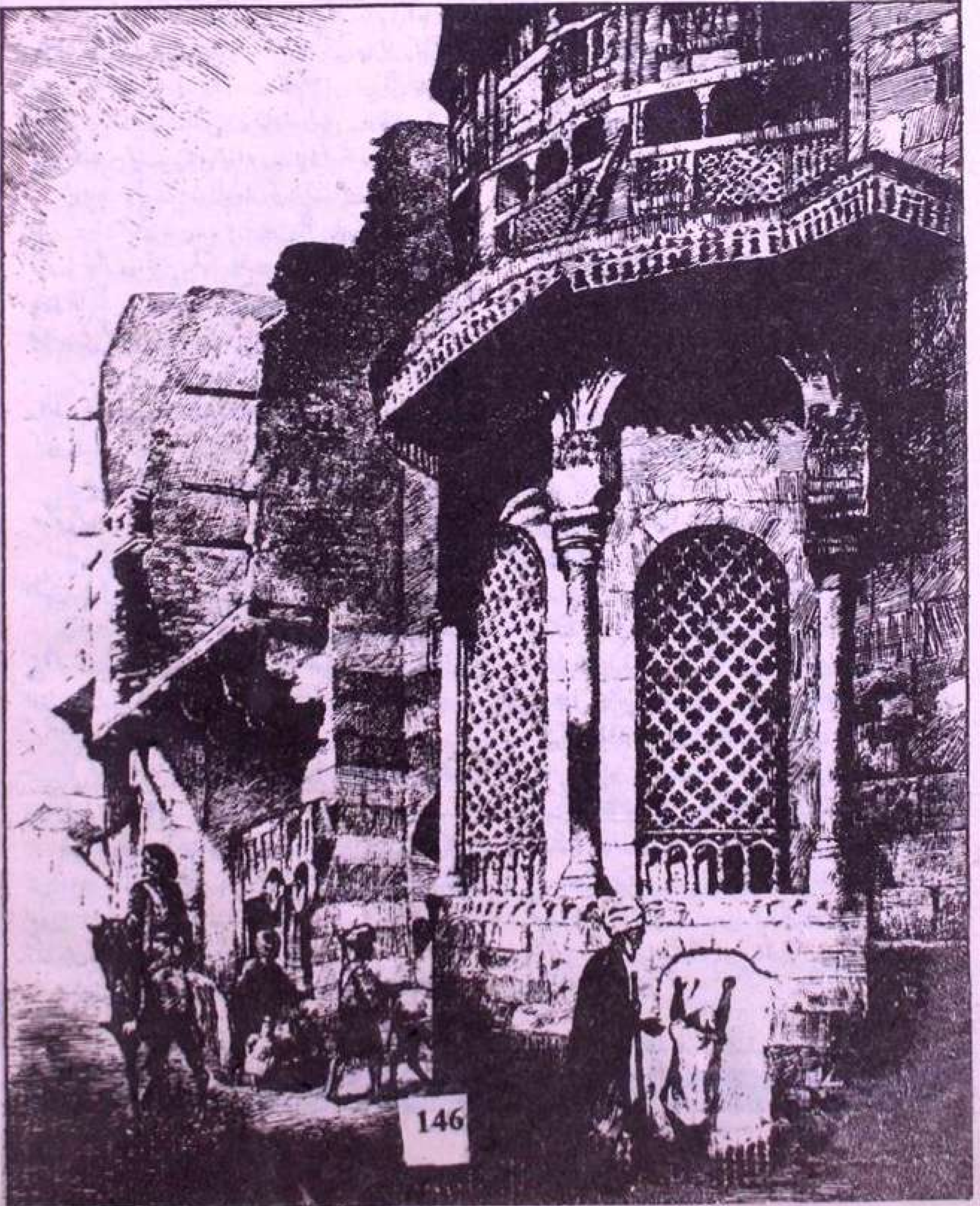
تاریخ بخارا	چنگیز خان	تاتاریوں کی یلغار	تاریخ ابن خلدون	طبقات ناصری
پروفیسر وامبری	ہیرالڈ لیمب	ہیرالڈ لیمب	(علامہ شاہی در) علامہ ابن خلدون	منہاج سراج

تاریخ کے جھروکوں سے ایک مکمل داستان

شاہی قمار خانہ

الیاس سیتاپوری

بادشاہ کا دربار بھی ایک بازار کی طرح ہوتا ہے جہاں شاہی مناصب تقریباً فروخت ہوتے ہیں۔ ایسا ہی ایک دربار جو جوا گھر بن گیا اور لوگ امارت کے لیے بازیاں لگانے لگے۔ اس قمار خانے میں ایک مفلس و نادار نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ ایک نادار ذہین اور چالاک شخص کی حکایتِ دل گداز۔ اس نے ایک معمولی قصبے سے اپنے سفر کا آغاز کیا اور محمد شاہ تغلق کے دربار تک پہنچ گیا۔ اس نے اپنا یہ طویل اور پُرپیچ سفر کس طرح طے کیا، یہ اسی کی حکایتِ خونچکاں ہے۔ اس ماضی کے انسان کا آج کے سیاسی بازی گروں سے موازنہ کیجیے تو سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔



شمالی ہند کے نمالی نامی قصبے کے لوگ آئے دن کی ارضی وسماوی آفات سے تنگ آگئے تھے۔ متواتر کئی سالوں سے بارشیں بہت زیادہ ہو رہی تھیں اور یہ بارشیں کھڑی فصلوں کو تباہ کر دیتی تھیں۔ جب بارشوں کا سلسلہ موقوف ہوتا تو آندھیاں سر اٹھاتیں اور یہ آندھیاں نہ صرف بڑے بڑے درختوں کو اکھاڑ پھینکتیں بلکہ کچے پکے مکانوں کو بھی تباہ و برباد کر دیتیں۔ کتنے ہی لوگ موت کا نوالہ بن جاتے اور جب سردیاں شروع ہوتیں تو یہ بھی اپنے عروج کو پہنچ جاتیں۔ فصلوں کو پالا مار جاتا' ایسا لگتا تھا جیسے کارکنانِ قضاوقدر کو نمالی سے نفرت تھی اور وہ سب اس کو تباہ و برباد کر دینا چاہتے تھے۔

نمالی میں بمشکل ہزار بارہ سو گھر رہے ہوں گے لیکن ...... یہ بڑے جیالے لوگ تھے جو ارضی وسماوی آفات کا مقابلہ کرتے رہتے تھے مگر یہ جگہ چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ نمالی مختار نامی تغلقی سرکار کے صوبے دار کی جاگیر میں داخل تھا اور مختار کو اپنی جاگیر سے بڑی محبت تھی۔ اس کی جاگیر میں اور بھی بہت سے گاؤں اور قصبات شامل تھے اور مختار ان سب کو شادو آباد دیکھنا چاہتا تھا کیونکہ ان کی آبادی اور شادی پر مختار کی جاگیرداری کا انحصار تھا۔

جب بھی نمالی کے لوگ کسی آفت کا شکار ہوتے وہاں مختار پہنچ جاتا۔ مصیبت زدہ لوگوں کی دلجوئی کرتا' ان کی ہمت بندھاتا۔ اناج اور روپے پیسے سے ان کی مدد کرتا اور ان کو سمجھاتا کہ "دیکھو' یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ یہاں چند سالوں سے جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہمیشہ ہوتا رہے۔ صبر سے کام لو اور مشکل حالات کا مقابلہ کرو۔ شاید قدرت تمہارا امتحان لے رہی ہے اور اسی لیے اس قصبے پر نامہربان ہے یا پھر تم لوگ آپس میں غور کرو اور جائزہ لو کہ کون وہ بدبخت گناہ گار ہیں جن کے گناہوں کی سزا پورے قصبے کو دی جا رہی ہے۔ مجھے اس کی خبر کرو تاکہ میں اس شخص یا خاندان کو نکال باہر کروں اور قصبے کے لوگ مصیبتوں سے نجات پا جائیں۔"

بظاہر یہ باتیں ناصحانہ اور ہمدردانہ تھیں لیکن ان باتوں نے پوری بستی کا رہا سہا سکون بھی چھین لیا تھا اور ان میں آپس میں جو اتحاد اور یگانگت پائی جاتی تھی۔ وہ غیر محسوس طور پر ان سے چھن گئی تھی۔ کیوں کہ اب ہر شخص اور ہر خاندان ایک دوسرے کے پیچھے پڑ گیا تھا اور یہ کتنی عجیب بات تھی کہ ہر کوئی خود کو پاک باز' پاک طینت اور پاک سیرت سمجھ رہا تھا اور دوسرے کو بدکار' گناہگار اور سراپا خطا کار سمجھتا تھا۔

اس بستی میں مسعود نامی ایک ایسا پڑھا لکھا جوان بھی رہتا تھا جس کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ اس کو کوئی خاص کام یا ہنر تو آتا نہ تھا مگر باتیں کرنے کا بڑا شوقین تھا۔ اس کی باتوں میں لوگ بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ پوری بستی کے لوگ اس کو پسند کرتے تھے۔ جہاں بھی وہ پہنچ جاتا تھا لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ عزت سے بٹھاتے' اس کی خاطر تواضع کرتے اور اس کی مزے دار باتیں سنتے۔ مسعود ان کو دنیا بھر کی خبریں دیتا تھا۔ انہیں بتاتا تھا کہ ماضی میں انسانوں نے کیسے کیسے کارنامے انجام دیئے اور کس طرح کوئی قوم ترقی کرکے اوج کمال کو پہنچ گئی۔ اور کوئی اور قوم کس طرح قعرِ مذلت میں گر گئی اور معدوم ہو گئی۔ یہ ساری باتیں وہ کچھ اس انداز اور لب و لہجے میں بتاتا کہ لوگ سحرزدہ سے ہو جاتے۔

مسعود نے بستی والوں کے دلوں میں ایسی جگہ بنائی تھی کہ لوگ اس کا انتظار کرتے تھے۔ یہ باتیں بنانے والا جوان یا تو کتابوں میں گھرا ہوا دیکھا جاتا تھا یا لوگوں کے درمیان باتیں بناتا ہوا۔ اس کا اپنا خاندان بہت مختصر تھا۔ باپ دس بارہ سال پہلے مر چکا تھا۔ ایک بھائی جو اس سے چار پانچ سال چھوٹا تھا لوہار کے کام میں لگ گیا تھا' اس کا نام محمود تھا۔ ایک ماں تھی' جس کو یہ غم ستاتا رہتا تھا کہ مسعود کوئی کام نہیں کرتا اور اپنے چھوٹے بھائی محمود کی کمائی پر زندگی بسر کر رہا ہے۔

سابقہ زمانوں اور قوموں کے نشیب و فراز پر نظریں رکھنے والا یہ بیس سالہ نوجوان اپنے زمانے کے نشیب و فراز کی طرف سے آنکھیں بند کیے دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس کو اپنی ماں اور بھائی سے روایتی محبت نہیں تھی۔

جب اس کی ماں اس کو سمجھاتی "دیکھ مسعود! تجھ کو بھی کچھ کرنا چاہیے۔ تجھ کو شرم نہیں آتی کہ تیرا چھوٹا بھائی کمائے اور تو کھائے۔"

اوّل تو مسعود اپنی ماں کی ان باتوں کا کوئی جواب نہیں دیتا تھا مگر جب جواب دینے پر مجبور ہو جاتا تو کہتا "ماں! مجھ سے یہ لوہاری' سناری جیسے چھوٹے موٹے بے وقعت کام نہیں ہو سکتے۔"

جب یہ تلخیاں عروج پر پہنچ گئیں تو ماں اس کی شادی کے بارے میں سوچنے لگی کہ شاید شادی کے بعد سدھر جائے۔ مگر اس کے نکمے ہونے کی وجہ سے وہ کہیں رشتے کی بات بھی نہیں کر سکتی تھی۔

عاجز آنے کے بعد ماں نے ایک دن باہر جاتے ہوئے مسعود کو اس کے کُرتے کے پچھلے دامن کو پکڑ کر روک لیا اور

پوچھا "تو کہاں جارہا ہے؟"

مسعود نے مڑ کے ماں کو دیکھا اور کہا "ماں! میرا دامن چھوڑ دے' اس وقت میں بہت ضروری کام سے بستی والوں میں جارہا ہوں۔"

ماں نے اس کا دامن کھینچا تو کُرتا پھٹ گیا۔ ماں نے کہا "بستی کے سارے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے تو کس کے پاس جائے گا؟"

مسعود کو اپنے کرتے کے چاک کے پاس سے نکل جانے کا دکھ ہوا۔ وہ جاتے جاتے رک گیا اور پھٹے ہوئے کرتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ماں' یہ تو نے کیا کیا؟ اب تو میں باہر بھی نہیں جاسکتا۔ چل اسے سی دے۔"

ماں نے کرُتا اتروا کر اپنے قبضے میں لے لیا اور کہا "اب گھر میں بیٹھ۔ آج میں تجھ کو باہر نہیں نکلنے دوں گی۔"

مسعود نے ماں کو سمجھایا "ماں! تجھ کو پڑھا لکھا ہونا چاہیے تھا کہ دنیا کے معاملات میری طرح سمجھ سکتی۔ مشکل تو یہی ہے کہ تجھ کو کچھ نہیں معلوم کہ زمانہ کدھر جارہا ہے اور ہمیں اس ماحول اور اس زمانے میں کس طرح رہنا چاہیے؟"

ماں نے غصے میں جواب دیا "میں ان پڑھ جاہل ہی بھلی اگر پڑھی لکھی ہوتی تو شاید تیری طرح نکمی ہوتی۔ گھر کا کام کاج کبھی نہ کرتی اور تم دونوں فاقوں مرجاتے۔"

مسعود نے ماں کو تقریباً حکم دیا "تو میرا کرتا فوراً سی دے۔ کیوں کہ کل جاگیردار مختار بستی کے لوگوں میں جو نفرت اور انتشار کا بیج بو گیا ہے وہ بہت جلد برگ و بار لے آئے گا اور میں اس سے پہلے ہی اس بیج کو ضائع کردوں گا۔"

ماں نے بھی اپنا رویہ سخت رکھا اور کہا "آج میں تجھ کو نہیں جانے دوں گی۔"

ماں یہ کہہ کر اس چھوٹے سے مکان کی کوٹھری میں جاکر بیٹھ گئی۔

مسعود کچھ دیر ماں کا انتظار کرتا رہا۔ اس کے بعد اٹھا اور اپنے چھوٹے بھائی محمود کا صاف کرتا نکال کر پہن لیا اور ماں کی کوٹھری کے دروازے پر کھڑے ہو کر ہدایت کی "ماں! میں چلتا ہوں' تو میرا میلا جوڑا دھو کر پھیلا دے اور چاک سے نکلے ہوئے کرتے کو سی دے۔ کچھ دیر بعد جب واپس آؤں تو مجھے کھانا تیار ملنا چاہیے۔"

جواب میں ماں کتنی بڑبڑائی اور کیا کہا مسعود یہ سنے بغیر ہی باہر نکل گیا۔

بستی میں شیخ نور محمد کی ایک چوپال تھی جو ہر وقت آباد رہتی تھی۔ یہاں کام کے اوقات میں بستی کے بیکار اور ازکار رفتہ بوڑھے بیٹھ کر اپنا وقت گزارتے تھے۔ شام کو یہ چوپال دن سے زیادہ آباد ہو جاتی اور بستی کے جوان بھی ان بوڑھوں سے کچھ سیکھنے آجاتے تھے لیکن جب اس چوپال میں مسعود پہنچ جاتا تو بوڑھے بھی چپ ہو جاتے اور مسعود کی معلومات آفریں باتیں' اس کے دلچسپ لب و لہجے میں سنتے۔

اسی چوپال کے اٹھنے بیٹھنے والوں میں ایک بوڑھا عارض بھی تھا جو مسعود سے حسد کرتا تھا۔ عارض کو اپنے تجربوں پر ناز تھا اور وہ ایک جوان کو یہ حق دینے پر آمادہ نہ تھا کہ بوڑھے اس کی باتیں ذوق و شوق سے سنیں اور اس کی علمیت اور قابلیت کے قائل ہو جائیں۔

مسعود جب اس چوپال میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں کسی حساس اور منافرت آفریں موضوع پر باتیں ہو رہی ہیں۔

شیخ نور محمد اور دوسرے کئی بوڑھے ہنستے ہوئے اٹھے اور چند قدم بڑھ کر مسعود کا استقبال کیا۔ شیخ نور محمد نے کہا "ہمیں تیرا ہی انتظار تھا' اچھا کیا کہ تو آگیا۔"

عارض نے کھڑے ہوتے ہوتے ہوئے نفرت سے کہا "معلوم نہیں' تم لوگوں نے اس نوجوان میں کیا دیکھ لیا ہے' جو اس کے اتنے گرویدہ ہو رہے ہو۔"

شیخ نور محمد نے مسعود کو بٹھانے کے بعد آگے بڑھ کر عارض کا ہاتھ پکڑ لیا "جناب! آپ کہاں چلے' کچھ دیر بیٹھ کر اور مسعود کی باتیں سن کر چلے جانا۔"

جب دوسرے بوڑھوں نے بھی دباؤ ڈالا تو عارض بیٹھ گیا۔

جب اس چوپال کا ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھ گیا تو شیخ نور محمد نے مسعود سے کہا "دیکھ مسعود! جاگیردار مختار کل یہ کہہ کر چلا گیا کہ اے بستی والو! تم بستی کے اس شخص کو تلاش کرو جس کی نحوست بستی والوں کو آفاتِ ارضی و سماوی میں مبتلا کررہی ہے۔ اگر بستی والے اس منحوس شخص کو پہچاننے میں کامیاب ہوگئے اور اس کو بستی سے نکال دیا تو ساری بستی تباہی و بربادی سے بچ جائے گی۔ جاگیردار مختار تو یہ کہہ کر چلا گیا مگر بستی والے ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہوگئے تھے۔ ہر کوئی دوسرے میں نحوست تلاش کررہا ہے۔ تو پڑھا لکھا جوان ہے' اللہ نے تجھ کو شعور اور تدبر دیا ہے۔ اب تو سوچ کے یہ بتا کہ ہم بستی میں اس شخص کو کس طرح تلاش کریں جس کی نحوست کی وجہ سے پوری بستی عذاب جھیل رہی ہے۔"

عارض نے مشورہ دیا "میں تو کہتا ہوں کہ اپنی بستی کا

منحوس ترین شخص وہ ہے جس کے گھر میں تین جوان جہان بیٹیاں موجود ہیں اور وہ ان کی شادیاں نہ کرتا ہو جب کہ بستی کے کئی جوان ان سے شادیاں کرنا چاہتے ہیں۔"

مسعود نے اس شخص کی حمایت کی کیوں کہ عارض نے لڑکیوں والے جس شخص کا ذکر کیا تھا وہ مسعود کا پڑوسی زکریا تھا۔ مسعود جانتا تھا کہ زکریا اپنی تینوں بیٹیوں کی شادی بستی میں کیوں نہیں کرنا چاہتا۔ زکریا کی تینوں بیٹیاں اس کے سالے کے تینوں بیٹوں سے منسوب تھیں اور وہ لوگ دہلی میں رہتے تھے۔ زکریا کو اپنے سالے کا انتظار تھا کہ وہ آئے اور اپنی امانتیں لے جائے۔

مسعود نے اپنے پڑوسی کی طرف سے یہ ساری تفصیل چوپال کے لوگوں میں بیان کر دی اور کہا "اس بستی کا منحوس ترین شخص وہ ہے جو ابھی اتنا بوڑھا تو نہیں ہوا کہ کوئی کام ہی نہ کر سکے اور بستی کے لوگوں میں کیڑے نکالتا پھرے' لوگوں کو آپس میں لڑائے اور ادھر ادھر فتنہ انگیز افواہیں پھیلاتا رہے۔"

یہ ساری خوبیاں عارض میں موجود تھیں۔ وہ سمجھ گیا کہ مسعود نے اس کو نشانہ بنایا ہے۔ کھڑے ہو کر مسعود کو برا بھلا کہنے لگا پھر کہا "اس بستی کا منحوس ترین جوان تو ہے کہ اپنی ماں اور بھائی پر بھی رحم نہیں کھاتا۔ اپنے چھوٹے بھائی کی کمائی پر گزر بسر کر رہا ہے' اپنی ماں سے کام لیتا ہے' اس سے اپنے کپڑے دھلواتا ہے' کھانا پکواتا ہے اور خود کچھ نہیں کرتا۔"

مسعود نے مشتعل ہوئے بغیر مسکراتے ہوئے کہا "میں نے تو تجھ کو کچھ نہیں کہا مگر تو نے مجھے میری بستی کا منحوس ترین جوان کہہ دیا ہے۔ یہ تو بڑی بری بات ہے۔"

ایک بوڑھے نے مسعود کا ساتھ دیا اور کہا "تو نے بستی کے جس منحوس شخص کا ذکر کیا تھا' عارض کو وہ ساری خوبیاں اپنی ذات میں دکھائی دیں اور جب عارض نے اپنے آپ کو پہچان ہی لیا ہے تو اس میں شک و شبے اور بحث و مباحثے کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی لہٰذا بلاشبہ منحوس ترین شخص عارض ہی ٹھہرتا ہے۔"

عارض اس بوڑھے کو مارنے کے لیے آگے بڑھا لیکن دوسرے بوڑھوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔

عارض نے جاتے جاتے اس بوڑھے کو دھمکی دی "میرے چار بیٹے ہیں' وہ میری بے عزتی کا بدلہ لے لیں گے۔"

جس بوڑھے نے مسعود کا ساتھ دیا تھا اس کا نام نظام تھا۔ اس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا "تیرے چار بیٹے ہیں تو میرے سات بیٹے ہیں جو تجھ سمیت تیرے چاروں بیٹوں کا کچومر نکال دیں گے۔"

عارض بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد مسعود نے چوپال میں بیٹھے ہوئے بزرگوں کو سمجھایا "ہم سب کو جاگیردار مختار کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہیے' وہ ہم سب کو کبھی بھی متحد نہیں ہونے دے گا۔ یہ سمجھ لو کہ وہ اس علاقے کا چھوٹا موٹا بادشاہ ہے اور بادشاہ کو رعیت درکار ہوتی ہے۔ یہاں کی ارضی و سماوی آفات نے تم سب کو کہیں اور چلے جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ جب جاگیردار کو اس کا علم ہوا تو وہ بستی میں کسی منحوس کی موجودگی اور اس کی نحوست کا شوشہ چھوڑ کر چلا گیا' اب تم سب ایک دوسرے کو منحوس کہتے رہو گے' لڑتے رہو گے اور اسی بستی میں ڈٹے رہو گے۔ مختار کو بھری پُری آبادی پر حکومت کرنے کا مزہ حاصل رہے گا۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ تم لوگ مختار کے مذکورہ منحوس کو مت تلاش کرو اور آپس میں مت لڑو جھگڑو۔"

شیخ نور محمد' مسعود کی باتوں سے بہت خوش ہوا اور کہا "یہ بات ہوئی کام کی۔"

نظام نے کہا "اسی لیے تو ہم سب نوجوان مسعود کی عزت کرتے ہیں۔"

لیکن ایک بوڑھے نے اعتراض کر دیا "اگر جاگیردار مختار کی بات غلط ہے تو ہم سب پر جو آسمانی اور زمینی مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں' ان سے کس طرح نجات ملے گی؟"

اس اعتراض کے جواب کے لیے سب کی نظریں مسعود کی طرف اٹھ گئیں۔

مسعود نے جواب دیا "یہ ساری زمینی اور آسمانی مصیبتیں عارضی ہیں۔ ان کا ایک دور ہے اور آخر کار یہ دور ختم ہو کر رہے گا۔"

لیکن بستی بھر میں ایک ایسے منحوس کی تلاش و جستجو جاری تھی جو متفقہ منحوس قرار پاجاتا۔ اس تلاش و جستجو میں آپس کی نفرتیں بڑھنے لگیں اور ہر کوئی اپنے قریبی عزیز اور پڑوسی کا دشمن نظر آنے لگا۔

عارض نے مسعود اور نظام کی شکایت اپنے بیٹوں سے کی اور نظام نے عارض کی شکایت اور دھمکی کا ذکر اپنے بیٹوں سے کر دیا۔ عارض کے چاروں بیٹے نظام کے ساتوں بیٹوں سے لڑ گئے۔ ان میں سخت مقابلہ ہوا۔ دونوں کے حمایتی بھی دونوں کی طرف سے اس لڑائی میں شریک ہو گئے اور جب مختار

جاگیردار نے اس لڑائی میں دخل دیا تو جنگ بند ہو گئی۔ دونوں فریقوں نے جنگ کے حاصل کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ عارض کے چار بیٹوں میں سے ایک باقی بچا تھا تین قتل ہو گئے تھے اور نظام کے سات بیٹوں میں سے صرف دو باقی بچے تھے پانچ مارے گئے تھے۔ اس کے علاوہ دونوں طرف کے حامیوں میں سے دس کام آ گئے تھے۔

مسعود اس جھگڑے سے بالکل دور رہا تھا۔

جاگیردار مختار کو بستی کے اس خونی جھگڑے سے بظاہر دکھ پہنچا تھا' اس نے بستی کے کسی بوڑھے سے پوچھا "اس بستی کے لوگ اپنے مسائل لے کر کہاں جاتے ہیں؟"

بوڑھے نے جواب دیا "شیخ نور محمد کی چوپال میں۔"

مختار نے کہا "تو پھر تم لوگ مجھے اسی چوپال میں لے چلو اور بستی والوں میں اعلان کر دو کہ میں ان سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ سب لوگ وہاں پہنچ جائیں۔"

پوری بستی میں شور مچ گیا۔ ہر طرف ایک قسم کی چہل پہل شروع ہو گئی۔ لوگ شیخ نور محمد کی چوپال میں جمع ہونے لگے۔

یہاں مختار نے پہلے تو مرنے والوں پر افسوس کیا اس کے بعد اپنی بات دُہرائی "جب میں نے پہلی بار یہ بات بتائی تھی کہ اس بستی میں ایک یا کئی منحوس موجود ہیں اور جب تک اس کو یا ان کو پہچان کر بستی بدر نہیں کیا جائے گا تم لوگ خدا کے عتاب میں مبتلا رہو گے۔ میں کہتا ہوں اب بھی وقت ہے کہ اس منحوس کو تلاش کرو اور اسے بستی سے نکال دو۔"

اس چوپال میں غم زدہ عارض اور نظام بھی موجود تھے۔

اچانک عارض کھڑا ہو گیا اور چیختے ہوئے کہا "جناب والا! اس بستی میں دو منحوس گھرانے ہیں۔ جب تک ان کو نہیں نکالا جائے گا' اس بستی کی پریشانیاں نہیں دور ہوں گی۔"

اس وقت چوپال میں مسعود موجود نہیں تھا۔

مختار نے ان دونوں منحوسوں کی بابت عارض سے پوچھا تو اس نے زکریا اور اس کی تینوں بیٹیوں کا ذکر کر دیا کہ جب تک منحوس زکریا اپنی بیٹیوں کی شادیاں نہیں کرے گا اور مسعود کسی کام دھندے سے نہیں لگے گا' اپنی ماں کی عزت نہیں کرے گا' پوری بستی ان کے گناہوں کا عذاب جھیلتی رہے گی۔"

مختار نے حکم دیا "تم لوگ زکریا سے کہو کہ وہ اپنی تینوں بیٹیوں کی شادیاں فی الفور کر دے اور مسعود کو میرے پاس بھیج دو۔ اس کو میں سزا دوں گا۔"

مختار یہ حکم دے کر چلا گیا۔ اب شیخ نور محمد کی چوپال میں عارض سب کی نفرتوں اور ملامتوں کا نشانہ بن گیا۔ نظام بھی چوپال میں موجود تھا مگر وہ نہایت غم زدہ تھا اور چوں کہ شیخ نور محمد اور مسعود کی ہمدردیاں نظام کے ساتھ تھیں اس لیے چوپال کے بیشتر لوگ عارض کے خلاف ہو گئے تھے۔

جاگیردار کے آدمی بیک وقت زکریا اور مسعود کے پاس پہنچ گئے اور دونوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ جب یہ دونوں مختار کے روبرو پیش ہوئے تو مختار نے زکریا کو بہت گالیاں دیں اور اس کو بتایا کہ تیری وجہ سے پوری بستی نحوست کا شکار ہے۔ آخر تو اپنی تینوں جوان بیٹیوں کی شادیاں کیوں نہیں کرتا؟"

زکریا نے مختار کو بتایا کہ اس کی تینوں بیٹیاں اپنے ماموں زاد بھائیوں سے منسوب ہیں جو دہلی میں رہتے ہیں۔ وہ کسی دن بھی آ کر اپنی امانتیں لے جائیں گے۔

جاگیردار نے قطعی حکم دیا "میں یہ سب نہیں جانتا۔ تیری نحوست نے پوری بستی کو مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ میں تجھ کو چند دنوں کی مہلت دیتا ہوں۔ تو یا تو اپنی تینوں بیٹیوں کی شادیاں کر دے گا یا پھر اس بستی سے کہیں اور چلا جائے گا۔"

زکریا خوف زدہ اور فکر مند اپنے گھر چلا گیا۔

اب جاگیردار مسعود سے مخاطب ہوا۔ وہ کچھ دیر مسعود کو دیکھتا رہا اس کے بعد آہستہ سے پوچھا "تو تو ہے اس بستی کا پڑھا لکھا انسان۔ سنتا ہوں کہ تو کم عقلوں کو عقل دیتا ہے اور اپنی میٹھی میٹھی مکروریا کی باتوں سے پوری بستی کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔"

مسعود ذرا بھی نہ گھبرایا "جناب! میں نے کسی کو بھی اپنا گرویدہ نہیں بنایا۔ بستی کے سیدھے سادے بزرگ میری باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور میں نے ہی ان کو یہ بتایا ہے کہ ان کے حکمران اللہ کا سایہ ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنی چاہیے۔ لوگ ان باتوں سے خوش ہو جاتے ہیں۔"

جاگیردار کو بڑی خوشی ہوئی اور پوچھا "کیا واقعی تُو نے بستی والوں کو یہ بتایا ہے کہ حکمران اللہ کا سایہ ہوتے ہیں؟"

مسعود نے جواب دیا "بالکل۔ آپ خود سوچیں کہ اگر میں بستی میں اس قسم کی باتیں نہ کروں تو لوگ اپنے حکمرانوں کی عزت بھی نہ کریں۔ میں نے ان کو قرآن پاک کی وہ آیت پڑھ کر سنا دی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو' رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے

امیری کی جو تم میں سے ہو۔"

جاگیردار، مسعود سے بے حد خوش ہوا کہ اس نے بستی والوں کو جاگیردار کا گرویدہ بنا دیا تھا اور اپنی اس خدمت کا اس نے جاگیردار سے کوئی معاوضہ بھی نہیں لیا تھا۔ اس کو مسعود بہت کام کا آدمی نظر آیا پھر بھی اس نے مسعود کا محاسبہ کیا "کیا یہ درست ہے کہ تو کوئی کام نہیں کرتا۔ تو اپنی ماں کی بھی عزت نہیں کرتا اور تیری گزر بسر اپنے چھوٹے بھائی کی کمائی پر ہے۔ جس سے بستی کے لوگ تجھ کو منحوس قرار دیتے ہیں۔"

مسعود نے جواب دیا "یہ درست ہے۔ بظاہر میں بستی والوں کو اس لیے بے کار نظر آتا ہوں کہ میں نے آپ کے لیے جو کام کیا ہے اس کا میں نے آپ سے کوئی معاوضہ نہیں لیا اور آپ کے علم میں لائے بغیر آپ کی خدمت کرتا رہا۔ مجھے کوئی پروا نہیں کہ بستی والے مجھے کیا سمجھتے ہیں۔"

اب جاگیردار مسعود کا گرویدہ ہو چکا تھا، پوچھا "تُو نے میرے لیے یہ کام کیوں کیا؟"

مسعود نے جواب دیا "میں بستی کے ان لوگوں کا نام نہیں لوں گا جو آپ کے خلاف بغاوت اور انتشار کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کی باتوں سے ایسا لگتا ہے جیسے وہ بستی پر نازل ہونے والے عذاب کا سبب آپ کو قرار دے رہے ہیں۔ بس اس وقت سے آپ کو کچھ بتائے بغیر میں آپ کا کارندہ بن گیا۔"

جاگیردار نے کہا "لیکن تجھ کو اپنی ماں کے لیے کام کرنا چاہیے۔"

مسعود نے جواب دیا "افسوس! کہ آپ بھی میرے کام کو کام نہیں مانتے۔ اب میں بستی والوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر کسی کام سے لگ جاؤں گا۔"

جاگیردار نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پوچھا "کیا واقعی بستی کے لوگ میرے خلاف باتیں کرتے ہیں؟"

مسعود نے جواب دیا "مجھ کو جھوٹ بولنے سے کیا حاصل ہوگا؟"

جاگیردار کافی دیر مسعود اور بستی والوں کے بارے میں سوچتا رہا پھر پوچھا "آخر تو میرے لیے یہ کام کیوں کرتا ہے؟"

مسعود نے جواب دیا "صرف اس لیے کہ بستی کے لوگ بھاگنے کی سوچ رہے تھے۔ اگر وہ بستی چھوڑ کر چلے جاتے تو کیا آپ خالی زمین پر حکومت کرتے؟ بستی والوں کو الگ پریشانی تھی کہ دوسرا کوئی جاگیردار انہیں قبول نہ کرتا۔"

اب حقیقتاً جاگیردار کو یہ آدمی نہایت کارآمد نظر آیا، پوچھا "کیا تو نوکری کرے گا؟"

مسعود نے جواب دیا "میں نوکری تو کر رہا ہوں، آپ سے کوئی معاوضہ لیے بغیر آپ کی خدمت کرتا رہا ہوں اور نوکری کیا ہوتی ہے؟"

جاگیردار نے اپنے قصدی کو حکم دیا "اس کا نام بھی تعلقہ کے ملازمین میں لکھ لیا جائے۔ یہ آج سے تعلقہ کا ملازم ہے۔"

قصدی نے پوچھا "یہ کام کیا کرے گا؟"

جاگیردار نے جواب دیا "وہی جو یہ اب تک کرتا چلا آیا ہے۔"

مسعود کو جاگیردار کا یہ انداز پسند نہیں آیا۔ اس نے اس کے قریب جا کر جاگیردار کے فرمان کا مذاق اڑایا۔ "آپ نے میرا نام اپنے ملازمین کی فہرست میں لکھوا کے میری حیثیت کو کمزور کر دیا ہے۔ اب لوگ مجھ کو آپ کا ملازم سمجھ کر میری باتوں کو غور سے نہیں سنیں گے اور اگر سنیں گے تو اس پر توجہ نہیں دیں گے کیوں کہ جو بات کسی معاوضے کے بغیر فی سبیل اللہ کہی جاتی ہے، اس کا اثر ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

اب جاگیردار ذہنی طور پر مسعود سے مرعوب ہو چکا تھا۔ مگر اس کا اعتراف نہیں کیا اور پوچھا "تو کیا چاہتا ہے؟"

مسعود نے جواب دیا "صرف یہ کہ میں جس طرح آپ کی خدمت کر رہا ہوں اسی طرح کرتا رہوں گا اور لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں آپ کا تنخواہ دار ملازم ہوں۔"

جاگیردار نے اپنے قصدی کو چلتا کر دیا اور آہستہ سے کہا "ٹھیک ہے، تیرا نام تعلقہ کے ملازمین میں نہیں لکھا جائے گا اور کسی نہ کسی طرح تجھ کو تیری تنخواہ ملتی رہے گی۔"

لیکن کچھ ہی دیر بعد جاگیردار نے ایک دوسرا فیصلہ بھی کر لیا تھا۔ اس نے مسعود کو ہدایت کی "بظاہر تجھ کو کہیں نہ کہیں کوئی اور کام بھی کرنا چاہیے تاکہ لوگ تجھ پر زبان طعن نہ دراز کر سکیں۔"

مسعود نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور بتایا "میں نے اپنی ماں اور بھائی سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ میرے لیے محنت کریں کیوں کہ کل جب میں بادشاہ کے دربار تک پہنچ جاؤں گا تو ان دونوں کو مالا مال کر دوں گا اور واقعتاً میں دہلی دربار کے لائق ہوں اور ایک نہ ایک دن میں وہاں ضرور پہنچ کے رہوں گا۔"

جاگیردار کو ہنسی آ گئی اور وہ مسعود کو بڑبولا اور شیخ چلی

سمجھنے لگا مگر اس کے باوجود وہ مسعود کو اپنے لیے کار آمد سمجھتا تھا کہا "ٹھیک ہے' جب تک تو دہلی نہیں جاتا میرے لیے کام کرتا رہ۔ کبھی کبھی میں بھی کوئی کام بتا دیا کروں گا۔"

مسعود کو اپنا پڑوسی زکریا یاد آگیا۔ پڑوسی ہونے کی وجہ سے اس نے سفارش کی "فی الحال آپ زکریا کو پریشان نہ کریں۔ بستی والے اپنے اپنے طور پر جس منحوس کو تلاش کر رہے ہیں انہیں تلاش کرنے دیں۔ اگر بالاتفاق زکریا کو منحوس مان لیا گیا تو بستی کے لوگ اس طرف سے مطمئن ہو کر صرف آپ کے بارے میں سوچنے لگیں گے۔ اسی لیے فی الحال زکریا کو نہ چھیڑیں۔"

جاگیردار' مسعود کی یہ بات بھی مان گیا۔

جب وہ جاگیردار کے پاس سے واپس آیا تو وہ جاگیردار کا ملازم ہو چکا تھا مگر اس ملازمت کے راز سے مسعود اور جاگیردار کے علاوہ کوئی تیسرا واقف نہ تھا۔

بستی کے لوگ حیران تھے کہ مسعود جاگیردار کے پاس سے صحیح سلامت واپس آگیا تھا۔ اب وہ شیخ نور محمد کی چوپال میں بیٹھ کر عارض کو چھیڑتا رہتا تھا "دیکھ تیری چغلیوں کے باوجود میں صحیح سلامت ہوں اور پہلے کی طرح بستی میں آزادی سے گھومتا پھرتا ہوں اور میں نے زکریا کو بھی بچا لیا ہے۔"

عارض اور بستی کے دوسرے بوڑھے مسعود کو جادوگر سمجھنے لگے تھے۔ اب بستی والوں کی نظر میں مسعود کی عزت اور وقعت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی تھی۔

○☆○

مسعود کو جاگیردار سے جو کچھ ملتا تھا وہ اس میں سے کچھ بھی اپنے گھر میں نہیں صرف کرتا تھا۔ وہ ساری رقم جمع کر رہا تھا کیوں کہ وہ دہلی جانا چاہتا تھا اور وہاں محمد شاہ تغلق کے دربار سے وابستگی کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ چند ماہ اس طرح گزارنے کے بعد مسعود کو ایسا لگا جیسے وہ جمود کا شکار ہو گیا ہو۔ اب جاگیردار کی توجہ بھی کم ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی جاگیردار اس کی دلچسپ باتیں سننے کے لیے خاموشی سے بلوا لیتا تھا مگر بہت جلد اس کو یہ احساس ہو گیا کہ مسعود کوئی کام تو کرتا نہیں بس اپنی پر لطف باتوں سے رقم اینٹھنے کا عادی ہو گیا ہے۔

مسعود بھی جاگیردار کی بدلی بدلی نظروں سے یہ سمجھ گیا تھا کہ اس کو جاگیردار سے جو کچھ مل رہا ہے وہ مستقل نہیں ہے' کسی وقت بھی بند ہو سکتا ہے۔

نور محمد کی چوپال میں اٹھنے بیٹھنے والوں نے پہلی بار اس کو فکر مند دیکھا تھا۔ عارض یہ سمجھ رہا تھا کہ شاید مسعود پر کوئی افتاد آپڑی ہے۔ زکریا بھی مسعود کے فکر مند ہونے سے فکر مند ہو گیا تھا۔ چوپال کا مالک نور محمد بھی پریشان تھا کہ مسعود میں اب وہ جوش و خروش نہیں تھا جو کچھ دنوں پہلے پایا جاتا تھا۔

خود مسعود لوگوں کے رویوں اور چہروں سے اجنبیت کا احساس کر رہا تھا۔ اس کا تیز دماغ' اس جمود اور تعطل کو دور کرنے کی فکر میں تھا۔ کئی دن کے غور و فکر کے بعد اس نے ایک دلچسپ منصوبہ بنایا۔

گھر میں ماں نے تنگ کرنا شروع کر دیا تھا' وہ بار بار یہی کہتی تھی کہ کہیں کام کر اور شرم کر تیرا چھوٹا بھائی کماتا ہے اور تو کھاتا ہے۔"

مسعود نے جواب دیا "ماں! میں کوئی چھوٹی موٹی ملازمت نہیں کرنا چاہتا' تجھ کو بھی بھائی کی طرح محنت کرنی چاہیے۔"

ماں غصے میں تھر تھر کانپنے لگی اور کہا "میں کام کروں یعنی میں تجھ کو ننھے بچوں کی طرح پالتی پوستی رہوں۔"

مسعود نے ماں کو کوئی جواب نہیں دیا اور لوہار کی دکان پر پہنچ گیا جہاں اس کا چھوٹا بھائی کام کرتا تھا۔ وہ دھونکنی کے پاس کھڑا ہو گیا جسے اس کا چھوٹا بھائی دھونک رہا تھا۔ بھٹی میں شعلے اٹھتے اور بیٹھ جاتے۔ بھائی پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ لوہار' لال لال دہکتے ہوئے لوہے کے ٹکڑے کو بار بار اٹھا کے نہائی پہ رکھتا' ہتھوڑے کی ضربیں لگاتا اور جب لوہا ٹھنڈا ہونے لگتا تو اس کو دوبارہ بھٹی میں رکھ دیتا۔

لوہار پہلے تو مسعود کو دیکھ کر خاموش رہا اور اپنے کام میں مشغول رہا مگر جب مسعود کو مستقل کھڑے دیکھا تو کام روک دیا اور طنزاً پوچھا "تو کب تک بے کار گھومتا پھرتا رہے گا۔ میرا کہنا مان' تو بھی یہیں میرے پاس بیٹھ جا۔"

مسعود نے لوہار کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے بھائی سے پوچھا "تو یہاں کتنی دیر کام کرتا ہے؟"

چھوٹے بھائی نے بیزاری سے جواب دیا "صبح فجر کی نماز پڑھ کے آجاتا ہوں اور مغرب کی نماز پڑھ کے گھر جاتا ہوں۔"

مسعود نے ایک نظر لوہار پر ڈالی اور بھائی سے کہا "کام زیادہ ہے اور معاوضہ کم ہے' کہیں اور کام دیکھو کیوں کہ مجھے پیسوں کی ضرورت ہے۔"

لوہار ان دونوں کے مسائل سے آگاہ تھا' اس کا خون کھول گیا' کہنے لگا "تجھ کو اپنے بھائی پر رحم نہیں آتا اور

بجائے خود کام کرنے کے چھوٹے بھائی کو ورغلا رہا ہے" اگر تجھ کو زیادہ پیسے درکار ہیں تو خود کہیں کام کر اور اپنے بھائی پر بوجھ نہ بن۔"

مسعود نے لوہار کو منع کیا کہ وہ دونوں بھائیوں کے معاملے میں دخل نہ دے اور بھائی سے کہا "تو دو گھنٹے اور کام کیا کر اور یہ رقم مجھے دے دیا کر۔"

اب تو چھوٹا بھائی بھی مسعود کی زیادتی برداشت نہ کر سکا اور شکایتاً کہا "بھائی! بہت ہو گیا۔ اب تم کو بھی کام کرنا چاہیے۔"

مسعود نے بڑے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا "اس بستی میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں میں کام کروں۔ تم لوگ کام کرو، دن رات محنت کرو تاکہ میں سلطان محمد شاہ تغلق کے دربار تک پہنچ جاؤں۔"

چھوٹے بھائی نے پوچھا "تم لوگ سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

مسعود نے کہا "تم سے میری مراد ہے تم دونوں یعنی ماں اور تم۔"

چھوٹا بھائی دھونکنی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور کہا "بھائی! آپ نے تو حد کر دی یعنی اب آپ کے لیے ماں کو بھی کام کرنا پڑے گا۔"

مسعود نے سپاٹ لہجے میں کہا "ہاں، ماں کو بھی کام کرنا پڑے گا، اگر وہ کام نہیں کرے گی تو میں سلطان تغلق کے دربار تک کیسے جاؤں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم لوگ جو کچھ مجھے دو گے میں اس سے زیادہ تمہیں لوٹا دوں گا اور میری وجہ سے تم سب کو جو عیش و عشرت میسّر آئے گا وہ الگ ہے۔"

لوہار نے طنزاً پوچھا "تم اپنی ماں کو کہاں ملازم رکھواؤ گے؟"

لوہار کا خیال تھا کہ اس کے اس سوال کا جواب مسعود نہیں دے گا لیکن مسعود نے جواب دیا "میں اس کو جاگیردار کے محل میں پہنچا دوں گا جہاں اس کو چھوٹے چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کرنی ہوگی۔"

لوہار نے نفرت سے منہ پھیر لیا اور دونوں بھائیوں سے کہا "یہ تمہارے اپنے گھریلو مسائل ہیں، انہیں اپنے گھر ہی میں حل کرنا۔ یہاں ہمیں کام کرنے دو۔"

اور چھوٹے بھائی نے دھونکنی دھونکنا شروع کر دی، آگ کی بھڑ بھڑ میں لوہار کی بڑبڑاہٹ دب گئی۔ وہ مسعود کو ملامت کر رہا تھا۔

مسعود کا اب اس بستی سے دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ یہاں سے جلد از جلد نکل جانا چاہتا تھا مگر اس کے لیے رقم درکار تھی اور یہ رقم اس کا چھوٹا بھائی اور ماں دے سکتے تھے۔

مسعود یہاں سے اٹھ کے جاگیردار کے پاس پہنچا لیکن یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس وقت جاگیردار محل میں موجود نہ تھا۔ وہ وہاں سے نور محمد کی چوپال پہنچ گیا۔ کچھ دیر وہاں باتیں کرتا رہا اور منصوبے بناتا رہا۔

پھر اچانک وہاں سے اٹھ کر اپنے پڑوسی زکریا کے پاس پہنچا۔ زکریا اس کا احسان مند تھا، وہ بڑی محبت اور تپاک سے پیش آیا۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد مسعود نے پوچھا "مسئلہ حل ہوا یا نہیں؟"

زکریا نے جواب دیا "میں نے دہلی جانے والے ایک تاجر کے ذریعے بچوں کے ماموں کو لکھ تو دیا ہے کہ وہ جلدی آجائیں اور اپنی امانتیں لے جائیں۔"

مسعود نے کچھ سوچتے ہوئے فکر مند لہجے میں کہا "آپ نے بہت دیر کر دی۔ جاگیردار کی نیت صحیح نہیں ہے اور ایسا لگتا ہے کہ آپ کی ایک بیٹی جاگیردار کے محل میں چلی جائے گی اور بقیہ دو بھی، ڈر ہے کہ وہ اپنے دوستوں میں کہیں تقسیم نہ کر دے۔ میں آپ کو یہی بتانے آیا تھا کہ جو کچھ کرنا ہے جلدی کریں۔"

زکریا کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے "اگر جاگیردار نے ایسا کیا تو میں اپنی تینوں بیٹیوں کو قتل کر دوں گا۔"

مسعود ہنسنے لگا "یہ کیا بات ہوئی۔ آپ کی بیٹیوں نے کون سا جرم کیا ہے، جو آپ انہیں قتل کر دیں گے۔ میں نے تو آپ کو بروقت خطرے سے آگاہ کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے، کچھ نہ ہو۔"

زکریا نے کہا "میری تو عقل کام نہیں کر رہی ہے۔ تیری عقل اور سمجھ کے سبھی قائل ہیں، کچھ تو ہی بتا کہ اگر ایسا ہوا تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

مسعود نے کہا "بستی کے بہت سے لوگ جاگیردار کے شاکی ہیں۔ آپ ان سب کا اتحاد قائم کریں اور اگر آپ کے ساتھ جاگیردار زیادتی کرے تو اپنی بیٹیوں کے بجائے جاگیردار کو سزا دیں۔"

لیکن زکریا کے لیے یہ کام بہت مشکل تھا کہ وہ بستی کے ان لوگوں کو تلاش کرے جنہیں جاگیردار سے شکایتیں تھیں۔ اس نے اس دشواری کا ذکر کیا اور اس سلسلے میں مسعود کی مدد چاہی۔

مسعود نے ایسے پچاس نام پہلے سے سوچ رکھے تھے اور ان پچاس آدمیوں کو جاگیردار سے واقعی بڑی شکایتیں تھیں۔

اس نے ان سب کے نام بتادیے اور کہا "آپ ان سب سے فرداً فرداً ملیں، ان کے دلوں کو ٹٹولیں اور پھر جاگیردار کے خلاف متحدہ لائحہ عمل اختیار کریں۔"

ذکریا نے اپنا کام شروع کردیا اور اس کو جو پچاس نام دیئے گئے تھے، ان سے ملاقاتیں شروع ہوگئیں۔ یہ لوگ جاگیردار کے خلاف تو تھے مگر یہ اس حیثیت میں نہیں تھے کہ جاگیردار کے خلاف کوئی متحدہ لائحہ عمل اختیار کرتے، ان میں سے چند ہی پُرجوش نکلے۔ باقی حیلوں سے کام لینے لگے اور ذکریا کا یہ تجربہ تقریباً ناکام رہا۔

ذکریا کی کوششوں کا علم جاگیردار کو ہوگیا۔ اس نے مسعود کو طلب کرلیا اور پوچھا "یہ ذکریا میرے خلاف کیا کرتا پھر رہا ہے؟"

مسعود نے جواب دیا "آپ نے مجھے ذرا پہلے بلوالیا۔ ورنہ میں خود آپ سے ملنے والا تھا۔ میرے علم کے مطابق ذکریا نے اب تک تقریباً پچاس آدمیوں سے ملاقاتیں کی ہیں اور چونکہ ابھی تک وہ بیٹیوں کی شادی کرنے میں ناکام رہا ہے اس لیے آپ کی دوبارہ جواب طلبی سے پہلے وہ اپنے دفاع کی کوشش میں مصروف ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوگا مگر بستی میں ہنگامے ضرور کھڑے کردے گا۔"

جاگیردار نے اس سے مشورہ کیا "تو مشورہ دے کہ مجھے ذکریا کے خلاف کس قسم کا قدم اٹھانا چاہیے؟"

مسعود نے مشورہ دیا "اب سختی کی ضرورت ہے۔ آپ ذکریا کے علاوہ ان سب کے خلاف بھی قدم اٹھائیں جو ذکریا سے ملتے ہیں اور آپ کے خلاف باتیں کی ہیں مگر پھر وہی بات کہ میرا کہیں نام نہیں آنا چاہیے۔ بستی کے لوگ مجھ پر بھروسا کرتے ہیں اور میں ان کے اعتماد کا فائدہ آپ کو پہنچانا چاہتا ہوں۔"

جاگیردار نے اپنی کارروائی شروع کردی۔ کسی کی پٹائی کروادی، کسی کو اپنی ذاتی حوالات میں قید کردیا اور کسی کو اس کے روزگار سے محروم کردیا۔ ذکریا کو اپنے محل میں بلواکر جوتوں سے پٹوایا اور حکم دیا کہ تینوں لڑکیاں جاگیردار کے حوالے کردی جائیں، وہ ان کی شادیاں اپنے آدمیوں سے کروادے گا۔

پوری بستی میں زلزلہ سا آگیا۔ نور محمد کی چوپال میں بستی کے بوڑھے سر جوڑ کے بیٹھے اور ان میں جاگیردار کے مظالم کی باتیں ہونے لگیں۔ ان بوڑھوں نے مسعود کا بڑا انتظار کیا کیوں کہ ان سب کا اس پر اتفاق تھا کہ ان حالات میں صرف مسعود ہی یہ مشورہ دے سکتا تھا کہ بستی والوں کو جاگیردار کے مظالم کا مقابلہ کس طرح کرنا چاہیے؟

لیکن مسعود چوپال میں نہیں پہنچا۔ اس وقت وہ اپنے پڑوسی ذکریا کی مزاج پرسی میں مشغول تھا۔ ذکریا خاصا زخمی تھا۔ اس نے مسعود کو بلواکر مشورہ کیا تھا کہ اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟ اس نے مسعود کو بتایا کہ جاگیردار نے اس کی تینوں بیٹیاں محل میں طلب کرلی ہیں، اب کسی وقت بھی جاگیردار کے آدمی آئیں گے اور اس کی تینوں لڑکیوں کو لے کر چلے جائیں گے۔ ذکریا رونے لگا اور مسعود سے پوچھا "بتا اب میں کیا کروں؟ اور اپنی بیٹیوں کو جاگیردار سے کس طرح بچاؤں؟"

مسعود نے بستی کے لوگوں کا شکوہ کیا اور کہا "جاگیردار سے تنہا کوئی نہیں لڑسکتا۔ اگر سب متحد ہوجائیں تو اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ صبر کریں اور جو کچھ ہورہا ہے، ہونے دیں۔"

مسعود نے اٹھتے ہوئے کہا "تجھ کو فی الحال اپنی بیٹیوں کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ اگر آس پاس کی کسی بستی میں کوئی عزیز یا رشتے دار رہتے ہوں تو بیٹیوں کو ان کے پاس پہنچادے ورنہ خود دہلی چلا جا اور اپنی بیٹیوں کی شادیاں کرکے واپس چلا آ۔"

ذکریا نے اپنی بیوی کو آواز دی اور یہ پردہ دار خاتون مدتوں کے بعد پہلی بار مسعود کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ بارہ سال کی عمر تک ذکریا کی بیوی مسعود کے سامنے آتی رہی تھی۔ اس کے بعد پردہ کرنے لگی تھی۔ مسعود نے اس کو سلام کیا۔

ذکریا نے بیوی کو حکم دیا "نیک بخت! ان تینوں کو بلوا۔ تیرا بھائی تو آچکا۔ میں کب تک اس کا انتظار کروں گا۔"

ذکریا کی بیوی نے کراہیت سے جواب دیا "آپ اس بستی کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ دہلی چلیں اور وہیں مستقل سکونت اختیار کریں۔"

ذکریا نے کہا "اب میں اتنی جلدی تو دہلی پہنچنے سے رہا تو تینوں لڑکیوں کو بلا تو سہی۔"

بیوی بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ اس کی عدم موجودگی میں ذکریا نے مسعود سے کہا "آج میں اپنی بیٹیوں کی شادی کے معاملے میں سنت نبویؐ پر عمل کروں گا۔ تو میری تینوں بیٹیوں میں سے ایک کو پسند کرلے۔ میں اس کی مرضی معلوم کرکے اس سے تیری شادی کردوں گا۔ بقیہ دو کے لیے شیخ نور محمد سے بات کریں گے کہ وہ ان دونوں کے لیے فوری طور پر دو لڑکے تلاش کرے۔"

کچھ دیر بعد تینوں لڑکیاں بھی مسعود کے سامنے کھڑی کردی گئیں۔ ان لڑکیوں کو مسعود نے ان کے بچپنے میں دیکھا تھا۔ ان میں زیب اس کو بہت پسند تھی۔ بقیہ دونوں لڑکیاں مہرالنساء اور جمیلہ اچھی تو لگتی تھیں مگر پسند نہیں تھیں۔

بیوی نے زکریا سے جھگڑا کیا اور کہا "یہ آپ اچھا نہیں کررہے ہیں۔ میرا بھائی اپنی امانت میں خیانت برداشت نہیں کرے گا۔ اور مجھے ڈر ہے کہ ہمارے اپنے بھائی سے موت و زندگی کے تعلقات ختم ہوجائیں گے۔"

زکریا نے مسعود سے کہا "تو ان میں سے کسی ایک کو پسند کرلے" اور بیوی سے کہا "کیا ہم جاگیردار کا مقابلہ کرسکتے ہیں؟ تیرا بھائی کوئی جواب نہیں دیتا۔ وہ ہم سے اتنی دور ہے کہ ہم دونوں یوں بھی ایک دوسرے کی شادی غمی میں شریک نہیں ہوپاتے۔"

گھر میں کچھ عرصے سے مسعود کی اپنی ماں سے یہ رنجش چلی آرہی تھی کہ مسعود کوئی کام نہیں کرتا اور کام نہ کرنے کی وجہ سے اس کی شادی بھی نہیں ہوسکتی۔ مسعود کو زیب پسند تھی لیکن اسے ہمیشہ یہ خوف رہتا تھا کہ اگر اس کی ماں مسعود کے لیے زیب کے والدین سے بات کرے گی تو انکار ہوجائے گا اور انکار کا سبب دو میں سے کوئی ایک ہوگا۔ یہ کہ زیب اپنے ماموں زاد بھائی سے منسوب ہے یا یہ کہ مسعود بے کار ہے کوئی کام نہیں کرتا اس لیے وہ اس نکمے سے زیب کی شادی نہیں کرسکتے۔

اب جو یہ صورتِ حال پیدا ہوئی تو مسعود نے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اس میں حیرت انگیز طور پر کامیاب ہوگیا۔

مسعود نے تینوں لڑکیوں کو نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں اور زکریا سے کہا "میں اس کنبے کی کمزوری سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا اس لیے مجھے جانے دیں۔" اور وہ اٹھ کر جانے لگا۔

زکریا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور خوشامدانہ لہجے میں کہا "تو بستی بھر کا ہمدرد ہے تو کیا اپنے پڑوسی کے کام نہیں آئے گا۔ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میری تینوں بیٹیاں جاگیردار کے آدمیوں میں تقسیم کردی جائیں؟"

مسعود نے تینوں لڑکیوں کی طرف دیکھا اور کہا "میں بدرجہ مجبوری آپ کا اس لیے ساتھ دوں گا کہ آپ ہمارے پڑوسی ہیں مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مجھے اس ہمدردی کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ جاگیردار مجھے معاف نہیں کرے گا۔"

بیوی روتی ہوئی اندر چلی گئی اور مسعود نے زیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "مجھے یہ پسند ہے۔"

تینوں لڑکیاں گم صم نظریں جھکائے کھڑی تھیں اور تینوں کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

زکریا نے کہا "اب تو دو کام کر ایک تو یہ کہ اپنی ماں کو میرے پاس بھیج دے تاکہ میں اس صورتِ حال سے اس کو بھی آگاہ کردوں اور دوسرے یہ کہ تو قاضی کو بلالا۔"

جب مسعود جانے لگا تو اسے جاتے جاتے روک لیا اور کہا "فی الحال میں اس لائق نہیں ہوں کہ چوپال جاؤں۔ میری طرف سے تو چوپال چلا جا اور نور محمد کو میرے پاس لے آیا۔ میں اس سے اپنی دونوں بیٹیوں کے لیے لڑکوں کی تلاش کی بات کروں گا۔"

اور جب مسعود دروازے کے پاس پہنچا تو آواز دے کر اس کو پھر روک لیا اور کہا "دیکھ یہ سارے کام جاگیردار کے آدمیوں کی آمد سے پہلے ہوجانے چاہئیں۔"

مسعود نے اپنی ماں کو زکریا کے پاس بھیج دیا اور خود چوپال چلا گیا۔ نور محمد کو ہنگامی حالات سے باخبر کیا اور اپنی شادی کا ذکر کرتے ہوئے کہا "حقیقتاً میں زکریا کا ساتھ دے کر قربانی کا بکرا بن رہا ہوں۔ آپ بھی چند قابلِ اعتماد بوڑھوں کو ساتھ لے کر زکریا کے پاس پہنچ جائیں تاکہ یہ رسم ان کی موجودگی اور گواہی میں انجام پاجائے۔"

نور محمد کی نظر میں مسعود پہلے ہی قابلِ قدر نوجوان تھا۔ اب اس کی عزت اور زیادہ بڑھ گئی۔ مگر مسعود نے زکریا کا دو لڑکوں سے متعلق پیغام نور محمد کو نہیں دیا کیوں کہ اس کی نظر میں اپنا مطلب نکل جانے کے بعد زکریا کا یہ پیغام کچھ غیر ضروری ہوگیا تھا۔

آٹھ آدمیوں کی موجودگی میں مسعود کی شادی ہوگئی اور زیب رخصت ہوکر مسعود کے گھر چلی گئی۔

مسعود کو یہ یقین تھا کہ اب جاگیردار اس کے خلاف کوئی کارروائی ضرور کرے گا۔ اس لیے اس نے نہایت چالاکی اور ہوشیاری سے بستی کے ہزاروں آدمیوں کو جاگیردار کے خلاف کرنے کی مہم شروع کردی اور اس میں مسعود کا کمال یہ تھا کہ وہ کہیں بھی سامنے نظر نہیں آرہا تھا۔ مسعود کے پرستار اپنے اپنے طور پر جاگیردار کے خلاف باتیں کرتے پھر رہے تھے ان میں مسعود کا کہیں کوئی ذکر نہ تھا۔ جن لوگوں پر جاگیردار مظالم ڈھا چکا تھا وہ اس مہم میں پیش پیش تھے۔

جاگیردار کے آدمی زکریا کی تینوں بیٹیوں کو اٹھانے اس کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ گھر خالی پڑا ہے اور گھر کے لوگ

کہیں روپوش ہو چکے ہیں۔
اب جاگیردار کا غصہ اور غضب عروج کو پہنچ گیا۔ جاگیردار کے آدمیوں کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ زکریا کی ایک بیٹی کی شادی مسعود سے ہو چکی ہے اور بقیہ دونوں اپنے والدین کے ساتھ اسی بستی میں کہیں روپوش ہو گئی ہیں۔
اب جاگیردار کو مسعود پر بھی غصہ آیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "مسعود کو بھی اس کے خاندان کے ساتھ اٹھا لاؤ۔"
لیکن مسعود نے اس سے پہلے ہی اپنا گھر چھوڑ دیا تھا اور زینب' اپنی ماں اور بھائی کو دوسری بستی میں روانہ کر دیا تھا۔ ماہ نگر نامی یہ بستی یہاں سے پچیس کوس دور واقع تھی۔ لیکن یہ ماہ نگر بھی جاگیردار مختار کے تعلقہ میں آتا تھا۔
مسعود خود ہی جاگیردار کے پاس پہنچ گیا اور اس کی خوشامد کرتے ہوئے کہا "جناب! میں آپ کا گناہگار ہوں۔ آپ مجھے جو سزا چاہیں دیں۔"
جاگیردار نے پوچھا "کیا یہ خبر درست ہے کہ زکریا کی ایک بیٹی کی شادی تجھ سے کر دی گئی ہے؟"
مسعود نے جواب دیا "بالکل درست ہے' مجھ کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ میری ماں نے میرے لیے ایک لڑکی کا پیغام سالوں پہلے دے رکھا ہے اور جس کا زکریا نے یہ جواب دیا تھا کہ اگر لڑکی کے ماموں نے خاموشی اختیار کی تو وہ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کر دے گا۔ اسی دوران اتفاقیہ میری ماں نے زکریا کو یاد دلایا اور رشتہ مانگا۔ وہ حیرت انگیز طور پر آمادہ ہو گیا۔ مجھے اس شادی کا اس وقت علم ہوا جب چند آدمیوں کے ساتھ قاضی آ گیا اور میرا نکاح پڑھا دیا گیا۔ افسوس کہ میں آپ کو بھی یہ خبر نہ پہنچا سکا۔"
جاگیردار نے معنی خیز نظروں سے مسعود کو گھورا اور پوچھا "اور یہ زکریا اپنی بیوی اور دونوں بیٹیوں کے ساتھ کہاں روپوش ہو گیا؟"
مسعود نے جواب دیا "آپ زکریا کی بات کر رہے ہیں جبکہ میں اپنی ماں اور بھائی کی بابت نہیں جانتا کہ یہ لوگ کہاں روپوش ہو گئے اور اپنے ساتھ میری بیوی کو بھی لے گئے۔"
جاگیردار نے کہا "اب زیادہ چالاک نہ بن۔ میں یہ تو مان لوں گا کہ زکریا کے بارے میں تو کچھ نہیں جانتا۔ مگر میں یہ نہیں مانوں گا کہ تیرا خاندان تیری لاعلمی میں کہیں روپوش ہو گیا۔ میں تجھ کو صرف ایک دن کی مہلت دوں گا کہ اگر تو یہ نہیں جانتا کہ تیرے گھر والے کہاں روپوش ہیں تو اس ایک دن کے اندر ان کا پتا معلوم کر اور ہمیں بتا کہ وہ کہاں ہیں؟ اور یہ بھی یاد رکھ کہ تجھے اپنی بیوی کو طلاق دینی ہوگی۔ کیوں کہ وہ میری مطلوبہ ہے۔ وہ میرے محل میں رہے گی۔"
مسعود نے جاگیردار سے وعدہ کر لیا "آپ جو کچھ چاہتے ہیں وہی ہوگا۔ میں اپنی ماں کو تلاش کر لوں گا۔"
مسعود جاگیردار کے پاس سے چلا آیا اور سیدھا نور محمد کی چوپال پہنچا۔ وہاں چند بوڑھے پہلے سے موجود تھے۔ مسعود ان کے درمیان پہنچتے ہی رونے لگا۔ چوپال کے بوڑھوں کو مسعود سے محبت کی حد تک ہمدردی تھی۔ انہوں نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا "میں تو زکریا کی بیٹی سے شادی کر کے مصیبت میں پڑ گیا۔ جاگیردار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں زکریا کا پتا بتاؤں اور اپنی بیوی کو طلاق دے کر جاگیردار کے حوالے کر دوں۔ ان دونوں کاموں کے لیے اس نے مجھے صرف ایک دن کی مہلت دی ہے۔"
کم ہمت بوڑھے زبانی تسلیاں دینے لگے لیکن اس دوران پوری بستی کے ہزاروں جوان اور ادھیڑ عمر لوگ جاگیردار کے خلاف اکٹھا ہو چکے تھے۔ ان لوگوں نے ہتھیار سنبھال لیے تھے اور آپس میں یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اب جاگیردار کو طاقت کا جواب طاقت سے دیا جائے گا۔ جاگیردار کے آدمیوں کو مسعود ہی نے اس گھر کا پتا بتایا تھا جہاں زکریا اپنی بیوی اور دونوں بیٹیوں کے ساتھ روپوش تھا۔ لیکن بستی کے لوگ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ جس مسعود پر انہیں سب سے زیادہ اعتماد تھا وہی جاگیردار اور بستی کے مابین برپا ہنگامہ خیزیوں کا واحد ذمے دار تھا۔ یہ ساری حرکات' واقعات اور حکمت عملیاں مسعود کے دربار تغلق تک پہنچنے کے زینے تھے' یہ سیڑھیاں تھیں جنہیں طے کر کے وہ سلطان محمد تغلق شاہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔
جاگیردار کی نظر میں مسعود ایک بار پھر قابل اعتماد قرار پا گیا تھا۔ کیوں کہ اسی کی نشاندہی پر زکریا اپنی بیوی اور دونوں بیٹیوں کے ساتھ گرفتار ہوا تھا۔

○☆○

وہ چوپال میں بیٹھا بوڑھوں کے ساتھ زکریا کے لیے اظہارِ ہمدردی کر رہا تھا کہ جاگیردار کے چند آدمی چوپال میں داخل ہوئے اور مسعود کو اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔
یہ خبر آناً فاناً بستی میں عام ہو گئی کہ جاگیردار نے بستی کے عقل مند' باشعور اور سب کے ہمدرد نوجوان مسعود کو بھی گرفتار کر لیا ہے۔
اس خبر نے پوری بستی کو مشتعل کر دیا اور لوگ اپنے

اپنے ہتھیار سنبھال کر بستی کے چوک میں جمع ہونا شروع ہوگئے۔ املی کے گھنیرے درخت کے سائے میں بستی کے جنگجوؤں نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے ہتھیار بندوں سے باری باری خطاب کیا اور کہا "ہماری یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک جاگیردار سے مسعود، زکریا اور اس کے خاندان کو آزاد نہیں کرایا جائے گا۔"

ادھر یہ اشتعال تھا اور دوسری طرف جاگیردار اپنی چھوٹی سی فوج بستی کی بربادی کے لیے تیار کرچکا تھا۔ اس بار جاگیردار بستی والوں پر کسی قسم کا رحم یا کوئی مروت آمیز سلوک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ اس بستی کے سب سے زیادہ عقل مند نوجوان مسعود نے جاگیردار کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اگر وہ اپنے پورے تعلقہ میں اپنا رُعب اور دبدبہ قائم رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مخالفوں اور انتشار پسندوں کو سختی سے کچل دے۔ اپنی اس کارروائی میں جاگیردار کو شریر اور شریف میں تمیز نہیں کرنی چاہیے۔ خطا کاروں اور بے خطاؤں دونوں سے سفاکی اور بربریت کا سلوک کیا جائے تاکہ یہ بستی مدتوں سر اٹھانے کی جرأت نہ کرسکے۔ یہ خبر اس کے تعلقہ کے جن جن قصبوں اور گاؤں میں جائے گی وہاں کے لوگ مرعوب اور خوف زدہ ہوکر جاگیردار کے خلاف سوچنا چھوڑ دیں گے۔

مسعود کو اس کے اس معقول مشورے کا یہ صلہ دیا گیا کہ جاگیردار نے اس کے بعد اس کی ماں، بھائی اور بیوی کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ جاگیردار حیران تھا کہ یہ نوجوان جہاں بینی اور جہان بانی کے غیر معمولی اوصاف اور صلاحیتیں لے کر پیدا ہوا ہے۔ کیوں کہ جو تبدیلیاں اور جو باتیں مسعود روا روی میں کرجاتا تھا وہ عمر رسیدہ، تجربہ کار بوڑھے اور پرانوں کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔

بستی کے مشتعل جوانوں نے جاگیردار کے محل پر حملہ کردیا اور مطالبہ کیا کہ مسعود، زکریا، اس کی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو ان کے حوالے کیا جائے ورنہ وہ محل کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔

جاگیردار نے مسعود سے مشورہ کیا "کیا میں ابھی اسی وقت اپنی فوج کو ان کے مقابل کھڑا کردوں؟"

مسعود نے جواب دیا "ایسی غلطی بھی نہ کیجئے گا، اس سیدھی سادی لڑائی میں مزہ بھی نہیں آئے گا۔ آپ کو یہ جنگ اس طرح لڑنی چاہیے کہ آپ کا کم سے کم نقصان ہو اور بلوائیوں کی اکثریت قتل کردی جائے۔ ادھر سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے سپاہی بستی کا رخ کریں گے اور وہاں مار کاٹ شروع کردیں گے۔ بستی کے سو پچاس مکانوں کو نذرِ آتش بھی کردیں گے لیکن یہ خیال رہے کہ نور محمد کی چوپال کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ پھر جب آپ بستی پر پوری طرح قابو پالیں تو مجھے ازراہِ احسان چھوڑ دیں تاکہ میں بستی میں دوبارہ جاکر آپ کے لیے کام کرسکوں۔"

مسعود کے مشورے پر جاگیردار کی فوج محل کے عقبی دروازے سے باہر نکلی اور اس نے دو حصوں میں تقسیم ہوکر بلوائیوں پر ان کے دائیں بائیں سے حملہ کردیا۔ بلوائیوں کا خیال تھا کہ جاگیردار اپنے صدر دروازے سے حملہ آور ہوگا اور وہ اس کو باہر نکلنے کا موقع بھی نہیں دیں گے مگر جب وہ دونوں طرف سے گھر گئے اور ان کی لاعلمی میں ان پر شدید حملہ کردیا گیا تو گھبراہٹ میں وہ مقابلہ کرنا تو بھول گئے اور راہِ فرار اختیار کی لیکن جاگیردار کے تجربہ کار سپاہیوں نے بلوائیوں کو بھاگنے کا موقع نہیں دیا۔ جاگیردار کی یہ وہ فوج تھی جو بوقتِ ضرورت سلطان محمد شاہ تغلق کو مدد کے لیے دہلی روانہ کی جاتی تھی۔

کچھ بلوائی مقابلے پر ڈٹ گئے مگر جلدی مارے گئے بقیہ بھاگنے والوں کا فوج نے تعاقب کیا۔ بلوائیوں کے پاس تلواریں تھیں، لاٹھیاں تھیں اور کچھ نہتے بھی تھے۔ اور یہ لوگ پیدل بھی تھے۔ جب کہ جاگیردار کے سپاہیوں کے پاس کئی قسم کا اسلحہ تھا۔ جن میں تیروں کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور ہر سپاہی گھوڑے پر سوار تھا۔ ان سواروں نے دونوں طرف سے اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑائے اور اور بلوائیوں پر چڑھ دوڑے۔ اس ناگہانی حملے نے بلوائیوں کو منتشر کردیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ بھاگتے ہوئے بلوائیوں پر تیروں کی بوچھار کردی گئی اور جو بلوائی زخمی ہوکر گرگئے انہیں بے رحمی اور سفاکی سے گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روند ڈالا گیا۔

جاگیردار کی فوج بلوائیوں کو مارتی کاٹتی اور روندتی ہوئی بستی میں داخل ہوگئی اور اس نے بستی کے مکانات کو آگ لگادی۔ دیکھتے ہی دیکھتے گھروں سے شعلے بلند ہونے لگے۔ مکینوں نے مکانوں سے نکل کر پناہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھاگنا شروع کردیا مگر وہ بھی جاگیردار کے سپاہیوں سے محفوظ نہ رہے۔ سپاہیوں نے بہتوں کو پکڑ پکڑ کے آگ میں جھونک دیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے مغلوں کی فوج حملہ آور ہوگئی ہو۔

بستی کا ہر گھر خوف زدہ اور پریشان تھا اور اپنی اپنی خیر منا رہا تھا گویا یہ عرصۂ محشر تھا۔ جہاں ہر کوئی نفسا نفسی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔

جاگیردار نے اپنی فوج کو جس حد تک تباہی اور بربادی کا

حکم دیا تھا' کر کے واپس چلی گئی اور بستی والوں نے اپنے ہوش و حواس جمع کر کے آگ پر قابو پانے کی کوششیں شروع کردیں' ہر طرف سے رونے دھونے' بین و ماتم کی آوازیں آرہی تھیں۔

شام تک بستی کے ساٹھ ستر مکان راکھ کا ڈھیر بن چکے تھے اور ان کھنڈرات سے اٹھنے والا دھواں فضا میں بادل کی طرح چھا گیا تھا۔

بے گھر عورتوں اور بچوں نے دوسروں کے گھروں میں پناہ لے رکھی تھی لیکن بہت سے لاپتا بھی تھے۔ لاپتا ہونے والوں میں مرد' بچے اور عورتیں شامل تھیں۔ خصوصاً لڑکیاں اور جوان عورتیں۔ انہیں جاگیردار کے سپاہی اٹھالے گئے تھے۔ کیوں کہ بھاگنے والوں نے لڑکیوں اور جوان عورتوں کے اغوا کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔

رات کو شیخ نور محمد کی چوپال میں لوگ جمع ہونے شروع ہوگئے۔ یہ سب دل گرفتہ تھے۔

نور محمد نے پہلے ہی اعلان کردیا "بھائیو! میری چوپال میں کوئی بات کرنے سے پہلے میری یہ بات ذہن نشین کرلو کہ میری چوپال میں جاگیردار کے خلاف کوئی بات نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہم نے جاگیردار کی مخالفت کر کے خود کو برباد کرلیا ہے۔"

جب کچھ دیر بعد باتیں شروع ہوئیں تو سبھی نے بلوائیوں کو سخت سست کہا لیکن ان کے گلوں سے صاف آوازیں نہیں نکل رہی تھیں۔ وہ بہت سہمے ہوئے لوگ تھے۔

نور محمد نے ان سب کو سمجھایا "جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہوگیا۔ اب ہمیں سب سے پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ جاگیردار کے دل میں ہمارے خلاف جو بدگمانی اور بے اعتمادی پیدا ہوگئی ہے اسے کس طرح دور کیا جائے اور دوبارہ اعتماد کس طرح بحال کیا جائے؟"

عارض اور نظام پہلے ہی آپس میں لڑ جھگڑ کر اپنی اولادیں ضائع کرچکے تھے اور اس وقت بھی چوپال میں موجود تھے۔ بالاتفاق یہ طے پایا کہ یہ دونوں نور محمد کے ساتھ جاگیردار کے پاس جائیں اور بستی والوں کی طرف سے معافی مانگیں۔

کبیر نامی ایک ادھیڑ عمر شخص نے غصے میں جاگیردار کو گالیاں دیں اور کہا "یعنی بستی والے اس ظالم مردود جاگیردار سے معافی مانگیں جس نے ہم پر یہ ظلم ڈھایا ہے' ہمارے آدمیوں کو بے رحمی سے قتل کیا اور گھوڑوں تلے روند ڈالا۔ ہمارے بچوں' بوڑھی عورتوں اور مردوں کو آگ میں جھونک دیا۔ ہماری لڑکیوں اور جوان عورتوں کو اغوا کر کے لے گئے' ہم اس جاگیردار سے معافی مانگیں! یہ غدا اس سے زیادہ بے غیرتی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں تو جواباً جاگیردار کے محل کو کھنڈر بنادینا چاہیے۔"

چوپال کے بوڑھے کبیر کی باتوں سے کانپ گئے اور ان سب نے اچانک کبیر پر حملہ کردیا۔ سب نے مل کر کبیر کو بہت مارا پیٹا' وہ مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے "تیرے ہی جیسے لوگوں نے ہمیں اس حال کو پہنچایا ہے۔"

یہ مارپیٹ جاری تھی کہ چوپال کے سامنے کئی گھوڑے آکر رکے اور کچھ دیر بعد جاگیردار کے کئی آدمی مسعود کو شانوں سے پکڑے ہوئے چوپال میں داخل ہوئے۔ ان لوگوں نے مسعود کو بوڑھوں پر اچھال دیا اور کہا "تم لوگوں نے اس نکمے اور بے کار نوجوان کی رہائی کا مطالبہ کیا تھا۔ لو سنبھالو اسے' یہ ہمارے کس کام کا۔"

چوپال کے بوڑھے جاگیردار کے سپاہیوں کو دیکھ کر خوف زدہ اور بدحواس ہوگئے۔

ایک بوڑھے نے کبیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ یہ ہم سب کو جاگیردار کے خلاف ورغلا رہا تھا۔"

کبیر چلنے لگا اور پیچھے ہٹتے ہوئے کہا "یہ سب جھوٹے ہیں۔ میں نے جاگیردار کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔"

جاگیردار کے سپاہیوں نے کبیر کو پکڑ لیا اور چوپال کے بوڑھوں سے کہا "اگر تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ جاگیردار کا اعتماد بحال ہو تو تمہیں اپنی بستی کے غداروں کی نشاندہی کرنی چاہیے اور انہیں ہمارے حوالے کردینا چاہیے۔"

سپاہیوں نے روتے بلکتے کبیر کو رسیوں سے جکڑ دیا اور اس کو لے کر چلتے بنے۔

اب لوگ مسعود کی طرف مخاطب ہوئے۔ مسعود کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی' ایسا لگتا تھا جیسے اسے بہت مارا پیٹا گیا ہو۔

نور محمد کو حیرت تھی کہ جاگیردار نے مسعود کو کیوں چھوڑ دیا۔

مسعود نے جاگیردار کے ظلم و ستم کی فرضی داستان سنائی اور بتایا "یہ ضرور ہے کہ بستی پر بڑا ظلم ہوا ہے لیکن اس وقت میں محل میں جاگیردار کے پاس تھا' میں نے جاگیردار کو بستی کے ہجوم سے خوف زدہ دیکھا تھا۔ اگر بستی کے لوگ فنِ حرب سے واقف ہوتے اور منصوبہ بندی سے محل پر حملہ آور ہوتے تو جاگیردار کی فوج بھی ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکتی۔"

چوپال کا ہر بوڑھا مسعود کی جاگیردار کے خلاف باتوں سے واقف تھا۔

نور محمد نے مسعود کو منع کیا کہ وہ اس کی چوپال میں جاگیردار کے خلاف باتیں نہ کرے۔

مسعود نے ان سب کو شرم دلائی "تم لوگ تو نرے بزدل نکلے مجھے دیکھو' میں جاگیردار کے مظالم سہہ کر یہاں آیا ہوں مگر تمہاری طرح خوف زدہ نہیں ہوں اور تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ مجھے تم لوگوں سے ڈر کے رہا کیا گیا ہے۔"

چوپال کے بوڑھوں کو مسعود کی باتوں پر یقین تو نہیں آیا مگر کسی قدر شک و شبے میں ضرور پڑ گئے اور اچانک ان سب کے رویوں میں فرق آگیا۔

نور محمد نے کہا "تو نے ابھی بستی کے جلے ہوئے کھنڈر نہیں دیکھے اور تجھ کو ابھی بستی کے اس نقصان کا اندازہ نہیں جو جاگیردار کے سپاہیوں کے ہاتھوں پہنچا ہے۔"

مسعود نے جواب دیا "ابھی یہاں لانے سے پہلے جاگیردار کے سپاہیوں نے مجھے وہ کھنڈرات دکھائے تھے اور کہا تھا کہ اگر تو نے اب بھی جاگیردار کے خلاف زبان کھولی تو تجھ کو تیرے جلتے ہوئے مکان میں جھونک دیا جائے گا۔"

عارض نے زکریا کے بارے میں پوچھا "جاگیردار نے تجھ کو تو چھوڑ دیا لیکن زکریا' اس کی بیوی اور دونوں جوان بیٹیاں اب بھی اس کی قید میں ہیں۔ انہیں کیوں نہیں چھوڑا؟"

مسعود نے جواب دیا "جہاں تک میں جانتا ہوں' زکریا کی دونوں جوان بیٹیوں کی وجہ سے جاگیردار کی نیت میں فتور آگیا ہے اب وہ زکریا اور اس کی بیوی کو قتل کروا کر ان کی دونوں بیٹیوں کو محل میں ڈال لے گا۔ اس طرح وہ ایک خلافِ شرع جرم کا مرتکب ٹھہرے گا۔ وہ دو سگی بہنوں کو بیوی یا داشتہ بنا کر نہیں رکھ سکتا۔"

بوڑھوں نے جاگیردار کی اس غیر شرعی حرکت پر افسوس کا اظہار کیا' نور محمد نے کہا "قیامت قریب ہے' جو نہ ہو کم ہے۔"

مسعود نے بوڑھوں کو حرارت بخشنی چاہی "وہ تو مجھ سے میری بیوی کے بارے میں پوچھ رہا تھا وہ میری بیوی کو بھی اپنے محل میں ڈال لینا چاہتا ہے۔"

کافی رات گئے اس محفل میں بستی کا عرشی نامی ایک شاعر بھی شریک ہو گیا۔ یہ پینتیس چالیس سالہ شاعر کوئی کام دھندا نہیں کرتا تھا۔ ہر وقت شعر و شاعری کے چکر میں رہتا تھا' شاعر بہت اچھا تھا۔ جو صاحبِ حیثیت شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتے تھے' وہ عرشی کی کفالت کرتے تھے۔ جاگیردار خود بھی عرشی کا قدر دان اور کفیل تھا۔ عرشی کو عربی' فارسی اور مقامی زبان پر عبور تھا لیکن شاعری فارسی میں کرتا تھا۔

خلافِ توقع عرشی کی چوپال میں آمد نے بوڑھوں کو حیران کر دیا۔

عرشی نے بستی کی بربادی پر اپنے دکھ کا اظہار کیا اور کہا "جو کچھ ہوا اس کا ذمے دار کون ہے' میں نہیں جانتا لیکن مجھے اس کا بے حد افسوس ہے۔"

مسعود نے عرشی کو مشورہ دیا "عرشی! تو بے گھر' بے در اور غیروں کا دست نگر شاعر ٹھہرا۔ تیرا اس بستی سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے اس لیے تو بستی کے معاملات میں نہ پڑ۔"

عرشی نے کہا "میں ایک پابہ رکاب انسان ہوں' شاعری میرا مشغلہ ہے۔ طبیعت اور مزاج سیاحوں جیسا ہے۔ کسی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہ سکتا۔ جہاں جاتا ہوں' سال دو سال رہتا ہوں پھر کسی دوسرے شہر میں چلا جاتا ہوں۔"

مسعود نے اس کو ڈرایا "دیکھ' کہیں بستی کی ہمدردی میں تُو جاگیردار کے ظلم کا شکار نہ ہو جائے اور یہیں کے قبرستان میں آباد ہو جائے۔"

لیکن شاعر نے چند المیہ اشعار سنا کر چوپال کے بوڑھوں کو غم زدہ کر دیا۔ اس نے انسان اور مظالم انسان کے عنوان سے ایک مسلسل نظم کہی تھی۔ یہ نو اشعار پر مبنی نظم ڈوب کر لکھی گئی تھی۔ اس کا مفہوم تھا۔

"میں نے جانوروں کو نہیں دیکھا جو اپنی نسل کی بربادی اجتماعی طور پر کرتے ہوں
لیکن انسان اپنی نسل کشی کے لیے فوج تیار کرتا ہے اور انسانوں کو ہلاک کرتا ہے
ایک درندہ جب کسی جانور کو ہلاک کرتا ہے تو اس سے اس کا مقصد ہوتا ہے اپنا پیٹ بھرنا لیکن انسان' انسان کا گوشت نہیں کھاتا۔ یہ انسانوں کو قتل کر کے سڑنے گلنے کے لئے میدانوں میں چھوڑ دیتا ہے
گویا یہ چیل' کوؤں' گدھوں اور بھیڑیوں کے لیے انسانوں کو ہلاک کرتا ہے
افسوس کہ مجھے جانوروں کی زبان نہیں آتی اگر میں ان کی زبان سمجھ سکتا
تو میں سنتا کہ وہ ظالم اور درندے انسانوں کی شان میں کیسے قصیدے پڑھ رہے ہیں
جو کام ان کو کرنا چاہیے تھا ان کے لیے انسان انجام دیتا ہے
انسان' جو بزعمِ خود اشرف المخلوقات ہے' نسل کشی کے

معاملے میں ارذل المخلوقات ہے
افسوس! اب تو کوئی نبی بھی نہیں آئے گا جو اسے رحم و رافت کا درس دے
کیوں کہ صدیوں پہلے عرب سے جو پیغام رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا وہ نسیاً منسیاً ہو چکا۔
وائے قسمت' وائے مقدر کہ اب روشنی کی کوئی کرن بھی نظر نہیں آتی
اور فردوسی وطوسی کے بقول اے انسان! تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو۔

بوڑھوں نے بے اختیار واہ واہ کی مگر اس واہ واہ میں خوف شامل تھا۔ پھر یہ لوگ چوپال خالی کر گئے۔

نور محمد نے مسعود اور شاعر عرشی کو منع کیا "فی الحال تم دونوں میری چوپال میں نہیں آؤ گے۔"

مسعود نے کہا "گو کہ میں بستی والوں کی طرف سے جاگیردار کی مار جھیل کر آیا ہوں مگر میرا حوصلہ پست نہیں ہوا۔ میں اب بھی بستی والوں کے لیے جاگیردار سے بات کرنے کو تیار ہوں۔"

نور محمد بہت ڈرا ہوا تھا "میں کچھ دنوں کے لیے اپنی چوپال بند کرتا ہوں' اگر تو بستی والوں کے لیے کچھ کر سکتا ہے تو اپنے طور پر کر۔ اس میں میری چوپال کا ذکر نہ آئے۔"

نور محمد نے دونوں کو اپنی چوپال سے نکال دیا اور اندر سے دروازہ بند کر کے زنان خانے میں چلا گیا۔

مسعود کا خاندان ماہ نگر میں تھا' اس لیے وہ اپنے گھر جانے کے بجائے شاعر عرشی کے ساتھ اس کے گھر چلا گیا۔

شاعر عرشی کو یہ ٹھکانا قاضی نے اپنے گھر کے ایک حصے میں دے رکھا تھا اور یہ حصہ دو کمروں پر مشتمل تھا۔

مسعود یہاں پہلی بار آیا تھا' اس نے شاعر عرشی کو بستی میں ادھر ادھر دیکھا تو ضرور تھا مگر اس کو اس لائق نہیں سمجھتا تھا کہ اس کی صحبت اختیار کی جائے۔ لیکن آج جب اس نے انسان اور مظالم انسان نظم سنی تو اسے عرشی سے کچھ انسیت سی ہو گئی اور اس نے شاعر سے درخواست کی کہ جب تک وہ بستی میں تنہا ہے' اسے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دی جائے۔

بے فکرے اور لاابالی شاعر نے فراخ دلی سے اجازت دے دی کہ وہ جب تک چاہے اس کے ساتھ رہے۔

لیکن دوسرے ہی دن قاضی کو اس اعتراض ہو گیا اور اس نے شاعر عرشی سے کہا "میں نے یہ ٹھکانا تجھ کو تنہا رہنے کے لیے دیا ہے۔ اب تو نے اسے سرائے بنانا شروع کر دیا ہے۔"

شاعر نے بے نیازی سے جواب دیا "ٹھیک ہے۔ میں آج ہی کوئی دوسرا ٹھکانا کر لوں گا کیونکہ مسعود کوئی برا اور بدنام نوجوان نہیں ہے' یہ جب تک چاہے ہمارے ساتھ رہے۔"

اس شاعر کی وجہ سے قاضی کو بڑی تقویت حاصل... تھی کیوں کہ شاعر نے قاضی کی شان میں کئی مدحیہ اشعار کہے تھے جنہیں بستی کے لڑکے گلی کوچوں میں گاتے پھرتے تھے اور اس سے قاضی کی شہرت اور تعریف میں اضافہ ہوا تھا۔

شاعر نے مسعود کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکلتے ہوئے کہا "قاضی! تو پریشان نہ ہو' میں شام سے پہلے کوئی اور ٹھکانا تلاش کر لوں گا۔ اس بستی میں کئی گھر ایسے ہیں جو مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔"

اب قاضی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ ڈرا کہ کہیں شاعر قاضی کے لیے ہجویہ اشعار نہ کہہ دے جو گلی کوچوں میں گائے جائیں اور وہ بدنام ہو جائے۔

قاضی اس کی خوشامد کرنے لگا "بھائی! میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ تو کہیں اور چلا جائے تو یہیں رہ مگر ذرا احتیاط سے کام لے۔ کیونکہ میں جاگیردار کی دشمنی مول نہیں لینا چاہتا۔"

شاعر نے تنک مزاجی سے جواب دیا "میں نے اس نوجوان کا اس لیے ساتھ دیا ہے کہ اس کے گھر والے اس کو چھوڑ کر کہیں چلے گئے اور یہ خود نہایت لائق نوجوان ہے۔ انسانی ہمدردی میں میں نے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا ہے۔"

قاضی ان دونوں کا ہاتھ پکڑ کر اندر واپس لے گیا اور شاعر کو سمجھاتے ہوئے کہا "تم دونوں یہیں رہو مگر اپنے اس دوست سے کہو کہ یہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے میرے جاگیردار سے تعلقات خراب ہو جائیں۔"

بہرحال قاضی اور شاعر میں صلح ہو گئی۔ قاضی ان دونوں کو چھوڑ کر اندر چلا گیا۔

شاعر اپنی جگہ سے اٹھا' اندر سے زنجیر لگائی اور مسعود سے آہستہ سے کہا "تو اس بستی کا بدنام' عقل مند ہے۔ میں نے تیرا بڑا شہرہ سنا ہے۔ رات نور محمد کی چوپال میں' میں تیری ہی تلاش میں پہنچا تھا اور یہ جو میں نے تجھ کو سوچے سمجھے بغیر اپنے ساتھ رکھ لیا ہے' اس کا بھی ایک خاص مقصد ہے۔"

مسعود' شاعر کی باتیں بڑی محویت سے سن رہا تھا۔ اس نے اپنے طور پر کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ مسلسل شاعر کو تکے

جا رہا تھا۔

شاعر کچھ دیر خاموش رہا' پھر پوچھا "میں تیری جرات اور بے باکی کا قائل ہو گیا ہوں اور تجھ سے اس کا راز جاننا چاہتا ہوں۔"

مسعود نے جواب دیا "میرے سوچنے کا انداز سب سے الگ اور منفرد ہے۔ میں نے دنیا' انسان اور زندگی کو بوڑھوں سے پہلے سمجھ لیا ہے اسی لیے میرے لہجے اور میری آواز میں حق گوئی اور بے باکی آ گئی ہے۔"

عرشی نے اس کو سمجھایا "مگر یہ بھی تو سوچ کہ اگر جاگیردار نے تجھ کو قتل کروا دیا تو تو ہزاروں حسرتیں لے مر جائے گا۔"

مسعود ہنسنے لگا اور کہا "فی الحال میرا دل حسرتوں سے خالی ہے اور ایک سچ بولنے والا اپنے دل میں زیادہ حسرتیں کس طرح رکھے گا کیوں کہ دل میں حق گوئی اور بے باکی کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں ہے۔"

شاعر نے اپنے بارے میں پوچھا "میں تجھ کو کس قسم کا انسان لگتا ہوں۔"

مسعود نے شاعر کو کچھ دیر محویت سے دیکھا "بظاہر تو تو صرف ایک حساس شاعر نظر آتا ہے' اگر اس کے علاوہ کچھ ہے تو اس سے میں واقف نہیں۔"

کچھ دیر کے لیے دونوں طرف سے خاموشی رہی۔ آخر اس سکوت کو شاعر نے توڑا اور کہا "میں وہ نہیں ہوں جو نظر آتا ہوں۔ میں سلطان تغلق کا ایک ادنیٰ ملازم ہوں۔"

شاعر اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا اور مسعود دم بخود رہ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ سلطان تغلق کس قدر سادہ دل انسان ہے جس نے اس لاابالی شاعر کو ملازمت دے رکھی ہے ورنہ اس شاعر میں بظاہر تو کوئی ایسی بات نظر آتی نہیں جس کی وجہ سے محمد شاہ تغلق اس کو اپنا قرب بخشے۔

شاعر نے مسعود کو اپنے اعتماد میں لیتے ہوئے کہا "میں نے اپنی شاعری کو اپنا وسیلہ بنایا اور شاہی دربار تک رسائی حاصل کر لی۔ میں نے اپنے اشعار سے سلطان کو بارہا خوش کیا ہے۔ آخر مجھے واقعہ نویسی کا منصب عطا ہوا۔ میں ہر دوسرے تیسرے سال اپنی جگہ بدلتا رہتا ہوں تاکہ لوگوں کو میری حقیقت کا پتا نہ چلے۔"

مسعود یہ تو جانتا تھا کہ قصبات اور شہروں میں بادشاہوں کی طرف سے آدمی موجود ہوتے ہیں مگر یہ سمجھ میں کبھی نہ آیا کہ یہ لوگ کام کیا کرتے ہیں۔ مسعود نے پوچھا "دوست! آخر بادشاہ ایک شاعر سے کیا کام لے سکتا ہے؟ آخر بادشاہ اتنا نااہل اور کم عقل تو نہیں ہو سکتا کہ اپنے ملکی معاملات میں خیالوں میں کھو جانے والے انسانوں سے کام لے۔"

شاعر نے کہا "بادشاہ ملک کے کونے کونے سے باخبر رہتا ہے اور اس کے لیے اس نے پورے ملک میں واقعہ نویسوں کا جال بچھا دیا ہے اور یہ واقعہ نویس بطور خاص صوبیداروں' جاگیرداروں کے آس پاس موجود رہتے ہیں' ان پر گہری نظر رکھتے ہیں' ان کے ذریعے بادشاہ صوبے داروں اور جاگیرداروں کی سرکشی سے آگاہ ہو جاتا ہے اور ان کو سر اٹھانے سے پہلے ہی کچل دیتا ہے۔ چنانچہ مجھے بھی جاگیردار مختار کے علاقے میں بھیج دیا گیا ہے۔ بادشاہ اس شخص سے خوش نہیں ہے۔ وہ اس کو اپنے دربار میں اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتا ہے جب کہ جاگیردار مختار بادشاہ کی صحبت سے دور رہنے میں اپنی عافیت اور بہتری سمجھتا ہے۔ میں تقریباً دو سال سے اس قصبے میں مقیم جاگیردار مختار کی نگرانی کر رہا ہوں اور یہاں کی ذرا ذرا سی خبریں بادشاہ کو بھیج رہا ہوں۔ ابھی چند دنوں پہلے میں نے جاگیردار مختار کے خلاف کچھ خبریں بھیجی تھیں جنہیں بادشاہ نے بہت پسند کیا اور مجھے تاکید کی کہ مختار پر کڑی نظر رکھی جائے۔ کیوں کہ بادشاہ کو جو چیز سب سے زیادہ ناپسند ہے وہ بے مذہبی بے راہ روی اور مختار اس بے راہ روی کا کئی بار مرتکب ہو چکا ہے۔ ابھی جو کچھ ہوا ہے' وہ بھی غیر معمولی ہے۔ میں یہ ساری روداد لکھ کر بادشاہ کو بھیج دینا چاہتا ہوں۔ مگر اس سے پہلے میں بعض جزئیات پر اپنا اطمینان کر لینا چاہتا ہوں' مجھے اس میں تیری مدد درکار ہے۔"

ان انکشافات سے مسعود بے حد خوش ہوا' اس کو ایسا لگا جیسے گوہر مقصود اس کے ہاتھ آ گیا ہو۔ وہ بادشاہ کے دربار تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس کی کوئی صورت اور تدبیر نہیں نظر آ رہی تھی۔ اب یہ شاعر اچانک ایک سیڑھی کی طرح اس کے سامنے نمودار ہو گیا تھا۔

مسعود تو ان خیالوں میں گم تھا اور شاعر اس سے پوچھ رہا تھا "تو مجھے بتا کہ جاگیردار نے تجھ پر کیا ظلم ڈھائے اور تیرے علاوہ کون کون لوگ جاگیردار کے ظلم کا شکار ہوئے؟"

مسعود نے شاعر کو وہ سارے واقعات بتا دیئے جن سے اس کا واسطہ پڑا تھا۔ اس نے شاعر کو بتایا کہ یہ شخص مذہبی موانعات کا بھی خیال نہیں رکھتا۔ اس نے دو حقیقی بہنوں کو بیک وقت اپنی بیویاں بنا رکھا ہے اور تیسری کی فکر میں ہے۔ میں نے اس معاملے کی شرعی حیثیت کا ذکر کیا تو جاگیردار نے شرع کا مذاق اڑایا۔ وہ تو صاف صاف کہتا ہے کہ وہ شرع کا

اسی حد تک خیال رکھ سکتا ہے۔ جس حد تک اس کا نفس اس کی اجازت دیتا ہے۔ جاگیردار ہر کام میں اپنے نفس اور ضمیر کو اپنا استاد کہتا ہے۔ جب میں نے اس کو منع کیا کہ وہ بیک وقت دو حقیقی بہنوں کو بیویاں نہ بنائے تو اس نے مجھے بتایا کہ میرا نفس اور میرا ضمیر مجھے اپنے ان افعال میں شرمندہ نہیں کرتا۔ اس لیے میں اپنے اس فعل کو برا نہیں سمجھتا۔"

شاعر کے لیے یہ ساری باتیں بڑی عجیب تھیں۔ اس نے مسعود کو یقین دلایا کہ جاگیردار کی یہی ایک بات اس کے زوال کے لیے کافی ہے۔ میں تم کو گواہ کی حیثیت سے پیش کروں گا کیوں کہ جاگیردار مکر بھی سکتا ہے۔

مسعود نے شاعر کو یقین دلایا کہ وہ بھی بادشاہ کو جاگیردار کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا ہے یہاں تک کہ جاگیردار نے کئی بار بادشاہ کے خلاف سرکشی اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔ دوسرے صوبیداروں سے باتیں کیں اور ان کا ایک اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی مگر بادشاہ کا رُعب غالب آیا، کئی صوبے دار اس معاملے میں عکار کے ہم خیال نہ ہو سکے۔

اب مسعود کو کسی بات سے کوئی دلچسپی نہ تھی یہاں تک کہ شاعر بھی اس کی نظر میں اتنا اہم نہ تھا۔ وہ اپنے مفاد پر شاعر کو بھی قربان کر سکتا تھا۔ کیوں کہ اس وقت شاعر کی حیثیت بھی ایک زینے جیسی تھی۔ جس کے ذریعے وہ سلطان کی خوشنودی حاصل کر سکتا تھا۔ اس نے شاعر پر زور دیا کہ ان واقعات میں اس کو بطور گواہ کے شامل رکھا جائے اور بوقتِ ضرورت اس کو بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا جائے اور اس کی ذرا بھی پروانہ کی جائے کہ عجیب تضادات کا حامل یہ بادشاہ اس کے ساتھ کس طرح پیش آئے گا۔

شاعر عرشی کو جاگیردار سے متعلقہ واقعات میں مسعود سے زیادہ معتبر شخص دوسرا کوئی نہیں مل سکتا تھا حالاں کہ اس میں یہ خطرہ بھی موجود تھا کہ بادشاہ مسعود کو قتل بھی کروا دے اور اس قتل کے پیچھے جاگیردار عکار کا ہاتھ بھی ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ مسعود جو کچھ جاگیردار کے خلاف لکھوائے گا بعد میں اسے ثابت بھی کرنا ہو گا جب کہ جاگیردار کے محل میں اس کی رسائی کسی طور ممکن ہی نہ تھی۔ وہ مسعود کو جھٹلا بھی سکتا تھا۔

شاعر لکھتا رہا، مسعود لکھواتا رہا اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ بھی بہت سی خبریں دیتا رہے گا اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک بادشاہ بستی والوں کے مفاد میں جاگیردار کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔

شاعر کو حیرت تھی کہ جاگیردار نے اس خطرناک نوجوان کو آزاد کیوں چھوڑ رکھا ہے؟

○☆○

اب نور محمد کی چوپال میں مسعود کے ساتھ شاعر بھی جانے لگا تھا۔ چوپال والوں کو یہ شاعر بھی اچھا لگنے لگا تھا یہ اپنے دلچسپ اور معنی خیز اشعار سے چوپال کے بوڑھوں کو محظوظ کرتا رہتا تھا۔

بستی پر جو ظلم ڈھایا گیا تھا اس کا اثر یوں ظاہر ہو رہا تھا کہ لوگ گم صُم، اداس نظر آتے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے لوگوں نے کاروبارِ زندگی میں حصہ لینا چھوڑ دیا ہو۔ چوپال میں بھی جن موضوعات پر بات ہوتی ان میں فرعون، ہامان اور نمرود کا ذکر بطور خاص ہوتا رہتا اور لوگ دبے لفظوں میں کہتے کہ اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ بستی کے دکھیاروں کو یقین تھا کہ اس ظلم کا حساب کتاب ضرور ہو گا اور ظالم مظلوموں کی آہوں سے نہیں بچ سکے گا۔

لیکن اس بستی میں ایسے دل شکستہ اور دل گرفتہ لوگ بھی موجود تھے جو بالکل مایوس ہو چکے تھے اور انہیں یہ یقین تھا کہ جاگیردار کو اس کے مظالم کی سزا دینے والا ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔

ایسے لوگوں میں جب یہ دونوں پہنچ جاتے تو مایوس دلوں پر کچھ دیر کے لیے خوشی قبضہ جما لیتی اور دونوں کی باتیں ان کے دلوں میں اترنے لگتیں۔

ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ جاگیردار کی طرف سے چوپال کی نگرانی کی جا رہی ہے اور بوڑھا عارض جاگیردار کے لیے کام کر رہا ہے۔ بوڑھا نور محمد بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ اب اس کی چوپال کے بوڑھے بھی قابلِ اعتبار نہیں رہے۔

مسعود اور شاعر عرشی چوپال کے ہر آدمی کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے یہ دونوں دوسروں کی باتیں تو کرتے تھے مگر ان میں جاگیردار کا کوئی ذکر نہ ہوتا تھا۔

دوسری طرف جاگیردار کو شاعر عرشی کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ اس کو ڈر تھا کہ کہیں یہ شاعر اپنی آزاد خیالی اور قلندر انکلامی سے بستی والوں میں ذہنی انقلاب نہ برپا کر دے۔

آخر اس نے مسعود کو ایک پیغام بھیجا کہ وہ کسی وقت بھی خاموشی سے اس سے مل لے۔ جب مسعود جاگیردار سے ملا تو اس نے شاعر عرشی کے بارے میں سوالات کی بوچھار کر دی۔ وہ مسعود سے مسلسل پینتالیس پچاس لمحوں تک بس سوالات ہی کرتا رہا۔ مسعود بھی بس یہی کہتا رہا کہ میں اس شاعر کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ شاعر ہے اور اچھا شاعر ہے اور اس کے بارے میں اتنا تو آپ بھی

جانتے ہیں۔"

جاگیردار نے پوچھا "اگر شاعر صرف شاعر ہے تو اسے بڑے بوڑھوں نے اپنے درمیان جگہ کیوں دے رکھی ہے کیوں کہ اس جوان کی طبیعت اور مذاق ابھی بوڑھے نہیں ہوئے۔"

مسعود نے جواب دیا "شاعر عرشی جب تک اپنے اشعار سنا کر داد نہ وصول کرلے اسے سکون نہیں ملتا۔ بستی میں کوئی دوسرا اس جیسا شاعر موجود نہیں۔ بوڑھے اس جوان شاعر کو جوانوں سے زیادہ داد دیتے ہیں اسی لیے عرشی چوپال میں پہنچ جاتا ہے۔ اور چشم زدن میں اپنے اشعار سنا کر داد وصول کرلیتا ہے۔"

جاگیردار مسعود کی باتوں سے مطمئن نہیں تھا۔ اس نے مسعود سے کہا "تو اس شاعر کو اپنے ساتھ یہاں لے آ۔ اب جب تک میں خود اس سے نہ مل لوں اور اس کے اشعار نہ سن لوں اس وقت تک میں تیری کسی بات کا کوئی اثر نہیں لوں گا۔"

مسعود اس شاعر کو جاگیردار سے نہیں ملوانا چاہتا تھا کیوں کہ اسے یہ یقین تھا کہ شاعر کا جاگیردار کے محل میں آنا جانا خطرے کا سبب بن جائے گا۔

جب یہ دباؤ بہت بڑھا تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ شاعر عرشی سے براہ راست باتیں کرے گا اور یہ جاننے کی کوشش کرے گا کہ اس شاعر کا بستی والوں کے ذہنوں پر کتنا اثر ہے اور کیا یہ شاعر آئندہ بستی والوں کو جاگیردار کے خلاف متحد اور باشعور تو نہیں کردے گا۔

مسعود نے شاعر عرشی کو جب یہ بتایا کہ جاگیردار اس سے ملنا چاہتا ہے اور یہ ملاقات وقتی اور عارضی نہیں ہوگی تو شاعر کچھ گھبرا سا گیا کیونکہ وہ جاگیرداروں کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا' اسے اندیشہ تھا کہ کسی شبے میں اگر اس کو قید کردیا گیا تو بادشاہ سے اس کا رابطہ اور تعلق ختم ہوجائے گا۔ اس اندیشے نے شاعر کو فی الحال بستی سے کہیں اور چلے جانے پر مجبور کردیا۔

مسعود نے اس کی ہمت بندھائی اور کہا "تو جاگیردار سے ضرور مل' وہ تجھ پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔ تیرا جاگیردار سے ملنا یوں بھی ضروری ہے کہ وہ تیری سمجھ میں آجائے گا اور جو باتیں میں نہیں سمجھ سکا تو سمجھ لے گا۔"

بدرجہ مجبوری شاعر عرشی' مسعود کے ساتھ جاگیردار کے محل گیا۔ بستی والوں نے ان دونوں کو محل کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو بڑی حیرت ہوئی۔ لیکن مسعود نے انہیں بتایا کہ وہ زکریا کے سلسلے میں شاعر کے ساتھ محل جارہا ہے کیوں کہ زکریا اپنی بیوی اور دونوں بیٹیوں کے ساتھ ابھی تک قید ہے۔ دونوں کوشش کریں گے کہ زکریا کو اس کے کنبے کے ساتھ آزاد کرالیں۔"

جاگیردار نے شاعر کی غیر معمولی پذیرائی کی اور طنزاً کہا "تو بستی کے ناداروں کو اپنے اشعار سنا کر کیوں ہلکان ہوتا ہے۔ تیرے جیسے ذہین شاعر کو کسی دربار سے وابستہ ہونا چاہیے۔"

شاعر عرشی نے شرمانے کی اداکاری کی اور کہا "جناب عالی! میں ایک چھوٹا سا معمولی شاعر ہوں' میرے لیے یہی کافی ہے کہ بستی کے ناداروں کو اپنے اشعار سنا کر خوش ہولوں اور خوشی کے چند آنسو بہالوں۔"

جاگیردار نے اشعار کی فرمائش کی۔

اس وقت مسعود کی گویا کوئی حیثیت نہ تھی کیوں کہ وہ ان دونوں کے معاملات میں لاتعلق بنا ہوا تھا۔

جاگیردار شاعر کی شاعری سے لطف اندوز ہوا اور کافی دیر بعد جب شاعر نے اجازت چاہی تو جاگیردار نے کہا "اب تو اس محل میں آتا جاتا رہے گا۔ میں نے تیری سرپرستی قبول کی۔"

شاعر نے معذرت کی اور جاگیردار کو بتایا "میں اس بستی میں سال چھ مہینے اور ہوں کیوں کہ میں طبعاً اور مزاجاً سیاح ہوں۔"

جاگیردار نے کہا "کوئی حرج نہیں' اگر تو مہینہ پندرہ دن بھی اس بستی میں اور رہے گا تب بھی تو اس محل میں آتا جاتا رہے گا۔"

شاعر نے کسی قدر تامل سے کہا "لیکن جناب! میں ذرا بے پروا' آزاد منش اور لاابالی بھی ہوں' کسی قسم کی پابندی اختیار کرنا میرے اختیار کی بات نہیں' اس لیے آپ مجھے پابند نہ کریں۔ جب جی میں آئے گا چلا آؤں گا۔"

جاگیردار نے سخت لہجہ اختیار کیا "تو اپنے ذاتی معاملات میں لاابالی اور بے نیاز ہوسکتا ہے لیکن جب میں نے تجھ سے کہہ دیا کہ تو میرے پاس آنے جانے کا پابند کردیا گیا ہے تو تجھے اس کا سختی سے پابند ہوجانا پڑے گا۔"

اس کے بعد جاگیردار' مسعود سے مخاطب ہوا "اور تو چپ کیوں بیٹھا ہے' مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نور محمد کی چوپال کا چودھری بنا ہوا ہے۔ بستی والوں سے کہہ دے کہ ابھی میں نے اپنے اختیار اور قوت کی صرف ایک جھلک دکھائی ہے' اگر بستی کے لوگوں نے میرے خلاف باتوں کا سلسلہ جاری

رکھا تو میں پوری بستی کو خاک سیاہ کر سکتا ہوں۔"

دونوں وہاں سے چلے آئے اور راستے میں مسعود نے شاعر کو سمجھایا کہ وہ زیادہ جذباتی نہ ہو اور جاگیردار کی بات مان لے۔

اب شاعر پابندی سے جاگیردار کے پاس آنے جانے لگا۔

بستی کے لوگ اب بھی زکریا کے لیے پریشان تھے۔ انہوں نے شاعر کے مراسم استوار دیکھے تو اس سے بھی زکریا کی سفارش کی کہ وہ زکریا کی رہائی کے لیے کچھ کرے لیکن شاعر نے وعدہ کرنے کے باوجود جاگیردار سے کوئی بات نہ کی۔

بستی میں کبھی کبھار ادھر ادھر سے سفری تاجر آ جایا کرتے تھے۔ یہ تاجر جب بھی بستی میں آتے' شاعر سے ضرور ملتے تھے۔ ایک ایسے ہی تاجر نے جب شاعر سے ملاقات کی تو اس کی ملاقات مسعود سے بھی ہو گئی۔

تاجر' مسعود سے خوب اچھی طرح پیش آیا۔ ان تینوں نے دیر تک کئی جاگیرداروں اور صوبے داروں سے متعلق باتیں کیں۔ اس موقعے پر تاجر نے جاگیرداروں اور صوبے داروں کی بڑی برائیاں کیں۔ ان برائیوں میں مسعود شامل نہیں ہونا چاہتا تھا۔

شاعر نے مسعود کی بے دلی کے پیش نظر کہا "کیا بات ہے تو اداس اور فکر مند کیوں ہے؟ کیا تجھ کو ہم لوگوں پر اعتبار نہیں ہے؟"

مسعود نے تشویش ظاہر کی "بھائی! میں قصداً تیری باتوں میں اس لیے دلچسپی نہیں لے رہا کہ اس بستی کا ایک جاگیردار ہے جس کو یہ باتیں بالکل پسند نہیں ہیں۔"

تاجر نے خلاف توقع دونوں سے پوچھا "کیا بات ہے زکریا' اس کی بیوی اور دونوں بیٹیاں جاگیردار کے چنگل سے نکلیں یا ابھی تک وہیں ہیں؟"

مسعود نے شاعر کی طرف دیکھا اور تاجر سے مخاطب ہوا "تجھ کو زکریا کے بارے میں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟"

شاعر نے کہا "میں نے ہی اس سے زکریا کا ذکر کیا تھا۔"

مسعود نے فکر مند لب و لہجے میں کہا "تو تو نہایت ہوشیار اور سمجھ دار شاعر ہے۔ کم از کم تیری زبان پر زکریا کا ذکر نہیں ہونا چاہیے۔"

تاجر ہنسنے لگا اور شاعر بھی مسکرا کر رہ گیا۔

بستی میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ شاعر اور مسعود دونوں ہی جاگیردار کے ملازم ہو گئے ہیں' اس لیے ان سے خبردار رہنا چاہیے۔

اس افواہ کا جواب دونوں نے نور محمد کی چوپال میں دیا کہ جاگیردار نے شاعر کو زبردستی محل میں آنے جانے کا پابند کر دیا ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ مسعود کو بھی جانا پڑ رہا ہے۔

لیکن اسی دوران جاگیردار کا دماغ خراب ہوا اور اس نے مسعود سے سختی سے پوچھا "تیری ماں' بھائی اور تیری بیوی زیب کہاں ہیں؟"

اس سوال نے مسعود کو پریشان کیا مگر اس نے لاعلمی ظاہر کی۔

جاگیردار نے اس کی لاعلمی کو جھوٹ پر مبنی قرار دیا اور بتایا کہ یہ لوگ کہاں ہیں۔

اب مسعود کے لیے ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا۔ جاگیردار نے مسعود کو حکم دیا "دو دن کے اندر ان سب کو بستی میں واپس آ جانا چاہیے۔"

یہ باتیں شاعر نے بھی سنیں۔ محل میں تو کچھ بولا نہیں لیکن محل سے نکلتے ہی اس نے پوچھا "دوست! اب کیا کرو گے؟"

مسعود نے جواب دیا "ہم لوگ کیا کر سکتے ہیں؟"

شاعر نے پوچھا "اب ایک بات اور بتا دے' تجھ کو زیب کیسی لگتی ہے؟"

مسعود نے جواب دیا "بہت اچھی۔"

شاعر نے اس کو مشورہ دیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ اپنے اس مختصر خاندان کو جاگیردار کے تعلقہ سے باہر نکال دے لیکن مسعود تو اپنی بستی سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ پھر وہ کس طرح اپنی ماں اور بھائی سے کہتا کہ وہ جاگیردار کے تعلقہ سے کہیں دور چلے جائیں۔

شاعر نے کہا "تو مجھے پتا بتا دے۔ میں تیرا پیغام تیری ماں تک پہنچا دوں گا۔"

مسعود نے اس کو پتا سمجھا دیا مگر وہ اپنے اس پیغام کو اس لیے بے اثر اور فضول سمجھتا تھا کہ اس کے علم کے مطابق کوئی ایسی جگہ' کوئی ایسا مقام جاگیردار کے تعلقہ کے باہر نہیں تھا جہاں وہ لوگ پناہ لے سکتے۔

جاگیردار کے آدمی شاعر اور مسعود کی نگرانی کر رہے تھے کیوں کہ جاگیردار ان دونوں کی ذہانت اور عقل مندی کو اپنے لیے خطرہ سمجھ رہا تھا' جب کہ مسعود اپنے گھر والوں کو ماہ نگر سے ہٹا دینے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ آخر کار اس نے خود جانے کا فیصلہ کیا اور شاعر سے درخواست کی کہ وہ کسی بھی طرح جاگیردار کو باتوں میں الجھائے رکھے' تاکہ جاگیردار غافل رہے اور مسعود اپنے گھر والوں کو جاگیردار کی دست برد

سے اتنی دور کر دے کہ انہیں کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

شاعر کو یقین نہیں تھا کہ وہ جاگیردار کو مسعود کی طرف سے غافل رکھنے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن اس کو اپنی واقعہ نویسی اور سلطان محمد تغلق شاہ کے مزاج اور فطرت پر یقین تھا کہ اب تک اس نے سلطان کو جتنی خبریں بہم پہنچائی ہیں وہ جاگیردار کی تباہی اور بربادی کے لیے کافی ہیں۔

مسعود ماہ نگر چلا گیا اور جاگیردار کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کے آدمی مسعود کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ اس سلسلے میں شاعر کو بھی جاگیردار کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ جاگیردار اس سے مسعود کے بارے میں اس طرح سوال کر رہا تھا جیسے مسعود کوئی جرم کر کے فرار ہوا ہو۔

شاعر نے جب یہ محسوس کیا کہ جاگیردار مسعود کے بارے میں کوئی عذر یا حیلہ ماننے کو تیار نہیں تو شاعر نے بھی جاگیردار کو صاف صاف بتا دیا کہ وہ مسعود کا کوئی پرانا دوست نہیں ہے۔ دونوں کے تعلقات چند روزہ تھے۔

جاگیردار شاعر کی کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھا۔ وہ ہر قیمت اور ہر حال میں مسعود کو اپنے سامنے دیکھنا چاہتا تھا۔ معلوم نہیں کس نے جاگیردار کو یہ بتا دیا تھا کہ زکریا کی تینوں بیٹیوں میں زیب زیادہ خوب صورت تھی، جسے چالاکی سے مسعود لے اڑا تھا۔ جاگیردار اسے مسعود کی بددیانتی قرار دے رہا تھا۔



مسعود ماہ نگر پہنچا اور اپنی ماں کو جب یہ بتایا کہ یہ لوگ یہاں بھی محفوظ نہیں ہیں تو پورا گھر پریشان ہو گیا۔ ہر ایک کا چہرہ فق تھا اور ان کی آنکھوں تلے اندھیرا پھیل رہا تھا۔ ان سب کے لیے سب سے زیادہ پریشانی کی بات یہ تھی کہ کسی دوسرے تعلقہ میں ان کا کوئی عزیز یا رشتے دار نہیں تھا۔ ماں نے اپنے مرحوم شوہر کے دوستوں کو یاد کیا تو ان میں ایک میر صاحب نامی دوست یاد آئے۔ ان کا پورا نام میر منصور علی تھا۔ وہ جلال پور نامی شہر میں رہتے تھے۔ میر منصور پر بھی کسی وقت وہی وقت پڑا تھا تو اس نے ان کے یہاں پناہ لی تھی اور کئی ماہ روپوش رہنے کے بعد اس وقت واپس چلا گیا تھا جب میر منصور پر لگائے گئے الزامات سے اس کو بری قرار دیا گیا تھا۔ میر منصور علی جلال پور کے حاکم کا نویسندہ تھا اور یہ اتنی اہم اور مشہور حیثیت تھی جس سے میر منصور کو بہ آسانی تلاش کیا جا سکتا تھا۔

جب ماں نے میر منصور کا ذکر کیا تو مسعود نے اپنے چھوٹے بھائی کو حکم دیا کہ تو فوراً جلال پور روانہ ہو جا۔

چھوٹے بھائی محمود کو اپنے بھائی پر غصہ آ رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی ماں کے ساتھ دربدر ہو گیا تھا۔ محمود کو مسعود کی ہنگامی شادی سے اختلاف تھا اور وہ اس شادی کو اپنے چھوٹے سے کنبے کی دربدری کا سبب سمجھتا تھا۔

مسعود کی بیوی زیب اپنی جگہ پریشان تھی، اسے مسعود بے حد پسند تھا اور یہ شادی اس کی مرضی اور خواہش کے مطابق ہوئی تھی۔ مگر اس شادی کے بعد اس کا باپ زکریا، ماں اور دونوں بہنیں جس مصیبت کا شکار ہو گئی تھیں اس نے زیب سے اس کی مسکراہٹ تک چھین لی تھی اور جب یہ لوگ تنہالی سے ماہ نگر منتقل ہوئے تو گویا ان سب کا بچا کھچا سکون بھی چھن گیا۔ ماہ نگر کے جس عزیز کے گھر میں پناہ لی تھی اس کی نظریں بھی بدل گئی تھیں اور اب انہیں ماہ نگر چھوڑ کر جلال پور منتقل ہو جانا تھا۔ یہ سب کچھ اس طرح ہو رہا تھا جیسے کوئی مسافر اندھیری رات میں سفر کر رہا ہو اور اسے اپنی منزل کا پتا نہ ہو۔

زیب نے شرم و حجاب کو بالائے طاق رکھا اور مسعود کو ایک طرف لے جا کر پوچھا "میں پوچھتی ہوں، یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

مسعود نے جواب دیا "تیرا خاندان ابھی تک جاگیردار کے قبضے میں ہے۔ اب جاگیردار تجھ کو بھی ہتھیانا چاہتا ہے اس لیے مجھے یہاں آنا پڑا۔"

زیب نے اصرار کیا "جلال پور تک آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں کیوں کہ کچھ پتا نہیں کہ ہم جس کے پاس جا رہے ہیں وہ ہم کو ملتا بھی ہے یا نہیں۔ اس مشکل میں محمود پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔"

دونوں میں گرما گرم بحث ہوئی۔ مسعود کو اندیشہ تھا کہ جاگیردار اس کی عدم موجودگی میں اس کا پیچھا کرے گا اور اس طرح یہ مختصر کنبہ بھی جاگیردار کی قید میں چلا جائے گا۔

ماں نے دونوں کو تخلیے میں باتیں کرتے دیکھا تو سخت ناراض ہوئی اور اعلان کر دیا "اس گھر میں تباہی کا سبب زیب ہے، نہ یہ شادی ہوتی اور نہ یہ کنبہ دربدر ہوتا۔"

محمود نے بھی ماں کا ساتھ دیا اور اعلان کیا "ماں! اگر اس سفر میں بھائی مسعود ہمارا ساتھ نہیں دیتے تو آپ ان سے کہیں کہ یہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھیں، ہم دونوں جلال پور چلے جائیں گے۔"

زیب نے ان دونوں کی شکایت کی "ان دونوں نے آپ کی عدم موجودگی میں طعنے دے دے کر میری زندگی حرام کر دی، اگر آپ خود ہمارے ساتھ جلال پور نہیں چلتے تو مجھے

اپنے ساتھ رکھیں۔"

مسعود کو بھی پر غصہ آرہا تھا۔ اس نے بیوی کو سمجھایا "دیکھ زینب! تو وقت کی نزاکت دیکھ۔ میں نہالی میں جاگیردار کو روکوں گا کہ وہ تمہارا پیچھا نہ کرے۔ اس نے تیری بہنوں کو داشتہ بنالیا ہے۔ اور اب تجھے بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کیا تو جاگیردار کے محل میں داشتہ بن کے رہنا پسند کرے گی؟"

زینب نے رونا شروع کردیا اور کہا "میرا باپ میری شادی میرے ماموں کے بیٹے سے کرنا چاہتا تھا لیکن میں آپ کو پسند کرتی تھی اور آپ بھی مجھے چاہتے تھے۔ خوش قسمتی ہے جب ہم دونوں کامیاب ہو گئے تو دربدر کی ٹھوکریں کھانے لگے۔ اب میں آپ کو نہالی نہیں جانے دوں گی۔"

اسی وقت ماں کی آواز سنائی دی۔ وہ اپنا قطعی فیصلہ سنا رہی تھی "مسعود کو معلوم ہونا چاہیے کہ اب وہ ہم سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ اگر ہمارے ساتھ جلال پور چلتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہمیں جلال پور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جاگیردار زینب کی وجہ سے ہمارا پیچھا کررہا ہے۔ ہم زینب کو اس کے حوالے کردیں گے۔"

بدرجہ مجبوری مسعود نے جلال پور تک ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ اور یہ لوگ خاموشی سے اپنے میزبان کو کچھ بتائے بغیر جلال پور روانہ ہو گئے۔ اب مسعود کی نہالی واپسی ناممکن ہو گئی تھی کیونکہ اب جاگیردار اس کا دشمن ہوچکا ہوگا۔ اسے واقعہ نویس کے ذریعے جو ایک سیڑھی میسر آئی تھی اب وہ اس سے چھن گئی تھی۔ اس سیڑھی کے ذریعے وہ سلطان محمد تغلق کے دربار تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اب اسے اپنی اس غلطی کا احساس ہورہا تھا کہ وہ یہاں نہ آتا تو اچھا تھا کیونکہ یہاں آکر اس نے دربار تک رسائی حاصل کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ کھو دیا تھا۔

جب یہ لوگ تین دن بعد جلال پور میں داخل ہوئے تو انہیں میر منصور کے گھر تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ میر منصور بوڑھا ہوچکا تھا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا تو یسندہ تھا۔ لوگوں نے بہ آسانی ان کو میر منصور کے گھر تک پہنچادیا۔

میر منصور نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کیونکہ اسے اپنا وہ زمانہ یاد آیا جب اس نے ان کے ہاں پناہ لی تھی۔ گویا یہ احسان اتارنے کا ایک بہترین موقع ہاتھ آگیا تھا۔

کئی دن سکون سے رہنے کے بعد محمود کام کی تلاش میں نکل گیا اور مسعود نے یہاں بھی اپنی باتوں سے ایک حلقہ بنانے کی کوشش کی۔

کئی دن بعد میر منصور کے گھر میں سرگوشیاں سی ہونے لگیں اور میزبان اپنے مہمانوں کو کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگے۔ مسعود کی تیز نظروں نے کچھ گڑبڑ دیکھ لی تھی۔ مگر انجان اس لیے بنا رہا کہ وہ فی الحال کوئی تشویشناک بری خبر نہیں سننا چاہتا تھا۔ میر منصور نے اس کو بلا کے خبردار کیا "دیکھ مسعود! تیرا باپ میرا محسن تھا۔ اس نے مجھ پر جو احسان کیا تھا وہ میرے سامنے ہے اور اسی کے صلے میں میں نے تم لوگوں کو پناہ دی ہے۔ اب میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم لوگوں نے ایسا کون سا جرم کیا ہے کہ جاگیردار غفار تمہارا پیچھا کررہا ہے۔ اس کے آدمی اس شہر کے حاکم کے پاس آئے ہوئے ہیں اور تجھ کو مانگ رہے ہیں جب کہ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کسی قیمت پر بھی تم لوگوں کو ان کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔"

مسعود نے میر منصور کو ساری تفصیلات بتادیں اور کہا "دراصل جاگیردار زینب کے لیے سب کچھ کررہا ہے اور زینب میری بیوی ہے۔"

میر منصور نے کہا "کل صبح تم دونوں بھائیوں کو شہر کے حاکم کے روبرو حاضری دینا ہے۔ وہاں تم دونوں کو مقدمے کے ایک فریق کی حیثیت سے اپنی صفائی میں بیان دینا ہے۔ میں نے تم دونوں کی حیثیت سے حاکم کو مطلع کردیا ہے۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

مسعود کو خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں حاکم شہر جاگیردار کی حمایت نہ کرے۔

جب محمود کو معلوم ہوا کہ اسے حاکم شہر کے روبرو مقدمے کے ایک فریق کی حیثیت سے پیش ہونا ہے تو بہت گھبرایا اور غصے میں مسعود سے کہا "بھائی! تو اس منحوس عورت کو جاگیردار کے حوالے کردے۔ ورنہ وہ قبر تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔"

ماں نے بھی اپنے چھوٹے بیٹے کی تائید کی اور کہا "میں بھی تم دونوں کے ساتھ چلوں گی اور حاکم شہر سے کہوں گی کہ وہ زینب کو جاگیردار کے آدمیوں کے حوالے کردے اور ہمیں امن چین سے رہنے دے۔"

میر منصور نے ان سب پر افسوس کرتے ہوئے کہا "ایسا نہیں ہوسکتا۔ بی بی! وہ لڑکی تیری بہو ہے اس لیے میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ اگر تم لوگ میرے مہمان نہ ہوتے تو مجھے پروا بھی نہ ہوتی۔"

دوسرے دن دونوں بھائیوں کے ساتھ میر منصور بھی حاکم شہر کے روبرو پہنچا۔ وہاں جاگیردار غفار کے چار آدمی

موجود تھے۔ یہ چاروں مسعود کو دیکھ کر لعنت ملامت کرنے لگے اور کہا "تجھ کو شرم نہیں آئی کہ زکریا کی ایک بیٹی کو اغوا کر لیا جب کہ زکریا کی دونوں بیٹیاں جاگیردار کی حفاظت میں ہیں۔"

مسعود نے کہا "یہ الزام جھوٹا ہے' وہ میری بیوی ہے اور جاگیردار نے میری بیوی کی دونوں بہنوں کو زبردستی اپنے قبضے میں کر رکھا ہے اور وہ میری بیوی کو بھی اپنی داشتہ بنانا چاہتا ہے۔"

حاکم شہر نے مسعود کو ایک درخواست دے کر کہا "مجھے اس کا جواب اور ثبوت چاہیے۔"

مسعود نے درخواست پڑھی تو معلوم ہوا کہ اس کا درخواست گزار زکریا ہے۔ اس نے جاگیردار عثار سے شکایت کی ہے کہ مسعود اور اس کے گھر والے زیب کو لے کر فرار ہو گئے ہیں لہٰذا مجرموں کو پکڑا جائے اور زیب کو اس کے باپ کے حوالے کیا جائے۔

درخواست پڑھ کر مسعود کو غصہ آگیا اور چیختے ہوئے کہا "زکریا تو خود جاگیردار کی قید میں ہے' وہ ایسی درخواست نہیں دے سکتا۔"

یہ درخواست میر منصور نے بھی پڑھی اور شک و شبے سے پوچھا "کیا یہ درست ہے؟"

مسعود نے پھر انکار کیا۔

حاکم شہر نے کہا "میں نہیں جانتا کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے اس لیے مجھ کو کوئی ایسا ثبوت ملنا چاہیے جس سے تم لوگوں کی بے گناہی ثابت ہو جائے۔"

مسعود نے کہا "بستی میں وہ قاضی موجود ہے' جس نے میرا نکاح پڑھایا تھا اور وہ لوگ بھی جو اس نکاح میں شریک ہوئے تھے۔ میں ان کو یہاں کس طرح بلوا سکتا ہوں۔"

حاکم شہر نے جواب دیا "اگر تم لوگ کوئی ثبوت نہیں دے سکتے تو میں مجبوراً تیری بیوی کو جاگیردار کے آدمیوں کے حوالے کردوں گا اور تم دونوں کو قید خانے میں ڈال دیا جائے گا۔"

میر منصور نے ان دونوں کی سفارش کی "یہ دونوں بچے ہیں کیوں کہ میں ان سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

لیکن حاکم شہر نے میر منصور کی سفارش قبول نہیں کی اور مسعود کو ایک ہفتے کا وقت دیا کہ وہ اپنی صفائی میں ثبوت پیش کرے ورنہ ایک ہفتے بعد اس کی بیوی جاگیردار کے آدمیوں کے حوالے کردی جائے گی اور بعد میں ان دونوں کو بھی شہر سے نکال دیا جائے گا۔ اور میر منصور کو سرزنش کی کہ وہ مجرموں کو پناہ نہ دے۔ کیوں کہ اس طرح وہ بھی اعانتِ جرم کا مجرم ٹھہرتا ہے۔

جب یہ لوگ منہ لٹکائے ہوئے گھر واپس آئے تو میر منصور نے ان دونوں کی ماں سے شکایت کی "آپ کو بھی اپنے بیٹے کی بے جا طرف داری نہیں کرنا چاہیے تھی۔ مجھے بلاوجہ شرمندگی اٹھانا پڑی۔"

جب ماں کو یہ بتایا گیا کہ زکریا نے مسعود کے خلاف اغوا کی درخواست جاگیردار کو دی ہے' جس پر یہ کارروائی عمل میں لائی گئی تو ماں نے بھی یہی کہا کہ "یہ جھوٹ ہے؟"

میر منصور نے کہا "پتا نہیں سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے لیکن مجھے آج اپنی سفارش کے رد ہونے کا بڑا دکھ پہنچا ہے۔ حاکم شہر نے مجھے بھی اعانتِ جرم کا مرتکب قرار دیا ہے۔"

کئی دن تک فکر مند رہنے کے بعد مسعود نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ یہاں سے کہیں فرار ہو جائے مگر بہت جلد مسعود اور اس کے گھر والوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ اب یہاں سے فرار ہونا کسی طور ممکن نہیں۔ حاکم شہر کے آدمیوں نے اس گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

میر منصور کئی بار حاکم شہر سے ملا اور مسلسل اپنے مہمانوں کی سفارش کرتا رہا۔

آخر کار حاکم شہر نے یہ کہتے ہوئے صاف انکار کر دیا کہ اس مشہور مقدمے کی روداد سلطان محمد شاہ تغلق تک پہنچ جائے گی اور وہ مجھ سے اس کا جواب طلب کرے گا۔

چھ دن گزر گئے۔ مسعود نے ایک بار پھر چالاکی سے فرار ہونے کی کوشش کی مگر ہر بار کی طرح ناکام رہا کیوں کہ وہ حاکم شہر کے آدمیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتا تھا مگر گھر میں بھی اس کی نگرانی کی جا رہی تھی اور یہ نگرانی میر منصور اور اس کے بیٹے کر رہے تھے۔

آخر مسعود نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ تنہا زیب کو لے کر فرار ہو جائے۔ اس کے پیچھے اس کی ماں اور بھائی محمود کا کیا حشر ہوگا اور دونوں حالات سے کس طرح نمٹیں گے' وہ خود جانیں۔

اس نے ایک گھوڑے کا انتظام کیا اور اسے مغرب کے وقت درختوں کے جھنڈ میں باندھ کر چلا آیا۔

گھر میں کپڑوں کی پوٹلی باندھی اور زیب کو یہ کہہ کر گھر سے لے گیا کہ وہ چشتی سلسلے کے ایک بزرگ کے مزار پر جا رہا ہے۔ وہاں دونوں اس مقدمے سے نجات کی منت مانیں گے۔

میر منصور یا کوئی اور یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسعود

اپنے بھائی اور ماں کو چھوڑ کر اپنی بیوی کے ساتھ فرار ہو جائے گا۔

اس بار مسعود فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

محمود اور اس کی ماں رات گئے تک دونوں کی واپسی کے منتظر رہے۔ جب ان دونوں نے میر منصور سے مسعود اور زیب کے بارے میں بات کی کہ دونوں کسی چشتی سلسلے کے بزرگ کے مزار پر گئے تھے اور واپس نہیں آئے تو میر منصور بھی فکر مند ہو گیا۔ اس نے محب اللہ نامی چشتی بزرگ کے مزار پر چند آدمی بھیجے تو مزار کے مجاور نے بتایا "آج سرے سے کوئی میاں بیوی مزار پر آئے ہی نہیں۔"

اب بات صاف ہو چکی تھی کہ مسعود زیب کو لے کر فرار ہو چکا ہے۔

میر منصور نے محمود کو سخت سست کہا اور ماں سے شکوہ کیا "آپ لوگوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا' آپ نے مجھ پر احسان کیا تھا لیکن اس احسان کی اب جو قیمت وصول کی جا رہی ہے اس سے میرا خاندان بے گھر اور بے در ہو جائے گا۔ کیوں کہ میں پہلے ہی اعانتِ جرم کا مرتکب قرار پا چکا ہوں۔"

ماں نے دل جلے لہجے میں کہا "ہم پر جو الزام لگا ہے وہ غلط ہے اور مسعود نے جو حرکت کی ہے وہ بھی غلط کی ہے۔ تم مجھے حاکم شہر کے حوالے کر دو۔ میں اس کے آدمیوں کے ساتھ نہالی واپس جاؤں گی اور قاضی سے گواہی دلوا دوں گی۔"

میر منصور نے کہا "بی بی! اب آپ کی ان بے سروپا باتوں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا۔ آپ لوگوں نے زیب کا اغوا کیا ہے۔ یہ آپ کے بیٹے مسعود نے اس کے دوبارہ اغوا سے ثابت کر دیا ہے۔"

پورا گھر رات بھر اس طرح جاگتا رہا جیسے کسی کی موت واقع ہو گئی ہو۔ میر منصور نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا "ان دونوں کی سخت نگرانی کی جائے کیوں کہ اگر یہ دونوں بھی فرار ہو گئے تو اس مقدمے کا سارا وبال مجھ پر اور میرے خاندان پر پڑے گا۔"

باہر نکلنے کے راستے بند کر دئیے گئے اور دونوں ماں بیٹے گھر کی چار دیواری میں قید ہو گئے۔

دوسری طرف میر منصور کے کئی آدمی مسعود اور زیب کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ یہ آدمی ہر راہ گیر سے پوچھ رہے تھے کہ انہوں نے کسی جوڑے کو جاتے تو نہیں دیکھا لیکن کہیں سے بھی ان کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔

اس بار مسعود نے ماہ نگر کے قریب ایک گاؤں میں پناہ لی تھی۔ اس گاؤں میں شیخ نور محمد کا ایک عزیز رہتا تھا جس سے چوپال میں مسعود بارہا ملا تھا اور اس نے مسعود کی لچھے دار باتوں سے متاثر ہو کر کئی بار گھر آنے کی دعوت دی تھی۔ مسعود کو یہ اندازہ بھی تھا کہ اس کا پیچھا کرنے والے لوگ مختار جاگیردار کے تعلقے کا خیال بھی دل میں نہیں لائیں گے اور خود جاگیردار بھی یہ نہیں سوچ سکتا کہ مسعود اور زیب اس کے تعلقے کے گاؤں میں پناہ لیں گے۔

اس دیہاتی نے بھی مسعود اور زیب کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور یہ بالکل اتفاقیہ امر تھا کہ وہ دیہاتی دو دن پہلے ہی نہالی سے آیا تھا اور اسے ان واقعات کی خبر تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ مسعود کی زیب سے شادی ہو چکی ہے۔

مسعود نے اپنے میزبان کو سمجھانے کی کوشش کی "میں چند دن تیرا مہمان رہوں گا اور میری موجودگی کی کسی کو خبر نہیں ہونی چاہیے۔"

دیہاتی نے کہا "مجھے سب خبر ہے۔ جاگیردار کے آدمی ہر طرف تم دونوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ تیرے پیچھے تیرے دوست شاعر کو بھی قید کر دیا گیا ہے اور نہالی میں بارش کی ایسی جھڑی لگی ہے کہ سات دن تک سورج ہی نہ نکلا۔"

اس وقت مسعود اتنا پریشان اور گھبرایا ہوا تھا کہ اس نے شاعر کے بارے میں کوئی سوال بھی نہیں کیا۔

زیب اس بھاگم بھاگ سے پریشان ہو رہی تھی اور کالی گھٹائیں الگ چھائی ہوئی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا اور بھاگنے کی نوبت آئی تو بارش کے دوران وہ دونوں یہاں سے بھاگ بھی نہیں سکیں گے۔



آٹھویں دن حاکم شہر نے مسعود کے خاندان کو عدالت میں طلب کر لیا۔ جب محمود اور اس کی ماں کے علاوہ مسعود اور اس کی بیوی نظر نہیں آئے تو حاکم شہر چراغ پا ہو گیا اور کہا "وہی دونوں اصل مجرم تھے اور وہی غائب ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ نہالی کے جاگیردار کا الزام درست ہے" اور میر منصور کو حکم دیا "تو ان دونوں کا ذمے دار ہے' انہیں کہیں سے بھی لا کر پیش کر۔ اس کام کے لیے تجھ کو تین دن دئیے جاتے ہیں۔ ان تین دنوں میں تو اس مقدمے کے اصل مجرموں کو میری عدالت میں پیش کرے گا ورنہ میں تجھ کو جاگیردار کے حوالے کر دوں گا۔"

حاکم شہر کو میر منصور پر اعتماد نہیں رہا تھا اس لیے اس نے محمود اور اس کی ماں کو جاگیردار کے آدمیوں کے حوالے

کردیا اور کہا "فی الحال تم لوگ ان دونوں کو جاگیردار کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہہ دو کہ میں اصل مجرموں کو تلاش کررہا ہوں' وہ جیسے ہی ملیں گے' انہیں گرفتار کرکے روانہ کردیا جائے گا۔"

جاگیردار کے آدمی محمود اور اس کی ماں کو لے کر نہالی واپس چلے گئے۔

ان دونوں کی گرفتاری کی خبریں ہر طرف پھیل گئیں اور جاگیردار نے یہ خبریں بطورِ خاص پھیلائیں تاکہ مسعود نے تو سامنے آجائے۔

دیہاتی نے یہ خبر مسعود کو بھی پہنچادی اور افسوس کرتے ہوئے کہا "ہم دونوں کی وجہ سے ان دونوں پر بڑی مصیبتیں ٹوٹیں گی اور خاص کر تیری بوڑھی ماں کا جانے کیا حشر ہوگا۔"

زیب نے مسعود کو مشورہ دیا "ہماری وجہ سے وہ دونوں بلاوجہ مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ آؤ ہم دونوں جاگیردار کے سامنے خود پیش ہوجائیں اور ان دونوں کو رہائی دلوادیں۔"

مسعود آہستہ آہستہ سر کے بال کھینچ رہا تھا' کہنے لگا "تو نہیں جانتی اگر ہم دونوں جاگیردار کے سامنے پیش ہوجائیں گے تو پھر بھی وہ دونوں نہیں بچیں گے۔ تجھ کو وہ اپنے محل میں ڈال لے گا اور ہم تینوں کو اذیتیں دے دے کر قتل کردیا جائے گا۔"

اس حال میں بھی زیب کو اپنے والدین اور بہنوں کا بڑا خیال تھا' کہنے لگی "آخر میرے ماں باپ اور دونوں بہنیں بھی تو قید میں ہیں' ان کو تو قتل نہیں کیا گیا۔"

مسعود نے غصے سے کہا "تو اپنی زبان بند رکھ۔ مجھے جو کچھ کرنا ہے میں خود کروں گا' مجھے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں۔ رہ گئے تیرے والدین اور تیری بہنیں تو کیا پتا وہ لوگ زندہ بھی ہیں یا نہیں؟"

زیب رونے بیٹھ گئی اور بالکل اتفاق کی بات کہ اسی وقت بارش بھی شروع ہوگئی۔ مسعود نے بارش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہنس کر کہا "دیکھ! رونے میں بادل بھی تیرا ساتھ دے رہے ہیں۔"

اسی رات دیہاتی نے نہایت افسوس کے ساتھ مسعود کو بتایا "بارش تھمتے ہی تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ کیوں کہ سنا ہے کہ جاگیردار کے آدمی گھر گھر کی تلاشی لیتے ہوئے یہاں بھی آرہے ہیں۔"

یہ خبر اور یہ حکم مسعود کے لیے بہت ہی تکلیف دہ تھا۔ اب اس کو کسی ایسے شخص یا گھر کا علم نہ تھا جہاں وہ پناہ لے سکتا۔ وہ دیر تک دعا مانگتا رہا کہ بارش کا یہ سلسلہ مہینوں جاری رہے۔

زیب تو رات بھر جاگتی رہی مگر مسعود سو گیا۔ جب صبح جاگا تو معلوم ہوا کہ بستی میں سیلاب آچکا ہے اور لوگ اپنا سامان سمیٹ سمیٹ کر گاؤں کے سامنے اونچے ٹیلے پر پہنچنے کی کوشش کررہے ہیں۔

پورا گاؤں ٹیلے پر پناہ نہیں لے سکتا تھا اس لیے باقی لوگ پناہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

مسعود اور زیب کو ٹیلے پر پناہ مل گئی تھی۔ مگر بارش کا سلسلہ جاری تھا۔ دوسروں کی طرح یہ دونوں بھی مسلسل پانی میں بھیگتے رہے۔ دیہاتی میزبان کو اس مصیبت میں صرف اپنی اور اپنے گھر والوں کی پروا تھی۔ اس نے چاروں طرف چار تخت کھڑے کردیے تھے اور ان پر موم جامہ کا سائبان ڈال دیا تھا۔ اس سائبان تلے گھر کے پانچ نفر روپوش ہوگئے تھے۔ ان کے قریب ہی مسعود اور زیب بھیگتے رہے۔ اس مصیبت نے دونوں کو اتنا بددل کردیا کہ وہ جاگیردار کی قید میں جانے پر رضامند ہوگئے۔ مسعود کا گھوڑا بھی پانی میں بھیگ رہا تھا۔ دونوں گھوڑے کی آڑ میں بیٹھ کر پانی کی بوچھار سے بچنے کی کوشش کررہے تھے۔

ظہر کے وقت بارش رک گئی۔ مسعود نے گھوڑے پر کپڑوں کی پوٹلی رکھی' آگے زیب کو بٹھایا اور اس کے پیچھے خود بیٹھ گیا۔ اب وہ نہالی واپس جارہا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ وہ دونوں نہالی پہنچتے پہنچتے بیمار ہوجائیں گے۔

نہالی سے پہلے وہ چند گھنٹوں کے لیے ایک گاؤں میں ٹھہرے۔ گاؤں والوں نے روایتی مہمان نوازی کی اور ان دونوں کو مہمان کی حیثیت سے رات بسر کرنے کی دعوت دی' مگر مسعود نے اپنا سفر جاری رکھا۔ وہ زندگی سے بے زار آیا ہوا تھا۔ آخر ایک معمولی سی سرائے میں وہ دونوں ٹھہر گئے۔ زیب کو چھینکیں آرہی تھیں۔ مسعود نے اس کی پیشانی ٹٹولی تو معلوم ہوا کہ وہ بخار میں مبتلا ہوچکی ہے۔

سرائے کی کوٹھری میں رات بسر کرنے کے بعد صبح دونوں نہالی کی طرف چل پڑے۔ اب نہالی ان سے پانچ کوس کے فاصلے پر تھا۔ ابھی ان دونوں نے سفر شروع کیا ہی تھا کہ پیچھے سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز گونجنے لگی۔

زیب نے نیم مدہوشی کے عالم میں کہا "تو آخرکار وہ لوگ آگئے۔"

مسعود نے یہ اندازہ لگایا کہ زیب اپنے ہوش وحواس میں نہیں ہے اور بہک رہی ہے۔ گھڑسواروں کے بارے میں

اس کا خیال تھا کہ وہ کہیں سے آرہے ہیں اور آگے جا رہے ہیں۔ اس نے اپنے گھوڑے کو سڑک کے کنارے کر لیا اور گھڑ سواروں کو گزر جانے کی راہ دے دی۔ لیکن ان گھڑ سواروں نے مسعود کو اپنے گھیرے میں لے لیا پھر کسی کی آواز سنائی دی "بڑی مشکل سے ہاتھ آیا ہے۔"

اب مسعود نے خطرے کی بو محسوس کر لی تھی۔ اس نے خوف زدہ ہونے کے بجائے ہمت سے کام لیا اور کہا "اب تو تم لوگوں نے ہمیں پکڑ ہی لیا ہے۔ میری بیوی زیب کی طبیعت ناساز ہے۔ تم لوگ ہم دونوں کو جہاں چاہو قید کر دو مگر میری بیوی کے لیے دوا اور آرام کا انتظام کر دو۔"

مسعود نے ان چھ سپاہیوں کی شکلیں باری باری غور سے دیکھیں مگر وہ کسی کو بھی پہچان نہ سکا۔

ایک سوار نے کہا "ہمیں سرائے مالک نے تم دونوں کی بابت بتا دیا تھا کہ راستے میں مل جاؤ گے اور یہ بھی بتایا تھا کہ تمہاری بیوی کی طبیعت خراب ہے۔"

وہ لوگ کچھ دیر کے لیے وہیں درختوں کے سائے میں رک گئے۔ ان کے پاس نزلہ و زکام کی دوا تھی۔ جسے پانی میں جوش دے کر زیب کو پلا دیا گیا۔ مسعود کو سپاہیوں کے حسنِ سلوک پر حیرت ہوئی۔

کچھ دیر بعد ایک سوار نے مسعود سے پوچھا "تو خواہ مخواہ بھاگتا کیوں پھر رہا ہے؟"

مسعود کو اس کے سوال پر ہنسی آئی اور پوچھا "کیا واقعی تم لوگ یہ نہیں جانتے کہ ہم دونوں بھاگے بھاگے کیوں پھر رہے ہیں؟"

ایک نے جواب دیا "ہمیں معلوم ہے مگر یہ نہیں معلوم کہ تم دونوں نمالی کیوں جا رہے تھے۔ کیا تمہیں جاگیردار مختار سے ڈر نہیں لگتا؟"

اس عجیب سے سوال نے مسعود کو الجھن میں ڈال دیا۔ کیوں کہ یہ لوگ جاگیردار کے سپاہی نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اس نے پوچھا "تم لوگ کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"

ایک نے جواب دیا "ہم نمالی کے جاگیردار کے سپاہی ہیں اور نمالی جا رہے ہیں۔ شاعر عرشی تم کو بہت یاد کرتا ہے اور ہم تجھے کئی دن سے تلاش کر رہے ہیں۔"

اب مسعود کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ جاگیردار کے چنگل میں پھنس چکا ہے۔ اس نے سپاہیوں سے زیب کے لیے درخواست کی "دوستو! میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے نام پر تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم لوگ میری بیوی کو نور محمد کی چوپال تک پہنچا دو اور نور محمد سے کہو کہ میری اس امانت کو اپنے کنبے میں رکھے۔"

سپاہیوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور مسعود اور زیب کے ساتھ نمالی روانہ ہو گئے۔

راستے میں ایک سرسبز و شاداب میدان میں بہت ساری بکریاں چرتی نظر آئیں اور ان کا چرواہا چتواہلی کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا نظر آیا۔ وہ نمالی کا واحد چرواہا تھا جو بکریوں کی پرورش اور قلیل اجرت پر چرانے کا موروثی چرواہا مانا جاتا تھا۔

کچھ دیر بعد یہ لوگ نمالی میں داخل ہو گئے۔ سپاہیوں کے گھوڑوں کا رخ جاگیردار کے محل کی طرف تھا۔

مسعود نے دوبارہ التجا کی "خدا کے لیے تم لوگ مجھے پہلے نور محمد کی چوپال لے چلو۔ میری بیوی بیمار ہے۔ میں اس کو علاج اور آرام کے لیے نور محمد کے کنبے میں چھوڑنا چاہتا ہوں۔"

ایک سپاہی نے بے رخی سے جواب دیا "تو فکر نہ کر۔ ہمارے ساتھ محل چل وہاں تیری بیوی کا علاج بھی ہو جائے گا اور یہ آرام بھی کر لے گی۔"

مسعود نے کسی قدر فکر مند اور چڑچڑے لہجے میں کہا "میں تمہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کا واسطہ دیتا ہوں کہ میری بیوی کو جاگیردار کے محل نہ لے جاؤ۔"

لیکن سپاہی ان دونوں کو محل تک لے گئے۔ محل کے صدر دروازے پر کھڑے ہوئے سپاہیوں نے دروازہ کھول دیا اور یہ لوگ محل میں داخل ہو گئے اور پھر کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسعود اور زیب کو محل کے جنوبی گوشے کے ایک کمرے میں ٹھہرا دیا گیا۔

سپاہیوں نے ان دونوں کو کمرے میں چھوڑتے ہوئے کہا "تم دونوں یہاں قیام کرو۔ کچھ دیر بعد یہیں طبیب پہنچ جائے گا اور تیری بیوی کا علاج کرے گا۔"

مسعود کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک عورت کمرے میں داخل ہوئی اور مسعود کو بتایا کہ وہ زیب کی تیمارداری کرنے آئی ہے۔ پھر دواؤں کے ساتھ طبیب بھی آگیا۔ طبیب نے زیب کو نہایت توجہ سے دیکھا اور دوائیں دے کر ہدایتیں دیں اور واپس چلا گیا۔

مسعود حیران تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اب زیب کو بھی کسی قدر ہوش آ چکا تھا۔ وہ بھی اپنے کمرے کو اور کمرے کی خادمہ کو پریشان کن نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ روتے کراہتے ہوئے مسعود سے پوچھا "ہم کہاں ہیں؟"

مسعود نے صفائی پیش کی "ہم نے بڑی کوشش کی کہ تم

کو نور محمد کی چوپال پہنچا دیں مگر سپاہی جاگیردار کے محل میں لے آئے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ اب مسعود کو جاگیردار اور اس کے کارندوں کا انتظار تھا۔ پورے محل پر ایک سناٹا طاری تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ محل صدیوں سے اجاڑ پڑا ہے۔

زیب نے دوائیں کھائیں اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن خوف اور اندیشوں نے اس کی نیند حرام کر رکھی تھی۔ اسے بھی ہر لمحہ جاگیردار کا خیال ستا رہا تھا۔

شام ہوئی رات آئی پھر کھانا آگیا۔ موم بتیاں روشن ہوگئیں۔ خادمہ زیب کی خدمت میں مشغول تھی۔

صبح ہوئی تو زیب کو اپنے مرض میں افاقہ محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے مسعود سے پوچھا "جاگیردار ابھی تک نہیں آیا؟"

مسعود نے کہا "حیرت ہے۔ میں بھی اس کا انتظار کر رہا ہوں۔"

دونوں کو صبح کا ناشتا بھی مل گیا اور دوپہر کا کھانا بھی۔ اب دونوں کو اپنے قیدی ہونے کے بجائے مہمان کا گمان ہونے لگا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد مسعود چوروں کی طرح اپنے کمرے سے نکلا اور باہر کی دنیا کا جائزہ لینے لگا۔ دور محل کے صدر دروازے پر کئی دربان پھاٹک بند کیے بیٹھے تھے۔ اس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ وہ اپنا گھوڑا تلاش کر رہا تھا جو کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اب بھی یہاں سے فرار کے منصوبے بنا رہا تھا۔ مگر گھوڑا کہیں آس پاس موجود نہ تھا۔ ہر طرف کا جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ یہاں سے فرار ہونا آسان نہیں ہے۔ اب وہ اپنی چرب زبانی سے کام نکالنے کی فکر میں تھا اور وہ گفتگو کے ان تمام پیرایوں پر غور کر رہا تھا جن کی مدد سے وہ جاگیردار کے دل کو نرم کر سکتا تھا۔

زیب کو مرض کے افاقے کے بعد اپنے والدین اور بہنیں یاد آئیں۔ جو اسی محل میں کہیں موجود تھے۔ وہ بھی عالم تصور میں جاگیردار کو خود سے دست درازی کرتا دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ اس پوری بستی میں کیا ایک بھی ایسا مرد موجود نہیں ہے جو ظالم و جابر جاگیردار کا کام تمام کر دے۔

تیسرے پہر زیب نے مسعود سے پوچھا "کیا بات ہے؟ جاگیردار ابھی تک نہیں آیا؟"

مسعود نے زیب کو شک و شبے کی نظر سے دیکھا "خوب! تو تجھ کو جاگیردار کا انتظار ہے؟"

زیب نے گھبرا کر خجالت آمیز لہجے میں صفائی پیش کی "نہیں! ایسی کوئی بات نہیں، آپ مجھ کو کیا سمجھتے ہیں؟"

مسعود نے پوچھا "کیا تو بھی اپنی دونوں بہنوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہے؟"

زیب کھسیائی گئی تھی، اسے اپنی صفائی کے لیے معقول الفاظ اور لب و لہجہ نہیں مل رہے تھے، کہنے لگی "مجھے شکی جوانوں سے نفرت ہے۔"

مسعود اپنی ماں اور بھائی کے بارے میں سوچنے لگا جن کو اس نے محض زیب کی خاطر بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔

زیب نے مسعود کے چہرے پر چھائی ہوئی اداسی اور غم کے سائے دیکھے تو معافی مانگنے لگی اور کہا "میں نے جو کچھ کہا تھا اس سے میرا وہ مقصد ہرگز نہ تھا جو آپ سمجھ بیٹھے ہیں۔"

مسعود نے اپنی پشیمانی ظاہر کی اور کہا "میں نے تیری خاطر اپنی ماں اور بھائی کو بے آسرا چھوڑا اور تجھ کو جاگیردار سے بچاتا پھرا، بارش میں بھیگا، اپنے زبردستی کے میزبانوں کی بے مہریاں جھیلیں، خود پریشان ہوا مگر تجھ کو خوش رکھنے کی کوشش کی۔"

زیب بہت زیادہ کھسیائی ہوئی تھی، کہنے لگی "بس، بہت ہو چکا۔ اب مزید طعنے نہ دیں ورنہ میں خودکشی کر لوں گی۔"

شاید اس کشیدگی اور بدمزگی میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا مگر اب باہر سے کئی آدمیوں کے بولنے اور باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ شاید جاگیردار آ چکا تھا۔

مسعود نے طنزاً کہا "جس کا تجھے انتظار تھا، وہ اپنے کروفر اور حشم و خدم کے ساتھ آ چکا ہے۔"

اسی لمحے کسی نے دروازے پر دستک دی اور اس آواز نے مسعود کے پورے جسم میں سنسناہٹ دوڑا دی۔ اسے اپنے جسم کی توانائی زائل ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ بوجھل قدموں سے دروازے تک گیا اور پیچھے مڑ کر زیب کو دیکھا۔ وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی اور دروازے کو اندر سے بند کر لیا تھا۔

مسعود نے دروازہ کھولا تو سامنے نور محمد کی چوپال کے کئی بوڑھے کھڑے نظر آئے۔ نور محمد، عارض، نظام اور کئی دوسرے بوڑھے۔ ان سب کے پیچھے منحنی شاعر عرشی کھڑا تھا۔ مسعود نے ان کے علاوہ جاگیردار کو تلاش کیا، وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

شاعر عرشی دونوں ہاتھوں سے بوڑھوں کو ہٹاتا ہوا آگے بڑھا

"تو تو خیریت ہے' تیری بیوی کہاں ہے؟"

مسعود نے جواب دیا "دوسرے کمرے میں۔"

اس جواب کے ساتھ ہی شاعر عرشی اور دوسرے بوڑھے اندر داخل ہو گئے۔

مسعود نے محسوس کیا کہ ہر کوئی بے حد خوش ہے۔

عارض نے کہا "حالانکہ میری تجھ سے کبھی نہیں بنی لیکن جب تو اچانک غائب ہو گیا تو مجھے بڑا دکھ پہنچا اور چوپال میں تیری بے حد کمی محسوس ہوئی۔"

نور محمد نے کہا "اس نے نہالی چھوڑ کر بہت اچھا کیا ورنہ جاگیردار مختار اس سے اس کی بیوی بھی چھین لیتا۔"

نظام نے کہا "پوری بستی جاگیردار کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔"

یہ لوگ جس قسم کی باتیں کر رہے تھے' ان میں کہیں بھی مختار کا ڈر یا خوف نہیں پایا جاتا تھا۔

شاعر عرشی نے مسعود سے پوچھا "تجھ کو کچھ معلوم ہے کہ تیرے پیچھے ہم سب پر کیا بیتی؟"

مسعود نے پوچھا "اس وقت ہم سب جاگیردار کے محل ہی میں ہیں یا کسی اور عمارت میں؟"

نور محمد نے جواب دیا "یہ جاگیردار ہی کا محل ہے۔"

مسعود نے پوچھا "وہ کہیں نظر کیوں نہیں آتا؟"

شاعر عرشی نے کہا "تیرے چلے جانے کے بعد اس کا اتنا دماغ خراب ہوا کہ اس نے مجھے قید کر دیا۔ پتا نہیں وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرتا۔ اسی قید خانے میں مجھے بتایا گیا کہ تیری ماں اور تیرا بھائی دونوں ہی جاگیردار کے قبضے میں ہیں اور ابھی اس کو تم دونوں کی تلاش ہے اور جیسا کہ تو جانتا ہے کہ میں اس کی شکایتیں سلطان محمد تغلق کو تواتر سے دہلی بھیج چکا تھا۔ شاید بادشاہ کو جاگیردار کی خلاف شرع یہ بات بہت ناگوار گزری کہ جاگیردار نے اپنے محل میں دو حقیقی بہنوں کو بیویاں بنا کر رکھ چھوڑا ہے۔ بس یہی بات بادشاہ کے غیظ و غضب کا سبب بن گئی۔"

مسعود' جاگیردار کا انجام جاننے کے لیے بے چین تھا۔ سراپا تصویر شوق بن گیا' پوچھا "جاگیردار کہاں ہے؟"

شاعر عرشی نے جواب دیا "اسے معزول کر دیا گیا اور اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی۔ اب یہ جاگیر دربار کے امیر ظہوری کے نام منتقل ہو گئی ہے۔ اس وقت تو جاگیردار ظہوری کے محل میں اس کا مہمان ہے۔"

اب گویا مسعود کے دل کا سارا بوجھ اتر گیا تھا' وہ یہ خبر سنانے زیب کی طرف گیا لیکن زیب نے دروازے کو دوسری طرف سے بند کر رکھا تھا۔

مسعود نے زور زور سے دروازے پر دستک دی اور کہا "زیب! دروازہ کھول' جاگیردار مختار گرفتار کر لیا گیا' اس کی جاگیر ایک دوسرے امیر کو دے دی گئی۔"

زیب نے کافی دیر بعد دروازہ کھولا۔ مسعود اندر چلا گیا اور غور سے زیب کو دیکھا' اس کے دونوں رخسار آنسوؤں سے تر تھے اور آنکھیں سوجی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔

مسعود نے مختار جاگیردار کی خبر دوبارہ سنائی۔ اس وقت مسعود بالکل پاگل ہو رہا تھا۔

اس خبر نے زیب کو بھی خوش کر دیا' کہنے لگی "آج جاگیردار کی اس خبر نے مجھ کو زندہ رکھا ورنہ جاگیردار کے آتے ہی میں خودکشی کر لیتی۔"

مسعود نے ان سب کا ذکر کیا جو ان دونوں کو محل میں دیکھنے آئے تھے۔

زیب نے کہا "اب یہ محل کس کے قبضے میں ہے؟"

مسعود نے جواب دیا "ظہوری نامی دربار کے ایک امیر کے قبضے میں۔ بادشاہ نے اس کو اس جاگیر کا جاگیردار مقرر کر دیا ہے۔"

زیب نے اپنے والدین اور بہنوں کا ذکر کیا اور کہا "تب پھر آپ ان لوگوں کو فوراً رہا کرائیں۔"

مسعود نے پھر طنز کیا "پھر وہی خود غرضی۔ تو نے میری ماں اور بھائی کا ذکر ہی نہیں کیا۔"

زیب نے جواب دیا "اس میں خود غرضی کی کوئی بات نہیں۔ ایک بوڑھی عورت اور نوجوان لڑکے کو جاگیردار سے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے جب کہ میری دونوں بہنیں جوان تھیں' اللہ ان پر رحم کرے۔"

مسعود دوبارہ اپنے ساتھیوں میں آ گیا اور بے اختیار اپنی ماں' بھائی اور زیب کی بہنوں کے بارے میں سوالات شروع کر دیئے۔

شاعر عرشی نے دلاسہ دیا اور کہا "تو بالکل پریشان نہ ہو۔ یہ سب برآمد کر لیے جائیں گے۔ جاگیردار ظہوری میری شاعری کا قدردان اور میرا بڑا مداح ہے۔"

مسعود نے نور محمد اور دوسرے بوڑھوں سے پوچھا "آپ لوگ یہاں تک کس طرح آ گئے؟"

ان سب کی طرف سے شاعر نے جواب دیا "جاگیردار ظہوری بستی کے معززین کو راضی رکھنا چاہتا ہے۔ اسی کے حکم پر اس کے سپاہیوں نے تجھ کو تلاش کیا اور اس محل میں لے آئے۔ اب اس کی اجازت اور خواہش پر تیرے ملاقاتی

ملاقات کرنے چلے آئے۔ جب تک تُو یہاں ہے، محل کے دروازے تیرے دوستوں کے لیے کھلے رہیں گے۔"

وہ نہایت خوش گوار دن تھا۔ وہ سب دیر تک خوش و خرم مصروف گفتگو رہے۔

جب شاعر کے علاوہ سب چلے گئے تو ظہوری بھی مسعود سے ملاقات کرنے آیا۔ اس وقت زیب بھی دونوں کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ ان تینوں میں امیر ظہوری بھی شامل ہو گیا۔ حالانکہ زیب کو جاگیردار کے سامنے آتے ہوئے جھجک سی محسوس ہو رہی تھی۔

امیر ظہوری نے اندر داخل ہوتے ہی زیب کو گھبرائی ہرنی کی طرح پریشان دیکھا تو اس چالیس بیالیس سالہ امیر کے دل کی کچھ عجیب سی حالت ہو گئی۔ گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ میں اس نے شاعر عرشی اور مسعود کی موجودگی کو بھی نظرانداز کر دیا۔ کچھ دیر زیب کو دیکھتا رہا اور کہا "جاگیردار مختار یونہی تو زکریا کی بیٹیوں پر پاگل دیوانہ نہیں ہو گیا تھا" اور براہ راست زیب سے پوچھا "تیری اپنے والدین اور دونوں بہنوں سے ملاقات ہوئی؟"

زیب نے غیر ارادی طور پر نفی میں سر ہلایا۔

امیر ظہوری نے زیب سے کہا "تیرے والدین کی صحت جواب دے گئی ہے اور تیری دونوں بہنوں کو مختار نے برباد کر دیا ہے۔ اس کے باوجود میں کوشش کروں گا کہ ان دونوں کی شادیاں معقول جوانوں سے ہو جائیں۔"

مسعود کو امیر ظہوری کا یہ انداز بہت گراں گزرا جو دونوں مردوں کو نظرانداز کر کے براہ راست اس کی بیوی سے مخاطب تھا۔

یکایک امیر ظہوری شاعر عرشی سے مخاطب ہوا "یہ نہالی والوں کی خوش قسمتی ہے کہ تو یہاں موجود تھا۔ ورنہ ظالم جاگیردار سے کوئی بھی حسین لڑکی محفوظ نہ رہتی اور خاص کر یہ" اس نے زیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "اس کا نام کیا ہے؟"

شاعر عرشی نے کپکپاتے لہجے میں جواب دیا "زیب۔ اس کی شادی مسعود سے ہو چکی ہے۔"

امیر ظہوری نے مسعود سے پوچھا "تو اس دُرِ نایاب کو کہاں تک چھپائے گا اور افسوس کہ اب بادشاہ کی عدالت میں جاگیردار مختار کے خلاف مقدمہ چلے گا۔ بستی کے دوسرے لوگوں کے علاوہ تو اور شاعر عرشی اس مقدمے کے اہم گواہ ہیں اس لیے تم دونوں کو دہلی جانا پڑے گا۔"

زیب کو بھی امیر ظہوری کی باتیں ناگوار گزریں اور وہ پھر ایک بار اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

امیر ظہوری، زیب کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور پھر جیسے ہوش میں آ کر بولا "تیرا نام کیا ہے؟ شاید مسعود۔ نہالی کے لوگ کہتے ہیں تو بہت عقل مند ہے اور تو نے بہت ساری کتابیں پڑھ رکھی ہیں؟"

شاعر عرشی نے مسعود کی طرف سے جواب دیا "ہاں۔ یہ واقعی بہت عقل مند اور پڑھا لکھا جوان ہے۔"

امیر ظہوری نے غالباً دونوں سے سوال کیا "بہت زیادہ عقل مند ہونے کا فائدہ؟ اور بہت ساری کتابیں پڑھنے کا مقصد؟"

دونوں نے ان دونوں سوالوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔

امیر ظہوری نے کہا "جب تک یہ جاگیر میرے پاس ہے اور محل میرے تصرف میں ہے۔ زیب کے والدین اور اس کی دونوں بہنیں اسی محل کے اپنے پسندیدہ حصے میں رہ سکتی ہیں اور مسعود اور زیب تم دونوں بھی جب تک نہالی میں ہو میرے مہمان ہو۔"

شاعر عرشی کو امیر ظہوری کی باتوں سے خجالت اٹھانی پڑ رہی تھی۔ اس نے موضوع بدلنے کی کوشش کی اور کہا "شاید امیر ظہوری کو یہ بات نہیں معلوم کہ اسی محل میں کہیں مسعود کی ماں اور بھائی قید ہیں۔"

امیر ظہوری نے مسکراتے ہوئے کہا "مجھے معلوم ہے، خوب معلوم ہے بلکہ میں ان دونوں سے مل بھی چکا ہوں۔ شاید اس کے بھائی کا نام محمود ہے اور اس نے آہن گری کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔"

امیر ظہوری کچھ دیر اسی قسم کی باتیں کرتا رہا۔ اس کے انداز اور لب و لہجے میں امیرانہ خو بو تھی۔ تمکنت تھی، تکبر تھا اور غیر معمولی انانیت تھی۔

جاتے جاتے امیر ظہوری نے مسعود سے کہا "تم دونوں کو زیب کے والدین اور دونوں بہنوں کے پاس منتقل ہو جانا چاہیے۔ میرے آدمی تم دونوں کو وہاں پہنچا دیں گے۔"

شاعر عرشی نے امیر ظہوری سے اپنے بارے میں پوچھا "اور جناب میرے لیے کیا حکم ہے۔ کیا میں حسب سابق نہالی کے لوگوں میں آوارہ اور سرگرداں رہوں۔ کیا اس محل میں میرے لیے دو کمرے نہیں نکل سکتے؟"

امیر ظہوری جاتے جاتے رک گیا، مڑا اور مسکراتے ہوئے شاعر عرشی کو جواب دیا "تو بہت بد معاش ہے، تجھ سے تو ہمیں ڈرنا چاہیے کیوں کہ جاگیردار مختار کا حشر ہم سب کے سامنے ہے۔ نا بابا میں تجھ کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔"

امیر ظہوری چلا گیا۔ شاعر عرشی اور مسعود اس عجیب و غریب امیر کی باتیں سن کر اپنی اپنی جگہ پریشان تھے۔

آخر مسعود نے پوچھا "تو تو اس امیر سے پہلے سے واقف ہے۔ بتا تو سہی یہ ہے کیا چیز؟"

شاعر عرشی نے جواب دیا "جناب! میں نے اس امیر کا یہ رخ پہلی دفعہ دیکھا ہے ورنہ اس کے شاعرانہ مذاق اور شعر فہمی کے بہت سے لوگ گرویدہ ہیں۔"

یہ دونوں کچھ دیر آپس میں باتیں کرتے رہے اور مستقبل کے ممکنہ خطرات اور اندیشوں کا ذکر کرتے رہے۔

عصر کے وقت دو خادمائیں اور دو مرد مسعود کے پاس آئے اور زیب اور مسعود کو زکریا کے پاس پہنچا دیا۔

یہ سب ایک بار پھر ملے تو خوشی سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہیں مسعود کی ماں اور بھائی محمود بھی موجود تھے۔

زیب کے والدین واقعی اپنی صحت گنوا بیٹھے تھے اور دونوں بہنیں بھی ہونق اور وحشت زدہ ہو رہی تھیں۔

مسعود کے بھائی محمود پر زیادہ سختی ہوئی تھی۔ محمود کو جاگیردار مختار کے آدمیوں نے کافی مارا پیٹا تھا جس سے اس کے دونوں شانے زخمی ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب یہ دونوں اس سے ملے تو محمود نے نفرت اور غصے سے اپنا منہ پھیر لیا اور ماں سے کہا "ماں! اگر آپ بھائی مسعود سے ملتی ہیں تو ملیں ورنہ میں نے تو یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اب ہم دونوں زندگی بھر ایک دوسرے سے نہیں ملیں گے۔"

ماں نے مسعود کے بجائے زیب کو مورد الزام ٹھہرایا اور کہا "نہ بیٹے! تو اپنے بھائی سے نہ الجھ۔ اس کو تو زیب نے اندھا کر دیا ہو گا۔"

مسعود نے دونوں کو سمجھایا "تم دونوں مجھ سے مت جھگڑو۔ جاگیردار مختار کا اصل مجرم میں تھا۔ اس کو میری تلاش تھی، تم دونوں کی جگہ اگر میں پکڑا جاتا تو ذرا سوچو ہمارا کیا حشر ہوتا۔ تم دونوں کسی بھی طرح مجھے بادشاہ کے دربار تک پہنچنے دو۔ پھر دیکھنا تمہاری زندگی کتنی خوش گوار اور عزت دار ہو جائے گی۔"

محمود اپنی ماں کے ساتھ اپنے گھر چلا گیا۔ جب کہ مسعود کو امیر ظہوری نے اپنے محل کے ایک گوشے میں رہنے کی جگہ دے دی اور مسعود کو امیر ظہوری نے اپنا مشیر بنا لیا۔

شاعر عرشی، امیر ظہوری کی عنایات اور مہربانیوں کا مطلب سمجھ رہا تھا سو وہ کئی دن خاموش رہنے کے بعد مسعود کو سمجھانے لگا۔ "دیکھ مسعود! اب میں تنہائی میں نہیں رہ سکتا۔ بادشاہ مجھے کہیں اور بھیج دے گا۔ کیوں کہ امیر ظہوری نے بحیثیت واقعہ نویس مجھے پہچان لیا ہے۔ اس لیے تجھ کو میرا یہ مشورہ ہے کہ تو اس محل کی رہائش چھوڑ دے اور اپنے آبائی مکان میں منتقل ہو جا۔"

مسعود نے امیر ظہوری کی حیثیت کے بارے میں کئی سوالات کیے۔ اس نے شاعر عرشی کے مشورے کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی اور پوچھا "میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ امیر ظہوری، محمد شاہ تغلق سے کتنا قریب ہے؟"

شاعر عرشی نے کہا "بہت زیادہ قریب ہے۔ اس کا بادشاہ سے کوئی رشتہ بھی ہے۔"

مسعود نے پوچھا "کیا یہ شخص مجھے بادشاہ کے قریب لے جا سکتا ہے؟"

شاعر عرشی نے جواب دیا "اس کے لیے تو یہ کام ذرا بھی دشوار نہیں۔ یہ جب چاہے گا تجھ کو بادشاہ سے ملوا دے گا۔"

مسعود نے بے پروائی سے کہا "اگر ایسا ہو جائے تو مجھے امیر ظہوری کی ہم نشینی گوارا ہے۔"

شاعر عرشی کو مسعود پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ شاعر کی بات کیوں نہیں سمجھتا، کہنے لگا "یوں تو تو بہت عقل مند ہے مگر میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ تو نہیں سمجھ رہا ہے۔"

مسعود نے جواب دیا "میں تیری بات خوب سمجھ رہا ہوں لیکن اگر تو میری جگہ ہوتا تو سچ سچ بتا، ان حالات میں کیا کرتا؟"

شاعر عرشی نے جواب دیا "میں اپنی بیوی کے ساتھ اپنی ماں اور بھائی کے پاس چلا جاتا۔"

مسعود نے کہا "دوست! یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا تجھے نظر آ رہا ہے۔ میں نے مختار جاگیردار سے نجات حاصل کی تو اس جیسے امیر ظہوری کے ہتھے چڑھ گیا۔ بادشاہ تو ابھی بہت دور ہے۔"

یہ مسعود کی خوش قسمتی تھی کہ دہلی سے بادشاہ کا فرمان آ گیا کہ جاگیردار مختار، شاعر عرشی اور مسعود کو فوراً دہلی روانہ کر دیا جائے کیوں کہ بادشاہ، جاگیردار مختار کے مقدمے کا فیصلہ فوراً سنانا چاہتا تھا۔

امیر ظہوری نے بادل ناخواستہ شاعر عرشی اور مسعود کو شاہی فرمان کی خبر دی اور بطور خاص مسعود سے کہا "تجھ کو دہلی میں بھی قیام و طعام کے لیے ایک شاندار مکان مل جائے گا لیکن تجھے اس مقدمے کے فیصلے کے فوراً بعد یہاں واپس آنا پڑے گا۔"

امیر ظہوری نے زکریا پر دباؤ ڈالا کہ وہ زیب کو مسعود کے

ساتھ دہلی نہ جانے دے۔ لیکن مسعود نے زکریا کی یہ بات نہیں مانی اور زیب کو بھی اپنے ساتھ دہلی لے گیا۔

امیر ظہوری مسعود جیسے کمزور آدمی کے سامنے۔۔۔ن ہو گیا۔ اسے شاعر عرشی سے بھی یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ۔۔یں یہ بادشاہ کے سامنے اس کے خلاف اپنی واقعہ نویسی سے ایک نیا مقدمہ نہ قائم کر دے اور محمد شاہ تغلق اپنی فطرت میں مجموعہ اضداد تھا۔ اس کی محبت اور نفرت کے بارے میں کسی کو کچھ پتا نہ تھا کہ کس وقت کون سی فطرت عود کرتی ہے۔

دہلی روانہ ہونے سے پہلے مسعود نے اپنی ماں سے کچھ رقم مانگی اور کہا "ماں، آپ کے پاس جو کچھ ہو ۔۔۔ دے دیں۔ کیوں کہ مجھے نہیں معلوم کہ ہمیں دہلی میں کتنے دن قیام کرنا پڑے۔"

ماں کو اپنے بیٹے کی اس خود غرضانہ سرشت سے نفرت تھی۔ اس نے مسعود کو مشورہ دیا "تو زیب کو میرے پاس چھوڑ دے اور اپنے دوست شاعر عرشی کے ساتھ تنہا چلا جا۔ اس طرح تو فضول خرچیوں سے بھی بچا رہے گا۔"

لیکن مسعود نے اپنی ماں کا یہ مشورہ نہیں مانا اور کہا "ماں! اب آپ اتنی عقل مند نہیں ہو گئیں کہ مجھے مشورے دیں۔ میں زیب کو آپ کے پاس نہیں چھوڑ سکتا۔"

دوسری طرف سے مسعود کی ماں پر زکریا کا دباؤ بھی بڑھ رہا تھا، وہ مسعود کی ماں کو مجبور کر رہا تھا کہ زیب کو مسعود کے ساتھ دہلی نہ جانے دے۔

لیکن زیب کو نہالی میں روکے رکھنے کا ہر حربہ بے کار ثابت ہوا اور مسعود اپنی بیوی اور شاعر عرشی کے ہمراہ دہلی روانہ ہو گیا۔ ان دونوں نے شاہی ہرکاروں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ جو ایک فوجی دستے کے ساتھ جاگیردار مختار کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ دہلی لے جا رہا تھا۔ شاعر عرشی کو اندیشہ تھا کہ اگر اس نے شاہی دستے اور ہرکاروں کے ساتھ یہ سفر کیا تو راستے میں کہیں بھی امیر ظہوری کے آدمی کوئی شرارت کر سکتے ہیں اور وہ اس نادیدہ اور نامعلوم شرارت کا مقابلہ کسی طرح بھی نہیں کر سکتا تھا۔

یہ لوگ شاہی دستے سے ایک دن پہلے ہی دہلی میں دا۔۔ ہو گئے۔ شاعر عرشی دونوں کو اپنے گھر لے گیا۔ کیوں کہ امیر ظہوری کے مکان میں قیام کو وہ خطرہ سمجھتا تھا۔

مسعود کو ابھی تک ان خطرات کا کوئی اندازہ نہ تھا جن کا شاعر عرشی پہلے سے لگا چکا تھا۔ اس نے مسعود کو سمجھایا "دیکھو بھائی! تم کو ابھی دربار سرکار کی زندگی کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ یہ بڑی خطرناک جگہیں ہیں۔ یہاں کوئی کسی پر بھرو۔۔ نہیں کرتا۔ ور اگر بھروسا کرتا ہے تو مارا جاتا ہے۔"

مسعود کو اب کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ دہلی اور شاہی دربار کی گھٹی ہوئی زندگی اور دہلی سے دور شاہی دربار سے الگ تھلگ آزاد زندگی میں کیا فرق ہے۔

○☆○

جاگیردار مختار کا مقدمہ بادشاہ کی عدالت میں بادشاہ کی ایما پر پیش کر دیا گیا۔

جب شاعر عرشی اور مسعود اس مقدمے میں پیش ہونے کے لیے دربار جا رہے تھے تو ایک اجنبی شخص نے شاعر عرشی کو راستے میں روک کر سمجھایا "تیرا مسعود سے کیا واسطہ؟ تو اس کا ساتھ چھوڑ دے۔"

ایک دوسرے شخص نے مسعود کو سمجھایا "تو جاگیردار مختار کے خلاف گواہی نہیں دے گا اور بادشاہ سے کہہ کہ وہ نہالی کے دوسرے لوگوں کو بھی بطور گواہ طلب کرے۔"

مسعود نے جواب دیا۔ "میں تو گواہی دوں گا اور ساتھ ہی بادشاہ سے یہ کہوں گا کہ وہ میری گواہی کی تصدیق کے لئے نہالی کے دوسرے گواہوں کو بھی طلب کرے۔"

اس شخص نے مسعود کو دھمکی دی "ٹھیک ہے، تو شوق سے گواہی دے مگر یہ سوچ لے کہ اگر تو مارا گیا تو تیری گواہی کون دے گا؟"

مقدمہ بادشاہ کے سامنے پیش ہوا اور اس استغاثہ کا بنیادی اور پہلا گواہ شاعر عرشی تھا۔ گویا اسی کی ابتدائی واقعہ نویسی کو استغاثہ کی بنیاد بنایا گیا تھا۔

بادشاہ نے مسعود کو شاعر عرشی سے بالکل الگ رکھا تھا۔ جاگیردار مختار بادشاہ کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور پاؤں میں کاٹھ کی وزنی بیڑیاں ڈال دی گئی تھیں۔

مسعود نے کئی بار کوشش کی کہ وہ بادشاہ کو دیکھے مگر اسے بادشاہ کی اقبال مندی کہا جائے یا کچھ اور کہ بادشاہ کے جلال کی وجہ سے مسعود کی نظر بادشاہ کے چہرے پر نہیں ٹھہر رہی تھی۔

یہاں وہ ایسا خیالوں میں گم ہوا کہ کب مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی، کب شاعر عرشی نے اپنا بیان دیا اور کب جاگیردار مختار نے اپنی صفائی پیش کی۔ مسعود کو اس وقت ہوش آیا جب بادشاہ نے مسعود سے پوچھا "بتا تو جاگیردار مختار کے بارے میں کیا جانتا ہے؟"

شاہی ملازمین نے مسعود کو جھنجوڑا اور کہا "سن، بادشاہ تجھ سے کیا پوچھ رہا ہے؟"

اس وقت بادشاہ کا رُعب' دبدبہ اور جلال مسعود پر اتنا غالب آچکا تھا کہ اس کی قوتِ گویائی سلب ہوگئی اور کوشش کے باوجود وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ اس نے یہ بھی نہیں کہا کہ بادشاہ نے اس سے کیا پوچھا ہے؟

بادشاہ نے معاملے کی نزاکت سمجھ لی تھی' اپنے ایک امیر کو حکم دیا "اس خوف زدہ دیہاتی کو بتایا جائے کہ میں اس سے کیا پوچھ رہا ہوں۔"

امیر نے مسعود کو آہستہ آہستہ سمجھایا "دیکھ! تو یہاں ذرا بھی خوف زدہ نہ ہو۔ تو نے اپنے قصبے نہالی میں جاگیردار مختار کے جو مظالم دیکھے ہیں اور اس نے تیرے ساتھ جو ظلم کیا ہے بادشاہ کو صاف صاف بتادے۔"

مسعود نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور جلدی جلدی جاگیردار کے مظالم یوں بیان کردیئے گویا اس نے انہیں حفظ کر رکھا تھا اور وقت آنے پر فرفر اگل دیا۔ آخر میں اس نے بتایا کہ جاگیردار مختار اتنا ظالم اور بے غیرت مسلمان ہے کہ اس نے میری بیوی کی دونوں بہنوں کو بیک وقت بیویاں بنالیا۔ جو سراسر خلاف شرع اور غیر اسلامی فعل ہے۔

اچانک کسی امیر نے مسعود کو ٹوکا۔ "اے دیہاتی نوجوان! تو اس مقدمے کا محض ایک گواہ ہے' تجھ کو یہ حق اور اختیار کس طرح حاصل ہوگیا کہ تو ملزم کے کسی فعل کو غیر شرعی اور غیر اسلامی قرار دے۔ ابھی یہ مقدمہ بادشاہ کی عدالت میں چل رہا ہے۔ مگر تو نے اپنی دانست میں جاگیردار کو غیر شرعی اور غیر اسلامی فعل کا مرتکب قرار دے کر سزا کا مستحق قرار دے دیا اور تو یہ بھول گیا کہ جو کام عدالت یا بادشاہ کا ہے اسے تو انجام دے کر خود سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔"

امیر کی ان موشگافیوں سے مسعود گھبرا گیا اور دربار میں موجود امرا اور مقربین دولت کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

شاعر عرشی اپنی جگہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔ "احمق نوجوان! یہ تو نے کیا کردیا؟"

لیکن محمد شاہ تغلق نے مسعود کو سہارا دیا اور کہا "یہ نوجوان دیہاتی ہے اور خاصا خوف زدہ بھی ہے۔ اسے بالکل نہیں معلوم کہ گواہی کس طرح دی جاتی ہے اس لیے اسے پریشان یا مزید خوف زدہ نہ کیا جائے۔"

قاضی القضاۃ بھی دربار میں موجود تھا۔ اس نے بادشاہ کو بتلایا "حضور والا! یہ دیہاتی جھوٹا ہے کیوں کہ یہ غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔"

بادشاہ نے اس سے پوچھا "کیا تو نہالی گیا تھا؟ کیا تو نے اس مقدمے کے بنیادی رموز اور نکات کو نہالی کے پس منظر میں دیکھ اور سمجھ لیا ہے؟ تو اس سادہ لوح دیہاتی جوان کو کس طرح جھٹلا سکتا ہے؟"

قاضی نے جواب دیا "حضورِ والا نے جس امیر کو جاگیردار مختار کی جاگیر بخشی ہے وہ بھی یہاں موجود ہے اور وہ کہتا ہے کہ نہالی کے بہت سے گواہ پیش کئے جاسکتے ہیں جو مسعود کے برعکس واقعات بیان کرتے ہیں۔"

بادشاہ حیران تھا کہ یہ امیر ظہوری کہاں سے آگیا اور اس کا اس مقدمے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

شاعر عرشی نے قاضی کو ٹوکا۔ "آپ ایک ایسے آدمی کا نام کیوں لے رہے ہیں جو دہلی میں موجود نہیں اور یہ کہ وہ اس علاقے کا نیا نیا جاگیردار بنا ہے۔ اس کو کیا پتا کہ جاگیردار مختار نے اپنے علاقے میں کوئی جرم کیا ہے یا نہیں؟"

قاضی نے جواب دیا "امیر ظہوری یہیں دہلی میں موجود ہے۔ اور وہ شیخ نور محمد کی چوپال میں اٹھنے بیٹھنے والوں کو اپنے ساتھ لایا ہے۔ یہ بوڑھے اور بستی کے معزز لوگ بتائیں گے کہ مسعود نامی اس چالاک نوجوان نے بادشاہ کے دربار تک رسائی حاصل کرنے کے لیے شاہی واقعہ نویس کو اپنے ساتھ ملا کر کیسی شاندار منصوبہ بندی کی ہے۔"

بادشاہ نے قاضی سے پوچھا "کیا امیر ظہوری یہاں کہیں موجود ہے۔"

قاضی نے جواب دیا "وہ باہر اپنی طلبی کا منتظر تھا۔ براہ کرم اسے ذرا سی دیر کے لیے بلوالیا جائے۔"

بادشاہ نے نہایت خوش اخلاقی سے حکم دیا "امیر ظہوری کو حاضر کیا جائے۔"

اور جب امیر ظہوری بادشاہ کے سامنے پیش ہوا تو بادشاہ اس پر گرم ہوگیا۔ "اول تو تجھ کو میرے حکم کے بغیر اپنا تعلقہ نہیں چھوڑنا چاہیے تھا' دوسرے یہ کہ جب تو آہی گیا تھا تو اپنی آمد کی خبر مجھے ضرور کرنی تھی۔"

امیر ظہوری نے اپنی دونوں غلطیاں تسلیم کرلیں اور عرض کیا "حضورِ والا! یہ خلاف ضابطہ اور خلاف قاعدہ میری آمدیوں ضروری ہوگئی تھی کہ میں جب وہاں کے لوگوں سے ملا' ان سے باتیں کیں تو تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ شاہی واقعہ نویس نے اپنے ذاتی اغراض کے ماتحت اس چالاک نوجوان سے مل کر جاگیردار مختار کے خلاف زبردست سازش تیار کی اور یہ دونوں اس میں کامیاب بھی ہوگئے۔"

بادشاہ نے پوچھا "ان دونوں نے ایسا کیوں کیا؟"

امیر ظموری نے جواب دیا "اصل جھگڑا زکریا اور اس کی تین بیٹیوں سے تعلق رکھتا ہے۔ جاگیردار مختار، زکریا کی بیٹی زیب سے شادی کرنا چاہتا تھا اور یہ نوجوان جو زکریا کا پڑوسی بھی ہے بچپن سے اس لڑکی کو چاہتا ہے۔ یہ زیب کو لے کر فرار ہو گیا۔ جاگیردار مختار نے زیب کی دونوں بہنوں کو ان کے ماں باپ کے ساتھ اپنی تحویل میں لے لیا۔ اور زیب، مسعود، اس کی ماں اور بھائی کی تلاش شروع کر دی۔ کیوں کہ یہ چالاک جوان اپنے پورے کنبے کے ساتھ فرار ہو گیا تھا جب جاگیردار مختار کے آدمی ان کے پاس پہنچ گئے تو یہ چالاک اور خود غرض انسان ماں اور بھائی کو مختار کے حوالے کر کے خود زیب کو لے کر فرار ہو گیا۔ اس کے ساتھی اور دوست شاہی واقعہ نویس شاعر عرشی نے اس نوجوان کا اس لیے ساتھ دیا کہ یہ بھی زکریا کی ایک بیٹی سے شادی کرنا چاہتا تھا اور مختار نے دونوں کو اپنی تحویل میں لے کر شاہی واقعہ نویس کو ناکام کر دیا تھا۔"

شاعر عرشی نے بادشاہ سے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی اجازت چاہی جو نہیں دی گئی اور بادشاہ نے مسعود سے پوچھا "اے نوجوان! تجھ پر جو الزام لگایا گیا ہے کیا یہ درست ہے؟"

مسعود نے جواب دیا "یہ غلط ہے۔ جب جاگیردار مختار نے زکریا کی تینوں بیٹیوں پر قبضہ کرنا چاہا، تو زکریا نے زیب کی شادی مجھ سے کر دی اور اپنی دونوں بیٹیوں کو لے کر کہیں [illegible] ہو گیا تھا۔ وہ قاضی نہالی میں موجود ہے۔ جس نے ہم دونوں کا نکاح پڑھایا تھا اور زکریا خود گواہی دے گا کہ اس کو اور اس کی دونوں بیٹیوں کو روپوشی کی حالت میں کہاں سے برآمد کیا گیا تھا؟

امیر ظموری مسکرا رہا تھا، بادشاہ کی اجازت سے عرض کیا "یہ نوجوان بظاہر جتنا سیدھا سادا، بے وقوف اور بھولا نظر آ رہا ہے، یہ اتنا ہے نہیں۔ جب میں بستی کے بوڑھوں کو یہاں پیش کروں گا تو وہ بتائیں گے کہ یہ کتنا چالاک نوجوان ہے۔"

بادشاہ نے کہا "یہ نوجوان تو کسی قاضی کا ذکر کر رہا ہے جس نے اس کا نکاح پڑھایا تھا۔"

امیر ظموری نے جواب دیا "وہ قاضی تو قتل کر دیا گیا۔ غالباً اسی نے اس کو قتل کیا ہو گا کیوں کہ یہ جانتا ہے کہ جب قاضی کو نکاح کی تصدیق کے لیے طلب کیا جائے گا تو اس کی گواہی اس کے خلاف جائے گی۔ لیکن قاضی کی موت سے اس کے نکاح کا مسئلہ شک و شبے میں پڑ جائے گا۔ میں نے بتایا

ٹیلی پیتھی موجودہ دور میں ٹیلی فون، وائرلیس، ریڈیو، مائکرو ویو سسٹم اور ٹیلی ویژن وغیرہ کی معجزہ نمائیوں کی طرح ہیں۔ ابھی بہت کم لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ حیاتِ انسانی بھی ایک خودکار برقی نظام سے متحرک ہے اور انسانی ذہن اور روح کی ان دیکھی برقی قوت سے عمل پیرا ہے۔ ٹیلی پیتھی بھی کوئی جادو کا علم نہیں بلکہ ایک نظام ہے ایک سسٹم ہے جس کے ذریعہ ایک انسان اپنے ذہن کو مطلوبہ انسان کے ذہن سے میلوں کی دوری پر بھی جوڑ سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک طاقتور ٹرانسمیٹر کے ذریعہ رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

یہ فن مسلسل مشق اور صحیح طریقہ کار پر عمل کر کے کوئی بھی حاصل کر سکتا ہے۔ ٹیلی پیتھی کے فن اور مشق کے ذریعہ بہت سے لوگوں نے کشف و کرامات دکھانے کی حد تک شہرت پائی ہے۔ زیر نظر ناول ایک ایسے ہی انسان کی آپ بیتی ہے۔ میری رائے میں ہر شخص اپنی روح کی برقی طاقت اور ذہن کے کنٹرول سسٹم پر قابو پا کر ٹیلی پیتھی کا ماہر بن سکتا ہے۔ میری نظر میں کتاب والا، بہادری مجلہ دہلی سے شائع شدہ کتاب ٹیلی پیتھی گائڈ ایک مکمل ہدایت نامہ ہے۔

محی الدین نواب

لو کہ یہ بہت چالاک نوجوان ہے۔"
بادشاہ نے مقدمے کی کارروائی روک دی اور امیر ظہوری کو حکم دیا کہ وہ اس مقدمے کے سلسلے میں نہالی سے جتنے آدمیوں کو اپنے ساتھ لایا ہے انہیں لے کر اگلے ہفتے اسی دن حاضر ہو جائے۔
شاہی واقعہ نویس نے امیر ظہوری کے چلے جانے کے بعد بادشاہ کو بتایا "امیر ظہوری بھی اس مقدمے میں جھوٹ بول رہا ہے اور یہ کہ اب اس کی اور مسعود کی جانیں خطرے میں ہیں اس لیے انہیں تحفظ فراہم کیا جائے۔"
بادشاہ نے ان دونوں کو قلعے میں بھجوا دیا اور حکم دیا "ان کی حفاظت کی جائے اور اگر انہیں کوئی نقصان پہنچا تو ان کے محافظوں کو سزائے موت دی جائے گی۔"
ان دونوں کو قلعے میں یہ حفاظت اس طرح پہنچایا گیا گویا یہ دونوں خطرناک قیدی ہوں۔ مسعود کو زیب کی فکر تھی لیکن شاعر عرشی نے اس کو یقین دلایا کہ زیب کو اس کے خاندان میں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"
مسعود نے حیرت سے پوچھا "امیر ظہوری نے بادشاہ کے سامنے جس قدر جھوٹ سے کام لیا ہے کیا وہ اسے ثابت بھی کر سکے گا؟"
شاعر عرشی نے جواب دیا "صاحب زادے! وہ امیر ہے۔ امیر ظہوری بہت بڑا جاگیردار ہے، وہ جو کچھ کہے گا اسے سچ ثابت بھی کر دے گا۔ اور یہ سارا فساد تیری بیوی زیب کی وجہ سے برپا ہو رہا ہے۔ ایمان داری کی بات تو یہ ہے کہ تو آج اگر زیب کو طلاق دے دے اور اس کو امیر ظہوری کے حوالے کر دے تو یہ سارا مسئلہ الٹا ہو جائے گا اور تیری جان چھوٹ جائے گی۔"
مسعود کو اپنی عقل اور کتابی مطالعے پر بڑا زعم تھا جو اب بالکل بے کار نظر آ رہا تھا۔
دونوں اپنی اپنی گلوخلاصی کی تدبیریں سوچ رہے تھے کہ ایک دن قلعے میں ان دونوں سے ملاقات کرنے کے لیے نہالی کے کچھ لوگ آ گئے۔ انہیں تلاشی لینے کے بعد دونوں سے ملوا دیا گیا اور یہ ملاقات بھی امیر ظہوری کی کوششوں سے ہو رہی تھی۔ ان ملاقاتیوں میں زکریا بھی تھا اور چوپال کے وہ تمام بوڑھے بھی جو مسعود کی بڑی عزت کرتے تھے۔ یعنی نور محمد، عارض، نظام اور زکریا وغیرہ۔
جب ان سب کو ان دونوں کے سامنے پہنچایا گیا تو شاہی واقعہ نویس نے ان سب سے طنزاً کہا "تم لوگ بہت ظالم ہو جو اپنے محسنوں کے خلاف ظالموں کی مدد کر رہے ہو۔ یاد رکھو، وہ مظلوم جو ظلم کا مقابلہ نہیں کرتا اور ظالم کا ساتھ دیتا ہے وہ خود بہت بڑا ظالم ہوتا ہے۔"
بوڑھے نور محمد نے ان دونوں سے نظریں نہیں ملائیں اور مسعود سے کہا "اب تو تو بادشاہ کے دربار تک پہنچ گیا اب تجھے جاگیردار مختار کا پیچھا چھوڑ دینا چاہیے۔"
عارض نے کہا "مجھ کو تو اسی دوران تجھ پر شبہ ہو گیا تھا جب تو ہمیں جاگیردار مختار کے خلاف ورغلایا کرتا تھا۔"
نظام نے اس پر الزام لگایا "اور تیری وجہ سے بستی کے لوگ آپس میں لڑ مرے اور دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے پچاس ساٹھ مکانات جلا کر راکھ کر دیئے۔"
زکریا نے مسعود پر الزام لگایا "تو نے مجھے جاگیردار مختار کا یہ پیغام کبھی نہیں دیا کہ وہ میری بیٹی زیب سے شادی کرنا چاہتا ہے اور میری ایک بیٹی سے تیرا یہ دوست شاہی واقعہ نویس شادی کا خواستگار ہے۔ تو میری بیٹی زیب کو لے کر فرار ہو گیا اور اب بادشاہ کے سامنے معصوم بن رہا ہے۔"
مسعود کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا لیکن نہالی کے سارے بزرگ اور اس کی بیوی کا باپ زکریا یہ سبھی اس کے سامنے کھڑے تھے اور اس پر لعن طعن کر رہے تھے۔
جتنی دیر وہ لوگ ان دونوں کے سامنے رہے انہیں امیر ظہوری اور جاگیردار مختار کی حمایت میں بولنے پر مجبور کرتے رہے۔
لیکن جب یہ لوگ دونوں سے مل کر واپس ہوئے تو زکریا نے چپکے سے مسعود سے کہا "تو اپنے بیان پر قائم رہ، میں تیرا ساتھ دوں گا۔"
لیکن اب مسعود کو کسی پر اعتبار نہیں رہا تھا، دونوں ہی اپنی جگہ فکر مند تھے۔
ان کے چلے جانے کے بعد شاعر عرشی نے مسعود سے کہا "تو نے نہالی کے بزرگوں کے اصلی چہرے دیکھے تو ان سب کا حامی و مددگار بنا ہوا تھا، انہیں گراں قدر مشورے دیا کرتا تھا۔"
مسعود نے جواب دیا "دوست! جب میں پہلی بار بادشاہ کے سامنے گیا تو ایسا لگا جیسے مجھ سے میری خود اعتمادی چھن گئی ہے۔ لیکن اب دوسری ملاقات میں، میں اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دوں گا۔ اور اس خونخوار بلی کی طرح جو چاروں طرف سے گھر گئی ہو امیر ظہوری پر ایسا حملہ کروں گا کہ وہ یاد کرے گا کہ کسی سے واسطہ پڑا تھا۔"
بادشاہ کے روبرو دوبارہ پیش ہونے سے ایک دن پہلے امیر ظہوری ان دونوں سے ملا۔

شاعر عرشی نے قلعے کے عملے سے کہا "تم لوگ میری مرضی کے خلاف کیوں کسی کو لے آتے ہو؟"

امیر ظہوری نے شاعر عرشی کو سمجھایا "تو اس شاطر دیہاتی جوان کی ہمدردی کے چکر میں خود کو کیوں تباہ برباد کر رہا ہے۔ اس وقت میں تجھے یہی سمجھانے آیا ہوں کہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لے اور پشیمان ہو جا۔ میں بادشاہ سے سفارش کر کے تجھ کو معافی دلوا دوں گا۔"

شاعر عرشی نے اٹل لہجے میں کہا "میں نے کوئی غلطی نہیں کی اس لیے شرمندہ بھی نہیں ہوں اور رہ گیا یہ کہ میں مسعود کا ساتھ چھوڑ دوں تو یہ نہ پہلے میرا دوست تھا اور نہ اب میرا دوست ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میری واقعہ نویسی سے متعلق مقدمے کا اس سے گہرا تعلق ہے۔"

امیر ظہوری نے برا سا منہ بنایا اور غصے سے کہا "تیری واقعہ نویسی بھی تیرے ساتھ رخصت ہو جائے گی۔ میں دیکھوں گا کہ تو کس طرح بچتا ہے۔"

اس کے بعد وہ مسعود سے مخاطب ہوا "اگر تو بھی اس پاگل شاعر کی طرح اپنے جھوٹ پر قائم رہے گا تو بادشاہ کے سامنے تجھے بھی اس کی طرح ذلیل و خوار ہونا پڑے گا اور سزا پا جائے گا۔ لیکن میں تجھ کو اب بھی بچا سکتا ہوں۔"

شاعر عرشی قلعے کے عملے سے الجھ گیا اور انہیں سخت سست کہنا شروع کر دیا۔ وہ عملے کو منع کر رہا تھا کہ یہاں ان سے پوچھے بغیر کسی کو نہ لایا جائے۔

دوسری طرف مسعود امیر ظہوری سے کہہ رہا تھا "جب تک مجھے یہ یقین نہ ہو جائے کہ تم مجھے واقعی اس مقدمے سے نجات دلوا دو گے میں اپنا بیان نہیں بدلوں گا۔"

امیر ظہوری نے اس کو یقین دلایا "میں بادشاہ کے سامنے تیری خلل دماغی کا ذکر چھیڑوں گا اور یہ ثابت کروں گا کہ تُو نے یہ جو کچھ کیا ہے حالتِ جنون میں کیا ہے ویسے تو ایک سیدھا سادا دیہاتی نوجوان ہے اور تیری کوتاہیوں، زیادتیوں اور غلطیوں کو معاف کر دیا جائے۔ میں یہی بیان مختار سے بھی دلوا دوں گا۔"

لیکن ایک خاص بات جو امیر ظہوری ابھی تک نہیں کر سکا تھا۔ شاعر عرشی کے آجانے کی وجہ سے وہ چپ ہو گیا۔

کچھ دیر توقف کے بعد کہا "کل بادشاہ اپنی مصروفیت کی وجہ سے یہ مقدمہ نہیں چلائے گا۔ گویا اس طرح تم دونوں کو ایک ہفتے کی زندگی اور مل گئی۔ اس وقت میں تم دونوں کو یہی بتانے آیا تھا۔ تم دونوں سوچ لو۔ اگر میں چاہوں گا تو تم دونوں بچ جاؤ گے۔ ورنہ یہ سمجھ لو کہ تم دونوں کی زندگی کے یہ آخری گنے چنے دن چل رہے ہیں۔"

امیر ظہوری کے چلے جانے کے بعد دونوں ہی امید و بیم کے شکار ہو گئے۔ کبھی وہ جراتوں کی طرف مائل نظر آتے کہ وہ اپنے مخالفوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور جاگیردار مختار کو سزا دلوا کر رہیں گے اور کبھی ان کی ہمت جواب دے جاتی کہ جس طرح ممکن ہو اپنی جان بچاؤ۔

اسی دوران قلعے کے عملے نے ان دونوں کو بادشاہ کے عدل و انصاف کے قصے سنانے شروع کر دیئے۔ ان قصوں میں ان مجرموں کا ذکر کیا جو اپنی بے دینی اور گمراہی کی وجہ سے سزائے موت کے مستحق قرار پائے تھے۔ ان میں چند جھوٹوں کے بھی قصے تھے جنھوں نے بادشاہ کو اپنے جھوٹ سے گمراہ کرنے کی کوشش کی مگر عقل مند اور زیرک بادشاہ نے ان کا جھوٹ پکڑ لیا اور ان جھوٹوں کو بادشاہ نے قتل کروا دیا۔

ان قصوں نے دونوں کو مزید خوف زدہ کر دیا اور دونوں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ وہ امیر ظہوری کو اپنا وسیلہ بنا کے اس مقدمے سے خلاصی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

بادشاہ کے سامنے پیش ہونے سے دو دن پہلے امیر ظہوری ان دونوں سے قلعے میں آخری بار ملا اور دونوں نے اس کو بتایا کہ اگر وہ ان دونوں کو واقعی ان مقدمات سے نجات دلوا سکتا ہے تو وہ دونوں بادشاہ کے سامنے وہی کہیں گے جو امیر ظہوری کہلوائے گا۔

امیر ظہوری نے خوش ہو کر دونوں کو سمجھایا۔

مسعود سے کہا "تو بادشاہ سے کہے گا کہ مجھ پر کبھی کبھی دماغی خلل کے دورے پڑتے رہتے ہیں اور اس سے اب جو جرم سرزد ہوئے ہیں خلل دماغی سے حالتِ اضطرار میں سرزد ہوئے۔"

اور واقعہ نویس عرشی کو سمجھایا "تو بادشاہ سے کہے گا کہ میں زکریا کی ایک بیٹی سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں مسعود کی خدمات حاصل کر لی تھیں مگر اسی دوران جاگیردار مختار نے زکریا کو اس کی بیٹیوں اور بیوی سمیت اپنی تحویل میں لے لیا جب کہ مسعود زکریا کی ایک بیٹی کو لے کر پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔ اگر تم دونوں نے یہ بیانات دے دیئے تو میں حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں چھڑوا دوں گا۔"

اب گویا دونوں کی امیر ظہوری سے صلح ہو گئی تھی۔

جاتے جاتے جیسے امیر ظہوری کو کوئی ضروری بات یاد آگئی تھی، کہنے لگا "اور ہاں جب تم دونوں اپنی اپنی روداد سنا چکو تو تم دونوں فوراً بادشاہ کے سامنے قدموں میں گر جانا

اور کہنا کہ ہم دونوں اس وقت تک قدموں سے نہیں اٹھیں گے جب تک ہمیں معاف نہیں کر دیا جائے گا۔"

○☆○

امیر ظہوری نے مقدمہ کے پیش ہونے سے پہلے ہی محمد شاہ تغلق سے ملاقات کی اور بادشاہ کو بتایا کہ دونوں مجرموں نے مجھے بہ اصرار قلعے میں بلوایا تھا۔ دونوں کو اقرار ہے کہ واقعی ان سے جرم سرزد ہوئے ہیں اور اب وہ نادم اور پشیمان ہیں۔ اس لیے انہیں مراحم خسروانہ سے معاف کیا جائے۔"

محمد شاہ تغلق کو غصہ آگیا اور حالتِ غیظ و غضب میں اس نے کہا "تو ان دونوں نے مجھے گمراہ کرنے کی کوشش کی اور یہ کہ دونوں اس وقت تک میرے قدموں میں پڑے رہیں گے جب تک میں انہیں معاف نہیں کروں گا۔ تو واللہ میں انہیں قیامت تک معاف نہیں کروں گا اور دونوں حالتِ سجدہ میں اسی جگہ قتل کر دیئے جائیں گے۔"

امیر ظہوری بادشاہ کے غیظ و غضب سے بہت خوش ہوا کہ اس نے دونوں کو جو کچھ سکھایا' پڑھایا تھا وہ ظہوری کے کام آئے گا اور بادشاہ ان دونوں کو بحالتِ غیظ و غضب اپنے قدموں ہی میں قتل کروا دے گا۔

دونوں کو بادشاہ کے روبرو پیش کیا گیا۔ اب چونکہ نہالی کے کسی گواہ کو بادشاہ کے روبرو پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی اس لیے انہیں دربار میں نہیں لے بلایا گیا۔

سوچے سمجھے منصوبے کے تحت واقعہ نویس شاعر اور مسعود' بادشاہ کے قدموں میں گر گئے اور رو رو کر عرض کیا کہ اگر بادشاہ ان دونوں کو قتل کر دینا چاہتا ہے تو قتل کر دے مگر دونوں جھوٹ نہیں بولیں گے۔ دونوں نے رو رو کر بادشاہ کو بتایا کہ امیر ظہوری قلعے میں کئی بار ان دونوں سے ملا۔ دونوں کو ڈرایا دھمکایا اور کہا کہ اپنے اپنے فرضی جرم کا اقرار کر لو تو وہ ہمیں بادشاہ سلامت سے نجات دلوا دے گا۔

مسعود نے بادشاہ سے کہا "آپ امیر ظہوری کو قید کر دیں اور نہالی کے گواہوں کو بلوا کر پوچھیں کہ میں کبھی بھی دماغی خلل کا مریض رہا ہوں۔ وہ یقیناً انکار کریں گے اور اگر وہ میرے خلاف بیان دے دیں تو میں ہر سزا کا مستحق ٹھہروں گا۔"

واقعہ نویس شاعر نے بیان دیا "میں یہ چاہتا ہوں کہ جب نہالی کے لوگ بطور گواہ یہاں لائے جائیں تو انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اب امیر ظہوری تعلقہ نہالی کا جاگیردار نہیں رہا اور اسے بھی جاگیردار مختار کی طرح معزول کر کے قید کر دیا گیا ہے۔ ان حالات میں وہ سب سچ بولیں گے' اسی سچ پر ہم دونوں کے مقدمے کا فیصلہ ہو جائے گا۔"

امیر ظہوری کو چکر آ رہے تھے۔ اسے اپنے سامنے کی ہر شے گھومتی نظر آ رہی تھی۔

محمد شاہ تغلق نے امیر ظہوری کو قید کر دیا اور نہالی کے گواہوں کو فوراً طلب کر لیا۔

بادشاہ نے قلعے کے عملے کو بھی بلوا لیا اور ان سے یہ تصدیق ہو گئی کہ امیر ظہوری کئی بار ان دونوں سے ملا تھا۔ اور عملے نے یہ بھی اقرار کیا کہ امیر ظہوری کی خواہش اور ہدایت پر ان لوگوں نے دونوں کو بادشاہ کے انصاف کی لرزہ خیز داستانیں سنائی تھیں تاکہ دونوں خوف زدہ ہو کر امیر ظہوری کو اپنا وسیلہ بنا لیں۔

نہالی کے لوگ بھی بادشاہ کے روبرو پیش کیے گئے اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ جاگیردار کی طرح امیر ظہوری بھی معزول کر دیا گیا ہے اور زندان میں ڈال دیا گیا ہے تو نہالی کے لوگ رو رو کر دونوں جاگیرداروں کے ظلم و ستم کی داستانیں سنانے لگے۔

زکریا نے روتے روتے کہا "جاگیردار مختار نے میری دونوں بیٹیوں کی زندگیاں برباد کر دیں۔ اگر مسعود میری مدد نہ کرتا تو میری تیسری بیٹی بھی برباد ہو جاتی۔"

نور محمد نے مسعود کی تعریفیں کیں اور بتایا کہ پوری بستی میں اس سے زیادہ عقل مند اور پڑھا لکھا دوسرا کوئی نہیں۔

عارض نے گواہی دی کہ پورے نہالی میں جاگیردار کے مظالم کے خلاف ایک ہی آواز بلند ہوتی تھی اور وہ آواز مسعود کی ہوتی تھی۔

نظام نے گواہی دی کہ مسعود کو دربار تک آنے کی دُھن تھی جو اس طرح پوری ہو گئی۔

بادشاہ کو یہ بات گراں گزری کہ مسعود کو ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کرنے کی عادت ہے۔ اس نے مسعود کی نوعمری کے پیش نظر پوچھا "کیا تو حق ۔ انصاف اور ظلم و ستم میں تمیز کر سکتا ہے؟ یعنی میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تیری نظر میں ظلم و ستم کیا ہے؟"

مسعود جلال شاہی کی وجہ سے اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا مگر جب بادشاہ نے اس سے پوچھا "اگر میں امیر ظہوری کو اس مقدمے میں قتل کروا دوں تو تو اسے کیا کہے گا' ظلم یا انصاف؟"

مسعود نے جواب دیا "ظلم۔"

اس جواب سے پورا دربار کانپ گیا۔ واقعہ نویس شاعر

مسعود کی نادانی پر افسوس کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کتنی مشکلوں سے دونوں بچے تھے۔ اور کتنی آسانی سے مسعود مقتل تک پہنچ گیا تھا۔

بادشاہ نے تیوریوں پر بل ڈالے "واللہ! تو نے مجھے ظالم کہا جب کہ امیر ظہوری سزائے قتل کا مستحق ہے۔"

مسعود کا دل ڈوب رہا تھا۔ خود اعتمادی اور قوت ارادی اس سے رخصت ہو رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر خود پر قابو پانے کی کوشش کی اور موت کے خوف کو ذہن سے نکال کر جواب دیا "ہر چند کہ امیر ظہوری نے ہم دونوں کو ورغلایا اور اس لیے ورغلایا کہ ہم سزا پا جائیں۔ لیکن جب اس نے مجھے دماغی خلل کا مریض قرار دیا تو اس سے اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ مجھے قتل کیا جائے بلکہ پاگل ہونے کی وجہ سے میری بیوی زکیا کے حوالے کر دی جاتی اور امیر ظہوری اس سے شادی کر لیتا۔ کیوں کہ امیر ظہوری کی سازشوں کے پیچھے میری بیوی زیب اور زیب سے اس کی محبت کار فرما ہے۔ لیکن امیر ظہوری نے ابھی تک جس جرم کا ارتکاب ہی نہ کیا ہو یا اس کے خیالی جرم سے کوئی نقصان ہی نہ پہنچا ہو تو اس کی سزا امیر ظہوری کو کس طرح دی جا سکتی ہے اگر کوئی سزا دی جائے گی، تو وہ ظلم ہو گا۔"

محمد شاہ تغلق کو اس نوجوان کے دلائل اور وضاحتیں بہت پسند آئیں مگر اس نے بھی نوجوان مسعود کو سمجھایا "لیکن نوجوان، عمل کی بنیاد نیت پر ہوتی ہے۔ امیر ظہوری کی نیت تم دونوں کو نقصان پہنچانے کی تھی۔ اس لیے اس کو سزا ملنی چاہیے۔"

مسعود نے ضد نہیں کی اور کہا "لیکن سزائے موت نہیں۔"

بادشاہ نے جاگیردار مختار کو سزائے موت کا فیصلہ سنا دیا کیوں کہ اس نے نمالی کے پچاس ساٹھ گھروں کو جلا ڈالا تھا۔ جس میں بہت سی جانیں بھی ضائع ہوئی تھیں لیکن امیر ظہوری کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں سنایا گیا۔ کئی دن بعد بادشاہ نے یہ کہہ کر امیر ظہوری کو چھوڑ دیا کہ اس کی سفارش مسعود نے کی تھی۔

امیر ظہوری نے شرم کی وجہ سے روپوشی اختیار کر لی۔

واقعہ نویس شاعر کو حکم دیا گیا کہ وہ فی الحال درباری شاعر کی حیثیت سے دہلی میں مقیم رہے اور مسعود کو ایک امیر علائی کے حوالے کیا گیا کہ وہ اس کی تربیت کرے اور اس کو دربار کے لائق بنائے۔

نمالی کے لوگ واپس چلے گئے اور نمالی کا تعلقہ امیر نظام کے حوالے کر دیا گیا۔ وہ ایک کہنہ مشق امیر تھا۔

اب مسعود نے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ اس کی بہت بڑی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ اس نے محمد شاہ کے دربار تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ بادشاہ کو یہ نوجوان ہمیشہ یاد رہا۔ وہ اس کو اپنے دربار میں طلب کرتا رہتا تھا۔ مگر تنہا نہیں، امیر علائی کے ساتھ۔

مسعود کی ماں اور بھائی محمود نمالی میں رہ رہے تھے۔ مسعود اگر چاہتا تو دونوں کو دہلی بلوا سکتا تھا مگر اسے اپنے بھائی کے پیشے سے اختلاف تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ دہلی کے لوگ

زر بخش

حضرت نظام الدین اولیاءؒ جب غیاث پور میں تشریف لائے تو آپؒ کو شروع میں کئی کئی دن تنگ دستی کے باعث فاقے کرنے پڑے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار چار روز تک آپؒ کو کھانا میسر نہ ہو سکا۔ ایک شخص کو پتا چلا تو اس نے کچھ آٹا لا کر آپ کو دیا۔ کھانا ابھی تیار نہ ہوا تھا کہ ایک درویش نے صدا لگائی "کچھ کھانے کو ہے۔"

آپؒ نے کہا "کچھ توقف کریں، تیار ہوتے ہی پیش کر دوں گا۔"

درویش نے کہا "جیسا بھی ہے لے آؤ۔"

آپؒ نے ادھ پکا کھانا لا کر رکھ دیا۔ درویش نے کھانا کھایا اور پھر ہنڈیا توڑ کر پھینک دی پھر اس نے کہا۔

"تو نے باطنی نعمت فریدؒ سے پائی، لیکن تیری ظاہری تنگ دستی میں نے توڑ دی۔ اب تو ظاہر اور باطن دونوں میں تونگر ہو گیا۔"

پھر وہ درویش غائب ہو گیا۔

کہتے ہیں اس دن کے بعد سے آپؒ نے کبھی تنگ دستی کا منہ نہ دیکھا۔ بلکہ دولت کی اس قدر فراوانی ہوئی کہ آپؒ کثرت سے سیم و زر غریبوں میں بانٹتے تھے حتیٰ کہ آپ کو "زر بخش" کہا جانے لگا۔

محمود لوہار کے حوالے سے اس کا ذکر کریں اور ماں کو اس لیے نہیں بلا تا تھا کہ وہ محمود کے بغیر آنے کو تیار نہیں تھی۔

ذکیا دہلی میں مستقل آباد ہو گیا اور یہیں اس کی دونوں بیٹیوں کی شادیاں بھی ہو گئیں۔

مسعود کو ابھی اس دن کا انتظار تھا جب اسے شاہی فرمانوں میں امیر مسعود لکھا جانے لگے گا۔ ابھی وہ زیر تربیت تھا۔ امیر علائی محسوس کر رہا تھا کہ مسعود ایک نہ ایک دن نامور امیر ضرور بن جائے گا۔ اس لیے وہ اس پر بڑی توجہ دے رہا تھا لیکن اسے مسعود کی بیوی زیب بالکل پسند نہیں تھی۔ امیر علائی، مسعود کو اپنا داماد بنانا چاہتا تھا لیکن زیب کے ساتھ نہیں کیوں کہ امیر علائی کی بیٹی کسی غریب کی بیٹی کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کے ذہن میں تھا کہ کسی موقعے پر وہ مسعود سے کہے گا کہ وہ زیب کو طلاق دے دے اور اس کی بیٹی سے شادی کر لے حالاں کہ اس نے دیکھا تھا کہ مسعود زیب سے بہت محبت کرتا ہے اور شاید ہی وہ زیب کو طلاق دے۔

بادشاہ اکثر و بیشتر حالتِ سفر میں رہتا۔ وہ اپنے ساتھ چند امرا کو بھی لے جاتا۔ امیر علائی بھی بادشاہ کے ساتھ جایا کرتا تھا۔ اب امیر علائی کے ساتھ مسعود بھی سفر کرنے لگا۔

اس دوران مسعود دو بچوں کا باپ بھی بن گیا۔ ایک لڑکی تھی جس کا نام بلقیس تھا اور دوسرا لڑکا جس کا نام سعود تھا۔ یہ دونوں مسعود کو بہت عزیز تھے۔ دہلی میں مسعود نے اپنے لیے کوئی الگ انتظام نہیں کیا تھا۔ زیب اپنے والدین کے ساتھ رہتی تھی جس کی وجہ سے مسعود اپنے گھر کی طرف سے بہت مطمئن رہتا تھا۔

بادشاہ نے اودھ کا سفر کیا تو علائی اور مسعود کو بھی بادشاہ کے ساتھ جانا پڑا۔ اب وہ بڑی حد تک آدابِ شاہی سے آگاہ ہو چکا تھا اور درباری رسوم بڑی مہارت سے ادا کرتا تھا۔

اودھ کے سفر میں جن امرا کو اپنے کنبے کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت دی گئی تھی ان میں امیر علائی بھی شامل تھا۔ امیر علائی نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی کو ساتھ رکھا اور اس کے ساتھ ہی بیٹی زبیدہ بھی مصلحتاً ہم سفر رہی۔ امیر علائی اپنی اسی بیٹی سے مسعود کی شادی کرنا چاہتا تھا۔

دورانِ سفر بادشاہ نے نسالی کے باہر قیام کیا۔ جاگیردار امیر نظام نے حاضری دی اور بادشاہ کی فوج کے لیے غلّہ، جانور اور دودھ، گھی وغیرہ فراہم کیا۔ بادشاہ کو نسالی سے متعلق مقدمہ یاد آیا تو اس نے مسعود کو بطورِ خاص طلب کیا اور کہا "میں وہ مکانات دیکھنا چاہتا ہوں جنہیں جاگیردار مختار نے جلا کر خاک کر دیا تھا۔"

چنانچہ بادشاہ کو اس جگہ لے جایا گیا۔

واقعہ نویس شاعر بھی بادشاہ کا ہم سفر تھا۔ وہ وقتاً فوقتاً بادشاہ کی شان میں قصیدے پڑھا کرتا تھا۔

بادشاہ نے شاعر کو بھی اپنے ساتھ رکھا اور دیر تک پچاس ساٹھ جلے ہوئے مکانوں کو دیکھتا رہا۔ اسے بے حد دکھ ہوا کہ وہ ابھی تک کھنڈر پڑے ہوئے تھے کیوں کہ ان کھنڈروں کے مکینوں کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ انہیں دوبارہ تعمیر کروا لیتے۔ یہیں بادشاہ نے کھڑے کھڑے حکم دیا کہ ان مکانوں کو شاہی اخراجات سے دوبارہ تعمیر کرایا جائے اور بادشاہ نے ہدایت کی کہ وہ جب چند ماہ بعد ادھر سے واپس گزرے گا تو اسے مکانات بنے ہوئے نظر آنے چاہئیں۔

اس کے بعد بادشاہ نے نور محمد کی چوپال دیکھی جس کے بہت چرچے سننے میں آئے تھے۔

جب بادشاہ نور محمد کی چوپال پہنچا تو وہاں بادشاہ کو دیکھنے کے لیے پوری بستی جمع ہو گئی تھی۔ فوج کو ان سب کو سنبھالنے میں بڑی دشواری پیش آئی۔

اسی ہجوم میں محمود لوہار بھی شامل تھا۔ اس نے مسعود کو بادشاہ کے ساتھ چلتے دیکھا تو اسے بڑی خوشی ہوئی لیکن وہ بھائی کو قریب سے نہیں دیکھ سکا۔

مسعود کی ماں گھر میں انتظار کرتی رہی کہ مسعود اس سے ملنے ضرور آئے گا لیکن مسعود ماں سے ملنے نہیں آیا۔

امیر علائی نے اس سے پوچھا "یہ تو تیرا آبائی وطن ہے۔ کیا یہاں اب بھی تیرے عزیز رہتے ہیں؟"

مسعود نے جواب میں ٹال مٹول سے کام لیا اور جاگیردار مختار کے ظلم و ستم کی داستان دہرانے لگا۔

جب کئی دن تک مسعود اپنی ماں سے ملنے نہیں گیا تو محمود اس کو تلاش کرتا ہوا شاہی لشکر میں پہنچ گیا اور یہاں کی بھول بھلیوں میں پھنس کر رہ گیا۔ وہ جس کسی سے بھی اپنے بھائی مسعود کا پتا پوچھتا تھا، وہ امیر علائی کا پتا بتا دیتا تھا۔

آخر اس نے مسعود کو راستے میں پکڑ لیا اور شکایتاً کہا "بھائی! ماں آپ کا انتظار کر رہی ہے اور آپ ملنے تک نہیں آئے۔"

مسعود نے اپنے آس پاس دیکھا کہ کوئی وہاں موجود تو نہیں ہے تو ایک شخص دکھائی دیا۔ یہ شاہی فوج کے صدی دستے کا سالار تھا۔

مسعود نے اپنے بھائی کو سرگوشی میں سمجھایا "اس وقت تو یہاں سے چلا جا۔"

محمود اپنے معمولی لباس کی وجہ سے شرما رہا تھا' کہنے لگا "آپ میرے ساتھ چلیں اسی وقت کیوں کہ میں نے ماں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ میں ابھی بھائی کو لے کر آتا ہوں۔ اس لیے میں آپ کو لیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"

مسعود کو غصہ آرہا تھا۔ آخر بحث و مباحثے نے طول پکڑا اور دونوں بھائی جھگڑنے لگے۔ نوبت ہاتھاپائی تک پہنچی۔ آخر صدی دستے کا سالار ان کے پاس آیا اور پوچھا "امیر مسعود کیا بات ہے' یہ کون ہے اور کیوں جھگڑ رہا ہے؟"

مسعود کو اپنے نام کے ساتھ امیر کا اضافہ سن کر بے حد خوشی ہوئی' جواب دیا "یہ اسی بستی کا ایک لوہار ہے۔ جو مجھے زبردستی بستی میں لے جانا چاہتا ہے مگر میں شاہی مصروفیات چھوڑ کر کیسے اس کے ساتھ جا سکتا ہوں۔"

فوجی سالار نے محمود کو دھکے دے کر باہر نکال دیا اور مسعود سے کہا "آپ اندر تشریف لے جائیں۔"

محمود چلا گیا لیکن اسے دکھ بے حد پہنچا۔

بستی کے دوسرے لوگ بھی مسعود سے ملنے پہنچے مگر وہ کسی سے نہیں ملا۔ جبکہ واقعہ نویس شاعر ہر ایک سے ملتا پھر رہا تھا۔ وہ چوپال کے ہر بوڑھے سے ملا' محمود اور اس کی ماں سے ملا اور ان کو بتایا کہ اب مسعود کسی دن بھی امیر مسعود ہو جائے گا اور امیر مسعود سے ملنا معمولی بات نہیں۔

شاعر ہنسی ہنسی میں مسعود کا مذاق اڑاتا رہا۔ چوپال کے بوڑھوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ مسعود اتنا بدل سکتا ہے۔

کچھ دنوں بعد بادشاہ آگے روانہ ہو گیا اور مسعود کے رویے سے اس کی ماں کو جتنا دکھ ہوا اس کا اثر اختلاج قلب کی شکل میں ظاہر ہوا۔ وہ بولائی بولائی اِدھر اُدھر پھرتی رہتی تھی اور اسے کہیں سکون نہیں ملتا تھا۔

○☆○

سلطان محمد شاہ تغلق اودھ کے مختلف اضلاع سے گزرتا ہوا بہرائچ پہنچا۔ یہاں اس نے سید سالار مسعود غازی کے مزار پر حاضری دی۔ یہ سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے اور یہاں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے اور انہیں بزرگانِ دین میں شامل کر لیا گیا تھا۔ مزار کے قریب ہی ایک طرف بہت بڑا پتھر کا ہالا رکھا ہوا تھا۔ اس منوں وزنی ہالے کو وہاں کے لوگ کنھیا دیو کا ہالا کہتے تھے اور اس دیو کو سید سالار مسعود غازی نے زیر کیا تھا۔

خاص دہلی کی بہ نسبت دوران سفر مسعود کو بادشاہ کا زیادہ قرب حاصل ہوا لیکن وہ اکیلا ایک بار بھی نہیں ملا۔ امیر علائی سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔

بہرائچ میں بادشاہ کا قیام زیادہ رہا اور یہیں مسعود کو امیر علائی کے ذاتی خیمے میں آنے جانے کا زیادہ موقع ملا اور یہیں پر پہلی بار اس نے امیر علائی کی بیوی اور اس کی بیٹی زبیدہ کو دیکھا۔ اپنی آمدورفت کے تسلسل اور تواتر سے مسعود' امیر علائی کی بیوی اور بیٹی زبیدہ سے بہت قریب ہوتا چلا گیا۔ زبیدہ بھی خوب صورت تھی مگر زیب جتنی نہیں۔

یہیں بہرائچ میں اپنے قیام کے دوران محمد شاہ تغلق نے مسعود کی کسی بات سے خوش ہو کر امیر علائی سے کہا "اے امیر علائی! تیرا کیا خیال ہے' یہ مسعود جسے تیری سرپرستی میں دیا گیا ہے۔ مجھے تو بہت لائق اور قابل جوان لگتا ہے۔ تیرا کیا خیال ہے اگر میں اس کو اپنے درباری امرا میں شامل کر لوں اور اپنی مملکت کے کسی تعلقہ کا جاگیردار بنا دوں۔"

امیر علائی' بادشاہ کی تجویز سے بہت خوش ہوا اور تائید کی "بے شک' مسعود اس کا مستحق ہے۔ لیکن حضورِ والا! ابھی کچھ توقف فرمائیں۔"

اور دونوں میں اصولی طور پر یہ طے پا گیا کہ بادشاہ دہلی واپس پہنچنے کے بعد مسعود کو اپنے درباری امرا میں شامل کر لے گا اور یہ بھی طے پایا کہ نہالی کا تعلقہ امیر مسعود کے حوالے کر دیا جائے گا۔

محمد شاہ تغلق اور امیر علائی کی اس گفتگو کو راز میں رکھا گیا اور اسی رات جب امیر علائی اپنی بیوی اور بیٹی زبیدہ کے ساتھ ماحضر تناول کر رہا تھا تو اس میں مسعود کو بھی شامل کر لیا گیا۔ مسعود نظریں نیچی کر کے آہستہ آہستہ کھانا کھانے لگا۔

کھانے کے دوران امیر علائی نے کہا "میرا خیال ہے اب مسعود کو بادشاہ کے درباری امرا میں شامل کر دیا جائے گا۔"

مسعود' امیر علائی کے اس فقرے پر اتنا خوش ہوا کہ اس کی بھوک پیاس اڑ گئی۔

امیر علائی کی بیوی نے تائید کی "بہت اچھا خیال ہے آپ کا۔ یہ جوان اس لائق ہے کہ اسے امیر بنایا جائے۔"

امیر علائی نے زبیدہ کو حکم دیا "بیٹی! تو کچھ دیر کے لیے یہاں سے چلی جا۔"

زبیدہ فوراً چلی گئی اور مسعود کن انکھیوں سے اس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ امیر علائی کن انکھیوں سے مسعود کو دیکھ رہا تھا۔

امیر علائی نے کہا "اب نہالی کے امیر کی جگہ جس نئے امیر کو دی جائے گی اس کے لیے میرا یہ منصوبہ ہے کہ اپنے داماد کو یہ منصب دلوادوں گا۔"

مسعود تلملا کر رہ گیا۔

بیوی نے تجویز پیش کی "میرا خیال ہے کہ یہ مسعود آپ کا داماد بننے کا ہر طرح اہل ہے۔"

امیر علائی نے تقریباً اپنی بیوی کی یہ تجویز رد کردی اور کہا "یہ اہل ہو سکتا تھا لیکن افسوس کہ یہ شادی شدہ ہے اور دو بچوں کا باپ ہے۔"

مسعود بے حد بے چین تھا اور وہ اس موقعے کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا' دبے لفظوں میں کہا "لیکن اسلام میں تو چار شادیاں جائز ہیں۔"

امیر علائی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا "جائز تو ہیں مگر فرض نہیں ہیں۔"

امیر علائی کی بیوی نے کہا "اس کی بیوی غریب باپ کی بیٹی ہے۔ وہ بھی ایک کونے میں پڑی رہے گا۔"

امیر علائی نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور بیوی کو ڈانٹتے ہوئے کہا "تو کیسی احمقانہ بات کرتی ہے' کیا تجھ کو یہ بات اچھی لگے گی کہ میں اپنی بیٹی کی وجہ سے بادشاہ سے اس کو جو کچھ دلواؤں گا اس میں اس کی پہلی بیوی اور بچے برابر کے حصے دار بن جائیں؟"

بیوی نے مایوسی سے کہا "یہ بات تو ہے۔ تب پھر آپ اس منصب کے لیے کسی اور کو تلاش کریں۔"

امیر علائی نے مسعود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر یہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو میں اپنی بیٹی زبیدہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں گا اور اسے اسی کے آبائی علاقے کا جاگیردار بنوادوں گا۔"

بیوی نے کہا "طلاق کے بعد بھی تو اس کی اولاد اس کے تعلقہ اور اس کی جائداد میں حصے دار ہوگی۔"

امیر علائی دسترخوان سے اٹھ گیا اور انگڑائی لیتے ہوئے کہا "مجھے اس کی اولاد سے کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ان پر مجھے کوئی اعتراض ہے کیوں کہ طلاق کے بعد اس کے دونوں بچے اپنی ماں کے پاس رہیں گے۔"

امیر علائی باہر نکل گیا۔ امیر علائی کی بیوی بھی دسترخوان سے اٹھ گئی۔ اب دسترخوان پر مسعود تنہا رہ گیا تھا پھر وہ بھی اٹھ گیا۔

یہ سردی کا موسم تھا اور رات کو سونے سے پہلے لوگ انگیٹھیوں کے سامنے بیٹھ جاتے تھے۔ مسعود بھی اپنے خیمے میں انگیٹھی کے پاس بیٹھا' ہاتھ سینکتا رہا اور اپنی اولاد اور زیب کے مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا۔

انگیٹھی کی آنچ اس کے چہرے تک پہنچ رہی تھی جس سے اس کے رخسار لال اور پیشانی تمتما گئے تھے۔ اس وقت اس کا درخشاں مستقبل تصور میں اپنی تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ موجود تھا۔ اس کے نام کے ساتھ لفظ امیر کا اضافہ ہو چکا تھا اور اس کا آبائی علاقہ بادشاہ کی طرف سے جاگیر میں عطا ہوا تھا جہاں اس کی ماں رہتی تھی' اس کا بھائی رہتا تھا جہاں نور محمد کی چوپال تھی اور اس چوپال کے ہر بوڑھے سے اس کی بڑی واقفیت تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جب وہ امیر مسعود کی حیثیت سے اپنے علاقے کا نظام سنبھالے گا تو نہالی کے سبھی لوگ اور خاص کر نور محمد کی چوپال کے بوڑھے اس سے بے تکلفانہ ملنے آیا کریں گے جب کہ امارت کے لیے یہ ضروری ہے کہ امیر اور رعایا کے درمیان فاصلہ رہے۔

اب وہ شدید الجھن کا شکار تھا۔ ایک طرف زیب تھی' دونوں بچے تھے اور دوسری طرف امارت تھی' آبائی تعلقہ تھا' حکومت تھی۔

بادشاہ دہلی واپس گیا۔

امیر علائی نے دہلی پہنچنے کے بعد مسعود پر واضح کردیا کہ امیر کا جو منصب خالی ہے اسے فوری طور پر پُر کرنا ہے اس کے لیے مسعود بھی فیصلہ کرلے کہ اس کو یہ منصب درکار ہے یا نہیں؟

مسعود نے تقریباً ہاتھ ملتے ہوئے کہا "درکار تو ہے مگر وہ طلاق والی شرط۔ زیب اور میرے دونوں بچوں کا کیا ہوگا؟"

امیر علائی نے جواب دیا "تجھے اپنی بیوی کو طلاق دے دینا چاہیے۔ طلاق کے بعد دونوں بچے بھی اسی کے پاس رہیں گے۔ اس کے بعد ہم تیری شادی زبیدہ سے کردیں گے اور تو باقاعدہ امیر بنادیا جائے گا۔ پھر تجھے تیرا آبائی علاقہ بطور جاگیر بخش دیا جائے گا۔"

مسعود نے خاموشی اختیار کی اور یہ خاموشی دو ہفتے تک طاری رہی۔ اس دوران وہ ایک بار بھی اپنی بیوی بچوں سے ملنے نہیں گیا۔

شمالی ہمالیائی کوہستان سے اٹھنے والی سردی کی شدید لہر نے پورے شمالی ہند کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ دہلی میں سرِ شام ہی دروازے بند ہوجاتے تھے اور لوگ کھانا کھاکر لحافوں

میں گھس جاتے تھے۔ جن گھروں میں لوگ کسی وجہ سے زیادہ دیر تک جاگتے تھے وہ انگیٹھیوں کے سامنے بیٹھ جاتے۔ ہاتھ سینکتے اور قصے کہانیاں سناتے تھے۔

ایسے ہی سرد موسم میں زیب مسعود کا انتظار کر رہی تھی۔

بادشاہ کو دہلی آئے ہوئے پچیس دن گزر چکے تھے۔ بادشاہ کے ساتھ مسعود بھی واپس آ چکا تھا مگر ابھی تک وہ اپنے بیوی بچوں میں نہیں پہنچا تھا۔ زکریا نے کئی بار امیر علائی تک پہنچنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ لیکن ایک روز مغرب کے بعد مسعود اپنے گھوڑے پر سوار زکریا کے گھر پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گٹھڑی تھی اور گٹھڑی میں وہ زیب کے لیے چند زیور اور بچوں کے لیے کپڑے اور چند کھلونے لایا تھا۔

گھر میں دھوم مچ گئی۔ ہر طرف ایک بھگدڑ سی مچی ہوئی تھی۔ زکریا نے اس سے شکایت کی "میں نے بڑی کوشش کی کہ تجھ سے ملاقات ہو جائے لیکن امیر علائی کے دربانوں نے گالیاں دے کر بھگا دیا۔"

مسعود نے کوئی جواب نہیں دیا اور پوچھا "زیب کہاں ہے؟"

زیب اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے انگیٹھی کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ وہ مسعود سے بہت ناراض تھی۔

زکریا نے زیب کے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "زیب وہاں کمرے میں موجود ہے، وہ تجھ سے بہت ناراض ہے۔"

مسعود آہستہ آہستہ کمرے کے دروازے پر دستک دینے لگا لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ آخر مسعود نے خشک لہجے میں کہا "دروازہ کھول دے ورنہ میں واپس چلا جاؤں گا۔"

زیب نے جھٹکے سے زنجیر کھول دی اور زنجیر کا چھناکا باہر تک سنائی دیا۔ مسعود اندر داخل ہوا۔ اندر انگیٹھی کے سامنے ایک پیڑھی پڑی ہوئی تھی۔ ذرا دیر بعد زیب ایک دوسری پیڑھی لیے ہوئے نمودار ہوئی اور انگیٹھی کے دوسرے طرف رکھ کے پہلی پیڑھی پر خود بیٹھ گئی۔ جس کا یہ مطلب تھا کہ اس دوسری پیڑھی پر مسعود بیٹھ جائے لیکن مسعود نے اپنی گٹھڑی پلنگ پر رکھ کر کھولی اور اس میں سے بچوں کے کپڑے نکال کر پوچھا "وہ دونوں کہاں ہیں۔"

زیب نے غصے سے کہا "اب اتنے دنوں کے بعد بچوں کا خیال آیا؟"

مسعود نے پھر وہی سوال کیا "وہ دونوں کہاں ہیں؟"

زیب نے جواب دیا "وہ دونوں سو گئے۔ وہ آپ کو بے حد یاد کرتے تھے۔"

مسعود نے بچوں کے کپڑے پلنگ پر رکھ دیے اور کہا "میں نے انہیں اندازے سے سلوالیا تھا، امید ہے یہ صحیح ہوں گے۔ صبح پہنا کر دیکھ لینا اگر بڑے ہوں تو کاٹ چھانٹ کر خود صحیح کر لینا۔"

اس کے بعد مسعود نے سونے کے دو کنگن زیب کے ہاتھوں میں ڈالے اور دو خوب صورت بالیاں کانوں میں پہنا دیں۔ بالیوں میں قیمتی موتی جڑے ہوئے تھے۔

زیب نے خفگی کا اظہار کیا اور مزاحمت کرتی رہی۔ مگر مسعود نے پہنا کر ہی دم لیا اور کہا "زیادہ پریشان نہ کر بس آج کے بعد میں تجھے زحمت نہیں دوں گا۔"

اس کے بعد مسعود نے دو ہزار اشرفیوں کی تھیلی زیب کے ہاتھ میں پکڑا دی اور کہا "یہ دو ہزار ہیں اور زیادہ درکار ہوں تو بتا دے۔"

زیب اس کی اکھڑی اکھڑی باتوں سے پریشان ہو گئی۔

اب مسعود انگیٹھی کے سامنے دوسری پیڑھی پر بیٹھ گیا۔ دوسری پیڑھی پر زیب بیٹھ گئی اور پوچھا "یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، کیسی اجنبی جیسی۔"

مسعود نے جواب دیا "ہاں زیب! کچھ دیر بعد ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو جائیں گے۔"

ایک شخص

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور شکایت کی کہ اس نے کسی جگہ کچھ مال دفن کیا تھا مگر اب وہ جگہ یاد نہیں آتی۔

امام اعظم نے فرمایا "یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں ہے جس کا تمہیں حل بتایا جائے۔ اچھا ایسا کرو آج تمام رات نفل پڑھتے رہو۔ انشاء اللہ وہ جگہ تمہیں یاد آجائے گی۔"

اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ ابھی چوتھائی رات بھی نفل پڑھتے ہوئے نہ گزری تھی کہ اسے جگہ یاد آگئی اور اس نے نوافل پڑھنا بند کر دیے۔

صبح کو اس نے حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی۔

امام اعظم نے فرمایا "مجھے یقین تھا کہ شیطان تجھے نوافل نہیں پڑھنے دے گا اور تجھے جگہ یاد دلا دے گا۔ اچھا ہوتا کہ تو شیطان کو جلانے کے لیے بقیہ تمام رات نوافل پڑھ کر خدا کا شکر ادا کرتا۔"

زیب نے بڑے دکھ سے مسعود کی طرف دیکھا۔ وہ رو رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل نکل کر رخساروں کو تر کر رہے تھے۔ چند آنسو انگیٹھی میں گرے تو چھناکوں کی آواز سنائی دی۔

اس نے نیفے سے ایک کاغذ نکالا اور زیب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "زیب! میں نے تجھے طلاق دی۔"

زیب کو ایسا لگا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ چیخ کر پوچھا "میری خطا' میرا گناہ' میری غلطی؟ آخر کیوں؟"

مسعود نے کہا "اگر یہ دو ہزار اشرفیاں کم ہیں تو بتا دے' میں اور بھیج دوں گا۔"

زیب نے باپ کو آواز دی "ابا! یہ مجھے طلاق دے رہے ہیں۔"

مسعود نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا اور کہا "باپ کو آواز نہ دے۔ بچوں کا خیال رکھنا اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں انہیں ششماہی خرچ بھیجتا رہوں گا۔"

اس کے بعد زیب نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اپنی پیڑھی پر دوبارہ بیٹھ گئی اور اس بار انگیٹھی سے چھن چھن کی آوازیں دیر تک آتی رہیں۔

زکریا تیزی سے مسعود کی طرف لپکا۔ وہ پوچھ رہا تھا "کہاں' کہاں۔۔۔ تو کہاں جا رہا ہے؟"

مسعود جست لگا کر گھوڑے پر سوار ہوا اور امیر علائی کی حویلی روانہ ہو گیا۔

زکریا نے زیب سے سوالات کی بوچھار کر دی۔ "آخر بات کیا ہوئی؟ یہ ابھی تو آیا تھا اور اتنی جلدی واپس بھی چلا گیا؟"

O☆O

امیر علائی نے اپنی بیٹی کی شادی کرنے سے پہلے مسعود سے پوچھا "نہالی میں تیرے کتنے عزیز اور رشتے دار رہتے ہیں؟"

مسعود نے اپنے لوہار بھائی کی وجہ سے ماں کا بھی ذکر نہیں کیا اور کہا "نہالی میں میرا کوئی خاص عزیز نہیں رہتا۔"

امیر علائی نے کہا "میں نے اس تعلقہ کا فرمان تیرے حق میں حاصل کر لیا ہے۔ امیر نظام کو بہرائچ بھیج دیا جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ جب تو اپنے تعلقہ کا نظم و نسق سنبھالے تو تیرا واسطہ ان لوگوں سے نہ پڑے جن کے ساتھ تو نے اپنی غربت کے ایام گزارے ہیں۔ میں تیرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی نہالی کا نقشہ بدل دوں گا۔"

زبیدہ سے شادی کرنے کے چھ ماہ بعد جب وہ نہالی پہنچا تو واقعی وہاں کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اب وہاں نہ تو محمود تھا نہ اس کی ماں تھی' نہ نور محمد کی چوپال تھی اور نہ پوری بستی میں عارض' نظام اور کبیر نامی بوڑھے تھے۔ معلوم ہوا ان سب کو زبردستی بے دخل کر کے دور دراز علاقوں میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اب جس نہالی کا مسعود نیا نیا امیر بن کے آیا تھا وہاں کے لوگ بھی نئے نئے تھے اور ان لوگوں کے درمیان خاصا فاصلہ قائم ہو گیا تھا۔

نہالی آنے کے بعد مسعود سالوں دہلی نہیں جا سکا۔ اس لیے اس کے دونوں بچوں کو وعدے کے مطابق ششماہی رقم بھی نہیں پہنچی۔

تقریباً دس سال کے بعد جب محمد شاہ تغلق کا ٹھٹھہ میں انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ مرحوم بادشاہ کا چچا زاد بھائی فیروز شاہ تغلق حکمران ہوا تو ملک بھر کے امیروں' تعلقہ داروں اور اعلیٰ عہدے داروں کو اپنے اپنے عہدوں کی تجدید کے لیے دہلی میں حاضری دینا پڑی۔

مسعود بھی اسی سلسلے میں دہلی گیا۔ اب امیر علائی کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ تجدید امارات کے بعد وہ اپنے بچوں سے ملنے زکریا کے گھر گیا تو لوگوں نے بتایا کہ اس کے دونوں بچے چھت کے گرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے اور محلے والوں کا خیال تھا کہ یہ چھت امیر علائی کی سازش سے گرائی گئی تھی تاکہ یہ بچے بڑے ہو کر اپنے باپ کی جائداد اور تعلقہ میں وراثت کے دعوے دار نہ ہوں۔

زکریا اور زیب کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بدایوں چلے گئے۔

امیر مسعود چند دن دہلی میں رہ کر نہالی واپس چلا گیا۔

اب زبیدہ سے اس کے تین بچے تھے۔ اس نے اپنی زندگی میں جو کچھ بھی چاہا تھا وہ سب اسے مل گیا لیکن اسے اس کی اتنی قیمت ادا کرنی پڑی تھی کہ وہی جانتا تھا۔ کبھی کبھی رات کے سناٹے میں جب اسے اپنے بھولے بسروں کی یاد ستاتی تھی تو دل میں پھانس سی چبھتی محسوس ہوتی اور کبھی کبھی یہ چبھن ٹیس میں تبدیل ہو جاتی۔

آئے تھے دنیا میں اس دن کے لیے ۔۔۔ حز ۔۔

کہانی کے تاریخی پس منظر کے ماخذ

تاریخ فیروز شاہی	تاریخ فیروز شاہی	تاریخ فرشتہ	آئینہ حقیقت نما	تاریخ مبارک شاہی
ضیاء الدین برنی	شمس سراج عفیف	ابوالقاسم فرشتہ	مولانا اکبر شاہ خاں	یحییٰ سرہندی